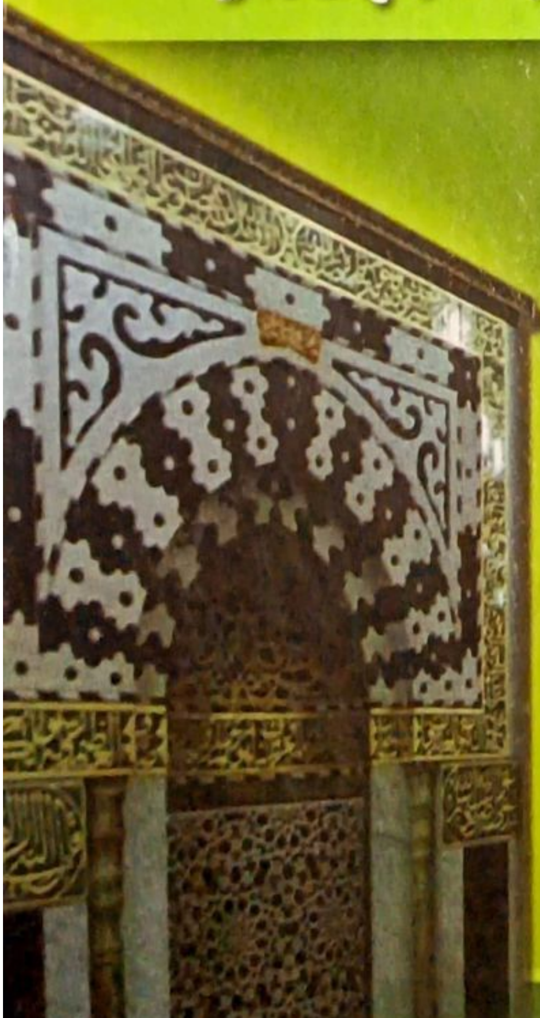
خطباتِ مفکرِ اسلام

مفکرِ اسلام علامہ قمر الزماں خاں صاحب اعظمی دامت برکاتہم القدسیہ
کے
ایمان افروز، فکر انگیز اور پرمغز خطبات کا مجموعہ



مرتب
محمد ساجد حسین قادری
بانی وناظم جامعہ انوار الحق، حیدرآباد

کتب خانہ امجدیہ دہلی

سیاح یورپ وامریکہ ایشیا وآفریقہ مفکر اسلام

حضرت علامہ محمد قمر الزماں خان اعظمی صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ

خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ وسکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ کے

ولولہ انگیز، فکر انگیز، مدلل، مبرھن، مفصل اور پُر مغز خطبات کا حسین مجموعہ

خطباتِ مفکر اسلام

مرتب: **محمد ساجد حسین قادری**

کامل الحدیث والفقہ جامعہ نظامیہ بانی وناظم جامعہ انوار الحق حیدرآباد

وایم اے سنٹرل یونیورسٹی آف حیدرآباد

ناشر

کتب خانہ امجدیہ دہلی / جامعہ انوار الحق، حیدرآباد

نام کتاب	:	خطباتِ مفکر اسلام
مرتب	:	محمد ساجد حسین قادری
پروف ریڈنگ	:	محمد ساجد حسین قادری
سن اشاعت بارِ اوّل	:	فروری ۲۰۰۴ء
سن اشاعت بارِ دوم	:	۲۰۰۹ء
تعداد	:	گیارہ سو
صفحات	:	480
کمپیوٹر سیٹنگ	:	افضل حسین بستوی، دہلی Mob. 9868594259
باہتمام	:	کتب خانہ امجدیہ، دہلی
قیمت	:	Rs. 250=00

تقسیم کار

کتب خانہ امجدیہ

۴۲۵، مٹیا محل، جامع مسجد، دھلی

Ph:- 011-32484831, Fax:- 011-23243187

E-mail: kkamjadia@yahoo.co.uk

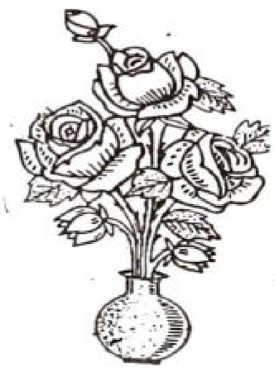
ملنے کا پتہ

جامعہ انوار الحق، حیدر آباد

موبائل نمبر: 09290192447

اس کے علاوہ اہلسنّت کے اکثر کتب خانوں سے حاصل کر سکتے ہیں۔

فہرستِ عناوین



عرضِ مرتب

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی حَبِیْبِهِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ

دلوں کی بات نگاہوں کے درمیاں پہنچی
جلا چراغ کہاں روشنی کہاں پہنچی

۱۹۹۲ء سے یہ تمنا دل میں موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مار رہی تھی کہ مفکر اسلام حضرت علامہ محمد قمر الزماں خاں اعظمی صاحب (سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ) کے دُرر نایاب جیسے خطابات کو صفحۂ قرطاس پر بکھیرا جائے۔ چنانچہ اُمید و آرزو کی یہ کرن اس وقت چمکی اور وہ ساعت سعید قریب آئی جب کہ مورخہ ۱۲/جنوری ۲۰۰۳ء کو حضرت علامہ صاحب قبلہ سے بصد احترام تحریراً یہ معروضہ رکھا گیا کہ حضور کے جملہ خطبات کو ترتیب دینے و زیور طباعت سے آراستہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ یہ معروضہ دیکھ کر نہ صرف یہ کہ حضرت علامہ صاحب قبلہ نے اظہار مسرت فرمایا بلکہ تحریری طور پر اس معروضہ کو دستخط خاص سے مزین فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا کہ ''محبِ محترم! آپ نے جس عظیم کام کا عزم کیا ہے۔ اس کام کے لئے پوری دنیا بھر میں مجھ سے مطالبہ ہو رہا ہے۔ اور میں نے آپ کو اس کی اجازت دیدی ہے۔ آپ چونکہ خود ایک ریسرچ اسکالر ہیں۔ چنانچہ ترتیب و تحقیق کا کام شروع کر دیں۔''

مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں خاں اعظمی صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ پوری دنیا میں کون ایسا مفکر و مصلح، پروفیسر و لکچرار، مقرر و خطیب، ڈاکٹر و انجینئر، عالم و فلسفی، استاذ و طالب علم، چھوٹا و بڑا ہوگا۔ جو حضرت علامہ صاحب قبلہ کی شخصیت سے شناسا نہ ہو۔ چونکہ حضرت علامہ صاحب قبلہ کے چند خطبات کو جناب عرفان ابراہیم نوری صاحب نے حصہ اول میں ترتیب دیا۔ چنانچہ یہ ۱۹/خطبات پر مشتمل ضخیم مجموعہ

حصہ دوم کے طور پر ہدیہ ناظرین ہے۔ انشاء اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ عنقریب حصہ سوم بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آنے والا ہے۔

ان خطاباتِ قیمہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ فقیر نے ان خطابات کو آقائے نامدار مدنی تاجدار، شہنشاہِ ذی وقار، سردار دو جہاں، حضور رحمتِ عالم سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کے قدمین شریفین (پائنتی مبارک) اور ریاض الجنۃ کی پیاری کیاریوں میں ماہ صیام کی مبارک ساعتوں میں بیٹھ کر پروف ریڈنگ کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ تاکہ شہنشاہ کون ومکان کے دربار گہربار کے برکات وحسنات لازوال دولت اس کتاب میں شامل رہے اور اسلاف صالحین کی متابعت بھی ہوجائے۔ جیسا کہ امام المحدثین حضرت سیدنا محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری شریف کے مسودہ کو ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر کے ترتیب دیا ہے اور حضرت شیخ الاسلام عارف باللہ حافظ محمد انوار اللہ فاروقی خاں بہادر فضیلت جنگ علیہ الرحمہ نے بھی اپنی کتاب مستطاب "انوار احمدی" کو بھی اسی عبقری بارگاہ میں بیٹھ کر تصنیف فرمایا ہے۔

"ایں سعادت بزورِ بازو نیست"

"ورنہ من آنم کہ من دانم"

حضرت علامہ صاحب قبلہ کے خطبات جلیلہ کی اہمیت وافادیت اور بے پناہ مقبولیت کے پیش نظر جمع وترتیب کا کام انجام دیا گیا تاکہ قارئین کے علمی ذوق کی نذر کیا جاسکے۔ ان خطبات میں ہر ممکن یہ کوشش کی گئی ہے کہ خوب سے خوب تر انداز میں ترتیب دیا جائے۔ اور آیاتِ قرآنیہ واحادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مآخذ ومراجع کے استخراج میں کسی قدر سعی کی گئی تاکہ تحریر میں مزید جامعیت پیدا ہو۔

زیر نظر خطبات کی وہ خاص خوبی جو ان خطبات کی تمام خوبیوں پر حاوی ہوگی اور دیگر خطبات سے اسے ممتاز کردے گی وہ یہ بھی ہے کہ مرتبہ خطبات میں بیشتر خطبات کی نظر ثانی خود حضرت علامہ صاحب قبلہ نے بنفسِ نفیس لندن کی سرزمین پر رہ کر کے فرمائی ہے۔ اور ان

خطبات کی ترتیب پر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ حضرت علامہ صاحب قبلہ کے بے پناہ خلوص، محبت، شفقت، نوازشات، عنایات اور دعواتِ مستجابہ خالصہ ہی کا یہ فیضان ہے کہ یہ ہیچمداں فقیر اس کام کے لائق ہوا اور خطبات کا یہ حسین گلدستہ اپنے حسن وجمال کی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ منظر عام پر آرہا ہے۔

قارئین کرام! جس قدر بھی ترتیب وتدوین کا کام ہوا ہے یہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ بتقاضۂ بشریت زیر نظر کتاب کی ترتیب میں کہیں کوئی سہو یا خامی دیکھیں تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ طبع ثانی میں اس کی اصلاح ہوسکے۔

اس عظیم کام میں میرے ان تمام ساتھی علماء، معاونین ومخلصین کا تہہ دل سے مشکور ہوں کہ جنہوں نے اس کام میں میرے دست وبازو بنے رہے۔ بالخصوص میں عالمی امیر تحریک سنی دعوت اسلامی، مقرر شریں بیاں، خطیب الملت والدین حضرت علامہ الحاج حافظ محمد شاکر علی نوری صاحب قبلہ ادام اللہ ظلہ علینا ودامت برکاتہم العالیہ کا میں انتہائی ممنون ہوں کہ انہوں نے مدینہ منورہ زاداللہ شرفہا کی مقدس فضاؤں میں ان خطبات کا مشاہدہ فرماکر تحسین فرمائی اور حمایت وشفقت اور اپنی مخصوص دعاؤں سے نوازا۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء

اور خاص کر میں مخلص قوم وملت عالی جناب یوسف سوداگر درویش صاحب اور جناب فاروق بھائی (یوسف کیسٹس باندرہ، ممبئی) اور ان کے جملہ متعلقین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے حضرت علامہ صاحب قبلہ کے خطابات کی آڈیو کیسٹس فراہم کیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین ودنیا میں اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں دعا ہے کہ حضرت علامہ صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کا علمی، فکری اور روحانی فیض وکرم ابر باراں بن کر عالم کے چپہ چپہ پر یوں ہی برستا رہے۔ اور دنیا تادیر مستفیض ہوتی رہے اور ان کے خطابات کی خوشبو سے مشام جان معطر ومعنبر ہوتی رہے۔ (آمین ثم آمین)

۱۵/ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ م ۲۷/فروری ۲۰۰۲ء

بحق سید الانبیاء والمرسلین

شرفِ انتساب

میں اپنی اس حقیر سی کاوش کو

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت

مولانا الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی

اور شیخ الاسلام، عارف باللہ،

حضرت الحافظ محمد انوار اللہ فاروقی، خان بہادر، فضیلت جنگ

(بانی جامعہ نظامیہ، حیدرآباد)

علیہما الرحمۃ والرضوان کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

☆☆☆

اور بالتخصیص شبیہ غوث اعظم، شہزادہ مجدد اعظم، حضور مفتی اعظم

حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری بریلی شریف

وجلالۃ العلم حضور حافظ ملت

حضرت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی مبارکپور

اور فاتح عرب وعجم، عطائے مجدد اعظم

حضور مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن عباسی قادری اڑیسہ

کی طرف شرف انتساب حاصل کر رہا ہوں۔

جن کے فیضان کرم نے علامہ قمر الزماں اعظمی کو نمایاں خصوصیات کا حامل بنا دیا

گر قبول افتد زہے عز و شرف

تأثر جمیل

حضرت مولانا حافظ الحاج **محمد شاکر علی** نوری رضوی صاحب

امیر عالمی تحریک سنی دعوت اسلامی (ممبئی)

باسمہٖ تعالیٰ عزوجل وبعون المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حکمت ودانائی قدرت کا بہت بڑا عطیہ ہے یہ کسی کو عطا ہو جائے تو گویا اس نے خیر کثیر پالیا۔ ''یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْراً کَثِیْراً''، حکمت ودانائی کے بغیر اصلاح انسانیت ناممکن ہے۔ خداوند قدس سے دوری اور پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے راہ فرار اختیار کر کے ذلت کی وادیوں میں بھٹکنے والے سرکش وناعاقبت اندیش لوگوں کو اللہ عزوجل سے قریب کرنے کے لئے خود اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ''اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ'' بندوں کے تعلق کو رب سے مضبوط کرنے کے لئے جو طریقہ اللہ عزوجل نے مقرر فرمایا وہ حکمت کے ساتھ موعظۂ حسنہ ہے۔ حکمت کا بہترین اظہار خطابت ہی ہے اصلاح امت کی ذمہ داری جن کاندھوں نے بھی اٹھائی اس کا موثر ذریعہ خطابت ہی رہا یہاں تک کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا بھی قیادت ونبوت کا لازمی حصہ خطابت ہی رہا۔ اگر ہم قرآن مجید کا بنظر غائر مطالعہ کریں تو حضرت آدم سے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم تک مذکور متعدد انبیاء ورسل کی دعوت و تبلیغ میں شان خطابت اور کلمات حکمت موجود پائیں گے۔ حکمت سے بھرپور چند الفاظ انسانوں کے ضمیر پر لگے ہوئے زندگی بھر کے گرد وغبار کو مٹا دیتے ہیں۔ گناہوں سے نفرت اور نیکیوں سے محبت کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ یہ کوئی قیاس یا مبالغہ نہیں بلکہ تاریخ اس بات پر گواہ بھی ہے اور روز بروز ہم مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔

یہ کتاب جس عظیم خطیب کے خطبات کا مجموعہ ہے رب قدیر نے ان کو ایک پختہ فکر اور قوت گویائی میں اپنے زمانے کا یکتائے روزگار بنایا ہے۔ خطابت فرمانے والوں کی کوئی کمی تو نہیں ہے لیکن جس کا خطاب دل ودماغ کو روشن کرنے کے ساتھ ساتھ کسی اہم مقصد کی طرف گامزن کردے وہ خداداد صلاحیت حضور مفکر اسلام میں ہے۔

حضور مفکر اسلام کی رفاقت میں کم وبیش ۱۳ر سالہ طویل عرصہ سے مختلف مقامات میں حاضری کا موقع میسر ہوا۔ ہم نے دیکھا ہندوستان کی زمین سے امریکہ وبرطانیہ کے مختلف شہروں میں خطابت کے میدان میں حضور مفکر اسلام سے استفادہ کرنے والوں کا جم غفیر ہے۔ سوسائٹی کا کریم طبقہ جس کی فکر، لب ولہجہ، دوراندیشی، انداز کشش اور اخلاق حسنہ سے متاثر ہوکر اپنی زندگی کو راہ اسلام پر لگادے وہ حضور مفکر اسلام ہی کی ذات نظر آتی ہے۔

مفکر اسلام کے خطابت کے اثرات احیاء عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر تحریک سنی دعوت اسلامی کے سالانہ اجتماع ممبئی میں ہم نے دیکھا ہے۔ جہاں لاکھوں فرزندان توحید وغلامان رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ ایک عجیب سماں ہوتا ہے۔ ابھی گذشتہ سے پیوستہ سال اسی اجتماع میں قرآن اور انسان کے موضوع پر حضور مفکر اسلام جب خطاب فرمارہے تھے۔ پولیس محکمہ کے ذمہ داران حضرات اس خطاب سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور جیسے ہی یہ اعلان ہوا کہ ابھی جو بیان ہوا ہے اس کی کیسیٹ آپ کو مکتبہ طیبہ پر اجتماع کے اختتام پر فوراً مل جائے گی۔ سب سے پہلے جس گروپ نے کیسیٹ خریدی وہ یہی پولیس والوں کا گروپ تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ فصاحت وبلاغت کسی پر ناز کرتی ہے تو وہ حضور مفکر اسلام کی شخصیت ہے تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ میں تو ایک طالب علم ہوں اور علماء ومشائخ کی بارگاہ کا ادنیٰ سوالی ہوں۔ مجھ جیسے کم علم کے پاس وہ الفاظ کہاں جو آسمان خطابت کے قمر کی شان میں کچھ لکھ سکے۔ خطیب اعظم کی شخصیت میرے تاثرات سے بے پناہ بلند ہے۔ ہم جیسے سینکڑوں طالب علموں کے دلوں میں جو جذبہ خدمت دین اور اصلاح کی فکر پیدا ہوئی ہے وہ بھی حضور مفکر اسلام کی مرہون منت ہے اللہ حضور مفکر اسلام کے سایۂ عاطفت کو دراز سے دراز فرمائے۔ خاکپائے علماء وصلحاء

عبدہٗ المذنب فقیر محمد شاکر نوری

۲۲ رشوال ۱۴۲۴ھ مطابق ۱۷ ردسمبر ۲۰۰۳ء

تقریظ جلیل

بحر العلوم جامع علوم عقلیہ ونقلیہ حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب اعظمی
شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم گھوسی ضلع مئو یوپی

علامہ قمر الزماں صاحب زید مجدہم نے کچھ دن تک "دار العلوم اشرفیہ" میں تعلیم حاصل کی اس وقت بھی آپ کا یہی حال تھا کہ

بالائے سرش زہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

بعد میں وہ ایک بلند پایہ خطیب بن کر منبر خطابت پر جلوہ گر ہوئے تو تمام سامعین بلکہ تمام مقررین نے ان کا لوہا مانا۔

وہ نہایت شریف، متواضع اور خلیق عالم دین ہیں۔ اور ان کی تبلیغی کوششوں کا میدان یورپ اور ہند دونوں ہیں اس کے علاوہ پوری دنیا میں اور سبھی علاقوں میں یکساں محبوب اور مقبول خطیب بلکہ دین کے ایک عظیم داعی مانے جاتے ہیں۔

مولانا تعالیٰ ان کے علم وعمل اور دین وتقویٰ اور تبلیغ وتاثیر میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین

عبد المنان اعظمی
شمس العلوم گھوسی ضلع مئو
۳ راگست ۲۰۰۳ء

تقریظ جلیل

حضرت علامہ مفتی ایوب مظہر صاحب

صدر المدرسین دار العلوم تنظیم المسلمین جائسی

دور حاضر میں دعوت وتبلیغ کا ایک موثر ذریعہ خطابت بھی ہے حضرت علامہ قمر الزماں خاں اعظمی مدظلہ العالی کا اندازہ خطاب نہایت فکری اسلوب نہایت ادیبانہ اور عنوانات انتہائی پُر مغز ہوتے ہیں۔

میرے سامنے ان کی تقاریر کا مجموعہ خطبات مفکر اسلام کا ذکر ہوا، جس کے مرتب عزیز گرامی مولانا ساجد حسین قادری زید مجدہ بانی و مہتمم معہد انوار الحق ایرہ گڑھ حیدر آباد ہیں۔

یہ جان کر مسرت ہوئی کہ علامہ کی فکری کاوشیں قلمبند کر لی گئیں مولیٰ تعالیٰ مرتب کو مزید علمی کارناموں کی توفیق دے۔ اور خطبات مفکر اسلام قبول عام عطا فرمائے۔ آمین۔

مفتی ایوب مظہر

صدر المدرسین دار العلوم تنظیم المسلمین جائسی، ضلع پورنیہ (بہار)

۲۵ رمئی ۲۰۰۸ء

تقریظ جلیل

جامع معقولات مفتی محمد ایوب خاں نعیمی صاحب

شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مرادآباد (یوپی)

نحمده ونصلی علی خیر الکریم وعلی آله الطیبین اجمعین

خطیب ملت مفکر اسلام حضرت علامہ علامہ قمر الزماں اعظم کے خطبات کو دیکھنے کا اور مختصر طور پر پڑھنے کا موقع ملا، جس سے اندازہ ہوا کہ علامہ نے سمندر در کوزہ کی تحقیق فرمائی ہے۔ ملک کے عقائد واحکام کو واضح طور پر اس طرح فرمایا کہ ہر چھوٹا، بڑا بڑی آسانی سمجھ جائے یہ انہی کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر شان خطابت کا جوہر ودیعت فرمایا ہے کہ دقیق سے دقیق تر مسئلہ کو نہایت آسانی سے حل فرمادیتے ہیں۔ دعا ہے کہ مولا تعالیٰ ان کی خدمات کو شرف قبول سے نوازے اور پڑھنے والوں کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

خطبات کے مرتب عزیز گرامی مولانا محمد ساجد حسین صاحب قادری کے لئے دعا ہے کہ مولا سبحانہ ان کو عمر دراز کی دولت اور ملت کی خدمت سے بہرہ ور فرمائے اور ہمیشہ اپنی رضا پر قائم رکھے۔ آمین۔ بجاہ خیر الکریم علیه وعلیٰ آله الطیبین اجمعین

فقیر محمد ایوب خان نعیمی

شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مرادآباد (یوپی)

تقریظ جلیل

حضرت علامہ و مولانا محمد ظہیر الدین خاں

پرنسپل سنی دار العلوم محمدیہ و خطیب و امام اسماعیل حبیب مسجد ممبئی

مولانا قمر الزماں اعظمی سکریٹری جنرل دی مورا ڑ اسلامک مشن لندن کی تقاریر کو عزیز گرامی منزلتی مولانا محمد ساجد حسین قادری (حیدر آباد) نے بہت ہی جانفشانی کے ساتھ ترتیب دیا ہے یقیناً یہ ایک لائق صد ہزار تحسین اقدام ہے۔ فی زمانہ اکثر خطباء و مقررین کو کسی نہ کسی تقریر کے مجموعہ کو پڑھ کر ہی تقریر کرنے کی عادت ہوا کرتی ہے۔ ایسے اہم تقاضہ کی تکمیل اس مجموعہ سے ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب خطباء و مقررین کے لئے ایک خاص تحفہ ہے۔

خدائے قدیر و جبار کی بارگاہ کرم میں دعا ہے کہ وہ بطفیل حبیب احمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء مسلک حق سوادِ اعظم اہلسنّت و جماعت کے عظیم کاز کو اس کتاب کے ذریعہ عام سے عام تر فرمائے اور مرتب کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ (آمین بجق طٰہٰ و یٰسین)

(مولانا) محمد ظہیر الدین خاں

پرنسپل سنی دار العلوم محمدیہ و خطیب و امام اسماعیل حبیب مسجد ممبئی

۱۶/ جولائی ۲۰۰۸ء

کچھ مرتب کے بارے میں

مولانا محمد ساجد حسین قادری جن پر اللہ جل مجدہ کا خاص کرم ہے کہ نوجوانی ہی میں یہ نہ صرف ایک عالم دین کی حیثیت سے بلکہ ایک شعلہ بیاں مقرر و خطیب، مرتب و مصنف و مدرس کی حیثیتوں سے شہر حیدر آباد و سکندر آباد میں بلکہ دیگر اضلاع میں مقبول عام ہو چکے ہیں۔

موصوف کی ابتدائی تعلیم جامعہ غوثیہ رضویہ لنگم پیٹ میں ہوئی۔ جہاں انہوں نے ابتدائی ۵ رسالہ عالم کورس اپنے والدین کریمین مدظلہما کی راست نگرانی اور حضرت علامہ مولانا محمد ابو الحسن علی رضوی صاحب قبلہ بانی و مہتمم جامعہ اور عالم جلیل فاضل نبیل حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ممنون حسین اشرفی صاحب قبلہ سابق صدر المدرسین جامعہ غوثیہ رضویہ و موجودہ استاذ مدرسہ اشرفیہ نظامیہ فتح پور بھاگلپور کی خدمت میں شرف تلمذ حاصل کر کے تعلیم و تربیت مکمل کی۔ اس کے بعد جنوبی ہند کی قدیم و عظیم مقبول بارگاہ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) درسگاہ جامعہ نظامیہ سے مولوی دوم تا کامل الحدیث و کامل الفقہ (تخصص و افتاء) کی تکمیل کی اور دوران تعلیم پانچ تمغے حاصل کئے جس میں تین گولڈ میڈلس اور دو سلور میڈلس شامل ہیں۔

جامعہ عثمانیہ سے بی۔اے (گرائجویشن) کیا اور سنٹرل یونیورسٹی آف حیدر آباد سے ایم اے (پوسٹ گرائجویشن) کیا اور اب فن حدیث پر پی۔ایچ۔ڈی (Ph.d) کے ریسرچ اسکالر ہیں۔ اور شہر حیدر آباد کی دینی اقامتی درسگاہ جامعہ انوار الحق کے بانی و ناظم ہیں۔

یوں تو کسی تقریر کو سن کر تحریر میں لانا کوئی کمال نہیں لیکن اسلوب بیان اور انداز گفتگو کو اس طرح تحریر کرنا کہ جس سے قاری کو یہ احساس نہ ہو کہ وہ تقریر پڑھ رہا ہے بلکہ قاری تقریر کی سماعت جیسا لطف اٹھائے یہ کمال ہے کچھ ایسا ہی کمال مولانا محمد ساجد حسین کی تحریر میں ملتا

کا استدلالات کے احادیث نبویہ اور آیات قرآنی وہ گیا کیا کام جو والا سہاگہ پر سونے بلکہ ہے۔ ہے آسان کرنا بیان ماخذ کا قرآنی آیات میں دور کمپیوٹرائزڈ کے آج ہے۔ گیا دیا بڑھا حسن ادا حق پورا کا متن کے اس اور کرنا تلاش حوالہ کا والسلام الصلوۃ صاحبہا علی نبویہ احادیث لیکن ہیں۔ سمجھتے خوب کو منزلت و قدر کی جانفشانی و محنت اس علم اہل ہے۔ نہیں کام معمولی کوئی کرنا

انشاء اللہ المستعان مجھے یقین ہے کہ زیر نظر کتاب قرآن پاک کے آفاقی پیغام کے ذریعہ عصر جدید کے عالمی پیچیدہ مسائل کے حل میں مفید ثابت ہوگی اور اس کے ذریعہ ہر خاص وعام کو اپنی اپنی سطح پر رہنمائی ملے گی۔ خدائے قدیر و جبار مدینہ کے تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے علامہ قمر الزماں خاں اعظمی صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کے سایہ عاطفت کو دراز سے دراز تر فرمائے اور ان کے فیضان علمی سے سب کو مستفیض ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے اور مولانا محمد ساجد حسین قادری زید مجدہٗ کے علم وتقویٰ میں روزافزوں اضافہ فرما کر تادم آخر خدمت علم دین پر مامور رکھے اور اپنی شان کے مطابق جزا عطا فرمائے۔

(آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین)

فقط

سگ بارگاہ غوث وخواجہ محمد عزیز علی اخلاق شرفی

سکریٹری جنرل مدینہ اسلامک مشن اسکول، حیدرآباد

''مفکر اسلام'' ایک تعارف

سیاح یورپ وامریکہ، ایشیا وافریقہ، مفکر اسلام حضرت علامہ محمد قمر الزماں خاں صاحب دامت برکاتہم القدسیہ کی شان میں زبان وقلم سے کچھ اظہار کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مماثل ہے۔ ان کا علم، تدبر، تفکر، تقویٰ وطہارت، سادگی ومتانت، تواضع وانکساری، اور اپنے صاف و شفاف کردار وعمل کے ذریعہ پورے عالم اسلام میں یکساں مقبولیت کے حامل ہیں۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ حسب ذیل شعر حضرت علامہ صاحب قبلہ کی شخصیت پر حرف بہ حرف صادق آرہا ہے۔

اٹھائے کچھ ورق لالہ نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری

مفکر اسلام حضرت علامہ محمد قمر الزماں خان اعظمی صاحب قبلہ دام فیضہ القوی کا اجمالی تعارف خطیب الہند، عالمی شہرت یافتہ ممتاز عالم دین، مفکر ملت، حضرت علامہ مولانا محمد عبید اللہ خان اعظمی صاحب قبلہ مدظلہ العالی (ممبر آف پارلیمنٹ راجیہ سبھا) یوں پیش کرتے ہیں۔

''ہندوستان کا وہ مایہ ناز فرزند جس نے عالم اسلام میں اپنے کردار وعمل اور علم ویقین اور اپنی فکر وبصیرت کی بنیاد پر اللہ کے فضل وکرم اور اس کے مقدس رسول کی عظیم دین کے سایہ میں پوری دنیا سے اسلامی فکر ونظر کا لوہا منوایا۔ میں نے کل کے روز کہا تھا کہ عبید اللہ خان اعظمی کی شکل میں آپ نے لہلہاتے ہوئے سمندر پر اس کے موجوں کے ساتھ اٹھتی ہوئی جھاگ دیکھی ہے۔ کل میں اسی بحر تلاطم کے نیچے چمکنے والے موتی کو آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

ہم برادرِ گرامی وقار مفکر اسلام، اہلسنّت و جماعت کے انٹرنیشنل ترجمان، غزالی دوراں

حضرت مولانا الحاج محمد قمرالزماں خاں اعظمی صاحب دامت برکاتہم القدسیہ کے خطاب سے سرفراز ہونے جارہے ہیں۔

ریاضِ دیں کے معصوم غنچے سموم کفر سے مرجھا رہے ہیں
انہی کو تازگی دینے کی خاطر یہ وارث انبیاء کے آرہے ہیں

ورلڈ اسلامک مشن کے سکریٹری جنرل، نام ان کا قمرالزماں ہے اور نام نے اپنے کام کی پہچان بھی کروائی ہے ہندوستان کے قمر ہوتے تو صرف ہندوستان کی سرحدوں تک ان کی روشنی کے اجالے سے لوگ مستفید ہوتے۔ مگر وہ زمانے کے قمر ہیں، اور آپ دیکھیں گے کہ کس طرح اس چاندنی سے آپ کے دل و دماغ منور ہوتے ہیں اور دل و دماغ کی دنیا میں پہلی چاندنی بکھرتی ہے۔ اسلامی خدمات کے سلسلے میں ان کی عمر کی ایک عظیم تاریخ ہے جب تک ہندستان میں تھے تو ہندوستان کی سرزمین پر مختلف مذاہب کے لوگوں کے ساتھ اسلامی فکر ونظر کی ترجمانی میں اس کا جواب نہیں تھا۔ توریت وانجیل کے آئینہ میں اپنے بہترین قلم سے وہ اہل ہند کو جمال مصطفیٰ دکھلا چکے ہیں۔ اب انگلینڈ کی سرزمین پر ورلڈ اسلامک مشن کے جنرل سکریٹری ہونے کی حیثیت سے پوری دنیا کا دورہ ان کا مقدر بن چکا ہے۔ عالم اسلام کے دورے بھی کررہے ہیں۔ مستشرقین یورپ سے نگاہیں بھی ملا رہے ہیں۔ انگریزوں کی طرف سے اٹھتے ہوئے اسلام جیسے مہذب مذہب پر جملہ اعتراضات کا جواب بھی بن گئے ہیں۔ عشق رسول دلوں میں اتارنے کے لئے ہمارے بہترین آئیڈیل ہیں۔ اسلام اور مذاہب عالم کا مطالعہ کروانے کے لئے ہمارے بہترین اسکالر ہیں۔ میں حیدرآباد کی مہذب دنیا کے سامنے عالم تہذیب کے ایسے خورشید کو پیش کررہا ہوں جس کی روشنی میں سے عالم منور ہورہا ہے۔ آیئے آج آپ بھی اس روشنی سے بھرپور فائدہ اٹھایئے اور نعرۂ تکبیر ورسالت کی موج درموج لہروں کے ساتھ رس گھولتے الفاظ اور کھنکتے ہوئے لہجوں میں برادر گرامی وقار کو سماعت فرمایئے۔'' (یہ تعارف خطیب الہند نے مورخہ ۲۷؍مارچ ۱۹۹۷ء میں تاریخی مکہ مسجد میں منعقدہ ایک عظیم الشان کانفرنس میں پیش کیا تھا)

ولادت:

ولادت: صوبہ اتر پردیش میں اعظم گڑھ کی سرزمین علمی اعتبار سے بڑی زرخیز ہے۔ اس نے ہر زمانے میں دین وملت کی ناقابل فراموش شخصیات کو پروان چڑھایا ہے۔ جن کی حیات وخدمات کے زرین کارنامے آج بھی تاریخ کی پیشانی کے جھومر بنے ہوئے ہیں۔ انہیں میں ایک نام علامہ قمرالزماں صاحب اعظمی کا بھی آتا ہے۔ جو ضلع اعظم گڑھ کے ایک مردم خیز قصبہ ''خالص پور'' میں ۲۳؍مارچ ۱۹۴۶ء کو اس خاک دان گیتی پر جلوہ گر ہوئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے علم وفضل کی شعائیں یورپ وایشاء کی وسعتوں میں پھیل گئیں۔ کسے معلوم تھا کہ یہ علم فضل کی اس سرزمین پر آنکھیں کھولنے والا کل اپنی بے پناہ خوبیوں کے ساتھ ہزاروں گم گشتگان راہ کو سمت منزل کا پتہ دے گا۔ کفر کے دلدل میں پھنسے ہوئے افراد کو اسلام کے آبِ طہارت سے پاکیزگی بخشے گا۔

والد گرامی:

آپ کے والد گرامی کا نام نامی اسم گرامی ''عبدالحمید خان'' جن کا تخلص ناتواںؔ تھا۔ اہل خالص پور اور قرب وجوار کے لوگوں کا بیان ہے کہ جناب مولانا عبدالحمید خان مرحوم صوم وصلوٰۃ کے ساتھ تقویٰ وطہارت کے اعتبار سے بھی اپنے علاقے میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ ان کا قلب خشیت ربانی اور حبِ محبوب الٰہی سے ہر وقت معمور رہتا۔

علامہ قمرالزماں اعظمی کی تربیت سے متعلق ابتدا ہی سے آپ اس بات کا خاص خیال کرتے کہ میرا بیٹا ہر ممکن طور پر اسلامی رنگ وآہنگ سے آراستہ ہوجائے۔ اس حسن تربیت کا یہ اثر ہوا کہ آج علامہ اعظمی اپنے معاصرین میں نمایاں خصوصیات کے حامل شمار کئے جاتے ہیں۔ علامہ قمرالزماں اعظمی بیان فرماتے ہیں کہ آج بھی اپنے بتدائی دور کا تصور جب ذہن و فکر میں آتا ہے تو وہ ساعتِ سعید بار بار گردش کرنے لگتی ہے جسے یاد کرکے میں لذت محسوس

کرتا ہوں کہ جب میرے والد (عبدالحمید خاں) رات کے سناٹے میں تہجد کے لئے مسجد جاتے تو بڑی محبت سے مجھے نیند سے بیدار کرتے اور اپنے ساتھ مسجد لے جاتے۔ اس طرح والدمحترم جہاں دن کے اجالے میں شریعت اسلامیہ کے زیور سے سنوارنے کی کوشش کرتے وہیں رات کی تاریکیوں میں شب بیداری کی مشق بھی کراتے۔

یہ سعادت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے کہ بچپن میں دینی اقدار کے حاملین کی صحبت حاصل ہوئی ہو اور توحید و رسالت کے پُرکیف نغموں کو بہت قریب سے سننے کے ساتھ انہیں خوب خوب سمجھنے کا موقع بھی ملا ہو۔ انہی سب فیضان کا اثر ہوا کہ علامہ کی زندگی کے معمولات عام بچوں سے مختلف ہوتے چلے گئے اور آج بھی آپ جن باعظمت راہوں کے مسافر ہیں ان میں منفرد المثال پائے جاتے ہیں۔

آغاز تعلیم:

جس باپ کے دل میں شریعت اسلامیہ کی سچی محبت ہوتی ہے اس کی پہلی تمنا یہ ہوا کرتی ہے کہ میرا بیٹا عالم بن کر دین کی خدمت کا فریضہ انجام دے اور یہ خصوصیت جناب مولانا عبد الحمید خاں مرحوم کے اندر پورے طور پر موجود تھی۔ لہٰذا جب ان کے بیٹے نے شعور و آگہی کے صحن میں قدم رکھا تو ان کے دل میں یہ آرزو تیز تر ہونے لگی۔ پھر ایک ایسی صبح آئی کہ اپنے فرزند ارجمند کو لے کر قصبہ جین پور میں واقع اس احاطہ میں پہنچے جہاں قال اللہ و قال الرسول کی صدائے بازگشت گونج رہی تھی یعنی مدرسہ انوارالعلوم میں داخل ہوئے اور اپنے فرزند کو استاد کی خدمت میں بڑے فخر کے ساتھ پیش کر دیئے۔ رفتہ رفتہ تعلیم کی راہوں میں قدم آگے بڑھتے گئے۔

اس طرح ابتدائی تعلیم مدرسہ انوارالعلوم جین پور میں حاصل کرنے کے بعد اہل سنت کی عالمی شہرت یافتہ درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کا آپ نے رُخ کیا چند سال وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد درمیان ہی میں ندوۃ العلماء لکھنؤ چلے گئے۔ پھر ندوہ میں آپ نے تین سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب اپنے مربی استاذ جلالۃ العلم حضور حافظ ملت بانی الجامعۃ

الاشرفیہ کا دوبارہ پڑھنے کا حکم ہوا۔ تو آپ نے استاذ کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے دوبارہ مبارکپور میں تعلیم حاصل کرنے لگے۔ پھر چند سال کے بعد جلسۂ جشن دستار بندی کے موقعہ پر دیگر علماء ربانیین کی موجودگی میں آپ کے سر پر بھی "العلماء ورثۃ الانبیاء" کا تاج زرین رکھا گیا۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں آپ نے جن اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا وہ علمی، عملی اور فکری اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے۔ یہاں تک کہ کسی بھی فن کا کوئی پیاسا ایسا نہیں جس کی علمی تشنگی باقی رہ گئی ہو۔ ہم ذیل میں ان مقدس ہستیوں کے صرف اسماء ذکر کر رہے ہیں۔

(۱) جلالۃ العلم، استاذ العلماء حضور حافظ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مجوزہ عربک یونیورسٹی مبارکپور اعظم گڑھ

(۲) شہید فتویٰ رضویہ حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف صاحب بلیاوی قدس سرہٗ سابق نائب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور۔

(۳) بحرالعلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اعظمی دامت برکاتہم العالیہ سابق شیخ الحدیث وصدر مدرس الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور۔

(۳) اشرف العلماء حضرت علامہ الحاج سید محمد حامد اشرف صاحب مدظلہ العالی سابق مدرس جامعہ اشرفیہ مبارکپور بانی ومہتمم دارالعلوم محمدیہ ممبئی۔

(۵) ماہر معقولات حضرت علامہ ظفرادیبی صاحب قبلہ مبارکپوری سابق مدرس جامعہ اشرفیہ

(۶) حضرت علامہ محمد شفیع صاحب مبارکپوری سابق ناظم اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارکپور۔

(۷) حضرت الحاج قاری یحییٰ صاحب مبارکپوری سابق مدرس جامعہ اشرفیہ مبارکپور۔

بیعت وخلافت:

شبیہ غوث اعظم، رئیس الاتقیاء، حضرت علامہ الحاج محمد مصطفےٰ رضا نوری المعروف مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان سے حاصل ہے۔ مگر خشیت الٰہی کا یہ عالم ہے کہ اب تک بیعت و ارشاد کا سلسلہ مرشد سے اجازت حاصل ہونے کے باوجود آپ نے شروع نہیں فرمایا۔

دینی وملی خدمات:

دینی وملی خدمات کے باب میں علامہ قمر الزماں اعظمی صاحب شروع ہی سے بڑے متحرک وفعال رہے۔ ۱۹۶۴ء میں انہوں نے الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد یوپی، کی بنیاد ڈالی اور آج تک اس کی سرپرستی فرما رہے ہیں۔ الجامعۃ الاسلامیہ، اہل سنت کا ایسا مثالی ادارہ ہے جہاں سے ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں علماء، فضلاء وحفاظ اور قراء فارغ ہوتے ہیں۔ جامعہ کے فارغین دنیا کے بیشتر مقامات پر دینی وملی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جس کی فہرست طویل ہے۔

الجامعۃ الاسلامیہ روناہی کی تعمیر کے موقعہ پر آپ نے اپنے خون جگر سے شجرکاری کا ایسا فریضہ انجام دیا ہے کہ رہتی دنیا تک اسے یاد کیا جائے گا۔ وہ زمانہ کیا تھا جب فیض آباد کے دیہاتوں میں اپنے وقت کا عظیم مفکر کبھی پیدل اور کبھی سائیکل سے دور دراز علاقوں کا سفر کر کے تعمیر کے اسباب جمع کرتا تھا۔ اور کبھی مزدوروں کے ساتھ اینٹ، سیمنٹ اور ریتی ہاتھوں سے معمار کو دے کر سنت رسول کی لذت سے شاد کام ہو رہا تھا، جو زندگی کی معراج ہے۔

روانگیٔ برطانیہ:

۱۹۷۰ء کے اوائل میں ہی علامہ قمر الزماں اعظمی آسمان خطابت پر مہر درخشاں بن کر ایک عالم کو روشن کر رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پورے ہندوستان میں کوئی بھی بڑا اجلاس ہوتا اس میں مقررِ خصوصی کی حیثیت سے علامہ کی شرکت ضروری ہوتی۔ چنانچہ آپ کی اس اعلیٰ فکری صلاحیتوں کی بنیاد پر ۱۹۷۳ء میں ورلڈ اسلامک مشن کے تحت چند ماہ کے تبلیغی دورے پر آپ کو مدعو کیا گیا لیکن اس مدت میں وہاں کے لوگوں نے آپ کا دینی خلوص اور داعیانہ طرز کو دیکھ کر وہیں مقیم ہونے پر مجبور کر دیا مزید قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری صاحب علیہ الرحمہ کے شب وروز کی تبلیغی محنت ومشقت نے آپ کو وہاں سے آنے کی اجازت نہیں

دی۔ پھر آپ ورلڈ اسلامک مشن کے جوائنٹ سکریٹری منتخب ہوگئے اور اب جنرل سکریٹری کے عہدہ پر فائز ہو کر مشن کے سارے امور کو بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔ لہٰذا اس کامیابی کو دیکھ کر ذمہ داران تنظیم نے ۱۹۸۰ء میں سکریٹری جنرل کی حیثیت سے آپ کا انتخاب کر لیا۔ پھر آج تک اس ذمہ داری کو آپ دین کے ایک مخلص خادم کی حیثیت سے انجام دے رہے ہیں۔

ورلڈ اسلامک مشن:

اہل سنت وجماعت کی بین الاقوامی نمائندہ تنظیم ہے اس کا قیام ۱۹۷۳ء میں مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین پر دار الارقم میں ہوا۔ اس کے بانی کی حیثیت سے دو شخصیتیں نمایاں ہیں۔

(۱) قائد اہل سنت شہزادہ مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ احمد نورانی میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ (پاکستان) صدر ورلڈ اسلامک مشن

(۲) بانی مدارس کثیرہ رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ و الرضوان (ہندوستان) سابق نائب صدر ورلڈ اسلامک مشن

ورلڈ اسلامک مشن کے اغراض ومقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) غیر مسلموں کے درمیان اسلام کو مؤثر انداز میں پیش کرنا۔

(۲) اہل سنت وجماعت کی فکری، علمی، سیاسی رہنمائی کرنا۔

(۳) علماء اہل سنت کا رابطہ علماء اسلام سے خصوصاً علماء عرب سے قائم کرنا۔

(۴) پوری دنیا میں بسنے والے اہل سنت وجماعت کے درمیان ایک مربوط رشتہ قائم کرنا۔

(۵) پوری دنیا میں مساجد ومدارس قائم کرنا۔

(۶) مسلمانوں کی وہ آبادیاں جہاں کے بسنے والوں کے عقائد واعمال مسلک اعلیٰ حضرت سے ہم آہنگ نہیں ہیں ان کے درمیان اعلیٰ حضرت کا واضح تعارف پیش کرنا۔

ورلڈ اسلامک مشن کی خدمات:

اس تنظیم کے ذریعہ بہت سارے کارہائے نمایاں انجام پاتے ہیں، سینکڑوں مقامات پر مسجدیں تعمیر ہوئی ہیں بلکہ بعض ممالک تو ایسے ہیں جہاں پر سب سے پہلے مسجد تعمیر کرنے کا شرف ورلڈ اسلامک مشن ہی کو حاصل ہے۔ ناروے جسے دنیا کی چھت کہا جاتا ہے وہاں بھی سب سے پہلے مسجد تعمیر کرنے کا شرف جسے حاصل ہے وہ ورلڈ اسلامک مشن ہے۔ دنیا بھر میں درجنوں مدارس اس تنظیم کے تحت چل رہے ہیں، روس سے آزاد ہونے والے اسلامی ممالک میں سب سے پہلے دینی لٹریچر کی شکل میں دس لاکھ قرآن مقدس کے نسخہ تقسیم کرنے کا شرف اسی تنظیم کو حاصل ہے۔ نئی نئی زمینیں دریافت ہوتی ہیں اور اس کی خدمات پہنچ جاتی ہیں۔ پوری دنیا میں جہاں مسلمانوں پر ظلم ہوتا ہے ظالموں کے خلاف احتجاج اور مظلوموں کی حمایت میں اٹھنے والی سب سے قد آور آواز اسی تنظیم کی ہوتی ہے، سچ تو یہ ہیکہ ملت کے ہر کرب ناک موڑ پر تعاون کیلئے تنظیم اپنا ہاتھ بڑھاتی نظر آتی ہے۔

بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں کو سب سے زیادہ پناہ دینے والی، بیت المقدس کی بازیابی اور فلسطینی مجاہدین کی حمایت میں سب سے پہلی آواز بلند کرنے والی اور سلمان رشدی کی شیطانیت کے خلاف برطانیہ جیسی سرزمین پر زبردست مظاہرہ کرنے والی یہی تنظیم ہے۔ غرض آج کے پُر آشوب ماحول میں ملت اسلامیہ کو درپیش بے شمار مسائل کے حل کا نام ورلڈ اسلامک مشن ہے۔ اس کے علاوہ علامہ اعظمی صاحب بہت سی تنظیموں سے وابستہ ہیں یوں تو علامہ اپنی ذات میں خود انجمن ہیں لیکن کام کو وسیع پیمانے پر انجام دینے کے لئے افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی زاویہ کے پیش نظر علامہ موصوف کسی تنظیم کے بانی یا سرپرست کی حیثیت سے ضرور وابستہ ہیں تاکہ دنیا کے مختلف گوشوں سے ہمیشہ رابطہ رکھا جا سکے اور بدلتے ہوئے حالات سے برابر مطلع بھی ہو سکیں۔

مانچسٹر (برطانیہ) کی مرکزی مسجد کے آپ بانی ہونے کے ساتھ ساتھ خطیب و امام

بھی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت ساری تنظیموں سے آپ کی وابستگی اس طور پر ہے۔

(۱) نائب صدر	جامعہ مدینۃ الاسلام	ہالینڈ
(۲) ٹرسٹی (متولی)	النور سوسائٹی	ہوسٹن (امریکہ)
(۳) ٹرسٹی (متولی)	ورلڈ اسلامک مشن	کینیڈا
(۴) ٹرسٹی (متولی)	ورلڈ اسلامک مشن	ڈیلاس (امریکہ)
(۵) سرپرست	سنی دعوت اسلامی	ممبئی انڈیا
(۶) بانی	الفلاح یوتھ موومنٹ	بریڈفورڈ (امریکہ)
(۷) سرپرست	جامعہ انوار الحق	حیدرآباد

اخلاق و اخلاص:

آج کا دور ایک تجارتی دور ہے جہاں ہر بات مفاد کے پیش نظر کی جاتی ہے۔ اسی طرح اخلاقی قدریں جہاں سود وزیاں سے متاثر ہوتی ہیں وہیں مسکراہٹیں بھی تجارت بن کر رہ جاتی ہیں۔ آج ساری دنیا میں جو چیز سب سے زیادہ ناپید ہے وہ ہے اخلاق، جب کہ یہ ایسا عظیم سرمایہ ہے کہ جس کو حاصل ہو جائے اس انسان کی رفعت آسمان کی بلندی پر ہوتی ہے۔ اخلاق کے فضائل پر قرآن وحدیث شاہد عدل ہیں کہ اخلاق وہ قوت ہے جس کے ذریعہ دلوں پر حکومت کی جا سکتی ہے اور دنیا کو زیر کیا جا سکتا ہے۔ علامہ اعظمی کی شخصیت کا جب آپ مطالعہ کریں گے تو اس بحر بیکراں میں اخلاق کا موجیں مارتا ہوا سمندر پائیں گے، بلاشبہ علامہ موصوف صرف اخلاق مند نہیں بلکہ خلوص واخلاق کے پیکر ہیں۔

ایک موقع پر بیرون ملک سے آنے والے ایک مقتدر عالم دین نے یہ بات کہی تھی کہ بیرون ملک میں لوگ علامہ قمر الزماں اعظمی کو ''ابو الاخلاص'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ یہ صفت تو علامہ موصوف کا علامتی نشان بن گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ ہر کوئی ان کے اخلاق کا تہہ دل سے اعتراف کرتا ہے۔ ان کے خلوص کا یہ عالم ہے کہ اپنے تو اپنے پرائے بھی ان

کی اس خداداد صلاحیت وفطرت کی گواہی دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ صرف اپنے اکابرین کی بارگاہ میں نہیں جھکتے بلکہ اپنے سے چھوٹوں کے ساتھ بھی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔ ان کا سرافتخار صرف آسمان کی وسعتوں پر ہی نہیں اٹھتا بلکہ زمین پر انسانی پستیوں میں بھی جھانک کر دیکھتا ہے بڑوں کا ادب، چھوٹوں سے پیار ان کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان کی خاص محفل میں بیٹھنے والا حیرت واستعجاب کے سمندر میں غوطہ زن ہوجاتا ہے کہ اپنے وقت کا اتنا عظیم مفکر اور بہترین خطیب کس قدر تواضع وانکساری کا مالک ہے۔ یہ رب قدیر کا احسان عظیم ہے، ورنہ بعض ایسے ہیں جن کی خلوتیں جلوتوں سے جداگانہ نظر آتی ہیں، ان کا ظاہر باطن سے مختلف ہوتا ہے۔ ممبئی کے جناب عرفان بھائی ابراہیم نمک والا جنہیں میزبان حضور مفکر اسلام ہونے کا شرف حاصل ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت علامہ صاحب قبلہ کو مجھے بہت قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ رات میں دیر تک جلسہ سے واپسی ہوتی ہے۔ پھر چند ساعت میں اذان فجر کی صدا بلند ہوتی اور آپ نماز ووظائف سے فارغ ہونے کے بعد آرام کرنے کا جہاں قصد فرماتے کہ کوئی ملاقات کی غرض سے دروازہ پر دستک دیتا ہے۔ ایسے وقت پر ہم لوگ جواباً کہتے، ابھی حضرت آرام فرما ہیں بعد میں تشریف لائیں۔ مگر علامہ موصوف آرام پر ملاقات کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں، نہیں میاں! انہیں بلاؤ میں ملاقات کروں گا۔ پھر کبھی کبھی یہ ملاقات اتنی طویل ہوجاتی کہ آرام کا وقت ختم ہونے لگتا۔ اس کے باوجود اس قدر خندہ پیشانی سے محوِ گفتگو رہتے ہیں کہ سامنے والے کو محسوس ہونے تک نہیں دیتے کہ حضرت رات بھر کے جاگے ہوئے ہیں۔

اسی طرح وہ واقعہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۲۰۰۰ء میں علامہ موصوف علماء بریلی اور علمائے کچھوچھہ کے مابین فاصلے کو ختم کرنے کی ایک کوشش کر رہے تھے۔ اس موقعہ پر غازیٔ ملت سید محمد ہاشمی میاں کچھوچھوی نے فرمایا تھا: ”قمر الزماں! میں تمہارے اخلاص کا مکمل قائل ہوں، میں جانتا ہوں کہ تم جذبۂ اخلاص سے سرشار ہو کر یہ سعی کر رہے ہو“۔

انہیں خوبیوں کی وجہ سے ماضی قریب کے مقتدر علماء کرام کے آپ نہایت ہی قریب رہے۔

مفکر اسلام:

فکر کرنے والے کو مفکر اور اسلامی اقدار وروایات، تہذیب وتمدن سے متعلق جس کی فکر ہو اس کو مفکر اسلام کہتے ہیں۔ جب یہ بات آپ کے سمجھ میں آگئی ہو تو اب علامہ قمر الزماں اعظمی کی حیات وخدمات کا بغور مشاہدہ کریں تو آپ اس مرد مجاہد کی ہر تحریک وتقریر، جلوت وخلوت کو اسلام کے ارتقاء اور مسلمانوں کی زبوں حالی کے سدباب کی فکر میں ہمہ وقت مصروف عمل پائیں گے۔ اور یہ بات ذہن نشین رہے کہ مذہبی اعتبار سے مولوی، مولانا، حافظ وقاری ہوجانا آسان کام ہے مگر قائدِ مذہب وملت ہوجانا، قائدِ فکر ونظر ہوجانا یہ ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ جب انسان ان مراحل سے گذرتا ہے تب دنیا اسے مفکر اسلام کہتی ہے۔

مفکر اسلام محض ان کا لقب ہی نہیں ہے بلکہ صحیح معنوں میں یہ اسلام کے عظیم مفکر اور قوم مسلم کے عظیم مدبر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی نشست وبرخاست میں شریک ہونے والے ضرور اس بات سے آگاہ ہوں گے کہ ان کی بیدار فکر کا یہ عالم ہے کہ وہ ہر وقت، ہر لمحہ اسلامی فکر پیش کرتے ہیں۔ قومی درد کا یہ عالم ہے کہ کتنی بار ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرات موتیوں کی شکل میں ٹپکتے دیکھے گئے ہیں۔ جب بھی دعا کرتے ہوئے دیکھا گیا تو مسلمانوں کی عزت ووقار اور سربلندی ہی کی دعا کرتے ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ اسلامی فکر کو انہوں نے اپنا اوڑھنا، بچھونا بنالیا ہو۔

مفکر اسلام روایتی بنیاد پر دیا گیا لقب نہیں بلکہ ہر اعتبار سے حقیقت پر مبنی ان کا ایک طرۂ امتیاز اور علامتی نشان ہے۔ جس سے علماء وعوام دونوں بالاتفاق آپ کو مفکر اسلام کی حیثیت سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔

خطابت:

اسی طرح علامہ قمر الزماں اعظمی کو رب تعالیٰ نے بہت سے علوم وفنون سے نوازا ہے مگر جو فن سب پر غالب ہے وہ ہے فن خطابت۔ اس سے صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا

میں بالخصوص جہاں اردوداں طبقہ ہے وہاں علامہ موصوف میدان خطابت کے میر کارواں کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ گلبرگہ شریف کے کسی جلسہ میں آپ کی شرکت ہوئی۔ دورانِ تقریر وہاں کے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے ایک بڑا ہی پیارا جملہ استعمال فرمایا تھا جو وہاں موجود دانشورانِ ادب کی زبان زد ہوگیا تھا۔ وہ جملہ اس طرح تھا ''اے جوارِ بندہ نواز میں بسنے والو'' جوار بندہ نواز کی یہ فصاحت سے پُر اصطلاح اتنی انوکھی، میٹھی اور نرالی تھی کہ صرف یہ جملہ سن کر گلبرگہ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے کہا تھا۔ جوار بندہ نواز کی ترکیب کا استعمال بتا رہا ہے کہ علامہ قمر الزماں صرف زبان داں نہیں بلکہ زبان گو بھی ہیں۔

اسی طرح ایک مرتبہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایک ہال میں جہاں اردو کے اساتذہ بھی موجود تھے، جب آپ نے خطاب نایاب فرمایا تو اختتام تقریر پر طلبہ نے برجستہ عرض کیا تھا کہ

''حضرت آپ کو تو مسلم علی گڑھ یونیورسٹی میں اردو کا ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ ہونا چاہیئے''

آپ کی تقریر میں سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ آغاز تقریر سے اخیر تک ایک لمحہ بھی دنیاوی لطائف بیان کرکے محفل کو قہقہوں کی نذر نہیں ہونے دیتے۔ بلکہ تاریخ کی روشنی میں اسلامی فکر اور ایمانی اسپرٹ اس طرح لوگوں کے ذہن وفکر میں ڈالتے ہیں کہ ان کی بزم سے اٹھنے والا ہر شخص ایک نئی فکر اور نیا حوصلہ لے کر اٹھتا ہے۔ اور ایک کمال یہ بھی ہے کہ وہ اکثر حالاتِ حاضرہ پر گفتگو کرتے ہیں اور اس انداز میں کرتے ہیں کہ جملوں سے زیادہ دل کی گہرائی سے اپنا کرب اور اضطراب قوم میں منتقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسی طرح آپ کی مدبرانہ بصیرت کا یہ عالم ہے کہ بہت ایسی باتیں ہی جس کی طرف دیگر مدبرین کی نگاہ بعد میں پہنچتی ہے اس سے قبل علامہ موصوف ان باتوں کی طرف اشارہ فرمادیتے ہیں۔ اس کی بہت تازہ مثال ہے کہ نئے ہزارہ (یعنی بیسویں صدی) کے اواخر پر پاٹکر ہال (Patker Hall) ممبئی میں آپ نے بڑی فکر انگیز تقریر کی اور دوران تقریر بہت سے نکات پر روشنی ڈالتے ہوئے بعض خطرات کی طرف اشارہ بھی فرمادیا تھا۔ آج دو برس کے اندر ہی وہ ساری

پیشین گوئیاں حرف بہ حرف صحیح ہوئیں۔ یہ ساری خوبیاں کیوں آپ میں نہ ہوں؟ جب کہ آپ کی تقریر میں مرشدِ برحق شبیہ غوث اعظم حضور مفتی اعظم ہند بے پناہ سرور پاتے تھے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ سرزمین جبل پور پر حضرت علامہ عبدالسلام جبل پوری علیہ الرحمہ کے عرس میں جہاں حضور مفتیٔ اعظم ہند جلوہ افروز تھے وہیں آپ بھی موجود تھے۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہ نے حضور برہان ملت علیہ الرحمۃ کو اشارہ فرمایا کہ قمر الزماں کو تقریر کا موقع دیا جائے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ کے نام کا اعلان ہوا اور آپ نے تقریر شرع فرمائی۔ عجب اتفاق تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد آپ کو خفت محسوس ہونے لگی اور آپ تقریر ختم کرکے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ نے دوبارہ تقریر کرنے کے لئے آپ کو حکم فرمایا۔ پھر آپ نے دوبارہ جب اپنی تقریر شروع کی تو اسوقت آپ کی اعلیٰ فکر اور عمدہ گفتگو کے ساتھ اندازِ بیان ایسا تھا کہ آپ کے مرشد حضور مفتیٔ اعظم ہند اور حضور برہان ملت علیہما الرحمۃ والرضوان کے ساتھ سارے لوگوں نے اس کو سراہا۔ پھر دونوں بزرگوں نے بے پناہ دعاؤں سے آپ کو نوازا۔ جبل پور کی تاریخ میں علامہ موصوف کے ساتھ ان کی اس تقریر کو بڑی مقبولیت اور اہمیت حاصل ہوئی جس کی حلاوت اہل جبل پور آج تک محسوس کررہے ہیں اور دو عظیم بزرگوں کی موجودگی میں ایسی کامیاب تقریر کرنا آپ کے اعلیٰ مفکر اور بہترین خطیب ہونے کی روشن دلیل ہے۔

وسعت مطالعہ:

علامہ موصوف کے وسعت مطالعہ کا جہاں تک معاملہ ہے تو اس سے ہر وہ شخص واقف ہوگا جس کو علامہ کی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہو۔ یہ ان کی وسعت مطالعہ ہی کا جلوہ ہے جو اپنی تقریروں میں نئی نئی تحقیق اور براہین پیش کرتے ہیں۔ مثال کے لئے چند ایک واقعات ضبط تحریر میں لاکر ہدیۂ ناظرین کررہا ہوں۔

کسی بین الاقوامی کانفرنس میں ایک غیر مقلد نے یہ کہا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو نماز کے متعلق صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ اس پر آپ نے غیر مقلد کی گرفت فرماتے

ہوئے چیلنج کیا کہ تم امام اعظم کی بات کرتے ہو؟ میں امام اعظم کے غلاموں کا ادنیٰ غلام ہوں اور نماز سے متعلق امام اعظم کے ہزاروں جزئیات میں سے کوئی جزئیہ یا مسئلہ بیان کرو میں اس کی تائید میں ضرور حدیث پیش کردوں گا۔ چنانچہ غیر مقلد نے کچھ جزئیات پیش کئے اس پر آپ نے برمحل ایسی حدیثیں پیش فرمائی کہ وہ غیر مقلد حیرت زدہ رہ گیا۔

اس واقعہ سے جہاں علامہ کے وسعتِ مطالعہ کا پتہ چلتا ہے وہیں علم حدیث اور علم فقہ کے نکات پر دسترس ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

قرآن کے اعجاز پر آپ اس طرح بلیغ خطاب فرماتے ہیں کہ قرآن کی عظمت تو عظمت بلکہ قرآن کے کلام معجز ہونے اور فصیح و بلیغ ہونے پر ایسے نکات خود قرآن سے بیان فرماتے چلے جاتے ہیں گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موتیوں کی لڑی ہے جس سے موتیاں بکھر کر گرے جا رہے ہیں۔

آپ کے خطبات میں عصمت الٰہیہ بھی ہے۔ اور تحفظ ناموس رسالت بھی، عظمت صحابہ بھی ہے اور شان ائمہ وتابعین بھی، فقہ حنفی کا آفتاب تازہ بھی ہے اور دیگر فقہاء کے ماہ و نجوم بھی، شان بندگی بھی ہے اور شان الوہیت بھی، نقش کف پائے مصطفے بھی ہے اور عقیدت کی اسیری بھی، آفاق وانفس کا تذکرہ بھی ہے اور سیر کائنات بھی، اسلام کی آفاقیت بھی ہے اور مذہب کی اعلیٰ اقدار بھی، حسن علم بھی ہے اور جمال مشاہدہ بھی، نظم تعلیم بھی ہے اور نظام تزکیہ بھی، معرفت الٰہی کے رموز واسرار بھی ہیں اور عظمت مصطفے کے انوار بھی، کلمہ وکلام بھی ہے اور سبق ودرس بھی، شوکت اسلام بھی ہے اور حیثیت سائنس بھی، تصور انسانیت بھی ہے اور تصور مساوات بھی، مردوں کا مقام بلند بھی ہے اور عورتوں کی حیثیت بھی، دعوت وتبلیغ کی اہمیت بھی ہے اور نوجوانوں کی عظمت رفتہ بھی، تصور الٰہیہ بھی ہے اور حب نبوی بھی، فلسفہ شہادت بھی ہے اور شہید کی حیثیت بھی، نظام معاش بھی ہے اور نظام معیشت بھی، نظام تہذیب بھی ہے اور نظام تمدن بھی، دستورِ زندگی بھی ہے اور ضابطۂ حیات بھی؟ ہدایت ورہنمائی کا روشن چراغ بھی ہے اور گمراہ قوموں کو راہ راست پر لانے کے ذرائع بھی، علم وعرفان کے گوہر بھی ہیں اور تحقیق وطلب کے دُرَر بھی، اسلام کا اعزاز و عظمت بھی ہے اور اس کی عالمگیر

حدت بھی، امن وشانتی کا پیغام بھی ہے اور اتحاد واتفاق کا درس بھی، خلوص وللٰہیت کا نمونہ بھی ہے اور جذبہ ایثار کا اسوہ بھی، نماز کی حقیقت بھی ہے اور مومن کی معراج بھی، امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا فیضان بھی ہے اور حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی نگاہِ کرم بھی، ردّ بدعات ومنکرات بھی ہے، ردِ وہابیت وقادیانیت بھی، آسمان کی رفعتیں بھی ہیں، اور زمین کی وسعتیں بھی، چاند و سورج کے چراغ بھی ہیں اور ستاروں کی قندیلیں بھی، بجلی کی کڑک بھی ہے اور بادل کی گھن گرج بھی، مغرب زدہ ماحول سے نفرت بھی ہے اور سنتوں سے محبت بھی، اصلاح معاشرہ بھی ہے اور اصلاح قوم وملل بھی، انبیاء، صحابہ، تابعین، محدثین ومفسرین اور علماء وصالحین کا ذکر خیر بھی ہے اور شعراء کی یادیں بھی، عقائد اہلسنت کی ترویج بھی ہے اور عقائد باطلہ کی تردید بھی، خانہ کعبہ کا پرتو بھی ہے اور گنبد خضریٰ کی چھاؤں بھی، ایمان وعقائد کی حقانیت بھی ہے اور اعمال صالحہ کی حقیقت بھی، شریعت وطریقت کی آماجگاہ بھی ہے اور روح وروحانیت کا حسین سنگم بھی، قوموں کی تاریخ بھی ہے اور وسعت مطالعہ بھی، گنجینۂ محبت خدا بھی ہے اور عشق مصطفے کا مدینہ بھی، مشاعر ومحسوسات کی ترجمانی بھی ہے اور شعور واحساس کی بیداری بھی، جینے کا سلیقہ بھی ہے اور کامیابی کا رازِ پنہاں بھی، خلاؤں اور فضاؤں کی وسعتیں بھی ہیں اور موسموں کی بہار بھی، بادصباء کی بہار بھی ہے اور نسیم سحر کے جھونکے بھی۔

انداز ہو بہو تیری آوازِ پا کا تھا
باہر نکل کے دیکھا تو جھونکا ہوا کا تھا

متانت وسادگی بھی ہے اور زندگی کا مفہو بھی ہے اور موت سے مقابلہ بھی ہے، حیات کی لا متناہی قدروں کا جائزہ بھی ہے اور حیات بعد الموت کا فلسفہ بھی، نور کا ایک سیل رواں بھی ہے اور یادوں کے اجالے بھی ہیں۔ جنت ورحمت، دیدار خدا ورسول اور قبر ومحشر کے تصورات کی تابندگی بھی ہے اور یقین کا اُجالا بھی ہے۔

حضرت علامہ اعظمی صاحب قبلہ کے بیان میں الفاظ کی جاذبیت اور کلام کی عظمت سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روح کوثر وسلسبیل میں غوطے لگا رہی ہو۔

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھادے گی وہ آگ لگائی ہے

لہجوں کا بانکپن اور سوزِ عشق سے آمیز کرنے والی اپنی جادوئی آواز اور سحر آگیں انداز بیان سے ساری محفل کو پُر کیف بنا دیتے ہیں۔ خطابت کی حسین تاثر سے موصوف نوازے گئے ہیں یہ صرف انہی کا حصہ ہے۔ عظمت رسالت پر جب خطاب فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے عشق نبوت رگ و ریشہ میں خوں کی طرح گردش کر رہا ہو۔ ہر لفظ ذو معنی ہوتا ہے۔ الفاظ کی بندش اور مضمون کی ندرت آپ کے خطبات میں ایسا جمال بھر دیتی ہے کہ لوگ عش عش کرتے ہیں۔ وسعت معنی، عمیق فکر، الفاظ کا ذخیرہ اور بلند خیالی کے ساتھ عشق کی وارفتگی ان کے خطبات کا حصہ ہیں۔

تقویٰ و پرہیز گاری:

عام طور پر مقررین کے یہاں عمل کا جذبہ بہت زیادہ گرم نہیں ہوتا۔ لیکن علامہ موصوف ایک بلند پایہ خطیب ہونے کے ساتھ عملی میدان میں بھی صاف وشفاف نظر آتے ہیں اور تقویٰ و پرہیز گاری میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ یہ بات مشاہدات کی روشنی میں سپرد قلم کر رہا ہوں کہ فرائض و واجبات کے ساتھ نوافل اور مستحبات کی ادائیگی کا علامہ خاص اہتمام فرماتے ہیں۔ روزانہ کے معمولات میں بھی داخل ہے کہ بلا ناغہ نماز فجر کے بعد کافی دیر تک اوراد وظائب ادا کرنا ان کا لازمی مشغلہ ہے۔

طہارت کا اس قدر خاص خیال فرماتے ہیں کہ بیشتر اوقات حالتِ وضو میں رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ کئی بار اتفاق ہوا کہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرما رہے ہیں۔

یورپ کی سرزمین پر کم وبیش چالیس ۴۰ سال کا عرصہ گذارنے کے باوجود وہاں کی عریانیت سے پُر آب ہوا کا آپ پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ بلکہ یورپ کی مکدّر فضا میں رہ کر وراثت انبیاء کا وہ زرین نمونہ پیش کر رہے ہیں کہ جہاں پڑاؤ ڈالتے جا رہے ہیں شمع اسلام روشن ہوتی

نظر آ رہی ہے۔ اور اسلام کا آفاقی پیغام اس طرح اپنے فعل و عمل سے پیش کر رہے ہیں کہ کثیر تعداد میں غیر مسلم آپ کے دست مبارک پر توبہ کر کے داخل اسلام ہوتے جا رہے ہیں۔

علامہ موصوف کی کن کن خصوصیت کا ذکر کیا جائے رب قدیر نے آپ کو اپنے بے پناہ فضل و کرم سے نوازا ہے۔ اس کے باوجود نخوت و غرور کا دور دور تک سایہ نظر نہیں آتا۔ یہ بھی خدائے تعالیٰ کا ان پر خاص انعام و اکرام ہے، ورنہ اچھے اچھے صاحب فضل و کمال کے اندر جب نخوت و غرور کا عکس نظر آنے لگتا ہے تو پھر کلاہ افتخار کی زینت وہ نہ رہ جاتی ہے جو ہونی چاہئے۔ علامہ موصوف کے روز و شب کی زندگی نظر کے سامنے ہے۔ جس طرح حقوق اللہ کی ادائیگی میں پابند نظر آتے ہیں وہیں حقوق العباد کو ادا کرنا اپنی زندگی کی معراج سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح اکابرین کا ادب کرنا اور معاصرین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اپنے لئے لازمی سمجھتے ہیں وہیں اصاغرین (چھوٹوں) پر شفقت و محبت کے پھول نچھاور کرتے ہوئے بے پناہ فرحت و سرور محسوس کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ علامہ کی مبسوط سوانح حیات عنقریب منظر عام پر آنے والی ہے۔

محمد ساجد حسین قادری
کامل الحدیث و کامل الفقہ جامعہ نظامیہ بانی و ناظم جامعہ انوار الحق
۱۵/ ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ م ۷/ فروری ۲۰۰۴ء

اسلام اور سائنس

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَأَقَامَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعاً وَصَلَّی اللّٰـهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ، صَلٰوةً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهُ وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ. أَمَّا بَعْدُ.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ – بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِنَّ الـدِّیْنَ عِنْـدَ اللّٰـهِ الْاِسْلَامُ (پ:۳، سورہ آل عمران آیت:۱۹)

صدق الله مولانا العلی العظیم و بلغ رسوله النبی الکریم و نحن علی ذالک لمن الشاهدین و الشاکرین و الحمد لله رب العالمین.

عزیزانِ گرامی، قابلِ احترام بزرگو اور دوستو! آیئے ہم اور آپ انتہائی احترام و عقیدت کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکزِ عقیدت آقائے دوجہاں، حضور رحمت عالم، تاجدارِ مدینہ، سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں

اَللّٰهم صل علی سیدنا ومولانا محمد معدن الجود والکرم، منبع العلم والحلم والحکم، واله بارک وسلم صلوة وسلاما علیک یارسول الله، صلوة وسلاما علیک یا حبیب الله.

عزیزانِ ملت اسلامیہ! آج میری گفتگو کا عنوان ہے ''اسلام اور سائنس''، آج پوری دنیا میں ایک بہت بڑا سوال اہلِ مذاہب کے سامنے ہے کہ کیا آج کے دور میں مذاہبِ عالم، انسانیت کی رہنمائی کر سکتے ہیں؟ اس لئے کہ آج کا انسان چاند پہ کمندیں ڈال رہا ہے، سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر رہا ہے، آج کے انسان کے سامنے زمان و مکان کی وسعتیں سمٹی ہوئی نظر آرہی ہیں، پہلے کا انسان اپنی محدود زندگی اور محدود وسائلِ حیات کے ساتھ گذارا کرتا تھا لیکن آج کا انسان پوری دنیا پہ قبضہ جما چکا ہے اور دنیا سے بلند ہو کر کے وہ کبھی سیاروں سے آنکھیں لڑا رہا ہے اور کبھی ثریا پہ کمندیں ڈال رہا ہے اور وہ کبھی Space اور فضاؤں پہ کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان حالات میں آج کا انسان یہ کہتا ہے کہ مذہب اُس زمانے کا رہنما تھا جس زمانے کا انسان پسماندہ زندگی گذار رہا تھا۔ جس زمانے کا انسان زندگی کی اعلیٰ ترین مادی قدروں سے آشنا نہیں تھا، جس زمانے کا انسان اتنا ترقی یافتہ نہیں تھا، جس میں زمانے کا انسان فضاؤں میں پرواز نہیں کر سکتا تھا، جس زمانے کا انسان خلاؤں کے سربستہ رازوں کا انکشاف نہیں کر سکتا تھا جس زمانے کا انسان ذرہ کا دل چیر کر کے توانائیوں کو اخذ نہیں کر سکتا تھا اور جس زمانے کا انسان ایٹمی دور کا انسان نہیں کہلاتا تھا۔ اُس زمانے کا انسان اگر مذہب پر عمل کرتا تھا تو یہ اس کی مجبوری تھی لیکن آج کا انسان اگر خلاؤں میں اپنے لئے راستے تلاش کر سکتا ہے تو پھر زمین پر وہ اپنے لئے راہ کیوں نہیں تلاش کر سکتا؟ اگر وہ سیاروں کو گرفتار کر سکتا ہے، سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر سکتا ہے تو وہ پھر زمین میں اپنے لئے کوئی ایسا راستہ کیوں تلاش نہیں کر سکتا؟ جو اس کی زندگی کے لئے مفید ہو اور جو اس کی زندگی کے لئے معاون ہو۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! میں یہ عرض کرنا چاہوں گا اور بتانا چاہوں گا کہ بلاشبہ وہ مذاہب جن کی بنیاد اوہام پر تھی، وہ مذاہب جن کی بنیاد خرافات پر تھی۔ وہ مذاہب جن کی بنیاد اساطیر الاولین پر تھی، وہ مذاہب جن کی بنیاد محض جذبات پر تھی، وہ مذاہب جن کی بنیاد اندھے عقائد پر تھی، وہ مذاہب جن کی بنیاد محض وشواش پر تھی، وہ مذاہب جن کے پیچھے کوئی فلسفہ نہیں تھا، وہ مذاہب جن کے پیچھے کوئی فکرِ معقول نہیں تھی، وہ مذاہب کہ جن کے پیچھے محض عقیدتیں تھیں یا محض روایتیں تھیں۔ یقیناً وہ مذاہب آج کے دور میں مادی ترقیات کا ساتھ نہیں دے

سکتے وہ مذاہب آج کے دور میں شکست خوردہ ہو چکے ہیں، وہ مذاہب آج کے دور میں عصر جدید کی رہنمائی نہیں کر سکتے، وہ مذاہب آج کے دور میں دنیا کی قیادت نہیں کر سکتے۔ وہ مذاہب آج کے انسان کو مطمئن نہیں کر سکتے، وہ مذاہب آج کے مسائل کا حل تلاش نہیں کر سکتے، وہ مذاہب آج کے لئے انتہائی فرسودہ مذاہب ہیں۔ مگر اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو ہر دور کے لئے رہنما ہے، جو ہر عصر کے لئے رہنما ہے۔ جو ہر زمانے کے لئے رہنما ہے۔ جو ہر قوم کے لئے رہنما ہے۔ جو ہر ملت کے لئے رہنما ہے۔ تمام عالم انسانی کے لئے رہنما ہے۔ اس لئے کہ اسلام کی بنیاد اوہام وخرافات پر نہیں بلکہ معقول نظریات پر اور معقول عقائد پر ہے۔ اسلام جو دعویٰ کرتا ہے اُسے ذہن انسانی میں منتقل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے اور اسلام کا صرف ماضی سے تعلق نہیں ہے بلکہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو ہر دور کے لئے اور ہر عصر کے لئے مکمل طور پر زندگی کی اقدار اور زندگی کی اعلیٰ ترین ویلوس فراہم کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! مثال کے طور پر وہ قومیں جو چاند کی پرستش کر رہی تھیں اور وہ قومیں جو بلندیوں کی پرستش کر رہی تھیں۔ آج جب چاند پر انسان کے قدم پہنچ چکے ہیں تو یقیناً ان کا معبود بکھر چکا ہے اور ان کا تصور عبادت ٹوٹ چکا ہے لیکن وہ اسلام جس نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی کہا تھا **"و سخر لکم الشمس و القمر"**، چاند و سورج تمہارے لئے مسخر کر دیئے گئے ہیں اُس اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا بلکہ جیسے جیسے انسان بلندیوں پہ بڑھتا جائے گا ویسے ویسے اسلام کا چہرہ زیادہ نمایاں اور زیادہ روشن ہوتا چلا جائے گا۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

عقل انسانی جیسے جیسے ترقی کرتی چلی جائے گی ویسے ویسے اسلام ایک آفاقی مذہب کی حیثیت سے، اسلام ایک مکمل نظام حیات کی حیثیت سے اور اسلام ایک مکمل دستور زندگی کی حیثیت سے دنیا کی نگاہوں کے سامنے اُبھرے گا۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! سب سے پہلے آیئے ہم اسلام کی مقدس کتاب قرآن عظیم کا مطالعہ کریں آپ دنیا کے دوسرے مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کہیں

قومیت کو مخاطب کیا گیا ہے، کہیں وطنیت کو مخاطب کیا گیا ہے، کہیں رنگ ونسل کو مخاطب کیا گیا ہے، کہیں علاقے کو مخاطب کیا گیا ہے، کہیں اندھے عقائد کو مخاطب کیا گیا ہے، کہیں جذبات کو مخاطب کیا گیا ہے اور کہیں ایسی اقدار کو مخاطب کیا گیا ہے جن کا تعلق عقل سے نہیں اور فکر سے نہیں ہے مگر قرآن عظیم نے جب مخاطب فرمایا ہے انسان کو، تو اس کی عقل کو مخاطب کیا ہے، اس کے شعور کو مخاطب کیا ہے، اس کی فکر کو مخاطب کیا ہے، اس کے ادراک کو مخاطب کیا ہے، اس کی بصیرت کو مخاطب کیا ہے، اس کے بصارت کو مخاطب کیا ہے **"افلا تتفکرون، افلا تعقلون، افلا تنظرون، افلا تبصرون، افلا تشعرون"**، تم عقل سے کیوں نہیں کام لیتے؟ تم فکر سے کیوں نہیں کام لیتے؟ تم شعور سے کیوں نہیں کام لیتے؟ تم تدبر سے کیوں نہیں کام لیتے؟ تم بصیرت سے کیوں نہیں کام لیتے؟ تم بصارت سے کیوں نہیں کام لیتے؟ تم ذہن سے کیوں نہیں کام لیتے تم ادراک سے کیوں نہیں کام لیتے؟ تم کائنات کا مشاہدہ کیوں نہیں کرتے؟ تم آفاق وانفس کا مطالعہ کیوں نہیں کرتے؟ تم اللہ کی نشانیاں کائنات کی ہر شئے میں کیوں نہیں تلاش کرتے؟ تم آج برق کی بلندیوں کو کیوں نہیں دیکھتے؟ تم دریاؤں میں چلنے والی کشتیوں کا جائزہ کیوں نہیں لیتے، تم آفاق وانفس کے ذریعہ سے اللہ کی قوت اور اللہ کی طاقت کا مشاہدہ کیوں نہیں کرتے؟ آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ قرآن پاک نے دنیا میں پہلی بار انسان کو ایک نیا انداز تخاطب عطا فرمایا ہے، اک نئے انداز سے مخاطب کیا ہے۔ قرآن عقل کو مخاطب کر رہا ہے، قرآن فکر کو مخاطب کر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے جیسے عقل ترقی کرتی جائے گی جیسے جیسے شعور ترقی کرتا جائے گا، جیسے جیسے فکر ترقی کرتی جائے گی، ویسے ویسے قرآن پاک کا مطالبہ پورا ہو جائیگا اور ویسے ویسے انسان قرآن عظیم سے زیادہ قریب ہوتا جائے گا اس لئے کہ قرآن پاک نے انسان کی اندھی قوتوں کو اور جذباتیت کو اور روایات کو مخاطب نہیں بنایا ہے بلکہ انسان کی عقل کو مخاطب بنایا ہے۔ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ کے ایک ایسے دور میں جلوہ گر ہوئے ہیں کہ جب انسان ایک خالص فکری انقلاب کے لئے ایک شعوری انقلاب کے لئے، تیار ہو چکا تھا اور اس وقت جو نظام پیش کیا جاتا اور جو دستور زندگی پیش کیا جانے والا تھا وہ ایسا تھا جو ہر دور کے لئے یکساں ممکن العمل

ہو اور ہر دور کی مکمل طور پر رہنمائی کرتا ہوا نظر آئے۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! اس کو سمجھنا چاہیں تو آپ اس طور پر جان سکتے ہیں کہ آپ دنیا کے دوسرے قوانین کا جائزہ لیجئے جو انسانی زندگی کی رہنمائی کا دعوی کرتے ہیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا میں جتنے بھی قوانین موجود ہیں انہیں انسانوں کی ایک جماعت نے، انسانوں کی ایک ٹولی نے، انسانوں کے ایک گروہ تشکیل دیا ہے۔ انسان نے جب وحشت سے مدنیت کی طرف قدم رکھا ہوگا تو انسان نے سوچا ہوگا کہ ہماری کچھ سماجی ضروریات ہیں ہمارے سوشل مسائل ہیں ہماری حکومت سے متعلق مسائل ہیں۔ ہمارے کچھ اجتماعی مسائل ہیں اور پھر اس نے اپنے طور پر قانون کو وضع کرنا چاہا ہوگا اس طرح سے آپ دنیا میں مختلف قوانین دیکھتے ہیں جو انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں، جو انسانوں کی رہنمائی کا سامان فراہم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر ان قوانین کی مجبوری کا یہ عالم ہے اور بے بسی کا یہ عالم ہے کہ وہ قانون ممکن ہے کہ جب بنائے گئے ہوں تو اس وقت انسانوں کے لئے ممکن العمل رہے ہوں لیکن جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا گیا وہ قانون فرسودہ قرار دیئے گئے۔ اس لئے کہ انسان حال کو تو دیکھ سکتا ہے لیکن مستقبل کو نہیں دیکھ سکتا۔ موجودہ زمانے کو دیکھ سکتا ہے مگر آنے والے زمانے کو نہیں سکتا۔ اس کی نظر اپنے گرد و پیش پر تو ہوتی ہے لیکن اپنے گرد و پیش کے باہر نہیں ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آج جو قانون بنتا ہے وہ آج کی ضروریات کی کفالت تو کرسکتا ہے لیکن آگے پیدا ہونے والے مسائل اور ضروریات کی کفالت تو نہیں کرسکتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ہر دور اور ہر عصر میں نئے قوانین کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور پرانے قوانین فرسودہ ہو جاتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر جو لوگ پرانے قوانین کے ماننے والے ہیں وہ گویا انسان کے تجربے کی صلیب پہ چڑھتے ہیں اور قوانین کی فرسودگی اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ پہلے لوگ غلطی پر تھے اور نئے لوگ صحیح راستے پر ہیں اور پھر وہ زمانہ پرانا ہو جاتا ہے۔ اور اگلے زمانے کا انسان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ پہلے لوگ غلطی پر تھے اور ہم صحت کے اوپر ہیں۔ جس کے نتیجہ میں ہر آنے والا دور پر انے دور کی تغلیط کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ پرانے دور کا رد کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور پرانے دور کے فلسفے کا انکار کرتا ہوا نظر آتا ہے، پرانے دور کے عقل کی تردید کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر اسلام اللہ

تبارک وتعالیٰ کا نازل کیا ہوا نظام زندگی ہے۔ پروردگارِ عالم کا قانون ہے۔ اللہ کی نگاہ قدرت میں ماضی، حال، زمانے مستقبل سب برابر ہیں مگر بلکہ یہ زمانے کی تقسیم تو ہماری عمر کی ناپائیداریوں کی بنیاد پر ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی نگاہ قدرت میں ہر زمانہ ہر وقت موجود ہے۔ اس لئے جب اللہ کوئی قانون عطا فرمائے گا تو وہ جس طرح سے ماضی کے لئے ہوگا، ویسے ہی حال کے لئے ہوگا۔ ویسے ہی مستقبل کے لئے ہوگا۔ نہ ماضی میں ان کا انکار کیا جا سکے گا نہ حال میں اس کا انکار کیا جا سکے گا اور نہ مستقبل میں اس کا انکار کیا جا سکے گا۔ اسلام کی بنیاد قرآن عظیم کے اوپر ہے، اللہ کے مقدس نظام کے اوپر ہے، اللہ کے مقدس آئین کے اوپر ہے، اللہ کے مقدس قانون کے اوپر ہے، ہمارا یہ دعوی ہے کہ پروردگار، عالم خدائے قہار و جبار جو شہید و بصیر ہے، جو کائنات کے ذرے ذرے کا مطالعہ کر رہا ہے، جس کی نگاہ قدرت کے سامنے دنیا کا ہر انسان ہر وقت ہے، جب وہ کوئی قانون عطا فرمائے گا تو دنیا کے ہر انسان کے لئے یکساں ممکن العمل ہوگا۔ آپ یہ دیکھتے ہیں کہ انسان حسن و قبح اشیاء کے سلسلے میں بڑا ہی مختلف الخیال واقع ہوا ہیں۔ ایک انسان کسی چیز کو اچھا سمجھتا ہے، دوسرا انسان اس چیز کو بُرا سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ اچھائی اور بُرائی کی حیثیتیں انسانوں کی نگاہ میں اعتباری ہیں، اس لئے آپ یہ دیکھتے ہیں کہ بعض قوانین بعض ملکوں کے لئے بہتر ہیں اور وہی قوانین دوسرے ملکوں کے لئے انتہائی ناپسندیدہ ہیں۔ مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون تمام انسانوں کے لئے یکساں ممکن العمل اس لئے ہے کہ پروردگار عالم خدائے قدیر و جبار تمام انسانوں کی ضروریات، تمام انسانوں کے احتیاج اور تمام انسانوں کے مسائل اور تمام انسانوں کو پیش آنے والی جملہ ضروریات کو اپنی نگاہ قدرت سے دیکھ رہا ہے اور اُس کے مطابق اُس نے سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک ابدی اور لازمی قانون زندگی عطا فرمایا۔ اب اس اعتبار سے اگر ہم دیکھیں تو آج کا زمانہ بظاہر انتہائی ترقی یافتہ زمانہ ہے آج کا زمانہ یہ صحیح ہے کہ چاند پہ کمندیں ڈال رہا ہے، سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر رہا ہے، زمان و مکان کی وسعتیں سمٹی ہوئی نظر آرہی ہیں، مگر اگر آج کی سائنس یہ دعویٰ کرتی ہے کہ آج کے دور میں مذہب پہ عمل نہیں ہوسکتا اور آج کے دور میں دنیا کا کوئی مذہب رہنمائی نہیں کرسکتا تو یہ اُس کا فریب ہے جو وہ دنیا کو دے رہی ہے۔

یہ عقلاء کا فریب ہے یہ سائنسدانوں کا فریب ہے، یا عصر جدید کے انسانوں کا فریب ہے۔ اور اگر کوئی ایسا انسان جو کسی مذہب کا دعویدار ہے وہ بھی اس دعوے کے فریب میں آ گیا ہے تو یہ مادی فریب ہے جو انسانی ذہنوں کو دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان مذہب کی اقدار کا مطالعہ کرے، اور مذہب کی بنیادوں کا مطالعہ کرے تو یہ جان سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے کہ سائنس کبھی بھی مذہب کے راستے میں سدراہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ مذہب فلسفہ مابعد الموت سے بحث کرتا ہے، مذہب آخرت کی زندگی سے بحث کرتا ہے مذہب جزا اور سزا سے بحث کرتا ہے، مذہب قیامت سے بحث کرتا ہے، مذہب حشر و نشر سے بحث کرتا ہے، مذہب دوزخ و جنت سے بحث کرتا ہے، مذہب لوح و قلم سے بحث کرتا ہے مذہب تقدیر سے بحث کرتا ہے، مذہب بعث بعد الموت سے بحث کرتا ہے، مذہب خدا سے بحث کرتا ہے اور سائنس کے پاس کوئی ایسا آلہ نہیں ہے جس سے ان حقائق کے بارے میں معلومات فراہم کی جا سکے۔ اس لئے سائنس اپنی لاعلمی کا اظہار تو کر سکتی ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتی کہ یہ حقائق موجود نہیں ہیں یہ حقائق ثابت نہیں ہیں یا ان حقائق کا انکار کر دیا جائے۔ اس لئے کہ کسی چیز کا نہ جاننا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ سائنس آج بھی ہزاروں حقائق سے نا آشنا ہے۔ تو وہ ان حقائق کا انکار نہیں کر سکتی جو اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ سائنس انسان کی مادی زندگی سے بحث کرتی ہے، سائنس موجودات سے بحث کرتی ہے، سائنس Meterial سے بحث کرتی ہے اور مذہب مادی زندگی کے ساتھ ساتھ اخلاقیات سے بحث کرتا ہے، ارواح سے بحث کرتا ہے، مابعد الموت کی زندگی سے بحث کرتا ہے، اس لئے سائنس اور مذہب میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ سائنس زینہ ہے اور مذہب جلوہ بالائے بام ہے، سائنس آغاز حیات ہے اور مذہب منزل ہے، سائنس زندگی کا ایک راستہ ہے اور مذہب اس کی تابناک شاہراہ ہے، جس پہ چلنے والا سائنس کی لذتوں سے فیضیاب بھی ہو سکتا ہے اور آخرت کی لذتوں سے ہمکنار بھی ہو سکتا ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! یہ بہت بڑا فریب ہے جو آج کے نام نہاد عقلاء اہل مذہب کو دینا چاہتے ہیں کہ آج کے دور میں سائنس انسان کی رہنمائی کر سکتی ہے مذہب نہیں کر سکتا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! سائنس کا دائرہ مادہ تک ہے۔ وہ مادہ کا دل چیرے گی اور آفتاب کی توانائیوں کا مطالعہ کرائے گی۔ لیکن سائنس اخلاقیات پہ اثر انداز نہیں ہو سکتی، سائنس ارواح پہ اثر انداز نہیں ہو سکتی، سائنس کے ذریعہ سے کوئی ایسا نظام زندگی ترتیب نہیں دیا جا سکتا کہ جس کی بنیاد پر انسان ایسا صاحب اخلاق اور صاحب کردار بن جائے کہ وہ دوسرے انسان کو نقصان نہ پہونچا سکے، دوسرے انسان کو تکلیف نہ پہنچائے، دوسرے انسان کی ضروریات کا خیال رکھے۔ وہ ساری دنیا کا درد اپنے قلب دل کے اندر سمیٹ لے۔ چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ جیسے جیسے سائنس آگے ترقی کرتی جا رہی ہے۔ موت ارزاں ہوتی جا رہی ہے۔ انسان موت کے دروازے پہ پہنچ چکا ہے۔ سائنس کی ترقی کی بنیاد پہ آج کا انسان ایٹم بم بنا چکا ہے۔ آج کا انسان موت کے اسلحہ کی سپلائی کر رہا ہے۔ آج کا انسان موت کا سوداگر بن رہا ہے۔ جو قومیں سائنس کے اعتبار سے جتنی ہی ترقی یافتہ ہیں۔ اُسی قدر زیادہ موت کے سلسلہ میں انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ یہ سائنس ہی کا کرشمہ ہے اسٹار وار کے خوف سے پوری دنیا لرز رہی ہے، یہ سائنس ہی کی ترقی ہے کہ آج انسان پوری دنیا کو لرزہ براندام کئے ہوئے ہے۔ آج کا عالم یہ ہے کہ ایک انسان اتنا مجبور اور بے بس ہو گیا ہے کہ وہ یہ سوچ رہا ہے کہ اگر امریکہ یا روس کا کوئی جنونی کسی بٹن کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ دے تو ممکن ہے دنیا سات یا نو منٹ کے اندر فنا ہو جائے۔ یہ وہ حال ہو گیا ہے انسان کی تباہی کا انسان موت کے دروازے پہ پہنچ چکا ہے، انسان تباہی کے دہانے پہ پہنچ چکا ہے۔ اگر انسان نے سائنس کے ساتھ ساتھ مذہب میں بھی ترقی کی ہوتی تو انسان سائنس سے مفید کام تو لیتا مگر نقصان دہ کام نہ لیتا، زندگی کی ترقی کا سامان تو ضرور فراہم کرتا مگر موت کے اسلحہ تیار نہ کرتا، انسانوں کو فنا کرنے کا سامان فراہم نہ کرتا۔ مگر سائنس کی مذہب سے علیحدگی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ انسان موت کا سوداگر بن گیا ہے مگر زندگی کے لئے کچھ مفید سامان فراہم کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔

دریدہ جامۂ انسانیت ہے خلاء میں گردش آرائی سے حاصل
لہو رشتہ ہے دھرتی کی جبیں سے تو پھر عرش پیمائی سے حاصل

عشق ناپید خردمی گزداز صورتِ مار
عقل کو تابع فرمان نظر کرنہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کرنہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کرنہ سکا
اپنی حکمت کے خم وپیچ میں ایسا اُلجھا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کرنہ سکا

آج انسان کے سامنے نفع اور نقصان کا کوئی واضح معیار نہیں ہے۔ آج خودغرضیاں اور ترقی کے دور میں آگے بڑھنے کی ریس نے انسان کو ایسا تباہ کر دیا ہے کہ قومیں قوموں کو تباہ کرنے پہ تلی ہوئی ہیں، قوتیں قوموں کو تباہ کرنے پہ تلی ہوئی ہیں، افراد افراد کو تباہ کرنے پہ تلے ہوئے ہیں۔ یہ سائنس کی وہ برکات ہیں جس کو آج دنیا محسوس کر رہی ہے اور جس سے لرز رہی ہے۔ مگر اسلام اگر ایک طرف اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم زندگی کے میدانوں میں ترقی کرو، تم اس بات سے فائدہ اٹھاؤ، تم وسائل سے فائدہ اٹھاؤ، تم ذرائع سے فائدہ اٹھاؤ، تم چاند کی تسخیر کرو، تم چاند پہ کمندیں ڈالو، تم سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرو تو اس کے ساتھ ساتھ وہ انسان کو اس بات کا بھی پابند کرتا ہے کہ خبردار تم کوئی ایسی چیز نہ بناؤ جو انسانوں کے لئے تباہی کا سامان ہو۔ قرآن عظیم ارشاد فرما رہا ہے کہ جس نے ایک انسان کو قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کر دیا۔ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک انسان کا قتل دراصل پوری ہیومنٹی کا قتل ہے۔ پورے عالم انسانی کا قتل ہے۔ اور وہ لوگ جو آج سائنس کی بنیاد پہ اسلحے تیار کر رہے ہیں دراصل وہ انسانیت کے دشمن ہیں۔ کاش سائنس کے ساتھ مذہب کی گائڈنس بھی موجود ہوتی اور مذہب کی رہنمائیاں بھی موجود ہوتیں! رہا اسلام کا معاملہ تو اسلام صالح بنیادوں پر سائنس کے میدان میں ترقی کرنے پہ زور

دیتا ہے۔ آپ قرآن عظیم کا مطالعہ کریں۔ قرآن عظیم میں کتنے ہی مقامات پہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے چاند اور سورج مسخر کر دیئے گئے ہیں۔ تم آفتاب کی گردش اور سیاروں کی گردش میں غور کرو، تم زمین اور آسمان کی تخلیق پہ غور کرو، تم درختوں اور پودوں کی تخلیق پہ غور کرو، تم صبح وشام کے اندر غور کرو۔ یہ دعوت تعقل، یہ دعوتِ تدبر، یہ دعوت تفکر اسلام ہی دے رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جس زمانے میں مسلمان غالب تھے اور اسلامی تہذیب کا غلبہ تھا، وہ مسلمان ہی تھا کہ جس نے یورپ کو تجربے کی راہ میں ڈالا، وہ یورپ کو سائنس کی راہ پہ ڈالا، وہ مسلمانوں کے مدارس تھے۔ خواہ وہ غرناطہ کے مدارس ہوں یا وہ بغداد کے مدارس ہوں کہ جن کے ذریعہ سے سائنس کی ترقی ہوئی اور انسان نے پہلی مرتبہ تجربے کی راہوں میں قدم اٹھایا اور جو کچھ وہ سوچ رہا تھا اس میں تجربے کی زندگی سے اُس نے دیکھنا شروع کیا۔ اس کا اعتراف سائنسدانوں نے بھی کیا ہے اور تاریخ نگاروں نے بھی کیا ہے۔ اسلام نے سائنس کی راہوں میں انسان کو بڑھایا ہے، اسلام نے کائنات کے مطالعہ کی دعوت دی ہے، اسلام نے آفاق و انفس کے مطالعہ کی دعوت دی ہے۔ آپ اگر ابتدائی اسلامی سائنسدانوں کا جائزہ لیں، بغداد کے سائنسداں، غرناطہ کے سائنسداں، اسپین کے سائنسداں، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ موجودہ یورپ سائنس کی بنیادوں پہ جتنا ترقی کر چکا ہے یہ سب کا سب اسلام اور عربوں کی مرہون منت ہے۔ اس لئے اور صرف اس لئے کہ اسلام میں محض چند قوانین نہیں دیئے گئے تھے اسلام محض چند قوانین کا مجموعہ نہیں تھا، بلکہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے، اسلام ایک مکمل دستور حیات ہے، جس میں زندگی کے سارے مسائل آتے ہیں۔ وہ تمام لوازمات حیات اور وہ تمام ترقیات حیات جن کا تعلق انسانی زندگی سے ہے وہ زیر بحث ہے اسلام کے اندر، اور قرآن پاک ان کے لئے مقدس رہنمائی فراہم کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! آپ غور فرمائیں اور سوچیں کہ خدائے قدیر و جبار کو نہ ماننے کے بعد انسان کتنا بھیانک ہو گیا ہے، انسان کتنا درندہ ہو گیا ہے، انسان کس قدر وحشی ہو گیا ہے۔ آج یہ عالم ہے کہ بڑی طاقتیں چھوٹی طاقتوں کو اپنی توانائیوں کا شکار بنا رہی ہیں۔ آج

تیسری قوم پر بڑی طاقتیں اپنے اسلحوں کو آزما رہی ہیں۔ جس طرح سے کبھی دواؤں کو چوہوں پہ آزمایا جاتا تھا اور جس طرح سے کبھی دواؤں کو بندروں پہ آزمایا جاتا تھا۔ آج اسی طرح سے اسلحوں کو انسانوں کے اوپر آزمایا جاتا ہے۔ دو قوموں کو لڑانے کے بعد بڑی طاقتیں یہ دیکھنے کے لئے آتی ہیں کہ ہم نے کتنے گہرے زخم لگائے ہیں اور ہمارے اسلحے کتنے کامیاب رہے ہیں۔ آپ اندازہ کیجئے یہ انسانیت نہیں ہے یہ درندگی ہے، یہ وحشت ہے، یہ بڑا بھیانک انداز ہے جس کو دنیا نے اختیار کر رکھا ہے اور ایک وقت وہ آئیگا کہ جب یہ بڑی طاقتیں جو تیسری دنیا کو تباہ کر دینا چاہتی ہیں اور انسانیت کی مظلومیت سے فائدہ اٹھا رہی ہیں انہیں لڑا کر کے اپنے اسلحے بیچ رہی ہیں اور انہیں تباہ کر کے اپنی معیشت کو اور اپنی زندگی کو آراستہ کر رہی ہیں۔ کل یہی قومیں اپنے ہی لگائی ہوئی آگ میں خود جل جائینگی اور ایک وقت ایسا آئیگا کہ آسمانوں سے شعلے برسیں گے اور قیامت کی بدترین مثال ان کی زمینوں کے اوپر قائم ہو چکی ہوگی۔ اس لئے کہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ یہ اسلحہ کا مقابلہ کرنے والے اور یہ اسٹاروار کے سلسلے میں ریس کرنیوالے ہمیشہ متفق رہیں ہو سکتا ہے کبھی۔ ان کی جذباتیت اور ریس کا یہ جذبہ ان کو ایک دوسرے سے متصادم کر دے۔ وہ کائنات کے لئے بدترین دن ہوگا اور وہ دنیا کے لئے بڑا بھیانک دن ہوگا۔ اللہ اس سے ہم کو بھی بچائے اور آپ کو بھی بچائے۔ (آمین) رہا اسلام کا معاملہ تو اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ آپ چاند پہ کمندیں ڈالیں، آپ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کریں آپ مادیات میں ترقی کریں، آپ ہر شئے کے حقائق کو معلوم کریں، آپ کائنات کے ذرے ذرے کا مطالعہ کریں، آپ کائنات کے مفید عناصر سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔ لیکن خبردار آپ کوئی ایسی چیز نہ بنائیں، جس سے انسانیت کو نقصان پہنچ سکے، جس سے دنیا کو نقصان پہنچ سکے، اور جس سے قوموں کو نقصان پہنچ سکے۔ اسلام ترقیات کا ساتھی ہے، اسلام ان تمام ترقیوں کی حمایت کرتا ہے جو انسانی تعمیر کی راہ میں ہوں مگر اسلام کسی ایسی ترقی کو ترقی کہنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر تباہیاں آرہی ہوں اور بربادیاں آرہی ہوں۔

عزیزان گرامی! اگر آپ قرآن عظیم کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ کی یہ

مقدس اور عظیم کتاب ایسے حقائق پیش کرتی ہوئی نظر آرہی ہے جس پہ آج کی دنیا انگشت بدنداں ہے اور حیرتوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ آج کا انسان اپنی عقل وفکر کی بنیاد پر، اپنے مشاہدات کی بنیاد پر اور اپنے تجربات کی بنیاد پر جن حقائق کا انکشاف کر رہا ہے اور جو چیزیں ثابت حقیقتیں بن چکی ہیں۔ قرآن پاک میں اُن حقائق کے لئے پہلے ہی سے واضح ہدایات اور واضح ارشادات موجود ہیں۔ مثال کے طور پر آج کا انسان جس زمین پہ بس رہا ہے، جس زمین سے اپنی زندگی کی تمام توانائیاں فراہم کر رہا ہے، جو زمین اُس کے لئے اس کا گہوارہ ہے اور جو زمین انسان کا مسکن بنی ہوئی ہے، یہ زمین کب پیدا ہوئی؟ کیسے پیدا ہوئی؟ کن حالات پہ پیدا ہوئی؟ ایک بہت بڑا سوال ہے۔ جس پہ سائنسدانوں نے اور ارضیات کا مطالعہ کرنے والوں نے مدتوں غور کیا۔ سینکڑوں سال کے غور وفکر کے بعد انہوں نے یہ بات ثابت کی کہ زمین ہمیشہ اسی طرح سے نہیں تھی۔ بلکہ یہ سورج سے وابستہ تھی اور اس کے بعد اچانک یہ سورج سے جدا ہوئی اور پھر اربوں سال تک یہ سرد ہوتی رہی۔ سرد ہونے کے بعد اس میں زندگی کے آثار نمودار ہوئے، پودے پیدا ہوئے، جانور پیدا ہوئے اور پھر انسانوں کی تخلیق ہوئی۔ یہ آج کا سائنسداں کہہ رہا ہے چودہ سو سال کے بعد کہہ رہا ہے۔ یہ زمین کا آغاز یہ زمین کی ابتداء ہے۔ یہ زمین کی پیدائش کا تذکرہ ہے مگر قرآن کریم آج سے چودہ سو سال پہلے ہی سے ارشاد فرما رہا ہے " **اولم یرا الذین کفروا ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقنهما** ، ، (پارہ:۱۴ سورۃ الانبیاء: آیت:۳۰) کیا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ یہ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ زمین اور آسمان، پستیاں اور بلندیاں یہ دونوں ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ ہم نے ان کو جدا کر دیا آپ اندازہ کیجئے کہ آج سائنس سورج سے زمین کی جدائی کا جو مشاہدہ اور جو نظریہ چودہ سو سال کے بعد پیش کر رہی ہے۔ خدائے قدیر وجبار نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی دنیا کو عطا فرمایا تھا یہ صرف اس لئے تاکہ جب انسانی ذہن آگے بڑھ جائے اور ترقی کر جائے تو وہ یہ نہ کہہ سکے کہ قرآن عظیم نے جو حقائق بیان کئے ہیں زمین سے متعلق، کائنات سے متعلق اور اشیاء کائنات سے متعلق وہ فکر انسانی سے متصادم ہیں۔ میرا اپنا

یہ دعویٰ ہے کہ قرآن عظیم نے جو حقائق پیش کئے ہیں وہ حقائق آج بھی ثابت ہیں اور جیسے جیسے علم ترقی کرتا جائے گا، انسانی فکر ترقی کرتی جائے گی، انسانی شعور ترقی کرتا جائے گا، وہ حقائق اور زیادہ نمایاں اور زیادہ روشن ہوتے جائیں گے۔ یہ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت مطلقہ اور سیادتِ عامہ کا وہ حیرت انگیز پہلو ہے کہ جس پہ صبح قیامت تک انسانیت فخر کرتی رہے گی اور مسلمان خاص طور پہ ناز کرتا رہے گا کہ اللہ کی مقدس کتاب کسی رطب ویابس کو اور کائنات کی کسی حقیقت کو ترک نہیں فرماتی حالانکہ قرآن کا موضوع انسان ہے اور قرآن کا مقصد اللہ کے بندوں کو اللہ کے راستے پہ چلانا ہے۔ قرآن تبلیغ کے لئے نازل کیا گیا ہے، ایک نظام زندگی کے لئے، اور ایک دستور حیات کی حیثیت سے مگر اس کے باوجود قرآن حقائق اشیاء کے باب میں اور کائنات کی حقیقتوں کے باب میں جو مسلمات پیش کر رہا ہے سائنس اس کی تائید کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور تردید کرنے کی جرأت نہیں ہے۔

چشمک کرے گی مجھ سے یہ ایسی کہاں کی ہے
بجلی تو خانہ زاد میرے آشیاں کی ہے

سائنس اسلام کی مؤید ہے اور یہ مطالعے کے وہ رُخ ہیں کہ اس پہ جیسے جیسے غور کیا رجاہا ہے نئے نئے حقائق اور نئے نئے آفاق سامنے آرہے ہیں۔ عزیزان ملت اسلامیہ! آپ ذرا دیکھیں! آپ نے کبھی سمندروں کا سفر کیا ہوگا، دریاؤں کا سفر کیا ہوگا، آپ نے عظیم الشان سمندروں کو اور بہت ہی وسیع وعریض دریاؤں کو دیکھا ہوگا، آپ نے کہیں کہیں یہ محسوس کیا ہوگا کہ دو سمندر ملتے ہیں مگر دونوں ایک دوسرے سے الگ نظر آتے ہیں۔ دو دریا ملتے ہیں مگر پانی ایک دوسرے سے الگ نظر آتا ہے۔ بیچ میں ایک لکیر سی کھینچی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ شفاف پانی ہے، یہ گدلا پانی ہے، یہ کالا پانی ہے، یہ سفید پانی ہے، یہ نیلا پانی ہے، اور یہ دونوں مل رہے ہیں۔ مگر یہ دونوں ملتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ بادی النظر میں ہونا تو یہ چاہیے تھا، کہ دونوں بظاہر ایک جیسا رقت وسیلان رکھتے ہیں اس لئے دونوں مل جاتے ہیں مگر آپ مختلف دریاؤں کا جائزہ لیجئے! جہاں سے بحر اسود شروع ہوتا ہے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ یہاں سے بحر اسود شروع

ہے۔ جہاں سے بحر ابیض شروع ہوتا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے بحر ابیض شروع ہے۔ آپ دیکھیں! دریاؤں میں اگر آپ دور تک نہیں گئے ہوں تو قریب ہی گنگا اور جمنا کا سنگم دیکھ لیجئے۔ آپ کو وہاں نظر آئیگا کہ ایک خط کھینچا ہوا ہے۔ دو طرح کے پانیوں کے درمیان، ایسا کیوں ہے؟ اُس زمانے کا انسان جو کائنات کے حقائق کا مطالعہ نہیں کرتا تھا وہ یہ کہہ کے مطمئن ہوگیا تھا کہ یہ اللہ کی قدرت ہے آج کا انسان بھی اُسے اللہ کی قدرت ہی مانتا ہے۔ لیکن آج انسان اس کی توجیہ کی جاچکی ہے اور آج یہ جان چکا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

عزیزان ملت! آج کی سائنس یہ کہتی ہے کہ رقیق اشیاء کے اندر سطحی تناؤ ہوتا ہے۔ یعنی ہر پتلی چیز، ہر بہنے والی چیز، ہر سیال چیز اپنی سطح کو سمیٹے رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اصطلاح کی زبان میں اُسے رقیق اشیاء کا سطحی تناؤ کہتے ہیں۔ اور اس کی تشبیہ یوں دی جاتی ہے کہ آپ اگر نمک کے باریک پلاسٹک بوروں (تھیلوں) میں نمک بھریں، وہ اتنے باریک ہوں کہ دور سے نظر نہ آرہے ہوں، لیکن وہ بورے موجود ہوں اور نمک اُس میں بھرا ہوا ہو تو آپ یہ محسوس کریں گے اور دیکھیں گے نمک ملا ہوا نظر آئیگا مگر ملا نہیں ہوگا اس لئے کہ پلاسٹک کے باریک بوروں نے نمک کو ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہوگا۔ بالکل یہی حال ہے رقیق اشیاء کے سطحی تناؤ کا کہ ہر سیال چیز ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہوتی ہے۔ آپ تیل کو پانی میں ملانا چاہیں تو تیل کبھی پانی میں نہیں ملے گا اس لئے کہ تیل کی رقت وسیلان کی حیثیت اور ہے اور پانی کی رقت وسیلان کی حیثیت اور ہے۔ یہی حال پانیوں کا بھی ہے۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی رقت اور سیلان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن حقیقتاً فرق ہوتا ہے اور اسی فرق کی بنیاد پر دو پانی ملتے نہیں ہیں ایک آڑ ہوتی ہے ایک خط ہوتا ہے جو دونوں کے درمیان میں کھنچا ہوا ہوتا ہے۔

عزیزان ملت! آپ ذرا غور فرمائیں کہ آج سے چودہ سو سال کے بعد انسان کا یہ ذہن کہہ رہا ہے کہ دو پانی اس لئے آپس میں نہیں ملتے کہ دونوں میں ایک آڑ موجود ہوتی ہے، اک سطحی تناؤ ہوتا ہے جو دونوں کو ملنے سے روک رہا ہے۔ قرآن عظیم نے آج سے چودہ سو سال پہلے ارشاد فرمایا تھا۔ **وھو الذی مرج البحرین ھذا عذب فرات و ھذا ملح**

اجـاج و جـعـل بيـنهـمـا برزخـا و حجراً محجوراً (پارہ:۱۹، سورۃ لفرقان آیت: ۵۳) وہی پروردگار عالم ہے جس نے دوسمندروں کو ملایا ہے، یہ بہت میٹھا ہے اور یہ بہت کھاری ہے۔ اور دونوں کے درمیان میں ایک آڑ رکھدی ہے جو دونوں کو ملنے سے روک رہی ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ جس کو آج رقیق اشیاء کا سطحی تناؤ کہا جارہا ہے قرآن کی زبان میں اُسے ایک آڑ کے نام سے یاد کیا جارہا ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! دوسری آیت کریمہ میں ارشاد ربانی ہے۔ **مـرج البـحـرين يلتقين بينهما برزخ لا يبغين** (پ:۲۷ سورہ الرحمن) اُس نے دوسمندروں کو ملایا ہے دونوں آپس میں مل رہے ہیں مگر اس میں ایک آڑ رکھی ہے جو دونوں کو ایک دوسرے سے تجاز وکرنے سے روک رہی ہے دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے سے روک رہی ہے۔

عزیزان ملت ! کیا یہ قرآن پاک کا حیرت انگیز معجزہ نہیں ہے؟ کیا یہ کلام الٰہی کا اعجاز نہیں ہے کہ حقائق آج سامنے آرہے ہیں، مشاہدات آج سامنے آرہے ہیں، سائنس آج کسی حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھارہی ہے مگر قرآن عظیم نے آج سے چودہ سو سال پہلے جو فیصلہ فرمادیا تھا آج کی سائنس اس کی تائید تو کررہی ہے لیکن اس کی تردید کرنے کی جرأت سائنس کے اندر نہیں ہے۔ عزیزان ملت !اگر قرآن کسی انسان کا کلام ہوتا، اگر قرآن غیر اللہ کا کلام ہوتا، تو یقیناً آج یہ حقائق سامنے نہ آتے، یقیناً سائنس اس کی تردید کرچکی ہوتی، یقیناً سائنس ان تمام مشاہدات کی تردید کرچکی ہوتی جو قرآن عظیم پیش کررہا ہے۔ مگر قرآن اللہ کا کلام ہے اور سائنس کا کام یہ ہے کہ اللہ کی مخلوقات کے چہرے سے نقاب اٹھائے قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ اور سائنس کا کام یہ ہے کہ کائنات میں جو چیزیں موجود ہوں ان کے بارے میں ثابت شدہ حقیقتوں کو دنیا کے سامنے پیش کرے۔ تو اس اعتبار سے قرآن اللہ کی کتاب ہے اور قرآن جو فیصلہ کرے گا، قرآن جو بیان دے گا، قرآن جو اعلان فرمائے گا، سائنس اس کی تائید کرتی ہوئی نظر آئیگی۔ سائنس اس کی خدمت کرتی ہوئی نظر آئیگی۔ اگر کہیں کوئی اختلاف پایا جاتا ہے۔ تو یہ اختلاف انسانی فکر کا اختلاف ہے، یا سائنس کی تحقیق کا اختلاف کہا جاسکتا ہے۔ یہ کہا جاسکتا

ہے کہ یہ ثابت شدہ حقیقت نہیں ہے اور جب یہ ثبوت کی منزل کمال کو پہونچے گی تو وہی کہے گی جو قرآن عظیم ارشاد فرمارہا ہے اور وہی بولے گی جو قرآن عظیم بول رہا ہے۔

عزیزان ملت ! قابل احترام بزرگو اور دوستو! آپ ایک اور حقیقت کا مشاہدہ کریں یہ زمین، یہ سمندر، یہ پہاڑ، یہ انسانی زندگی، یہ حیوانات کی زندگی، یہ نباتات کی زندگی یہ اپنے اندر عجائبات کا ایک بحر ناپیدا کنار رکھتی ہے آپ اگر ان میں جس قدر غور کرتے چلے جائیں اُسی قدر حیرت واستعجاب میں ڈوبتے ہوئے نظر آئیں گے اور اُسی قدر خدا کی کبریائی خدا کے جلال اور خدا کی قدرت کا آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا۔ آپ اندازہ فرمائیں۔ زمین ہمیشہ ہی سے ایسی نہیں تھی۔ یہ سمندر کہاں سے آئے؟ پہاڑوں کا وجود کیسے ہوا، سائنس اس کے بارے میں یہ کہتی ہے کہ زمین جب سورج سے ٹوٹ کے جدا ہوئی اور مدتوں تک سرد ہوتی رہی اور جب مکمل طور پر ٹھنڈی ہوگئی تو اچانک ایک مرتبہ ایک دھماکہ ہوا جسے سائنس اتفاق کا دھماکہ کہتی ہے یعنی یہ دھماکہ اتفاقاً ہوا۔ سائنس جو کہ مذہب پہ یقین نہیں رکھتی اس لئے وہ اتفاق کا دھماکہ کہتی ہے دوسرے لفظوں میں مَیں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ سائنس جب کسی بات کی توجیہ نہیں کرپاتی جب کسی بات کی علت بیان نہیں کرپاتی جب کسی بات کا سبب بیان نہیں کرپاتی تو وہ یہ کہہ دیتی ہے یہ اتفاق کا دھماکہ ہے ایسا اتفاقاً ہوا بلا کسی وجہ کے ہوا بلا کسی سبب کے ہوا، اس کے لئے کوئی بنیاد نہیں ہے اس کی کوئی علت نہیں ہے۔ عزیزان ملت ! مگر سائنس جسے اتفاق کا دھماکہ کہتی ہے اسلام اُسے خدا کا فیصلہ کہتا ہے اسلام اُسے اللہ کا حکم کہتا ہے اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ کوئی چیز اتفاق کی بنیاد پر وجود پذیر نہیں ہوتی کوئی چیز حادثے کی بنیاد پر عدم سے وجود میں نہیں آتی بلکہ معدوم سے موجود کرنے والا اور ناموجود سے پردۂ وجود میں لانے والا یقیناً وہ پروردگار عالم ہے جو خدائے قدیر وجبار ہے وہ رب العزت ہے یہ تو سائنس کی کوتاہی ہے کہ وہ اُسے اتفاق کہہ کر کے مطمئن ہوجاتی ہے اتفاق کہہ کرکے لوگوں کو مطمئن کرنا چاہتی ہے میں عرض کرنا چاہتا ہوں اتفاق بے ترتیبی کا نام ہے اتفاق تو دراصل انتشار بحث کا نام ہے اتفاق تو بکھر جانے کا نام ہے اتفاق میں حسن نہیں ہوتا اتفاق میں ترتیب نہیں ہوتی اتفاق میں جمال نہیں ہوتا اتفاق میں نظم

نہیں ہوتا اتفاق میں وہ تمام باتیں پائی نہیں جاتیں جو کائنات کے اندر پائی جاتی ہیں آپ یہ کہتے ہیں یہ کائنات اتفاق کا نتیجہ ہے یہ زمین اتفاق کا نتیجہ ہے یہ آسمان اتفاق کا نتیجہ ہے میں کہنا چاہتا ہوں آپ کائنات کے جمال کا جائزہ لیں کائنات کے نظم کا جائزہ لیں کائنات کے جمال ترتیبی کا جائزہ لیں کائنات کی ترتیب کا جائزہ لیں سائنس کا اگر یہ دعویٰ صحیح ہے کہ یہ پوری کائنات کششِ ثقل کے اوپر قائم ہے سیارے ایک دوسرے کی کشش کے اوپر قائم ہیں اور یہی کشش ان کے بقاء ان کے قیام اور ان کے تباہ نہ ہونے کی ضمانت فراہم کر رہی ہے اس کشش ثقل میں اگر ذرا سا بھی فرق آجائے تو کائنات ایک لمحہ بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ صدیاں گزر گئیں کہ سورج اپنے وقت پہ نکلتا ہے چاند اپنے وقت پہ نکلتا ہے ستارے اپنے وقت پہ طلوع ہوتے ہیں پودے اپنے وقت پہ نکلتے ہیں پھول اپنے وقت پہ کھلتے ہیں۔

عزیزانِ ملت! موسم اپنے وقت پر آتے ہیں، صبح اپنے وقت پر ہوتی ہے، شام اپنے وقت پر ہوتی ہے، ہوائیں اپنے وقت پہ چلتی ہیں، انسان اپنے تدریجی نظام کے تحت بچہ ہوتا ہے، جوان ہوتا ہے، بوڑھا ہوتا ہے، درخت کونپلوں کی صورت میں نمودار ہوتا ہے، جوان ہوتا ہے بارآور ہوتا ہے پھر سوکھ جاتا ہے، صدیوں کا نظام ہے جسے ہم دیکھ رہے ہیں، کتنا حسن ہے؟ کتنی ترتیب ہے؟ کتنا نظم ہے؟ آپ اگر آسمان کی دنیا کا جائزہ لیں، سیاروں کی دنیا کا جائزہ لیں، ستاروں کی دنیا کا جائزہ لیں تو آپ حیرت و استعجاب میں ڈوبتے چلے جائیں گے۔ یہ ستارے ننھے منے جو آسمان پہ نظر آرہے ہیں، یہ اتنے ہی مختصر نہیں ہیں جتنے مختصر ہم کو نظر آرہے ہیں۔ یہ کہکشاں، یہ شاہراہ، جسے ہم ستاروں کی سڑک کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کبھی آپ نے سوچا؟ کہ یہ کہکشاں کتنی حسین ہے؟ کتنی خوبصورت ہے؟ ہزاروں شاعروں نے اس کہکشاں کو مختلف تشبیہات سے نوازا ہے اور انسانی نظر کے لئے فروغ کا سامان قرار دیا ہے مگر یہ کہکشاں کتنی وسیع ہے؟ کتنی عظیم ہے؟ اس کا اندازا کرنا ہو تو اس بات کی حقیقت کو تسلیم کرو کہ کہکشاں کے بہت ننھے منے اور چھوٹے سے ستارے کے اندر ہماری کروڑوں زمینیں اٹھا کے رکھی جا سکتی ہیں۔ یہ اتنے بڑے ستارے ہیں اور ان کی یہ سڑک ہمارے سامنے کہکشاں کے

نام سے یاد کی جاتی ہے۔ یہی حال دوسرے سیاروں اور دوسرے ستاروں کا ہے۔ ان کے فاصلے نپے اور تلے ہیں خواہ وہ صدہا سال نور، پر موقوف ہوں یا سینکڑوں نوری سال کے نام سے یاد کئے جائیں لیکن ان کے فاصلے ہیں۔ اور فاصلے ایسے ہیں کہ ان فاصلوں میں اگر ذرا سا بھی فرق آجائے تو یہ کائنات تباہ ہو جائے، یہ کائنات برباد ہو جائے، یہ کائنات پلٹ جائے لیکن صدیاں گذر گئیں ہیں کہ ان فاصلوں میں کوئی فرق نہیں آرہا ہے، صدیاں گذر گئیں ہیں کہ ان کے نظم میں کوئی فرق نہیں آرہا ہے، صدیاں گذر گئیں ہیں کہ ان کے حسن میں کوئی فرق نہیں آرہا ہے، صدیاں گذر گئیں ہے کہ ان کے ٹائم میں سکنڈوں کا کوئی فرق نہیں آرہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کائنات قائم ہے۔ پتہ چلا کہ یہ کائنات اگر قائم ہے تو اپنے حسن کی بنیاد پر حسن نظم کی بنیاد پر، اپنی ترتیب کی بنیاد پر، کیا اتفاق کے اندر اتنی حیرت انگیز ترتیب ہوتی ہے؟ کیا اتفاق کے اندر اتنا حیرت انگیز حسن ہوتا ہے؟ کیا اتفاق کے اندر اتنا حیرت انگیز نظم ہوتا ہے؟ میں آپ سے کہوں گا اگر آپ ایک گلاس پانی اپنے ہاتھ میں لیں اور اُسے زمین پہ پھینکیں اور یہ اُمید کریں کہ جیسے ہی میں زمین پہ ایک گلاس پانی یا ایک گلاس رنگ پھینکوں گا آسٹریلیاء کا جغرافیہ تیار ہو جائے گا۔ Political جغرافیہ بھی فزیکل جغرافیہ بھی، طبعی بھی۔ سیاسی بھی۔ سماجی بھی تو یہ آپ کی ہوسِ بے جا ہوگی۔ اتفاق کی بنیاد پر ایک گلاس پانی پھینک کر کے آپ آسٹریلیاء کا نقشہ تیار نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لیئے کہ اتفاق ہمیشہ منتشر ہوتا ہے، غیر مرتب ہوتا ہے، غیر منظّم ہوتا ہے۔ اگر آپ کو آسٹریلیاء کا نقشہ ڈرا کرنا ہے تو آپ کو قلم اور پنسل اپنے ہاتھ میں لینا پڑے گا۔ آپ کو کینورس کے اوپر باضابطہ انتہائی احتیاط کے ساتھ قلم کو چلانا پڑے گا تب جا کر کے آپ اس کے مختلف نقوش اور مختلف رنگوں کو اُبھار سکیں گے۔

عزیزانِ ملت! یہی حال آپ اتفاق کا دوسرے مقام پہ دیکھ سکتے ہیں۔ آپ دس ٹھیکریاں لیں یا دس نمبر لیں اور اُنہیں کسی ایسے برتن میں ڈال دیں جن میں آپ کی نگاہ نہ پہنچ سکتی ہو۔ آپ ہاتھ ڈالیں اور سوچیں کہ ترتیب کے ساتھ دس نمبر نکال لیں پہلے ایک نکالیں، پھر دو نکالیں، پھر تین نکالیں، پھر چار نکالیں، پھر پانچ نکالیں، اس طرح سے کرتے کرتے ہم دس

نکال لیں تو میں عرض کرنا چاہوں گا کہ آپ بار بار کوشش کریں گے تو ہوسکتا ہے ایک اور دو ایک ساتھ نکال لیں، ہزار بار کوشش کریں گے تو ہوسکتا ہے ایک اور دو اور تین ایک ساتھ نکال لیں، کروڑوں بار آپ کوشش کریں گے تو ہوسکتا ہے کہ ایک اور دو اور تین اور چار ایک ساتھ نکال لیں۔مگر صبح قیامت تک ہزاروں سال کوشش کرنے کے باوجود آپ دس نمبروں کو ایکساتھ نہیں نکال سکتے۔تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں اگر آپ اتفاق کی بنیاد پر دس نمبروں کو ترتیب کے ساتھ نہیں نکال سکتے تو یہ عظیم کائنات، یہ ستاروں کا نظام، یہ سیاروں کا نظام، یہ موسموں کا نظام، یہ ہواؤں کا نظام، یہ دریاؤں کا نظام، یہ پہاڑوں کا نظام، یہ طبعیات کا نظام، آپ ذرا سوچیں یہ حیرت انگیز نظام کیا کسی اتفاق کی بنیاد پر قائم ہے؟ ماننا پڑے کہ اس کے پیچھے کوئی مدبر حقیقی ہے جو اس نظام کو چلا رہا ہے، جس نے اس نظام کو قائم کیا ہے۔اسی کو ہم اللہ کہتے ہیں، اُسی کو ہم معبود کہتے ہیں، اسی کو ہم پروردگار کہتے ہیں، اُسی کو ہم رب العزت کہتے ہیں۔تو میں کہہ رہا تھا کہ سائنس کا دعویٰ یہ ہے، اس کا مزاج یہ ہے کہ جب وہ کسی بات تک نہیں پہنچ پاتی تو کہہ دیتی اتفاقاً ایسا ہوا چنانچہ وہ کہتی ہے کہ یہ زمین سورج سے ٹوٹ کے جدا ہوئی اور جدا ہونے کے صدہا سال کے بعد یہ سرد ہوئی اور سرد ہونے کے بعد اتفاقاً اس کے اندر ایک دھماکہ ہوا اور پھر زمین مختلف براعظموں میں تقسیم ہوگئی ہے اور بیچ بیچ میں سمندر پیدا ہوگئے۔یہ آج کی سائنس کہتی ہے جس کے بارے میں اصطلاحی زبان یہ ہے کہ یہ نظریہ انتشار براعظم ہے۔یعنی زمین براعظموں میں کیسے تقسیم ہوئی؟ زمینوں کے درمیان سمندر کیسے پیدا ہوگئے؟ تو سائنس یہ کہتی ہے اتفاق کا دھماکہ ہوا اور زمین کے اندر انتشار پیدا ہوا اور مختلف براعظموں میں زمین تقسیم ہوگئی ہے۔یہ یورپ ہے، یہ امریکہ ہے، یہ آسٹریلیاء ہے، یہ ایشیاء ہے، یہ آفریقہ ہے اور بیچ میں سمندروں کا ایک لامتناہی نظام قائم ہوگیا۔میں عرض کرنا چاہتا ہوں سائنس سے ہم صرف اتنا اختلاف کریں گے کہ سائنس اسے اتفاق کا دھماکہ کہتی ہے اور ہم اسے قدرت کا حکم کہتے ہیں قدرت کے حکم کے پیش نظر قرآن عظیم کا مطالعہ کیجئے۔سائنس نے آج چودہ سو سال کے بعد کہا ہے کہ یہ سمندر، یہ زمینیں اتفاق کی بنیاد پہ پیدا ہوئی ہیں اور قرآن عظیم چودہ سو سال پہلے ارشاد فرما رہا ہے " اولم

یر الذین کفروا ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقنهما،، (پارہ ۱۷: سورہ الانبیاء آیت: ۳۰) کیا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ یہ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ آسمان اور زمین، پستیاں اور بلندیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں پھر ہم نے ان کو جدا کردیا۔آپ اندازہ کیجئے اور غور فرمایئے۔کہ قرآن عظیم ارشاد فرمارہا ہے کہ پستیاں اور بلندیاں ملی ہوئی تھیں، ہم نے جدا کردیا۔اور اس کے بعد ارشاد فرمایا جارہا ہے ایک دوسرے مقام پر " والارض بعد ذلک دحها، فاخرج ماء ها و مرعها،، وہی پروردگار عالم ہے، جس نے تخلیق زمین کے بہت بعد زمین کو پھاڑ دیا تو اس میں پانی بھی نکالا۔اور سبزہ بھی نکالا آپ اندازہ کریں نظریہ انتشار براعظم آج دنیا کے سامنے آیا ہے۔مگر قرآن عظیم آج سے چودہ سو سال پہلے ہی اس کائناتی حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھارہا ہے اور آج کی سائنس اس کی تائید کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! آج اگر سائنس کی دنیا سے یہ سوال کیا جائے کہ تم قیامت پر یقین رکھتے ہو یا نہیں رکھتے ہو؟ اے سائنسدانو! اے سائنس کی دنیا میں بسنے والو! اے عقل و شعور کا دعویٰ کرنے والو! کیا تم جانتے ہو قیامت آجائیگی؟ تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم قیامت پر یقین تو نہیں رکھتے۔لیکن ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ اگر کائنات میں کوئی اختلال پیدا ہو، نظم کائنات میں کوئی بے ترتیبی پیدا ہوجائے تو قیامت آسکتی ہے۔مثال کے طور پر یہ سیارے جتنے فاصلے پر ہیں ان کا فاصلہ اگر کبھی سمٹ جائے تو قیامت آسکتی ہے۔یہ وقت اور Time کا نظام جو کائنات کے اندر قائم ہے اس میں کمی اور بیشی ہوجائے تو قیامت آسکتی ہے۔اس سلسلہ میں ایک مثال دی جاسکتی ہے کہ چاند ہماری زمین سے ڈھائی لاکھ میل کے فاصلے پر ہے۔لیکن جب ڈھائی لاکھ میل کے فاصلے سے چاند زمین پر اپنی غضب ناک نگاہیں ڈلتا ہے سمندروں پر تو سمندروں میں مدوجزر آجاتا ہے جوار بھاٹا آجاتا ہے۔کبھی چاند سمندر کے لاکھوں ٹن پانی کو سطح زمین پہ پھیلا دیتا ہے اور کبھی چاند سمندر کے لاکھوں ٹن پانی کو سمندر کی آغوش میں سمیٹ دیتا ہے۔یہ آئے دن ہم دیکھتے ہیں، ہر روز ہمارا مشاہدہ ہے۔چاند کی اپنی کیفیت کی بنیاد پر سمندروں میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔بیکراں موجیں پیدا ہوتی ہیں اور

سمندروں کا پانی سطحِ زمین پہ بکھر جاتا ہے۔ تو میں یہ عرض کررہا ہوں اگر چاند ڈھائی لاکھ میل کے فاصلے سے سمندر پہ اپنی غضبناک نگاہیں ڈالتا ہے تو سمندر میں ہیجان برپا ہوجاتا ہے۔ کروڑوں ٹن پانی سمندر کی گود سے اُچھل کر کے فضاؤں میں پھیل جاتا ہے، زمین پہ پھیل جاتا ہے۔ تو آپ مجھے بتایئے اور جواب دیجئے کہ اگر یہی چاند ڈھائی لاکھ میل کے فاصلے کے بجائے پچاس ہزار میل کے فاصلے پر آجائے تو سمندروں کا عالم کیا ہوگا؟ سمندروں میں اتنی شدید طغیانی آئیگی، اتنا شدید سیلاب آئیگا کہ سمندر پہاڑوں کو نگل جائیں گے، زمینوں کو ختم کردیں گے سمندر، اور کائنات پہ کوئی زندہ چیز باقی نہیں رہ جائے گی ہر چیز ڈوب جائے گی۔ ایک مرتبہ پھر طوفانِ نوح کا منظر دنیا کی نگاہوں کے سامنے آئیگا۔ اور دنیا ختم ہوجائے گی۔ پتہ یہ چلا کہ سائنس داں اس امکان کو تسلیم کرتے ہیں، اس امکان کو مانتے ہیں کہ قیامت تو نہیں آئیگی، قیامت کو ہم نہیں مانتے لیکن اگر کبھی سیاروں کے نظام میں اختلال واقع ہوجائے کبھی سیاروں کے نظام میں خلل واقع ہوجائے کبھی سیاروں کے نظام میں انتشار واقع ہوجائے تو قیامت آسکتی ہے، کائنات تباہ ہوسکتی ہے، میں عرض کرنا چاہتا ہوں آپ پورے قرآن عظیم کا مطالعہ کریں، قرآن عظیم میں جہاں جہاں قیامت کا تذکرہ کیا گیا ہے وہاں وہاں کچھ ایسی باتیں موجود ہیں جو اس بات کی طرف اشارہ کررہی ہیں کہ قیامت آئے گی تو سیاروں کے نظام میں فرق پڑ جائے گا، قیامت آئے گی تو فاصلے سمٹ جائیں گے، قیامت آئے گی تو وہ اسباب پیدا ہوں گے جن اسباب کی بنیاد پر آج کا سائنسداں بھی قیامت کو تسلیم کرنے پہ مجبور ہے۔ قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے" یوم نطوی السماء کطیّ السجل للکتب ،، (پارہ ۱۷: سورہ الانبیاء: ۱۰۲) قیامت اُس روز آئے گی جس روز ہم آسمانوں کو تو مار مارے ہوئے کاغذ کی طرح لپیٹ دیں گے۔ بلندیوں کو ہم سمیٹ دیں گے۔ تب قیامت آئیگی۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ کتنی واضح حقیقت قرآن عظیم بیان فرمارہا ہے کائنات کے آغاز کے سلسلے میں، زمین کے انتشار کے سلسلے میں اور کائنات کے اختتام کے سلسلے میں زمین کے اختتام کے سلسلے میں۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! جب اُن حقیقتوں کے باب میں قرآن عظیم اس قدر ٹھوس فیصلے دے رہا ہے جو قرآن عظیم کا بظاہر موضوع نہیں ہیں تو بتاؤ وہ دعوتِ اسلامی، وہ فکر اسلامی اور وہ نظام اسلامی جو براہ راست قرآن عظیم کا موضوع ہیں وہ کس قدر ٹھوس ہوں گے؟ اور کس قدر واضح ہوں گی ان کی بنیادیں؟ اور کس قدر قابل اُمن ہوں گی ان کے اصول جو قرآن عظیم کے ذریعہ سے انسانیت کو میسر آرہے ہیں۔ عزیزانِ ملت! آپ غور فرمائیں اور جائزہ لیں! زندگی کب پیدا ہوئی؟ کس طرح سے پیدا ہوئی؟ زندگی کیسے پھیلی اور زندگی کی نمود کیسے ہوئی؟ آج کی سائنس یہ کہتی ہے کہ زندگی کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زندگی کے پہلے جرثومے کو پانی کے اوپر دیکھا گیا ہے۔ زندگی پانی سے پیدا ہوئی، پانی بنیاد بنا حیات کے لئے، آج کی سائنس چودہ سو سال کے بعد کہتی ہے کہ پانی اساس حیات ہے۔ بنیاد حیات ہے اور قرآن عظیم چودہ سو سال پہلے ہی فرمارہا ہے" وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ،، (پارہ: ۱۷ سورہ الانبیاء: ۳۰) ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز کو پیدا کیا ہے۔ اللہ اکبر! قرآن عظیم کے ارشادات کا مطالعہ کیجئے اور قرآن عظیم کی عظمتوں میں ڈوبتے چلے جایئے۔ میں یقیناً اس موضوع پر بہت تفصیل کے ساتھ شواہد اور حقائق پیش کرتا۔ وقت ہوگا تو انشاء اللہ میں کسی اور موقع پر بہت تفصیل کے ساتھ یہ بتاؤں گا کہ سائنس اسلام سے متصادم نہیں ہے۔ بلکہ جیسے جیسے سائنس ترقی کرتی جائے گی تو قرآن پاک کا نظام دنیا کے سامنے زیادہ واضح اور روشن انداز سے آتا جائے گا۔ سائنس اسلام کی خادم ہے۔ جیسے کائنات کی ہر شئے اسلامی نظام کی تائید کرتی ہوئی نظر آتی ہے سائنس بھی تائید کررہی ہے۔ عصر جدید اسلام کا مخالف نہیں ہے بلکہ عصر جدید اسلام کے لئے نئے آفاق اور نئی راہیں فراہم کرنے والا ہے۔

و ما علینا الا البلاغ

☆☆☆

خیر اُمت کا منصب اور ہماری ذمہ داریاں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ أَقَامَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعاً، وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ، صَلٰوةً تَبْقیٰ وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهُ وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ. أَمَّا بَعْدَ.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ – بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِکَتَهُ یُصَلُّوْنَ عَلٰی النَّبِیِّ یٰأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْماً. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِهِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ.

"کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ،، صدق الله مولٰنا العلی العظیم و بلغ رسوله النبی الکریم و نحن علی ذالک لمن الشهدین و الشکرین و الحمد لله رب العالمین

علماء باوقار! عزیزان ملت اسلامیہ! قابل احترام بزرگو اور دوستو! ہم اور آپ انتہائی احترام وعقیدت کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکز عقیدت، حضور تاجدار دو عالم، سرور کائنات محمد رسول اللہ روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں درود شریف کی نذر

یں پیش کرلیں۔"اللهم صل علی سیدنا و مولانا محمد معدن الجود و الکرم واله الکرام أجمعین،،

ماحول کی مناسبت اور آپ کی طبیعت کوملحوظ رکھتے ہوئے آج میرا عنوان ہوگا، خیر اُمت کا منصب اور ہماری ذمہ داریاں، اوران شاءاللہ مسلم پرسنل لا کے موضوع پر اور اسلامی قانون کے موضوع پر کل ایک تفصیلی گفتگو ہوگی اگر آپ تشریف لائیں گے علامہ عبیداللہ اعظمی نے آج کے ماحول کی روشنی میں کچھ تجاویز پیش فرمائی ہیں اور حالات کا تجزیہ کیا ہے۔ میں ان کے بنائے ہوئے ذہن کو سامنے رکھ کر کے یہ بتانا چاہوں گا کہ ہر دور میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں کیا رہی ہیں؟ اور آج وہ ذمہ داریاں دوسرے ادوار کے مقابلہ میں کتنی بڑھ گئی ہیں؟

پوری کائنات مصروف سفر ہے۔ہم بھی سفر کررہے ہیں اور آپ بھی سفر کررہے ہیں۔ کائنات کا ذہ ذرہ سفر کررہا ہے۔ہم اپنا داخلی سفر بھی کررہے ہیں خارجی سفر بھی کررہے ہیں۔ ذات کے اندر کا سفر بھی اور ذات کے باہر کا سفر بھی۔اور ذات کا سفر بھی۔ میں اسفار کا تجزیہ کرنا چاہوں گا یقیناً وہ آپ کی طبیعت پر بوجھل ہوگا اس لئے ہم اپنے خارجی سفر کی بات کریں گے۔ جو آئے دن ہم کرتے رہتے ہیں۔ایک مقام سے دوسرے مقام تک جاتے ہیں۔ایک جگہ سے دوسری جگہ تک جاتے ہیں۔اعلان ہوا کہ ہندوستان کے عظیم مقرر عبیداللہ اعظمی آج تقریر کریں گے۔تو آپ نے سفر فرمایا۔اپنے گھروں سے آئے اور یہاں بیٹھے ہیں۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا اسفار کی تاریخ سے بھری ہوئی ہے۔رحلات کی تاریخ سے بھری ہوئی ہے۔قوموں کا سفر، جماعتوں کا سفر، گروہوں کا سفر، علاقوں کا سفر، ملکوں کا سفر لوگ کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔مگر دنیا کے سفر میں اور ایک مومن کے سفر میں ایک بنیادی فرق ہے۔ جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔دنیا سفر کرتی ہے تو مال ودولت کے لئے، دنیا سفر کرتی ہے تو اقتدار کے لئے، دنیا سفر کرتی ہے تو فتح ممالک کے لئے، دنیا سفر کرتی ہے تو اک منصب حاصل کرنے کے لئے، دنیا سفر کرتی ہے تو زندگی کو مسرتوں سے بھر لینے کے لئے، دنیا سفر کرتی ہے تو حصول زر کے لئے، دنیا سفر کرتی ہے تو سرمایہ کے لئے دنیا سفر کرتی ہے تو مادی مفادات کے لئے جو مقصد سفر ہوتا ہے اسی

کے اعتبار سے سامان سفر ہوتا ہے، دنیا اگر سفر کرتی ہے تجارت کے لئے تو سامان تجارت ساتھ ہوتا ہے، دنیا اگر سفر کرتی ہے فتح ممالک کے لئے تو اسلحہ اور فوج ساتھ ہوتی ہے، دنیا اگر سفر کرتی ہے دولت کے لئے تو دولت کے وسائل ساتھ ہوتے ہیں۔

مسلمانُ جب سفر کرتا ہے وہ دولت کے لئے سفر کرے یا نہ کرے، وہ سرمایہ کے لئے سفر کرے یا نہ کرے، وہ وقار کے لئے سفر کرے یا نہ کرے، وہ حکومت کے لئے سفر کرے یا نہ کرے، اس کے پاس دولت ہو یا نہ ہو، اس کے پاس سرمایہ ہو یا نہ ہو اس کے پاس اقتدار ہو یا نہ ہو، اس کے پاس افوج ہو یا نہ ہو۔ اس کے پاس اسلحہ ہو یا نہ ہو، اس کے پاس بچے ہو، یا نہ ہو، اس کے پاس زمانے کی سہولتیں ہوں یا نہ ہو، جب وہ سفر کرتا ہے تو یہ سفر موجود ہو یا نہ ہو، مگر ہمارا چودہ سو سالہ تاریخی سفر بتا رہا ہے کہ ہم نے جب بھی سفر کیا ہے تو ایک چیز ہمیشہ ہمارا ساتھ رہی ہے ایک حقیقت ہمیشہ ہمارے ساتھ رہی ہے، ایک دولت ہمیشہ ہمارے ساتھ رہی ہے۔ ایک توانائی ہمیشہ ہمارے ساتھ رہی ایک قوت ہمیشہ ہمارے ساتھ رہی ہے جانتے ہیں وہ کیا ہے؟ دولت رہی ہو، یا نہ رہی ہو سرمایہ رہا ہو یا نہ رہا ہو، عزت و افتخار کی منزل میں چلنے والا مسافر سامان و افتخار سے آراستہ رہا ہو یا نہ رہا ہو۔ مگر ایک چیز مرد مومن کے ہر سفر میں ساتھ رہی ہے ہر منزل میں ساتھ رہی ہے۔ جانتے ہو وہ کیا چیز ہے؟ وہ ہمارا ایمان ہے۔ وہ ہمارا عقیدہ ہے۔ وہ ہمارا مذہب ہے۔ وہ ہماری تہذیب ہے۔ رسول اللہ کا نظام زندگی ہے۔ قرآن عظیم کا دستور حیات ہے۔ ہم نے جب بھی سفر کیا ہے۔ ایک ملک سے دوسرے ملک میں سفر کیا ہے۔ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں سفر کیا ہے۔ ایک خطہ سے دوسرے خطہ میں سفر کیا ہے۔ ایک زمین سے دوسری زمین میں سفر کیا ہے۔ تو ہمیشہ ہمارا دین ہمارے ساتھ رہا ہے۔ ہمارا کلمہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہا ہے۔ ہمارا نظام ہمیشہ ہمارے ساتھ رہا ہے۔ ہمارا آئین ہمیشہ ہمارے ساتھ رہا ہے۔ ہمارا قانون زندگی ہمیشہ ہمارے ساتھ رہا ہے۔ ہمارا پرسنل لا ہمیشہ ہمارے ساتھ رہا ہے، ہمارا سجدہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہا ہے۔ ہمارا مذاق ہمیشہ ہمارے ساتھ رہا ہے۔ ہماری بندگی ہمیشہ ساتھ رہی ہے۔ گنبد خضریٰ کی چھاؤں ہمیشہ ساتھ رہی ہے دامن

مصطفیٰ ہمیشہ رہا ہے۔ تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں دکھایا جا سکتا، تاریخ کا کوئی زمانہ ایسا نہیں دکھایا جا سکتا کہ جب مسلمان نے سفر کیا ہو تو اس کا دین اس کے ساتھ نہ رہا ہو۔ اس کا کلمہ اس کے ساتھ نہ رہا ہو۔ اس کا آئین اس کے ساتھ نہ رہا ہو اس کا نظام اس کے ساتھ نہ رہا ہو، اس کا دستور حیات اس کے ساتھ نہ رہا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دنیا کے جس ملک میں پہونچے، جس علاقہ میں پہونچے۔ جس گوشہ میں پہونچے۔ جس خطہ میں پہونچے، رسول اللہ کے نظام زندگی کے امین بن کر کے پہونچے، سرور کائنات کی وراثت کو لے کر کے پہونچے۔

کبھی آپ نے سونچا؟ کہ حضور رحمت عالم سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو زمین دعوت منتخب کی گئی تھی وہ، وہ کتنی سخت زمین تھی، رسول اللہ سے پہلے جو انبیاء کرام تشریف لائے وہ دریاؤں کی زمینوں پر آئے، بہاروں کی زمینوں پر آئے، وہ تازگی کی زمینوں پر آئے، وہ گلوں کی زمینوں پر آئے، وہ نکہتوں کی زمینوں پر آئے، وہ روئیدگی زمینوں پر آئے، وہ سبزوں کی زمینوں پر آئے، آپ دیکھو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، دوسرے پیغمبران بنی اسرائیل ہیں۔ ان کو اگر بھیجا گیا ہے تو نیل کی وادیوں میں بھیجا گیا ہے۔ بیت المقدس کی دیواروں کے نیچے بھیجا گیا ہے۔ شام کی منزلوں میں بھیجا گیا ہے۔ یہ شادابیوں کے ملک ہیں۔ یہ موسموں کے ملک ہیں۔ یہ بہاروں کے ملک ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بابل کی سرزمین پر بھیجا گیا ہے۔ اُسے بھی دجلہ سیراب کر رہا ہے۔ فرات سیراب کر رہا ہے اور انبیاء کرام کو نہروں کی زمین پہ بھیجا گیا، دریاؤں کی زمین پہ بھیجا گیا، یاد رکھیئے زمینوں کے اثرات انسانوں کی طبیعتوں پر ہوتے ہیں مگر رسول اللہ کو بھیجا گیا تو وادیٔ غیر زرع میں بھیجا گیا۔ پتھروں کی زمین پہ بھیجا گیا۔ مشقتوں کی زمین پہ بھیجا گیا۔ عالم یہ ہے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس ترین زمین کا کہ زمین بھی پتھر ہے، پہاڑ بھی پتھر کے ہیں۔ دیوار بھی پتھر کے ہیں، ہاتھوں میں بھی پتھر ہے۔ اور دل بھی پتھر کے ہیں۔ پتھروں کے ماحول میں رسول اللہ کو زندگی کا گلاب کھلانے کے لئے بھیجا گیا، پتھروں کو لالہ کا جگر دینے کے لئے بھیجا گیا، اتنا عظیم انقلاب برپا کرنے کے لئے بھیجا گیا، وہ پتھر جو رسول اللہ

پہ اُٹھائے جا رہے ہیں، وہی پتھر کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ وہ پتھر جو رسول اللہ کے راستے میں بکھیرے جا رہے ہیں وہی پتھر نقش کف پائے مصطفیٰ اُتار رہے ہیں۔ رسول اللہ کو بڑی مشکل زمین پہ بھیجا گیا۔ بڑی عجیب زمین پہ بھیجا گیا۔ اس لئے اور صرف اس لئے کہ رسول اللہ کے دیوانے دنیا کی بہاروں کی سرزمینوں پر، تہذیبوں کی سرزمین پر، تمدنوں کی سرزمین پر بکھر کر کے اپنی تہذیب کے اصلی نقوش کو مرتب کر سکیں۔ ہوتا یہ ہے کہ انسان جب مشقتوں سے اُبھرتا ہے اور راحتوں کی زمین پہ پہنچتا ہے تو وہاں جا کر کے گم ہو جاتا ہے۔ اپنی تہذیب کو گم کر دیتا ہے۔ اپنے تشخص کو گم کر دیتا ہے۔ اپنی انفرادیت کو گم کر دیتا ہے۔ اپنی آئیڈنٹیفکیشن کو فراموش کر دیتا ہے۔ مولانا عبید اللہ اعظمی جو کچھ بول رہے تھے دراصل وہ اپنے تشخص کو بچانے کی بات کر رہے تھے۔ وہ اپنے تمدن کے بچانے کی بات کر رہے تھے۔ اپنے آئین کے بچانے کی بات کر رہے تھے۔ میں آپ کو اسی بات کی تائید کرتے ہوئے بتاؤں گا کہ مسلمانوں کا چودہ سو سالہ سفر بتا رہا ہے کہ مسلمان جہاں بھی گیا ہے وہ اپنے تشخص کے ساتھ گیا ہے۔ وہ اپنے دین کے ساتھ گیا ہے۔ وہ اپنے نظام کے ساتھ گیا ہے۔ صحرائے عرب سے نکلنے والا مسلمان یونان کی سرزمین پہ پہونچا۔ روم کی دھرتی پہ پہونچا۔ یونان کی سرزمین بھی افلاطون کی سرزمین تھی۔ ارباب دانش کی سرزمین تھی۔ ارباب فکر کی سرزمین تھی۔ ارباب فلسفہ کی سرزمین تھی۔ وہ سرزمین تھی جس نے ارسطو کو پیدا کیا تھا۔ سقراط کو پیدا کیا تھا۔ فلاطیونس کو پیدا کیا ہے۔ برخنس کو پیدا کیا تھا۔ وہ سرزمین تھی جس نے اسکندر اعظم کو عسکری تربیت دی تھی۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس سرزمین کے بسنے والے اپنے کو انسان اور پوری دنیا کو اپنے مقابلہ میں ذلیل تصور کیا کرتے تھے اُن کا احساس برتری اتنا چھایا ہوا تھا کہ وہ دنیا کو اپنے مقابلہ میں انسان ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ راحتوں کی زمین تھی۔ وہ خوشبوؤں کی زمین تھی۔ وہ لطافتوں کی زمین تھی۔ وہ جمال کی زمین تھی۔ وہ مسرّتوں کی زمین تھی۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ عرب کا صحرا نشین عرب کے مشقتوں میں پلے ہوئے مسلمان جب روم کی وادیوں میں پہونچتے تھے۔ تو روم کے حسن میں گم ہو گئے ہوتے۔ روم کی تہذیب میں گم ہو گئے

ہوتے۔ روم کے تمدن میں گم ہو گئے ہوتے۔ روم کی فکر میں گم ہو گئے ہوتے۔ روم کے فلسفہ میں گم ہو گئے ہوتے۔ یونان کی طب میں گم ہو گئے ہوتے۔ مگر قربان جایئے۔ جب روم کی دھرتی پہ مسلمانوں نے قدم رکھا تو جلوؤں نے پکارا ہوگا؟ چہروں نے آواز دی ہوگی؟ نکہتوں نے مخاطب کیا ہوگا؟ اور جھوٹے ٹنگوں کی ریزہ کاری نے دامن نظر کو چھیننا چاہا ہوگا؟ مگر قربان جایئے مسلمان روم کی سرزمین پہ پہونچا تو دامن نگاہ بچائے بچائے پہونچا، رسول اللہ کی تہذیب کو سنبھال سنبھال کے پہونچا، رسول اللہ کے نظام کو لیکر کے پہونچا اور اس نے روم کی تہذیب سے اپنی تہذیب کا کوئی سودا نہیں کیا۔ روم کے تمدن سے اپنے تمدن کا کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ روم کی سرزمین میں بیٹھ کر کے اس نے کوئی مشترکہ نظام زندگی تلاش نہیں کیا۔ کسی کے مطالبہ کو اس نے ایک لمحہ کے لئے نہیں مانا اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ بکا وہ کرتا ہے جو پہلے کہیں بک نہ چکا ہو۔ مسلمان تو بازار مدینہ میں بک چکا ہے۔ اور جب اُسے رسول اللہ نے خرید لیا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے خرید نہیں سکتی ہے۔

جب تک بکے نہ تھے تو کوئی پوچھتا نہ تھا
تم نے خرید کر ہمیں انمول کر دیا

عزیزان ملت اسلامیہ! یہی مسلمان ایران کی زمین پہ پہونچا۔ میں تاریخ کا ایک سرسری تجزیہ پیش کر رہا ہوں۔ اور اس کے بعد اگر آپ کے مذاق سماع نے ساتھ دیا۔ آپ کی قوت سماع نے ساتھ دیا۔ یا آپ مجھے برداشت کر سکے تو میں تاریخ کے حوالوں سے اس عنوان کو سجاؤں گا اور بتاؤں گا کہ مسلمان کتنے عظیم کردار کا مالک رہا ہے۔ مسلمان کتنے عظیم کریکٹر کا مالک رہا ہے۔ یہی مسلمان ایران کی سرزمین پہ پہونچا۔ ایران بھی کسی فلسفہ کے بغیر کوئی زمین نہیں تھی۔ وہاں بھی اوسطا کا نظام تھا۔ وہاں بھی زرتشت کا نظام تھا، وہاں بھی آتش کدہ موجود تھا، وہاں بھی عبادت کرنے والے موجود تھے، وہاں بھی شعلہ سرخ کی پوجا ہوتی تھی، وہاں بھی شعلے کبھی بجھتے ہوئے نظر نہیں آتے تھے۔ وہاں بھی نفع اور نقصان کا مالک کسی کو سمجھا جاتا تھا۔ وہاں بھی اھرمن کا تصور تھا۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ جب مسلمان عرب سے نکلنے کے بعد،

مشقتوں کی زمین سے نکلنے کے بعد، پہاڑوں کی زمین سے نکلنے کے بعد، تکلیفوں کی زمین سے نکلنے کے بعد، کلفتوں کی زمین سے نکلنے کے بعد، ایران کی دھرتی میں پہونچا تھا تو جو ایران جلوؤں کی امین ہے۔ ایران بہاروں کی زمین ہے۔ ایران نکہتوں کی زمین ہے، ایران پھولوں کی زمین ہے، ایران موسموں کی زمین ہے، ایران بادِصبا کی زمین ہے، ایران نسیم سحر کی زمین ہے، ایران گلاب کی زمین ہے ایران نے حسن کا مذاق بخشا ہے، ایران نے فکر بخشی ہے۔ ایران ادب کی زمین ہے ایران شعر کی زمین ہے، ایران جمال کی زمین ہے۔ مذاق جمال کی زمین ہے، ایران کتنی خوبصورت زمین تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ عرب کے صحراؤں میں پلنے والا مسلمان جب ایران پہونچا تھا تو ایران میں گم ہوجاتا، ایران کے حسن میں گم ہوجاتا، ایران کی تہذیب میں گم ہوجاتا، اوسطا کے فکر میں گم ہوجاتا۔ زرتشت کے نظام میں گم ہوجاتا، اھرمن کے تصور میں گم ہوجاتا آتش کدوں کا سجدہ کرتا، شعلوں کی پوجا کرتا۔ مگر قربان جایئے عرب کا صحرا نشین مسلمان جب ایران کی دھرتی میں پہونچا تو اس نے شعلوں کو نہیں پوجا آتش کدوں کو نہیں پوجا، بلکہ آتش کدوں کے کنارے اس نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور خدائے قدیر وجبار کا سجدہ کیا، اپنے پروردگار کا سجدہ کیا، اور چوتھائی صدی گذرنے بھی نہیں پائی تھی کہ ایران کی تہذیب میں گم ہونے کے بجائے مسلمان نے پورے ایران کو اپنے قدموں پہ جھکالیا، پورے ایران کو اپنی تہذیب سے آشنا کردیا۔ پورے ایران کو اپنے تمدن سے آشنا کردیا۔ پورے ایران کو اپنے نظام سے آشنا کردیا۔ یہی مسلمان ایران ہوتا ہوا ہندوستان کی زمین پہ پہونچا تھا۔ ہندوستان بھی عبادت گذراوں کے لئے بڑی زرخیز زمین تھا۔ عالم یہ تھا کہ اس زمین کو پینتیس ملین خداؤں سے سجادیا گیا تھا۔ زمین کے چپے چپے پر، ہر ہر قدرے زمین خدائی کا دعویٰ کررہی تھی، بندگی کا دعویٰ کررہی تھی، عجیب ہے یہ زمین کہ جہاں ہر چیز سجدہ مانگ رہی ہے، جہاں ہر چیز بندگی طلب کررہی ہے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں یہاں بھی ہمارا قافلۂ حیات اترا تھا۔ ایسا نہیں کہ یہ زمین بہاروں کی زمین نہ رہی ہو۔ نکہتوں کی زمین نہ رہی ہو۔ یہ زمین موسموں سے آسودہ ہے۔ زمین پہاڑوں اور منازل سے آسودہ ہے۔ فطرت کا

حسن بے نقاب ہر جگہ بکھرا ہوا ہے۔ اور جہاں جہاں فطرت بے نقاب نظر آئی ہے وہیں وہیں کوئی سجدہ گاہ تراش لی گئی ہے۔ وہیں وہیں کوئی بندگی کے لئے مٹھ بنالیا گیا ہے میں عرض کرنا چاہتا ہوں پتھروں کی زمین پہ پلنے والا اور وہ مشقتوں کی زمین پہ پلنے والا مسلمان جب ہندوستان کی زمین پہ پہونچا تھا تو ہندی تہذیب میں گم ہوجانا چاہئے تھا۔ ہندو تمدن میں گم ہوجانا چاہیے تھا۔ ہندی فلسفہ کو اختیار کرلینا چاہئے تھا۔ مگر قربان جایئے دریائے گنگا کے کنارے مسلمانوں نے پہنچ کے گنگا کا سجدہ نہیں کیا بلکہ گنگا کی موجوں سے وضو کیا اور خدائے قدیر وجبار کا سجدہ کیا۔

اے آبروئے گنگا وہ دن ہے یاد تجھ کو
اترا تیرے کنارے جب کارواں ہمارا

میں عرض کرنا چاہتا ہوں ہم جس زمین پہ پہونچے۔ اپنے نظام کے ساتھ پہونچے۔ اپنے آئین کے ساتھ پہونچے۔ اپنے قانون زِندگی کے ساتھ پہونچے۔ اپنے دستور حیات کیساتھ پہونچے۔ ہمارا چودہ سوسالہ سفر بتا رہا ہے کہ ہم نے کسی بھی تہذیب کے ساتھ کسی بھی تمدن کو اپنانے کی کوشش نہیں کی۔ اس لئے کہ رسول گرامی وقار نے ہم کو اندھیروں کا مسافر نہیں بلکہ اُجالوں کا مسافر بنایا تھا۔ ہماری زندگی کی راہوں میں رسول اللہ کے نقش قدم روشن تھے۔ ہم نے اسلام کو ایک دین کامل مانا تھا۔ ایک مکمل Cod of Life مانا تھا، جو زندگی کے تمام گوشوں کا رہنما ہے۔ ہم نے اسلام کو ایک تہذیب دہندہ مانا تھا، ایک تمدن کا خالق مانا تھا، ایسا نہیں تھا کہ ہم عبادت اسلام سے لیتے، تہذیب کسی اور سے لیتے، سجدہ ہم اسلام سے لیتے۔ تمدن کسی اور سے لیتے، بندگی ہم اسلام سے لیتے قانون کسی اور سے لیتے۔ نہیں! اسلام ہماری پوری زندگی کا مذہب تھا اسلام ہمارے پورے آئین وجود کا مذہب تھا۔ زندگی کے تمام گوشوں کا مذہب تھا۔ اس لئے ہم نے اسلام کے سایہ میں اپنا سر جھکا کر اسلام کی عظمت کو تسلیم کرکے دنیا کی تمام باطل قوتوں کو ٹھکرادیا۔ یہ ہمارا مزاج رہا ہے۔ یہ ہمارا طرز زندگی رہا ہے۔ یہ ہمارا طرز فکر رہا ہے، آپ یہ کہہ سکتے ہیں قمر الزماں! کس دور کی بات کررہے ہو؟ تم اس دور

کی بات کر رہے ہو۔ جب تم فاتح بن کر کے گئے تھے۔ جب تم غالب بن کر کے گئے تھے۔ جب تمہارے سیل رواں کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی تھی۔ جب کی بات کر رہے ہو، آج تو ہم مغلوب ہیں۔ آج تو ہم پریشان حال ہیں۔ دنیا کی کوئی ایسی زمین نہیں ہے۔ جہاں ہمارا خون نہ بہایا جارہا ہو جہاں ہماری گردنوں پر ظلم کے خنجر نہ رکھے گئے ہوں۔ اور جہاں ہمیں خاک وخوں میں تڑپایا نہ جارہا ہو، ہمارے جسم کی بے قیمتی کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ دنیا میں چوہوں کی تو شاید کوئی قیمت ہو سکتی ہے۔ مگر مسلمان کے جسم کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ امریکہ اپنے اسلحہ کو آزمانا چاہے تو ہمارے جسم پر آزماتا ہے۔ روس اگر اپنے اسلحہ کو آزمانا چاہے تو ہمارے جسم کے اوپر آزماتا ہے۔ جب نئے اسلحہ بنائے جاتے ہیں تو کبھی لبنان میں آزمایا جاتا ہے۔ کبھی بغداد میں آزمایا جاتا ہے۔ کبھی ایران کی سرحدوں پہ آزمایا جاتا ہے۔ کبھی افغانستان میں آزمایا جاتا ہے اور پھر فخر کرتی ہے یہ قوتیں۔

نظر لگے نہ کہیں اُن کے دست و بازو کو
وہ آج پھر میرے زخم جگر کو دیکھتی ہیں

یہ کیفیت ہے مسلم قوم کی بحالی کی۔ آج ایسے دور میں جب کہ ہم کہیں بھی غالب نہیں رہ گئے۔ ہمارا تہذیبی زوال سامنے ہے۔ ایسے دور میں تم اس دور کی بات کر رہے ہو کہ جب ہم حکمراں بن کے پہونچے تھے۔ جب ہم تہذیب کے دینے والے تھے۔ جب ہم فاتح بن کر کے گئے تھے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ آپ کہنا شروع کریں کہ اس دور کی مثال آج کے دور پر نافذ نہ کرو۔ اس میں ہم غالب تھے آج ہم غالب نہیں ہیں آج ہم اپنی تہذیب کو نہیں بچا سکتے۔ آج ہم اپنے تمدن کو نہیں بچا سکتے۔ آج ہم اپنے مذہب کو نہیں بچا سکتے۔ آج ہم اپنے مسلم پرسنل لاء کو نہیں بچا سکتے آج ہم اپنے آئین کو نہیں بچا سکتے۔ تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں یہ تاریخ کا بہت بڑا فریب ہے۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ ہم فاتح بن کر کے گئے ہیں۔ اگر ہم فاتح بن کر گئے ہیں تو بھی ہمارا دین ہمارے ساتھ ہے۔ ہم مزدور بن کے گئے ہیں تو بھی ہمارا دین ہمارے ساتھ ہے۔ ہم غلام بن کر کے گئے ہیں تو بھی ہمارا دین ساتھ

ہے۔ ہم زنجیریں پہن کے گئے ہیں تو بھی ہمارا دین ہمارے ساتھ رہا ہے۔ ہم تاجر بن کر کے گئے ہیں تو بھی ہمارا دین ہمارے ساتھ رہا ہے۔ ہم نے جس انداز سے بھی سفر کیا ہے۔ ہمارا دین ہمارے ساتھ رہا ہے۔ ہمارا کلمہ ہمارے ساتھ رہا ہے۔ ہمارا نظام زندگی اور ہمارا آئین حیات ہمارے ساتھ رہا ہے۔ میں اس کی چند مثالیں دوں گا میرے عزیز! چین کے دربار میں ایک مسلمان کو گرفتار کر لیا گیا۔ داعی بن کر کے گیا تھا۔ اللہ کے دین کی دعوت کنفیوشش کے ملک میں دینے کے لئے گیا تھا۔ اک نئے نظام کو تہارسول اللہ کے آئین رحمت سے آشنا کرنے گیا تھا۔ گرفتار کر لیا گیا، اُسے قید میں ڈال دیا گیا۔ خاقان چین نے کہا کہ اگر تم کنفیوشش کے ذہن کو قبول کر لو یا یہاں کے بت پرستی کو قبول کر لو تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ ورنہ قید تنہائی میں تم گھٹ گھٹ کر کے مرجاؤ گے۔ مسلمان نے موت پسند کر لی۔ لیکن کسی دوسرے نظام کو پسند نہیں کیا۔ چار سال تک وہ خاقان چین کی قید میں رہا مگر تاریخ گواہ ہے کہ چار سال کے بعد جب وہ خاقان چین کی قید سے نکلا تو وہ تنہا نہیں تھا بلکہ ۵ ہزار قیدی قید خانہ کے کلمہ پڑھتے ہوئے نکلے۔ رسول اللہ کا نام لیتے ہوئے نکلے۔ اسلامی تہذیب سے آشنا ہو کے نکلے۔ مسلمان قیدی بن کر کے گیا تو بھی اپنا دین ساتھ لے کے گیا۔ اپنی تہذیب ساتھ لیکے گیا۔ مجھے بتاؤ انڈونیشا جسے مسلم آبادی کا سب سے بڑا ملک کہا جاتا ہے۔ انڈونیشیاء جو مسلمانوں کا آبادی کے اعتبار سے سب سے بڑا ملک مانا جاتا ہے۔ اس انڈونیشیا کے ساحل پر کیا کوئی محمد ابن قاسم اترے تھے؟ کیا کوئی فاتح اترا تھا؟ مجھے بتاؤ کیا کوئی عتبہ ابن مسلم باہلی اترے تھے؟ اس سرزمین پر کیا کسی محمود غزنوی کا گذر ہوا ہے؟ اگر تم انڈونیشیا کی مسلم تاریخ کا مطالعہ کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہاں کوئی فاتح نہیں گیا تھا۔ وہاں کوئی غالب نہیں گیا تھا۔ تھوڑے سے مسلمان اپنے ہاتھ میں مال تجارت لے کے بڑھے تھے ایک ہاتھ میں مال تجارت تھا اور دوسرے ہاتھ میں قرآن تھا اور دنیا نے دیکھا کہ انہوں نے تجارت بھی فرمائی اور قرآن کا پیغام بھی دیا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد ہزاروں جزائر پہ مشتمل یہ ملک اسلام کی دولت سے آشنا ہو گیا۔ اسلام کی آئین سے آشنا ہو گیا۔ تم شمالی افریقہ جاؤ۔ تم جنوبی افریقہ جاؤ تم وسطی افریقہ کا جائزہ لو۔ تمہیں

درجنوں ملک ملیں گے۔ بیشمار مسلمان ملیں گے۔ ہزاروں آبادیاں ملیں گی۔ کروڑوں کلمہ گو ملیں گے۔ ان کو تلواروں کے ذریعہ سے نہیں بلکہ مبلغین کے ذریعہ سے فتح کیا گیا ہے۔ اسلام کی تبلیغ کے ذریعہ سے ان کو دین سے آشنا کیا گیا ہے۔ افریقہ کے ساحلوں پر سمندروں کے کنارے کسی بھی سمندر کے کنارے چلے جاؤ۔ تمہیں کسی اللہ کے ولی کا مزار ملے گا جو اس بات کی گواہی دیتا ہوا نظر آئے گا کہ یہاں کبھی کسی کا قافلہ رحمت اترا تھا۔ یہاں سے دین کی مقدس ترین قدروں کو دنیا تک پہنچایا گیا ہے۔ مسلمان جس حالت میں گیا ہے اپنے دین کو اس نے بچایا ہے۔ اپنی تہذیب کو بچایا ہے۔ اس نے اپنے تمدن کو بچایا ہے۔ ایک اور دھوکہ آج دیا جاتا ہے۔ ممکن ہے تاریخ کے کچھ طالب علم یہاں بھی موجود ہوں۔ جن کو یہ سمجھا دیا گیا ہو یا ان کو یہ بتایا گیا ہو کہ ایک تہذیب جب اپنے دورِ عروج وارتقاء میں اپنے غلبہ کے دن پورے کر لیتی ہے اور جب وہ زوال پذیر ہوتی ہے تو دوبارہ غالب نہیں ہوسکتی۔ روما مٹ گیا تو دوبارہ نہیں اُبھرا۔ یونان فنا ہوگیا تو دوبارہ نہیں اُبھرا۔ مصر قدیم مٹ گیا تو دوبارہ نہیں اُبھرا، کنفیوشش کا چین مٹ گیا تو دوبارہ نہیں اُبھرا، ایران مٹ گیا تو دوبارہ نہیں اُبھرا، اس لئے کہ ایک تہذیب جب مٹ جاتی ہے تو دوبارہ نہیں اُبھرتی۔ مسلمان بھی غالب رہ چکا ہے۔ اب اگر مسلمان زوال پذیر ہے تو دوبارہ نہیں اُبھر سکے گا۔ یہ بہت بڑا دھوکہ ہے جو مستشرقین دے رہے ہیں، مورخ دے رہا ہے، تاریخ داں دے رہا ہے۔ دنیا کا ذہین ترین انسان دے رہا ہے۔ جو لوگ دے رہے ہیں وہ مسلمانوں کو مختلف انداز سے اپنے راستے سے ہٹا دینا چاہتے ہیں کہ مسلمان ایک مرتبہ غالب ہو چکا، ہو چکا۔ اب یہ کبھی غالب نہ ہوگا۔ اب اس کی تہذیب زندہ نہ ہو سکے گی۔ اس کا تمدن زندہ نہ ہو سکے گا۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ مذاہب جو انسانوں کے ذہنوں کی پیداوار ہیں، جو انسان کی فکر کی پیداوار ہیں وہ ایک دفعہ ڈوب جائیں تو پھر نہیں اُبھرتے۔ مگر اسلام اللہ کی عطا ہے، اسلام پروردگارِ عالم کا قانون ہے، اسلام خدائے قدیر و جبار کا مذہب ہے۔ جو زمانوں کا بھی خالق ہے اور مکانوں کا بھی خالق ہے۔ انقلاباتِ زمانہ جس کے دستِ قدرت میں ہیں وہی جسے چاہتا ہے اقتدار دیتا ہیں وہی جسے چاہتا ہے زوال سے

ہمکنار کرتا ہے۔ اس لئے اگر مسلمان ایک مرتبہ ڈوبا ہے تو یہ کہنا غلط ہے کہ پھر نہیں اُبھر سکے گا یا نہ اُبھرا ہوگا۔ تم مجھے بتاؤ اور جواب دو، غرناطہ کے بارے میں تمہیں معلوم ہوگا۔ اسپین کے بارے میں تمہیں معلوم ہوگا۔ اس رات کا تصور کرو اس رات کا جائزہ لو جب ابوعبداللہ غرناطہ کے در و دیوار پہ حسرت بھری نگاہیں ڈال رہا تھا۔ انتہائی حسرت کے ساتھ وہ اپنے شہر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے دار السلطنت کو دیکھ رہا تھا۔ اور بڑی حسرت سے کہہ رہا تھا اے اسپین کے در و دیوار، اے غرناطہ، اے القصر الحمراء! تم مجھے کبھی معاف نہیں کرسکو گے۔ اس لئے کہ تمہارا یہ بیٹا تمہارے ساتھ غداری کر کے جا رہا ہے، میں نے تمہیں بڑی ارزاں قیمت پر فرڈلینن کے ہاتھوں پہ فروخت کر دیا ہے۔ تاریخ نگار مجھے معاف نہ کرے گا۔ آنے والا دور مجھے معاف نہ کرے گا۔ اور اب شاید مسلم تہذیب دوبارہ نہ اُبھر سکے۔ غرناطہ کا جب زوال ہوا ہے تو غرناطہ مسلمانوں کا قلب تھا۔ مسلمانوں کا تہذیبی مرکز تھا۔ مسلمانوں کا تمدنی مرکز تھا۔ مسلمانوں کا سیاسی مرکز تھا۔ مسلمانوں کا علمی مرکز تھا۔ وہ ہمارا غرناطہ تھا۔ جس سے ہم نے یورپ کو تعلیم دی تھی۔ یورپ کو وحشت و بربریت کی تنہائیوں سے نکالا تھا۔ چرچ کے تشدد سے نکالا تھا۔ غرناطہ کے زوال کے بعد دنیا سوچتی تھی۔ تاریخ داں سوچتا تھا۔ زمانے کے انقلابات کا جائزہ لینے والا سوچتا تھا کہ شاید آج مسلمان اب ڈوب چکا ہے دوبارہ نہ اُبھر سکے۔ مگر ۱۴۹۱ کی تاریک رات گواہ ہے کہ ایک طرف غرناطہ میں مسلمانوں کا سورج ڈوب رہا ہے اور دوسری طرف جاوا اور سماترا کے وحشی علاقوں میں اسی سن میں اسلام پھیل رہا ہے۔ آپ اندازہ کرو مسلمانوں کو مٹایا نہیں جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کو فنا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسلام کے بارے میں یہ بات ہمیشہ غلط ہوتی رہی ہے کہ مسلمان اگر ڈوب جائے تو اُبھر نہ سکے گا۔ مسلمانوں کو ایک مرتبہ سیاسی شکست دیدی جائے تو دبارہ وہ اپنی تہذیب وتمدن کی مسند نہ بچھا سکے گا، دوبارہ وہ اقتدار حاصل نہ کر سکے گا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ مسلمانوں کے خاکستر میں ہمیشہ ایسی چنگاریاں موجود رہی ہیں جو خرمنِ باطل کو پھونک سکتی ہیں۔ جو باطل توانائیوں کو سرخمیدہ کر سکتی ہیں۔ تم نہیں جانتے ہو کہ مسلمان کبھی نہیں مرتا ہے۔ اگر وہ شہید ہوتا ہے تو اس کا ہر قطرہ خون زندگی کا پیغام لے کے

اُبھرتا ہے۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں زندگی
تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی

مسلمان زندہ رہتا ہے تو زندگی کا پیغام دیتا ہے اور مرتا ہے تو بھی زندگی کا پیغام دیتا ہے۔ مسلمان کی زندگی بھی زندگی ہے اور مسلمان کی موت بھی زندگی ہے۔ مسلمانوں کا عروج بھی زندگی ہے اور مسلمانوں کا زوال بھی کسی زندگی کا دیباچہ ہے۔

سنو! دنیا میں کوئی طاقت کسی قوم کو من حیث القوم فنا نہیں کر سکتی۔ افراد کو مار سکتی ہے، افراد کو موت کے گھاٹ اتار سکتی ہے۔ افراد پر اپنے ظلم کی چکیاں چلا سکتی ہے۔ مگر قومیں فنا نہیں کی جا سکتیں۔ جماعتیں فنا نہیں کی جا سکتیں۔ اور وہ بھی ہمارے جیسی قوم جو بیس کروڑ کی تعداد میں برصغیر کے سینے پہ آباد ہے۔ اس قوم سے آنکھیں ملانا اتنی آسان بات نہیں ہے۔ ایک قوم نے بغاوت کا راستہ اختیار کیا ہے تو تم میں کوئی بھی اس کا نام لینا پسند نہیں کر رہا ہے۔ تم میں کوئی اس کے بارے میں بولنا بھی پسند نہیں کر رہا ہے۔ یہ تو ہماری شرافت ہے۔ اور ہم سوچیں گے کہ جب تک ہمیں مجبور نہ کیا جائے اس وقت تک ہم اس شرافت کے پابند ہیں کہ وہ راستہ اختیار نہ کریں۔ ہم آئینی حق چاہتے ہیں۔ ہم دستوری حق چاہتے ہیں۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ ایک ہندوستان کے شہری کی حیثیت سے ہمیں جو حقوق ملنے چاہیئے وہ حق دیئے جائیں۔ اس لئے خدارا ہمیں اس راہ پہ نہ ڈالو۔ ایسی راہ پہ جو راہ یقیناً تمہارے لئے بھی دشوار گذار ہوگی اور ہمارے لئے بھی دشوار گذار ہوگی۔ مگر ہمارے لئے زیادہ دشوار گذار نہیں ہوگی۔ ہم تو ان وادیوں سے گذرتے رہے ہیں، ہم تو ان مشقتوں سے گذرتے رہے ہیں، ہم تو ان تکلیفوں سے گذرتے رہے ہیں۔ ہم تو ان قیامتوں سے گذرتے رہے ہیں۔ ہماری تو تشکیل ہی انہی وادیوں میں ہوئی ہے۔ ہم تو پروان ہی انہی ٹھوکروں میں چڑھے ہیں۔ ہم تو انہی پتھروں کے

سینوں سے اپنی راہیں پیدا کرتے رہے ہیں۔ اور انہی ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریاؤں میں باضابطہ ہم نے اپنی زمینیں تلاش کی ہیں۔ اس لئے کہ ہم تو مشقتوں کے بیٹے ہیں۔ محنتوں کے بیٹے ہیں۔ تکلیفوں میں پروان چڑھے ہیں۔ پتھروں کی زمین سے ابھرے ہیں۔ اس لئے سنو! ہم تو تکلیفوں کے عادی ہیں۔ اگر ہم راہ میں اتریں تو یقیناً نقصانات پیدا ہو جائیں گے۔

میں یہ بات اس لئے کر رہا ہوں کہ ایک ملک سے محبت رکھنے والا انسان کبھی یہ پسند نہیں کرے گا کہ ملک میں لاقانونیت پھیل جائے۔ ملک میں انارکی پھیل جائے۔ ملک کے معاشرے اور ملک کی سوسائٹیاں ملک کے قانون سے اختلاف کرتی ہوئی نظر آئیں۔ قانون کا احترام کرانا یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ جب قانون، قانون ہوگا تو ہم بھی احترام کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اور تم بھی احترام کرا سکو گے۔ لیکن جب قانون جبر بن جائے گا۔ جب قانون ظلم بن جائے گا۔ جب قانون طرفدار بن جائے گا۔ جب قانون اپنا مزاج کھودے گا۔ جب بیلنس کھودے گا، جب توازن کھودے گا تو قانون کی گود سے بغاوتیں پھوٹ سکتی ہیں۔ جو بڑی تکلیف دہ ہوں گی۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! میں یہ بتا رہا ہوں کہ مسلمان جہاں بھی گیا ہے اپنے دین کے ساتھ گیا ہے۔ مسلمان جہاں بھی گیا ہے اپنے کلمے کے ساتھ گیا ہے۔ مسلمان جہاں بھی گیا ہے اپنے نظام کے ساتھ گیا ہے۔ ہندوستان کی دھرتی پہ بسنے والا مسلمان اپنی دھرتی سے بے لوث محبت کرتا ہے۔ اٹوٹ محبت کرتا ہے۔ ناقابل شکست محبت کرتا ہے۔

دیکھو یہ ہرقل اعظم روم کا عظیم بادشاہ ہے، جس نے ایک قیدی کو گرفتار کر لیا ہے، ہاتھوں میں زنجیریں ڈال دی ہیں۔ اور قیدی سے کہہ رہا ہے کہ سنو تمہارے رسول نے تمہیں کچھ بھی عطا نہیں فرمایا۔ تمہارا عالم یہ ہے کہ تمہارے جسم پر اچھا لباس بھی نہیں ہے۔ تم فاقہ کی علامت معلوم ہوتے ہو۔ اگر تم میرا کلمہ پڑھ لو اور میرے دین کو قبول کر لو تو میں تمہیں اپنی بادشاہت میں شریک کر لوں گا۔ مسلمان قیدی نے کہا تھا کہ کتنی بڑی بادشاہت ہے تمہاری؟ اس نے کہا تھا موجودہ محسوس و معلوم دنیا کا بہت بڑا حصہ میرے قبضہ میں ہے۔ تو مسلمان نے کہا تھا تم بہت بڑے حصہ کی بات کر رہے ہو؟ اگر تم پورے کرہ ارضی، پوری زمین کو میرے

حوالے کر دو اور اس کے بدلے میں تم مجھ سے صرف اتنا مطالبہ کرو کہ ایک مرتبہ جب صبح کا مؤذن کہتا ہے۔" اشهد أن محمداً رسول الله"، تو تم اس کلمہ کو نہ سننے کے بدلے میں میں تمہاری حکومت لے لوں تو قسم خدا کی اس کلمہ کا سننا زیادہ گوارہ ہے اور تمہاری حکومت کو میں ٹھوکریں مارتا ہوں۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! قید میں ڈال دیا گیا، چالیس روز تک اُسے کھانا نہیں دیا گیا۔ تھوڑا تھوڑا پانی دیا گیا۔ چالیس روز گذر گئے تو ڈاکٹروں نے بتایا کہ نبض چھوٹ رہی ہے۔ دل کی دھڑکنیں جواب دے رہی ہیں۔ اب قیدی مرنے والا ہے۔ تو پھر دربار میں لایا گیا۔ سوّر رکھ دیا گیا، شراب رکھ دی گئی، کھالو! زندگی بچ جائے گی۔ مسلمان نے منہ پھیرلیا، اس نے کہا کیوں نہیں کھا لیتے ہو؟ تمہارے رسول نے مجبوریوں میں زندگی بچانے کے لئے حرام کی اجازت دی ہے تو اس نے کہا اے ظالم تاجدار! اگر زندگی کے صحراء میں میں تنہا ہوتا تو شاید کھا لیتا۔ لیکن اس وقت اگر میں کھالوں تو میرا پیٹ تو بھر جائے گا۔ میری زندگی تو شاید بچ جائے مگر تمہارے کبر کو بھی تسکین مل جائیگی۔ تمہارے اقتدار کو بھی تسکین مل جائے گی کہ جو مسلمان حالت اختیاری میں جرم نہ کر سکا وہ حالت اضطرار میں حرام کھا کے مرا ہے۔ اس لئے موت تو گوارہ ہے مگر اسلامی قانون کو توڑنا گوارا نہیں ہے۔ رسول اللہ کے نظام رحمت سے عدم وابستگی گوارا نہیں ہے۔ مسلمان قیدی بن کے گیا ہے تو بھی اپنا دین ساتھ لے کے گیا ہے۔ اپنا نظام ساتھ لے کے گیا ہے۔ اپنا آئین ساتھ لیکے گیا ہے۔ آؤ میں تمہیں یہ بتاؤں۔ تم یہ کہہ رہے ہو کہ ایک دفعہ مسلمان جب ٹوٹ جائے اور اس کا سیاسی زوال ہو جائے تو دوبارہ نہیں اُبھر سکتا ہے۔ میں تم سے کہتا ہوں بغداد کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ بغداد آخری چٹان ہے۔ مسلمانوں کا محفوظ قلعہ ہے۔ سب سے بڑی حکومت کا دارالسلطنت ہے۔ بغداد! جس نے یورپ پہ حکومت کی ہے۔ بغداد جس نے آفریقہ پہ حکومت کی ہے۔ بغداد! جس نے ایشیاء پہ حکومت کی ہے۔ بغداد! جو بیک وقت تین براعظموں کا دارالسلطنت ہے۔ بغداد! جس کے گماشتے پوری دنیا میں اپنی عظمت اور ہیبت کا لوہا منوا چکے ہیں۔ وہی بغداد تاتاریوں کے ہاتھوں سے کچل دیا جاتا ہے۔ تاتاری اس

قدر ٹوٹ پڑتے ہیں بغداد پر کہ بغداد کے درودیوار خون سے آسودہ ہو جاتے ہیں۔ دریائے دجلہ میں پانی کے بجائے خون بہتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اور بغداد کے درودیوار کے نیچے باضابطہ سروں کی فصلیں دیکھی جاتی ہیں۔ لاشوں کی فصیلیں دیکھی جاتی ہیں۔ یہ عالم ہو گیا ہے بغداد کا۔ اس زمانے میں سعدی جیسے ذی ہوش آدمی نے کہا تھا۔

آسمان راحق بود گرخوں ببارد بر زمین
برسقوط ملک مستاں ثم امیر المومنین

میں عرض کرنا چاہتا ہوں بڑے بڑے مرثیہ لکھے گئے تھے جو مراثی کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ بغداد کے زوال پر، بغداد کے سقوط پر۔ اس زمانے میں بھی کچھ لوگوں نے سوچنا شروع کر دیا تھا۔ بغداد جب ختم ہو گیا ہے تو مسلمان اب دنیا میں کہیں بھی زندہ نہ رہ سکے گا۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ بغداد کو جن لوگوں نے تباہ کیا تھا، بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجائی تھی۔ بغداد کے محلات مسمار کئے تھے، بغداد کے آثار تہذیب مسمار کئے تھے۔ بغداد کے آثار تمدن مسمار کئے تھے۔ بغداد کی لائبریریاں پھونکی تھیں۔ تمہیں شاید مزاج نہ معلوم ہو ظلم کا۔ تمہیں شاید مزاج نہ معلوم ہو اقتدار کا۔ تمہیں شاید مزاج نہ معلوم ہو دشمنی کا، تمہیں شاید مزاج نہ معلوم ہو غلبہ کا، ایک حکومت اور ایک غالب قوم ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ مغلوب قوم کے آثارِ تہذیب مٹا دیئے جائیں۔ مغلوب قوم کے آثار تمدن مٹا دیئے جائیں۔ مغلوب قو کے آثارِ اقتدار مٹا دیئے جائیں، مغلوب قوم کے آثار عظمت مٹا دیئے جائیں۔ مغلوب قوم کے صنادید وقار مٹا دیئے جائیں تا کہ مغلوب قوم دوبارہ نہ اُبھر سکے۔ ہر دور میں ایسا ہوتا آیا ہے۔ آج اگر ہمارے نام بدلے جا رہے ہیں۔ سڑکوں کے نام بدلے جا رہے ہیں' شاہراہیں بدلی جا رہی ہیں، عمارات کے نام بدلے جا رہے ہیں، عمارتیں مٹائی جا رہی ہیں۔

دنیا اپنے اپنے تہذیبی ورثہ کا تحفظ کرتی ہے۔ دنیا اپنی عمارتوں کا تحفظ کرتی ہے۔ اپنے ملک کے تاریخی ورثوں کا تحفظ کرتی ہے۔

مسلمان ہر دور میں فرعون کے خلاف رہا ہے مگر فراعنہ مصر کے اہرام کو مصر کی حکومت

بچا رہی ہے۔ تحفظ کر رہی ہے اس کو دیکھ رہی ہے۔ اور جب دریائے نیل نے اہرامِ مصر کو کاٹنا چاہا تو کرینوں کے ذریعہ سے کروڑوں پونڈ خرچ کر کے اہرام مصر کو بچانے کی کوشش کی گئی۔ اس لئے کہ مصر جانتا ہے فراعنہ فراعنہ تھے۔، اسلام کے دشمن تھے مگر فرعونوں سے ہماری تہذیب کا ایک گوشہ وابستہ ہے۔ ان کو بچانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں دنیا کی تمام قومیں اپنے آثارِ تہذیب کو بچاتی ہیں، آثار تمدن کو بچاتی ہیں، تم یورپ کی وادیوں میں گھوم آؤ۔ ایک دوسرے سے جنگیں ہوئی ہیں۔ مگر آثار تہذیب کو نہیں مٹایا گیا ہے۔ آثار تمدن کو نہیں مٹا گیا ہے، یونان قدیم کے جو آثار باقی ہیں آج بھی باقی ہیں۔ روما قدیم کے جو آثار باقی ہیں آج بھی باقی ہیں۔ یورپ قدیم کے جو آثار باقی ہیں آج بھی باقی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے قلعے اور محلات جو باقی ہیں آج بھی باقی ہیں۔ مگر مسلمانوں سے دشمنی کا یہ عالم ہے کہ نہ صرف یہ کہ ہمارے نام مٹائے جا رہے ہیں۔ کام بھی مٹایا جا رہا ہے، اوقاف پہ قبضہ کیا جا رہا ہے، پرانی مساجد کی بے پرواہی کی جا رہی ہے۔ قلعوں کے ساتھ بے حرمتی کی جا رہی ہے، حالانکہ اسی دھرتی پہ پیدا ہوئے ہیں۔ اسی دھرتی کی زمین میں ابھرے ہیں، اسی دھرتی کی مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ انہی پتھروں سے ہمیں تشکیل دیا گیا ہے۔ مگر صرف اس لئے کہ ان کا تعلق مسلمانوں سے ہے اس لئے تحفظ کی کوئی ذمہ داری نہیں لی جا رہی ہے۔ تحفظ کا کوئی انتظام نہیں کیا جا رہا ہے۔ عالم یہ ہے کہ جہاں جہاں سے مسلم تہذیب کا سوتا پھوٹتا ہوا نظر آ رہا ہے اسے مکمل بدلنے کے لئے جمہوریت کے سایہ میں وہ کام کیا جا رہا ہے جو شاید اس سے پہلے کبھی نہ کیا گیا ہو۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں! یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ایک غالب قوم مغلوب قوم کی تہذیب کو برداشت نہیں کر سکتی تمدن کو برداشت نہیں کر سکتی۔ آئین کو برداشت نہیں کر سکتی، آثار کو برداشت نہیں کر سکتی ثقافت کو برداشت نہیں کر سکتی، کسی ایسی چیز کو برداشت نہیں کر سکتی جس سے اس قوم کی عظمت رفتہ کا پتہ چلتا ہو۔ اور اس کے خاکستر سے کوئی چنگاری زندہ ہو کر کے پھر اپنی عظمت رفتہ کو واپس لانے کی کوشش کرے۔ اس لئے مٹانے کی کوشش کی جاتی

ہے، اس لئے برباد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر اچھی طرح سن لو کہ ہمیں تاریخ میں ایک ایسی ظالم قوم سے سابقہ پڑا ہے۔ ایک ایسی وحشی قوم سے سابقہ پڑا ہے کہ جس کے نام کو ظلم کی علامت بنا دیا گیا ہے۔ بربریت کہا جاتا ہے۔ چنگیز ازم کہا جاتا ہے۔ ہلاکو کا نام دیا جاتا ہے، یہی وہ لوگ تھے جو بغداد پہ حملہ کرنے والے تھے۔ جو ظلم کی علامت بن گئے ہیں۔ جو ظلم کا سنبل بن گئے ہیں، جو ظلم کا نمونہ بن گئے ہیں۔ ان ظالموں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی، بغداد کی کتابیں برباد کر دیں، لائبریریاں تباہ کر دی تھیں، بغداد کے کتب خانے جلائے تھے۔ بغداد کے آثار تہذیب وتمدن کو مٹایا تھا۔ ایک ایک شریف گھر کو فنا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ مگر قربان جائیے اسلام کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ ہلاکو اور چنگیز کی جن فوجوں نے مسلم ملک کو تباہ کیا تھا۔ بغداد کو برباد کیا تھا۔ چوتھائی صدی بھی گذرنے نہیں پائی تھی کہ اسی اسلام نے چنگیز اور ہلاکو کے ہاتھوں میں اسلام کی زنجیریں ڈال دی تھی۔ کہ انہوں نے بغداد کو تباہ کر دیا تھا وہی مسلمان ہو گئے تھے۔ اور جن کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ اگر بغداد تباہ ہو گیا ہے تو کعبہ کا ایک قدم ہے۔ اب مکہ بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ مدینہ بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ جن لوگوں سے خطرہ ہو گیا تھا کہ وہ حرم کو مٹا دیں گے انہی لوگوں نے اسلام قبول کر کے حرم کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیا۔ حرم کو بچایا۔

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

اس لئے سنو! اسلام کے بارے میں تاریخ کا یہ تواتر ہمیشہ غلط ثابت ہوتا رہا ہے کہ مسلمان اگر ایک مرتبہ شکست خوردہ ہو جائے تو پھر نہیں اُبھر سکتا ہے۔ اسلام ایک ایسی عظیم قوت ہے، ایک ایسی عظیم طاقت ہے کہ جو دلوں پہ اثر کرتی ہے، روحوں کو گرماتی ہے۔ جماعتوں پہ انقلاب برپا کرتی ہے، چہروں کو بدلتی ہے، زندگی کی زلفِ برہم سنوارتی ہے، حیات کا حسین تصور دیتی ہے۔ اس لئے جو بھی اسلام کو پڑھتا ہے وہ اسلام سے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ آج کی مظلومیت کے دور میں میں ایک داعی کی خدمت انجام دے رہا ہوں اگر

چہ میں اس منصب کے قابل نہیں ہوں۔ مگر میں نے یورپ کا دورہ کیا ہے۔ امریکہ کا دورہ کیا ہے، افریقہ کے بہت سے ملکوں کا دورہ کیا ہے۔ میں آج بھی آپ کو یقین دلا رہا ہوں کہ عیسائیت اپنے ڈالر کی بنیاد پر اور پونڈوں کی بنیاد پر بے پناہ سرمایہ کی بنیاد پر، چرچ کی بنیاد پر رفاہی خدمات کی بنیاد پر، نرسنگ کی بنیاد پر، اپنی غذاؤں کی بنیاد پر، بھی اتنا کام نہیں کر پاتی جتنا کہ مفلس مسلمان کر رہا ہے۔ اور آج بھی ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی بڑھتی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ آپ افریقہ میں جا کے دیکھو، آپ امریکہ میں جا کے دیکھو اور دوسرے علاقوں میں جا کے دیکھو۔

حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

دولت کے سہارے نہیں، اقتدار کے سہارے نہیں، نقشے اور حکومت کے سہارے نہیں، بلکہ حقانیت کے سہارے اسلام ہمیشہ زندہ رہا ہے اور اسلام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ " لا تبدیل لکلمت الله، ، اسلام کے کلمات میں اور اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ "انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون، ، ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس لئے عزیزان ملت اسلامیہ! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان جس حالت میں بھی رہا ہے وہ اپنا دین اپنے ساتھ لے کے گیا ہے۔ ہلاکو کی فوجوں نے، چنگیز کی سیاہ کاریوں نے، اور ہلاکو کی درندگی نے مسلمانوں کے مذہب بدلنے پر انہیں مجبور نہیں کیا۔ پورے بغداد کی تاریخ میں تم ایک ایسا مسلمان نہیں دکھا سکتے ہو جو حالت سے خوفزدہ ہو کر مذہب بدل چکا ہو، اپنا دین بدل چکا ہو، اپنی تہذیب چھوڑ دی ہو، اپنا تمدن چھوڑ دیا ہو، اس لئے صرف اس لئے کہ مسلمان جان تو دے سکتا ہے، اپنی لاشوں کو ٹکڑے تو کروا سکتا ہے اپنے بچوں کو بکھیر تو سکتا ہے مگر یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے مذہب کو بدل دے۔ اپنی تہذیب کو بدل دے، تم تاریخ کے تواتر کو بھی نہیں محسوس کر رہے ہو، تم چودہ سو سالہ تاریخ کی گھن گرج کو بھی اپنے ایوانوں میں نہیں دیکھتے، تم وہ کام کرانا چاہتے ہو جس پر مسلمان نہ کبھی راضی ہوا ہے اور نہ قیامت تک کبھی راضی ہو سکے گا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ تم اسلامیان عالم کی تاریخ کا مطالعہ کر و مسلمان اپنے دین کے ساتھ وہ گہری وابستگی رکھتا ہے کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ دور نہ جاؤ ایک دفعہ ایک مسجد کو اور بھی شہید کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ کانپور کا گنج شہیداں تمہیں یاد ہوگا۔ کانپور کی مسجد شہید گنج تمہیں یاد ہوگی۔ ابھی بہت زمانے کی بات نہیں ہے۔ انگریزوں کے آخری دور کی بات ہے اسی کے بعد انگریزوں کا اقتدار الٹا ہے تو پھر سنبھل نہ سکا ہے۔ مسلمان ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں کے خلاف کبھی جاگ نہ سکا تھا، کبھی بیدار نہ ہوا تھا، چھوٹی موٹی تحریکیں ابھرتیں اور دفن ہو جاتیں۔ اس قدر قتل عام مچا دیا گیا تھا۔ مگر ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ جلیاں والا باغ کا واقعہ بھی واقعہ ہے۔ چوری چوڑہ کا واقعہ بھی بڑا دردناک تھا۔ مگر ان واقعات سے ہٹ کر کے کانپور کا واقعہ مسلم ہندوستان کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک مسجد تھی کہ جس کو توڑ کر کے وہاں سے شاہراہ نکالنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ انگریزوں کا پروگرام یہ تھا کہ اس مسجد کو ہم ڈھا دیں گے مسلمان یہ کہتے تھے ایسا کبھی نہ ہو سکے گا۔ مسجد عرش اعظم تک مسجد ہے، مسجد تحت الثریٰ تک مسجد ہے۔ نہ ہم اس کے دائیں کوئی تعمیر برداشت کریں گے نہ ہم اس کے بائیں کوئی تعمیر برداشت کریں گے۔ یہاں ہم نے اپنے اللہ کا سجدہ کیا ہے۔ اپنے پروردگار کی حمد بولی ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکے گا۔ انہوں نے ایک حصہ کو فوجوں کے ذریعہ سے تڑوا دیا۔ مسلمانوں نے تعمیر کرنا چاہا تو گولی چلا دی۔ مسلمانوں نے سوچا ہم تعمیر نہ کریں، دس سال سے لے کر کے چودہ سال کے بچوں کو لگا دیں اور یہ اس کی تعمیر کریں۔ کئی ہزار بچوں کو رات کو لگا دیا گیا تا کہ وہ اس کی تعمیر کریں۔ ننھے ننھے بچوں نے مسجد کی دیواریں صبح سے پہلے پہلے اٹھا دیں۔ اگلے صبح کو وہ قوم جو اپنے عدل و انصاف کا چرچہ پوری دنیا میں کرتی ہے وہ قوم بندوقوں سے آسودہ ہو کے آئی۔ کئی ہزار فوجی آئے اور انہوں نے مسلمانوں کے بچوں کے اوپر سترہ راؤنڈ فائرنگ کی۔ بچوں کی لاشیں بکھر گئیں۔ اور اس کے بعد ان کی لاشیں اٹھا لی گئیں۔ کانپور کی تاریخ کا یہ حادثہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوگا۔ بچوں کی لاشیں زمین بوس کر دی گئیں۔ ایک صاحب درد نے کہا تھا غالباً شبلی نعمانی تھے۔

انہوں نے اس موقعہ پہ کہا تھا۔ بڑا ہی سادہ سا شعر ہے۔ بڑا ہلکا سا شعر ہے۔ مگر روح کو کس قدر چھو جانے والا ہے۔ مدتوں آپ تڑپتے رہیے۔ انہوں نے یہ کہا تھا کہ بڑوں سے پہلے بچے چلے گئے۔ اس کا انہوں نے ایک استعارہ پیش کیا تھا۔

تعجب کیا ہے؟ گر بچوں نے سب سے پہلے جانیں دیں
یہ بچے ہیں انہیں تو جلد سوجانے کی عادت ہے

اس کے بعد انگریزوں نے سوچا ہوگا کہ بچوں کی زبانوں اوران کے بازوؤں کو خاموش کر کے شاید ہم نے مرحلہ جیت لیا ہے۔ مگر وہ مسجد بھی بچالی گئی اور اسی روز سے انگریزی اقتدار کی چولیں ہلیں تو اس کے بعد سنبھل نہ سکیں۔ مسلمان آزادی کے کارنامہ میں مکمل طور پر شریک ہو گیا۔

میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مسلمان یہ کبھی نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے تہذیبی تشخص کو برباد کر دے۔ وہ اپنے تمدن کو برباد کر دے، وہ اپنی آئینی قدروں سے دست بردار ہو جائے۔ مسلمان بہر کیف مسلمان ہے۔ وہ ٹوٹ کے پیار کرتا ہے، وہ ٹوٹ کے پیار چاہتا ہے۔ مگر اسی وقت تک جب تک کہ اس کے مذہب کو بچایا جائے، اس کے آئین کو بچایا جائے، اس کی تہذیب کو بچایا جائے۔ اور شام کو اخباروں نے اعلان کیا تھا صرف سترہ لاشیں بچوں کی ملی ہیں۔ سترہ لاشیں؟ ---تو اس پر غالباً ایک اور مفکر نے یہ کہا تھا کہ سنا ہے کہ شہیدوں کی لاشیں فرشتے اٹھالے جاتے ہیں۔ ہم نے مسجد گنج شہید کے واقعہ میں اس کو دیکھ بھی لیا ہے۔ اس لئے کہ سترہ راؤنڈ میں کئی سو افراد گولیاں چلا رہے ہیں لیکن سترہ لاشیں گری ہیں۔ یقیناً فرشتے ہی اٹھالے گئے ہوں گے۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں ذرا سوچو، یہ کتنا دردناک واقعہ تھا۔ میرے عزیز اور میرے دوست، تاریخ میں ایسی قربانیاں دی گئی ہیں۔ ایسی مثالیں ہمیشہ سامنے رہی ہیں۔ تاریخ کو اپنے آپ دہرانے پہ مجبور نہ کیا جائے۔ ہم ہندوستان کے پرامن شہری ہیں۔ کم از کم ہمارا پچپن سالہ ریکارڈ بتا رہا ہے کہ ہم نے قیامتوں سے گذر کر کے بھی مشقتوں اور تکلیفوں سے گذر کر کے بھی، اپنی آبروؤں کو اٹھتا ہوا دیکھ کر، اپنی چادروں کو چھینتا ہوا دیکھ کر، اپنے بچوں کے کلیجوں کو سنگینوں سے چھلنی ہوتا ہوا دیکھ کر بھی ہم نے صبر کیا ہے۔ ہم نے ہندوستان کی آبرو

یکجہتی کو باقی رکھنے کی کوشش کی ہے۔ مگر یکجہتی ہی کے نام پر ہمارا تشخص نہ فنا کیا جائے، ہماری انفرادیت نہ فنا کی جائے، ہمارے وجود کی اعلیٰ ترین قدروں کو نہ فنا کیا جائے۔ مسلمان ایمان پہلے رکھتا ہے۔ اور زندگی بعد میں اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ ہمیں ایمان کو بچانے کے لئے ہمیں صلیب و دار کی منزلوں سے گذرنا پڑا ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ، قابل احترام بزرگو اور دوستو! تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ اگر امت مسلمہ کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمان جہاں بھی گیا ہے اپنے دین کے ساتھ گیا ہے، مسلمان جہاں بھی گیا ہے اپنے کلمے کے ساتھ گیا ہے، مسلمان جہاں بھی گیا ہے اپنے نظام کے ساتھ گیا ہے، اس طرز زندگی کے ساتھ گیا ہے۔ اس دستور حیات کے ساتھ گیا ہے، جسے رسول اللہ لے کر کے آئے تھے۔ سرور کائنات لے کر کے آئے تھے۔ خواہ کسی بھی حالت میں گیا ہو، قیدی بن کر کے گیا، ہو مزدور بن کر کے گیا ہو، میں آپ کو دور کی باتیں بتا رہا تھا آؤ میں تمہیں ماضی قریب کی باتیں بتاؤں۔ آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ جب ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی تو اس زمانے میں انگریزوں نے ہالینڈ سے معاہدہ کیا تھا کہ آپ کو مزدور دیں گے تاکہ تم نئی کالونیاں بسا کر نئے صحراؤں کو آباد کر سکیں، نئے جنگلوں کو زندگی میں تبدیل کر سکیں۔ مزدور ایسے چاہیے تھے جو گنّے کی کاشت کر سکیں۔ جو چاول کی کاشت کر سکیں۔ جو آم کی کاشت کر سکیں، اس لئے کہ جنوبی امریکہ کو آباد کرنا تھا۔ برٹش گیانا کو آباد کرنا تھا، ڈچ گیانا کو آباد کرنا تھا، جنگلی علاقوں کو تبدیل کرنا تھا۔ شہری علاقوں میں۔ انہوں نے مزدور مانگے تو آپ کو تعجب ہوگا کہ کلکتہ، بہار اور یوپی کے شمالی علاقہ کے مزدور ۱۸۶۱ء میں پہلی بار لالہ رُخ نامی ایک کشتی پر لاد کر کے آٹھ سو کی تعداد میں امریکہ روانہ کئے گئے۔ راستے میں بہت سے مر گئے۔ وہاں جانے کے بعد انہیں زمینوں کا مالک بنا دیا گیا۔ بہت دنوں تک ان سے ہمارا تہذیبی اور ثقافتی رشتہ ہندوستان سے ٹوٹا رہا۔ مگر ان مزدوروں نے جن میں کوئی عالم نہیں گیا تھا، کوئی فاضل نہیں گیا تھا، کوئی مبلغ نہیں گیا تھا، کوئی دین کا حامل نہیں گیا تھا، بیچارے ایسے مزدور تھے کہ غلاموں کی طرح سے گئے تھے۔ ان کی زندگی کا کوئی اسٹیٹس نہیں تھا۔ کوئی مقام نہیں تھا۔ مگر ان مزدوروں نے برٹش گیانا اور ڈچ گیانا

میں ۱۸۶۱ء سے لے کر ۱۹۷۲ء تک بہت سے علاقوں کو اسلام کے آغوش میں شامل کر دیا۔
آج بھی بے شمار کالے انہی مزدوروں کے ہاتھوں پر مسلمان ہوئے ہیں۔

اسلام ایک سیل رواں ہے۔ اسلام ایک آفاقی قوت ہے۔ اسلام ایک صداقت کا نام ہے، تم دنیا کے صحراؤں میں گھومو! دنیا کی آبادیوں کا جائزہ لو۔ تمہیں ایسے آثار ملیں گے، ایسے نقوش ملیں گے جس سے اسلام کی عظمت کا اندازہ ہو سکے گا۔ اسلام کے وقار کا اندازہ ہو سکے گا۔ پتہ یہ چلا کہ مسلمان فاتح بن کے گیا تو بھی اپنا دین، ساتھ لے کر گیا۔ مسلمان تاجر بن کے گیا تو بھی اپنا دین ساتھ لے کے گیا۔ مسلمان قیدی بن کے گیا تو بھی اپنا دین ساتھ لے کے گیا۔ مسلمان مغلوب ہو کے گیا تو بھی اپنا دین ساتھ لے کے گیا، مسلمان مزدور بن کے گیا تو بھی اپنا دین ساتھ لے کے گیا۔ چودہ سو سالہ تاریخی سفر بتا رہا ہے کہ ہم نے زندگی کے کسی موڑ پر، زندگی کی کسی کروٹ میں بھی اپنے اسلام کو اپنے آئین کو اور اپنے نظام کو خیر باد نہیں کہا ہے۔ ہم نے ہر زمین کا رنگ نہیں قبول کیا ہے۔ رنگ ہمارا رہا ہے۔ زمینوں کا احترام ضرور کیا ہے۔ ہم جہاں گئے ہیں اس کو ہم نے اپنی زمین سمجھا ہے۔ جو مسلمان آج انڈونیشیا میں آباد ہیں وہ انڈونیشین زمین کو اپنی زمین سمجھتا ہے، وہاں کا لباس اختیار کئے ہوئے ہے، وہاں کی بولی بولتا ہے، وہاں کی لینگویج Language سیکھے ہوئے ہے۔ اس کے دفاع کے لئے اپنی گردنیں قربان کرنے کے لئے تیار ہے۔ جو مسلمان دوسرے علاقوں میں موجود ہے وہ مسلمان ایسا ہی کر رہا ہے۔ ہم نے زمینوں کو اپنے سینوں سے آباد کیا ہے۔ ہم نے زمینوں کو بے پناہ محبت دی ہے۔ زمینوں کو حصار حفاظت دیا ہے، زمینوں کے نام پر قربانی کا حوصلہ دیا ہے۔ آج بھی اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم ہندوستان کی سرحدوں کو دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی نعشوں کی فصیلوں میں تبدیل کر دیں تو آپ ضمانت دیجئے کہ ہمارا آئین محفوظ رکھا جائے گا اور ہمارے نظام زندگی کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ ہمارا مسلم پرسنل لاء ہمارا مسلم پرسنل لاء ہوگا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! یہ بہت بڑا دھوکہ ہے کہ یکساں سیول کوڈ نافذ کیا جائے گا۔ اکثریت کے مذہب کو مسلط کرنے کے لئے ایک فریب دیا جا رہا ہے، ایک سازش کی جارہی ہے۔ ایک طرف تو زندگی کے قانونی معاملات میں یکساں سول کوڈ کی بات کر رہے ہیں۔ کامن

سول کوڈ کی بات کر رہے ہیں۔ اور دوسری طرف تمام سرکاری عمارتیں آج کے ایک مذہب کی آئینہ دار بنتی جارہی ہیں، ایک تہذیب کی آئینہ دار بنتی جارہی ہیں۔ آج سیکولر اور جمہوریت کے سایہ میں ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر مسلط کرنے کی ایک ایسی کوشش کی جارہی ہے جو سامنے ہے۔ جس کو سب محسوس کر رہے ہیں۔ جسے سب دیکھ رہے ہیں۔ خدارا! آپ مسلمانانِ ہند کے جذبات اور صبر وشکیب کا مزید امتحان نہ لیں۔ ہم یہ جانتے ہیں، ہمیں یہ معلوم ہے کہ ہم آج مغلوب ہیں۔ ہمارے ہاتھوں میں اقتدار نہیں۔ مگر اس کے باوجود ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ہندوستان کی دوسری بڑی اقلیت بنایا ہے۔ ہم ہندوستان کے دوسرے مالک ہیں، ہندوستان کی تقدیر پر اثر انداز ہونے والے ہیں۔ ہم اس ملک کے لئے بیلنس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ توازن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس طرف ہمارے اتحاد کا پلہ جھکے گا اقتدار کی ٹوپی اسی طرف جھکے گی، اقتدار کی کج کلاہی اسی طرف جھکے گی، ہم بھی اپنی جمہوریت کی قدروں سے آشنا ہیں۔ ہم بھی اپنا ووٹ استعمال کر سکتے ہیں' ہم بھی اپنے فکری توازن سے آشنا ہیں۔ ہمیں اس بات پہ کبھی آمادہ نہ کیجئے۔ ہم قومی دھارے سے کبھی الگ ہونا نہیں چاہتے۔ لیکن آپ کا جبر، آپ کا تشدد، آپ کی سختیاں کہیں ہمیں مجبور نہ کر دیں۔ کہ ہم اپنے لئے کوئی اور راہ تلاش کرنا شروع کر دیں۔ جو بڑی تکلیف دہ ہوگی۔ ہمارے لئے بھی اور آپ کے اقتدار کے لئے بھی، اور آپ کی حکومت کے لئے بھی، میں کوئی شعلہ بار مقرر نہیں ہوں کہ جذبات کی بات کروں اور میں ایسی بات کروں، جس بات کے ذریعہ سے آپ یہ محسوس کریں کہ میں مسلمانوں کو کسی خاص مقصد کے لئے تیار کر رہا ہوں۔ میں ایک فکر دے رہا ہوں۔ آپ حالات کی روشنی میں ہمارے حقوق کا جائزہ لیجئے۔ ہمارے مقاصد کا جائزہ لیجئے اور ان حقوق اور مقاصد کی روشنی میں ایک مسلمان کو اپنے جمہوری ملک میں مکمل آزادی کے ساتھ جینے کا حق دیجئے۔ ہمارے دین کے ساتھ، ہماری تہذیب کے ساتھ، ہمارے تمدن کے ساتھ، جمہوریت کیا ہے؟ کس جمہوریت کی ہمارے اسلاف نے تائید کی تھی۔ اس کے بارے میں مَیں کبھی تفصیل کے ساتھ بتاؤں گا۔ قومی یکجہتی کا تصور کیا ہے؟ یہ میں پھر کبھی بتاؤں گا۔ قومی یکجہتی کن مفاہیم میں استعمال ہوتی ہے؟ اور آپ کس مفہوم میں استعمال کرنا چاہتے ہیں؟ اس پر میرا اپنا مطالعہ ہے۔ میں نے آزاد ہندوستان کا مـ[illegible]

اپنی عمر کے ساتھ ساتھ مطالعہ کیا ہے۔ مولانا عبید اللہ اُس سال پیدا ہوئے ہیں۔ جس سال بابری مسجد میں بت رکھا گیا ہے۔ اور میں اس سال پیدا ہوا ہوں جس سال انگریزوں نے اپنی بساطِ عمل یہاں سے سمیٹی ہے۔ جس سال وہ یہاں سے روانہ ہوا ہے۔ میری بھی اپنی تاریخ ہے۔ شاید میں نے پیدا ہونے کے بعد ہی سے اپنی مطالعہ کی آنکھیں کھول رکھی تھی۔ ۱۹۴۶ء+۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک ایک ایک لمحہ میرے سامنے ہے۔ جمہوریت کی جتنی توجیہات کی گئی ہیں، جمہوریت کا جتنا تصور پیش کیا گیا ہے۔ وہ بھی میرے سامنے ہے۔ اس زمانے میں جب کہ ایک ڈکٹیٹر نے یہ چاہا تھا کہ ہمارے ملک کو تقسیم کر دیا جائے تو اس زمانہ میں بھی جمہوریت کی جو توجیہات مسلمانوں کے سامنے کی گئی تھیں۔ وہ بھی میرے سامنے ہے کہ جمہوریت میں کن کن باتوں کا تحفظ کیا جائے گا۔ قومی یکجہتی کا کیا کیا مفہوم ہوگا؟

میں ملک کے ارباب فکر اور ارباب شعور سے یہ مطالبہ کروں گا کہ جمہوریت کی جن بنیادوں پر مسلمانوں نے تمہارے ساتھ اتحاد و اتفاق قیامت تک چلنے کا فیصلہ کیا ہے انہی بنیادوں کو استوار کرو۔ یکجہتی کا جو تصور تمہارے بزرگوں نے دیا ہے اسی تصور کو زندہ کرو۔ کبھی کوئی اختلاف پیدا نہیں ہو پائے گا۔ اگر تم نے کوئی نیا فلسفہ مسلط کیا اور نئی فکر مسلط کی اور تم نے یہ سوچا کہ ایک نیا نظام اور ایک نئی قوت کو ایک مظلوم اور مغلوب قوت پر مسلط کر دیا جائے تو یہ شاید تاریخ کے ساتھ سب سے بڑی ناانصافی ہوگی۔ اور خود زمین ہند کے ساتھ سب سے بڑی ناانصافی ہوگی۔ ناانصافیوں کا مزہ تم چکھ رہے ہو۔ مزید کسی ناانصافی کی طرف پیش قدمی کرنا یہ تاریخ کا سب سے بڑا ظلم ہوگا۔

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

اسلام میں دعوت وتبلیغ کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ اَقَامَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْھَالِکِیْنَ شَفِیْعاً، فَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ ھُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَّدَیْہِ، صَلٰوۃً تَبْقیٰ وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ. أمّا بَعْدَ.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط
کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (پ ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۱۰) صدق اللہ العلی العظیم.

حضرات گرامی! آیئے ہم اور آپ انتہائی احترام وعقیدت کے ساتھ اپنی روایت اور اپنے محسوسات اور مشاعر کی ترجمانی کرتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں درودِ پاک پڑھ لیں۔

أللّٰھم صل علی سیدنا ومولانا محمد معدن الجود والکرم، منبع العلم والحلم والحکم، وآلہ الکرام اجمعین۔

یہ سنی دعوت اسلامی کا اجتماع ہے اس لئے سنی دعوتِ اسلامی کے اجتماع کے تصور کے پیش نظر آج میری گفتگو کا عنوان ہوگا ''اسلام میں دعوت وتبلیغ کی اہمیت، اس کے تقاضے اور اس کے مختلف اسالیب،، آج اور کل دونوں روز اسی موضوع پر گفتگو ہوگی۔ تا کہ جب سال بھر

تک آپ دعوت کا کام کریں تو آپ کے سامنے یہ پوری تقریر موجود ہو۔ میں یہ کوشش کرونگا کہ سنی دعوتِ اسلامی کے حوالے سے دعوت وتبلیغ کے عنوان پر جو میں گفتگو کروں، وہ قرآن و حدیث کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو۔ اور کوئی بات اپنی طرف سے نہ کی جائے۔ اس لئے کہ جب یہ دعوت اور تحریک ہی سنت کے طرف بلا رہی ہے تو ہمیں ہر بات میں سنت کا مخصوص مزاج سامنے رکھنا ہوگا خواہ وہ ہماری گفتگو ہو خواہ وہ ہمارا خطاب ہو، خواہ وہ ہماری دعوت ہو۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آج آپ اتنی بڑی تعداد میں یہاں موجود ہیں اور روز بروز آپ کا حلقۂ دعوت، حلقۂ احباب اور حلقۂ رفقائے دعوت بڑھتا جا رہا ہے۔ اور پھیلتا جا رہا ہے۔ اب آپ صرف ایک جماعت نہیں بلکہ اپنے مخصوص مزاج اور اسلامی طبیعت کے اعتبار سے آپ ایک قوم کی شکل میں تبدیل ہو رہے ہیں۔

میرے عزیز ساتھیو! اب دعوت آپ کا صرف ایک طبقاتی فریضہ نہیں بلکہ اسلامی فریضہ کے ساتھ ساتھ قومی اور ملی فریضہ بھی بنتا جا رہا ہے۔ یوں تو دعوت ہر دور میں بے پناہ ضروری ہے، تبلیغ ہر دور میں بے پناہ ضروری ہے۔ اگر آپ قرآنِ پاک کی ان آیاتِ مبارکہ اور احادیث پاک کو جمع فرمائیں جن میں دعوت کا حکم دیا گیا ہے، تو ایک بہت بڑا حصہ کلام الٰہی اور کلام رسول کا دعوت کی ترغیب پر مشتمل نظر آئے گا، دعوت کے حکم پر مشتمل نظر آئے گا، تبلیغ کی اہمیت پر مشتمل نظر آئیگا، اور قرآنِ پاک کی چند آیتیں تو باضابطہ اس کی فرضیت ثابت کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جہاں صیغۂ امر کے ساتھ دعوت الی الخیر کا حکم دیا گیا ہے۔ شر سے روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ معروف کی طرف دعوت دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ منکر سے روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں یہ ایک ملّی فریضہ بن جاتا ہے۔ یہ صرف ایک ذوق کی بات نہیں ہے کہ آپ اپنے ذوقِ سماع کو تسکین دینے کے لئے یہاں تشریف لائے ہیں۔ کچھ باتیں سنیں گے اور چند نعرے لگائیں گے۔ اور سال بھر کے لئے پھر اس دن کا انتظار کریں گے۔ نہیں بلکہ یہ ایک تحریکِ ہے۔ اور یاد رکھیئے کہ جب دین کا کوئی تقاضہ ملت کے جسم میں خون بن کر کے دوڑ رہا ہو تو جب بھی خون کو جسم سے الگ کر دیا جائے گا تو جسم مردہ ہو جائیگا، اسلام کے معاشرتی جسم

میں دعوت اور تبلیغ ہر دور میں خون بنکر کے دوڑتی رہی ہے۔ اور جب تک معاشرۂ اسلامی کے جسم کو دعوت وتبلیغ کا خونِ صالح میسر رہا۔ مسلمان زندہ بھی رہا، اور طاقتور بھی رہا۔ لیکن جب اس خونِ صالح کے Drip کو الگ کرلیا گیا تو بظاہر مسلمان دنیا کی دوسری قوموں کی طرح سے چلتا پھرتا ہوا نظر آیا، لیکن مردہ ہوتا ہوا نظر آیا۔ تاریخ میں بارہا ایسا ہوا ہے۔ میں آج کے دور میں اس کی اہمیت کو زیادہ واضح کرنا چاہتا ہوں۔ علماء میں، مفسرین میں، ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ دعوت اور تبلیغ کا فریضہ یہ فرض کفایہ ہے۔ اس لئے کہ دوسری آیت کریمہ اس کی حیثیت کو متعین کرتی ہے ”ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويأ مرون بالمعروف وينهون عن المنكرويؤمنون بالله واولئك هم المفلحون (پ۴ سورہ ال عمران، آیت ۱۰۴)،، تم میں ایک جماعت اور گروہ کا ہونا چاہئے جو دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتا رہے۔ لیکن پہلی آیتِ کریمہ ”كنتم خير امة،، میں ہر فرد کو شامل کیا گیا ہے۔ تو جن علماء نے پہلی آیتِ کریمہ کو سامنے رکھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ اور جن علماء نے دوسری آیتِ مبارکہ کو سامنے رکھا انہوں نے کہا کہ ہر دور میں ملتِ اسلامیہ میں ایک جماعت کا موجود ہونا ضروری ہے جو تبلیغ کا فریضہ انجام دیتی رہے۔ لیکن میرا یہ خیال ہے کہ آیاتِ مبارکہ کے مضامین میں کہیں بھی کوئی تضاد، تباین نہیں ہے، اختلاف نہیں ہے، قرآن عظیم نظمِ معنی اور نظمِ عبارت دونوں کی عظیم ترین معجزاتی خصوصیات کا حامل ہے۔ اس لئے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم دونوں آیتوں پر بیک وقت عمل کر سکتے ہیں، ایک جماعت کا موجود ہونا ضروری ہے جو دعوت دیتی رہے۔ لیکن صرف جماعت جو صرف دعوت دیتی رہے، وہی دعوت کے سارے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتی۔ اس لئے جو دعوت دینے کی صلاحیت نہ رکھیں اگر وہ سرمایہ دار ہیں تو سرمایہ لگاتے رہیں، یہ بھی دعوت کا کام ہے۔ جو دعوت دینے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں اگر وہ وقت دے سکتے ہوں تو وقت دیتے رہیں، یہ بھی دعوت کا کام ہے جو خود داعی نہ بن سکیں وہ داعیوں کی طرف لوگوں کے لے جانے کو کوشش کریں یہ بھی دعوت کا کام ہے۔ جو اسٹیج (Stage) پر تقریر نہ کرسکیں وہ اسٹیج کو سجانے کی کوشش کریں یہ بھی

دعوت کا کام ہے۔ جو باضابطہ طور پر قرآن وحدیث کی روشنی میں خطاب نہ کرسکیں وہ لوگوں کو قرآن وحدیث سنانے کے لئے بلاتے رہیں، یہ بھی دعوت کا کام ہے۔ جو باضابطہ طور پر تقریر نہ کرسکیں وہ سننے والی تقریر کو دوسروں تک پہنچاتے رہیں، یہ بھی دعوت کا کام ہے۔ جو اجتماع میں مولانا شاکر کی طرح کھڑے ہوکر بول نہ سکیں وہ یہاں خیمے نصب کریں، شامیانے لگائیں، لوگوں کی خدمت کریں، یہ بھی دعوت کا کام ہے تو اگر ہر آدمی اپنے اپنے اعتبار سے دعوت کی ذمہ داریوں کو پورا کرے تو پوری امت دعوت میں بیک وقت شریک ہوسکتی ہے۔ تو اس طرح ”ولتکن منکم امّة......الخ،، کا بھی مفہوم پورا ہو جائیگا اور ”کنتم خیر امّة......الخ،، کا بھی مفہوم پورا ہوجائے گا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! اس اعتبار سے الحمد للہ!! آپ نے ایک ایسی جماعت پیدا کرلی ہے جس میں ہر فرد اپنی ذمہ داریوں کو پورا کررہا ہے۔ یہ بھی دعوت کا کام کررہے ہیں جو پنکھا جھیل رہے ہیں جو مسلمانوں کو راحت پہنچانے کی کوشش کررہے ہیں وہ بھی دعوت کا کام کررہے ہیں جو وہاں پانی پلا رہے ہیں اور وہ بھی دعوت کا کام کررہے ہیں جو لوگوں کو پرسکون انداز سے بٹھا رہے ہیں۔ انسان کی فطرت ہمیشہ جذبات کے تابع ہوا کرتی ہے۔ قومِ مسلم تو ہمیشہ سے بڑی جذباتی رہی ہے، اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ اس نے اپنی عقل کو جذبات پر قربان کردیا ہے۔ بلاشبہ جذبات کی قدر کیجائیگی اگر وہ حق ہیں، بغیر جذبہ کے نہ کوئی کامیابی مل سکتی ہے نہ کوئی مرحلۂ حیات طئے ہوسکتا ہے نہ کوئی منزل مل سکتی ہے، لیکن جذبات کے صحیح اور برمحل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کا عقلی تجزیہ کریں۔ اور اس کا صحیح استعمال کریں۔ تو یہ قوم بہت جذباتی رہی ہے۔ اور جذبات کی بنیاد پر نقصانات بھی اٹھاتی رہی ہے۔ لیکن جذباتی ہونے کے ساتھ ساتھ اگر اس جذبہ کو صحیح بنیادوں پر استعمال کیا جائے تو وہ جذبہ تعمیر کے لئے باضابطہ احساس کی حیثیت رکھتا ہے اور بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ دعوت ایک بہت اہم ذمہ داری ہے۔ اور اگر آپ تاریخِ اسلامی کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جب تک دعوت کا کام منظم طریقہ سے ہر فرد انجام دیتا رہا۔ ہاں آج سے ایک ہزار سال پہلے

سنی دعوت اسلامی نام کی کوئی تحریک موجود ہو یا نہ رہی ہو۔ لیکن تحریک موجود نہ ہوتے ہوئے بھی دعوت کا کام بہت منظم ہورہا تھا۔ تحریک کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب کوئی فکر مرنے لگتی ہے۔ جب کوئی تقاضہ سرد پڑجاتا ہے جب کوئی جذبہ ٹھنڈا ہوجاتا ہے تب تحریک کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ کیا آپ نے تاریخ کے کسی دور میں کوئی ایسی تحریک سنی ہے کہ یہ نماز پڑھنے والوں کی جماعت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت ہی نماز پڑھے گی۔ باہر کے لوگ نماز نہیں پڑھیں گے۔ نماز پڑھنے والوں کی جماعت نہیں بنائی گئی۔ مگر تاریخ میں قرونِ اولیٰ کی تاریخ گواہ ہے کہ کئی کئی ملکوں میں ایک بھی بے نمازی نہیں ملتا تھا۔ اسی طریقہ سے اس زمانے میں دعوت کی کوئی تحریک بنام تحریک موجود نہیں تھی۔ مگر کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جو دعوت کا فریضہ انجام نہ دیتا ہو۔ ہر آدمی اپنے اپنے طور پر کام کررہا تھا۔ ایک مجاہد جہاد کے ذریعہ سے دعوت دے رہا تھا۔ ایک مبلغ تبلیغ کے ذریعہ سے دعوت دے رہا تھا۔ ایک داعی اپنے انتہائی پیارے اسلوب کے ذریعہ سے دعوت دے رہا تھا۔ ایک تاجر اپنے مالِ تجارت کے ساتھ دعوت دے رہا تھا۔ ایک مسافر حالتِ سفر میں دعوت دے رہا تھا۔ ایک قیدی قید خانے میں دعوت دے رہا تھا۔ کیا آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ اعلانِ نبوت سے پہلے جناب یوسف علیہ السلام کو قید خانہ میں ڈالا گیا ہے۔ قید خانہ کی زندگی کتنی دردناک رہی ہوگی۔ یہ آج کے دور کا قید خانہ نہیں ہے جہاں Humenrights کے تقاضہ کرنے والے قیدیوں کی زندگیوں کے بارے میں حکومتوں سے پوچھتے ہیں۔ تم کیسے رکھ رہے ہو اپنے قیدیوں کو؟ یہ اور بات ہے کہ Humenrights کا نعرہ لگانے والے وہ لوگ ہیں جو دنیا میں سب سے زیادہ انسانی اقدار کو کچلنے والے اور تباہ کرنے والے ہیں۔ لیکن بہرکیف ایک نعرہ موجود ہے۔ اس زمانہ میں اس کا کوئی تصور نہیں تھا، ظلم تھا، جبر تھا، ارتداد تھا، بادشاہ اپنے کو انسان کی زندگیوں کا بلاشرکت غیر مالک تصور کیا کرتا تھا۔ اس زمانہ میں جناب یوسف علیہ السلام کو قید میں ڈالا گیا ہے۔ لیکن قرآنِ عظیم کا مطالعہ کیجئے، احسن القصص کا مطالعہ کیجئے، سورہ یوسف کا مطالعہ کیجئے تو معلوم یہ ہوگا کہ قید میں ایک بدترین جھوٹے الزام کے تحت ڈالے گئے ہیں۔ مگر دعوت کا سلسلہ وہاں

بھی جاری رہا ہے۔اور جب نکلے ہیں تو ایک نیا نظام لے کر نکلے ہیں۔ایک انقلاب لے کر نکلے ہیں۔قید کی تنہائیوں میں بھی دعوت دیتے نظر آتے ہیں۔اور دعوت بھی ایسی دعوت اللہ اکبر! کہ جس دعوت کے تصور سے آج بھی معاشرہ میں نہ معلوم فلاح کی کتنی راہیں کھلتی ہیں۔ کسی نے شکایت کی تھی کہ حضور! آپکو بلاوجہ قید کردیا گیا۔آپ کی نگاہِ عفت اور پیشانی کی عظمت گواہی دے رہی ہے کہ آپ کسی گناہ کا تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں۔پھر زلیخا نے آپ کے اوپر یہ الزام کیوں لگایا؟ کہا! مجھے الزام کی بات مت کرو۔مجھے قید میں ڈالا گیا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اے میرے مولیٰ! یہ بارہ سالہ قید اس گناہ کی دعوت کی طرف مائل ہونے سے زیادہ بہتر ہے، جس کی طرف وہ مجھے بلا رہی تھی۔

عزیزان ملت اسلامیہ! جناب یوسف علیہ السلام کی زندگی دیکھئیے، اور بھی انبیاء کرام کی زندگی دیکھئیے، وہ لوگ کہ جنکو قتل کیا گیا وہ بھی دعوت ہی دینے والے تھے۔وہ لوگ کہ جنہیں ملکوں سے باہر کیا گیا وہ بھی دعوت دینے والے تھے۔وہ پیغمبرانِ کرام کہ جن پر معاذ اللہ! غربت کا، جہل کا، الزام لگایا گیا۔وہ بھی دعوت دینے والے تھے۔اللہ کے وہ نبی کہ جو دنیا میں سب سے منتخب عقل کے نمائندے تھے۔انہیں پاگل و دیوانہ کہا گیا تھا، وہ بھی دعوت ہی دینے والے تھے۔پاگل کہا جارہا ہے مگر دعوت کا سلسلہ جاری ہے۔دیوانہ کہا جارہا ہے مگر دعوت کا سلسلہ جاری ہے، مجنون کہا جارہا ہے مگر دعوت کا سلسلہ جاری ہے، غریب کہا جارہا ہے مگر دعوت کا سلسلہ جاری ہے، مفلس کا طعنہ دیا جارہا مگر دعوت کا سلسلہ جاری ہے، جنون کا طعنہ دیا جارہا ہے مگر دعوت کا سلسلہ جاری ہے، شاعر کا طعنہ دیا جارہا ہے مگر دعوت کا سلسلہ جاری ہے، ساحر کا طعنہ دیا جارہا ہے مگر دعوت کا سلسلہ جاری ہے، قتل کے منصوبے بنائے جارہے ہیں دعوت کا سلسلہ جاری ہے، گھر سے نکالا جارہا ہے دعوت کا سلسلہ جاری ہے۔دعوت ایک ایسی ذمہ داری تھی کہ ہر حالت میں ادا کی گئی۔اور ہر حال میں اسے پورا کیا گیا۔یہ اس وقت تھا جب تک حضور خاتم النبیین بنکر کے نہیں آئے تھے۔لیکن جب سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین بنکر کے آئے تو وہ بھی ان راہوں سے گذرے جن راہوں سے دوسرے

انبیاء کرام گذرے تھے جس طرح سے کمالاتِ نبوت میں سرور کائنات محمد رسول اللہ کو تمام انبیائے کرام کے کمالات کا جامع بنایا گیا تھا۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اسی طرح اور انبیاء کرام کو جن الگ الگ راہوں سے ستایا گیا تھا، سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان تمام راہوں سے ستایا بھی گیا۔اس میں بھی ان کی امتیازی حیثیت تھی۔خود ارشاد فرماتے ہیں، مجھے جتنی تکلیفیں دی گئی ہیں مجھ سے پیش رو انبیاء کرام میں اتنی تکلیفیں کسی کو نہیں دی گئی۔اس کے باوجود دعوت کا کوئی سلسلہ رکا؟ آپ اندازہ فرمائیں۔جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اللہ کے رسول کی پیاری شریکۂ زندگی، زمانۂ عسرت میں رفاہیت عیش فراہم کرنے والی، زمانۂ مصیبت میں مصیبتوں کا دفاع کرنے والی، اسلام کے لئے زندگی کی راہیں فراہم کرنے والی اور اپنا سب کچھ قربان کرنے والی عظیم خاتون، لیکن کیا ان کے وصال کے وقت دعوت کا سلسلہ بند ہوا؟ کیا ان کے مرض وصال میں دعوت کا سلسلہ بند ہوا؟ کیا ان کے وصال کے بعد عام الحزن کے موقع پر دعوت کا سلسلہ بند ہوا؟ مجھے بتائیے کیا ہجرت کے زمانہ میں دعوت کا سلسلہ بند ہوا؟ کیا شعبِ ابی طالب کی تنہائیوں میں دعوت کا سلسلہ بند ہوا؟ کیا غزوۂ بدر کے موقع پر دعوت کا سلسلہ بند ہوا؟ اُحد وخیبر وخندق کے مقام پر دعوت کا سلسلہ بند ہوا؟ دعوت انسانی معاشرہ کا وہ سیال خون تھا جو رگوں میں ہمیشہ دوڑتا رہا۔ اور جو یہ خون منتقل کرنے والے تھے، وہ اپنی ذمہ داریوں کو ہر دور میں پورا کرتے رہے اس کے بعد مسلمان صحرائے عرب سے نکل کر دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلا۔لیکن جہاں بھی گیا اس نے دعوت کا کام کیا۔اگر آپ تاریخ اسلامی کا مطالعہ کرینگے تو آپ حیرت واستعجاب میں ڈوب جائینگے، کہ آج دنیا میں جتنے مسلمان پائے جارہے ہیں وہ سب دعوت وتبلیغ کے نتیجہ میں مسلمان ہوئے۔اگر آپ پورے برِّ اعظم افریقہ یعنی ایشیاء کے بعد دنیا کا سب سے بڑا اسلامی برِّ اعظم جسے اب آپ افریقہ کہتے ہیں۔اس افریقہ میں اگر آپ جاکر کے دیکھیں تو

بیشتر مسلمان دعوت وتبلیغ کی بنیاد پر مسلمان ہوئے ہیں، سومالیہ کے علاقوں کے مسلمان دعوت کی بنیاد پر ہوئے ہیں، سوڈان کے مسلمان دعوت وتبلیغ کی بنیاد پر ہوئے ہیں۔ اسی طرح سے نائیجیریا کے مسلمان دعوت وتبلیغ کی بنیاد پر ہوئے ہیں چند افریقی ملکوں کے علاوہ ان کے بیشتر ممالک اسلام کی آغوش میں آئے ہیں تو دعوت وتبلیغ کے حوالہ سے آئے ہیں، اسی سلسلہ سے آئے ہیں، اسی ذریعہ سے آئے ہیں، کیا اس زمانہ میں مزاحمتیں نہیں ہوئی ہونگی؟ کیا اس زمانہ میں ان کے چہرہ مہرہ پر اعتراض نہیں کیا گیا ہوگا؟ کیا اس زمانہ میں انہیں Fandamentlest کا طعنہ نہیں دیا گیا ہوگا؟ کیا اس زمانہ میں رکاوٹیں نہیں کھڑی کی گئی ہونگی؟ کیا اس زمانہ میں صلیب ودار کی منزلوں سے گذارا نہیں گیا ہوگا؟ کیا اس زمانہ میں ان کی ڈاڑھیوں کی توہین نہیں کی گئی ہوگی؟ کیا اس زمانہ میں انہیں برائیوں کی طرف دعوت نہیں دی گئی ہوگی؟ کیا اس زمانہ میں غلبہ کرنے والی قوتوں نے اس زمانہ کے فواحشات کو پھیلانے کی کوشش نہیں کی ہوگی؟ ان کے ساتھ یہ سب کچھ کیا گیا ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود وہ دعوت کے سلسلہ کو متواتر اور مسلسل رکھنے میں کامیاب رہے۔ اور یہ کم وبیش چودھویں، پندرھویں صدی عیسوی تک ہوتا رہا ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کا دعوتی سلسلہ کمزور پڑتا چلا گیا۔ لوگ اپنی دنیوی ذمہ داریوں میں اتنے ڈوب گئے کہ پھر انہوں نے دعوت کا وہ تسلسل باقی نہیں رکھا۔ جو تسلسل کہ ان کو باقی رکھنا تھا، اور پھر وہیں سے زوال شروع ہوا ہے، اگر آپ تاریخ کے حوالے سے دعوت کے کمزور پڑنے اور مسلمانوں کے زوال کی تاریخ کا تعین کرنا چاہیں، تو جہاں جہاں دعوت کمزور پڑی وہاں مسلمان کمزور ہوا ہے۔ وہاں شکست وریخت سے دوچار ہوا ہے، وہاں حکومتیں الٹی ہیں، تخت اچھالے گئے ہیں، تاجداروں کو قتل کیا گیا ہے اور ملت کو فنا کیا گیا ہے۔ پتہ یہ چلا کہ دعوت وتبلیغ کا سلسلہ ملت کی زندگی اور روح کے لئے ضروری ہے، ملت کے وقار کے لئے ضروری ہے، ملت کو آگے بڑھانے کے لئے ضروری ہے، ملت کو منظم کرنے کے لئے ضروری ہے، ملت کے اندر احساسِ زندگی باقی رکھنے کے لئے ضروری ہے، ملت کو اعلیٰ ترین قدروں سے آشنا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ آج دنیا کو آپ

سے کوئی اختلاف نہیں ہے آپ سے اختلاف ہے تو صرف اس بات کا کہ آپ مسلمان ہیں، اختلاف ہے تو اس بات کا کہ آپ کا چہرہ اسلامی چہرہ ہے، افغانستان میں ان کو انقلاب کے بعد جو بھی انقلاب لائے ہیں وہ تو تاریخ بتائے گی۔ یہ فاسد انقلاب ہے یا صالح انقلاب ہے، لیکن ڈاڑھیاں مونڈھنے کے علاوہ کیا ان کے پاس کوئی اور چیز نہیں تھی؟ پوری دنیا میں T.V پر مونڈھی ہوئی داڑھیاں کیوں دکھائی جارہی تھیں؟ ایسے بد بخت اور بد کردار اور شیطان تو ہر دور میں ہوتے ہیں، جو ڈاڑھیاں مونڈھواتے ہیں۔ کیا یہاں مسلمان موجود نہیں ہے؟ کیا مصر میں داڑھیاں نہیں مونڈھی جاتی ہیں؟ لیکن افغانستان میں یہ کہکر کے ہم ایک ٹائیر یریزم کو ختم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اسلام کا مذاق اڑایا گیا، چہرے کا مذاق اڑایا گیا، اسلامی روایات کا مذاق اڑایا گیا۔ فلمیں بھیجی جارہی ہیں، ریڈیو بھیجا جارہا ہے، اور اس کو انقلاب کا نام دیا جارہا ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! میں عرض کرنا چاہتا ہوں دنیا کو اگر آپ سے اختلاف ہے تو صرف آپ کے چہرہ سے اختلاف ہے، آپ کے تشخص سے اختلاف ہے، آپ کی Identity سے اختلاف ہے، آپ کی فکر اسلامی سے اختلاف ہے، آپ کے مذاقِ سجدہ سے اختلاف ہے، آپ کی غلامیٔ رسول سے اختلاف ہے، آپ کے مسلمان ہونے سے اختلاف ہے۔ اگر دنیا آپ کے اسلامی چہرہ کو اسلامی چہرہ نہیں دیکھنا چاہتی تو آپ قسم کھائیں کہ ہم جان دے دیں گے، لیکن اپنا اسلامی چہرہ نہیں مٹنے دیں گے۔ اور یہ صحیح ہے آپ اعلیٰحضرت کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں فکرِ اعلیٰحضرت ہی آپ کی رہنمائی کرے گی۔ وہی آپ کی قیادت کر سکے گی۔ اس لئے کہ دنیا میں اعلیٰحضرت کے علاوہ اس صدی میں اس دور میں جتنے بھی مفکرین فقہاء گذرے ہیں، سب نے زمانہ سے مصالحت کرنے کا حکم دیا ہے۔ زمانہ سازی کا حکم دیا ہے، سب کسی زمانے کے دروازے پر جھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ تنہا امام احمد رضا ہیں جو نہ کسی طاقت کے سامنے اور نہ کسی زمانہ کے سامنے جھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔

منم او کن کہ خمولی کہ نہ کن جد در وے
جز من و چند کتابے ودوات و قلمے

دعوت کا کام کیجئے، تبلیغ کا کام کیجئے، فکرِ اعلحضرت کے حوالہ سے کیجئے۔ مزاجِ اعلحضرت کے حوالہ سے کیجئے، عشقِ رسول اعلحضرت کے حوالہ سے کیجئے، محبتِ اعلحضرت کے حوالہ سے کیجئے، ظاہری شعار کو مٹایا جاسکتا ہے، اگر آپ کا اسلام نمائشی اسلام ہوا، اگر آپ کی داڑھی نمائشی داڑھی ہوئی، آپ کا چہرہ شعب کا چہرہ ہوا، اگر آپ کے اندر عشقِ رسول کی شمع نہیں جلائی گئی تو یقیناً آپ کے ساتھ وہی ہوگا جو دنیا میں لوگوں کے ساتھ ہورہا ہے۔ لیکن اگر آپ کی داڑھی کے ساتھ دل میں عشقِ رسول کی شمع جل رہی ہے تو قسم خدا کی دنیا آپ کے قدموں کو بوسہ دے گی۔ آپ کی محبت بے حرمتی کا تصور بھی نہیں کرسکتی ہے۔ عشقِ رسول کو اپنا قائد بنائیے، محبتِ رسول کو اپنا امام بنائیے۔

عشق است امامِ من عقل است غلامِ من
ہر دو بہ منزلِ روند ہر دو امیر کارواں
عقل بحیلہ می رود
عشق رود کشاں کشاں

دونوں امیرِ کارواں ہیں، عقل حیلہ سے لیجاتی ہے، عشق کھینچ کے لیجاتا ہے۔ میرے عزیز ساتھیو اور دوستو! اسلام امن کا مذہب ہے۔ اسلام نے کبھی تاریخ کے کسی دور میں بھی ٹائریریزم کی حمایت نہیں کی۔ ٹائریریزم اور اسلام میں منافات ہے اسلامک ٹائریریزم کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ روشنی وظلمت کو ایک ساتھ جمع کررہے ہیں۔ آپ دن اور رات کو جمع کررہے ہیں، آپ تضادات کو جمع کررہے ہیں۔ آپ ذرا اسلام کا معنی دیکھئے، اسلام کا معنی سلامتی کے ہوتے ہیں، اسلام کے معنی کمپلٹ سبمیشنگ (Complete Submission) کے ہوتے ہیں۔ خود سپردگی کے ہوتے ہیں۔ ہمارے مذہب کا نام اسلام ہے، ہمارے پیغمبر کا نام نبی السلام ہے، ہماری کتاب کا نام کتاب السلام ہے، ہماری جنت کا نام دارالسلام ہے، ہماری Greety ایک دوسرے کو السلام علیکم ہے، ہماری نماز کا خاتمہ السلام علیکم پر ہے۔ ہماری دعائیں ہیں'' اللھم انت السلام و منك السلام

والیك یرجع السلام،،۔ جنت میں آپ کے لئے تحیۃ ہے'' سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین (پ۲۴، ع۵، سورہ زمر، آیت۷۳)،، فرشتوں کا استقبال ہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ وہ اسلام جو سر سے پیر تک سلامتی کی بات کرتا ہو وہاں ٹائریریزم کیسے آسکتا ہے؟ یہ اسلام کے خلاف ایک سازش ہے مسلمانوں کی طرف ایک بات کو منسوب کر کے اسلام کو بدنام کرنے کا ایک ایسا منصوبہ ہے جس کا تذکرہ میں'' اسلام اور اکیسویں صدی،، کے حوالہ سے تقریباً بہت پہلے کرچکا ہوں کہ یہ سب کچھ ہوگا۔ لیکن اسی وقت میں استقامت کی ضرورت ہے''ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ ألا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدونO (پ ۲۴، ع ۱۸، سورہ حم السجدہ، آیت ۳۰)،، بیشک وہ لوگ جو کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے پھر جم جاتے ہیں ان پر اللہ کی رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں استقامت کی دعا کرتے ہوئے اور بےخوفی اور بےغمی کا اعلان کرتے ہوئے نازل ہوتے ہیں۔ استقامت آپ کی زندگی کی ضمانت ہے اور یاد رکھیئے اگر افغانستان میں مسلمانوں کے ساتھ کوئی بات ہوئی ہے تو ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کے دل میں کمزوری نہیں آنی چاہئے۔ ایک لمحہ کے لئے مایوسی نہیں آنی چاہئے۔ تاریخ میں ایسا کئی کئی بار ہوا ہے۔ بغداد لٹا ہے، پھر کامیاب ہوا ہے۔

عزیزانِ ملتِ اسلامیہ! کتنی بار مسلم حکومت کو لوٹا گیا ہے۔ اور پھر عروس اقتدار سجائی گئی ہے اس لئے اسے ناکامی کا نام نہ دیں۔ یہ ناکامی ان ظالموں کی ہے، جو ایک الزام کے تحت بے گناہوں پر آگ برساتے رہے ہیں۔ خون کی ہولیاں کھیلتے رہے ہیں۔ امن و انسانیت کے نام پر انسانیت کی آبرو کو تارتار کرتے رہے ہیں۔ یہ ناکامی ان کی ہے اور کبھی کبھی ناکامیوں کی ظاہری حالت سے کامیابیوں کا آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ میں طالبان کی ہر بات کی تائید نہیں کرتا۔ اور نہ ہی ان کے ہر عزم کی تائید کرتا ہوں نہ افغانستان کا ایسا دوست ہوں، جیسے لوگ اندھے مقلد ہوا کرتے ہیں، میں جانتا ہوں ان کی بڑی کمزوریاں تھی، بڑی خامیاں تھیں، افغانیوں کی بنیاد پر آپ نے دیکھا ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالی نے انہیں اتنی کامیابی دی

کہ رشیا (Russia) جیسی سوپر (Super) طاقت منتشر ہوگئی۔ لیکن پھر وہ آپس میں افغانستان کو فتح کرنے لگے۔ یہ ان کا جرم تھا، جس کی سزا انہیں ملنی تھی۔ آپکو معلوم ہے کہ کم وبیش گیارہ سال تک 1989 کے بعد سے وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے ایک دوسرے پر زیادتی کرتے رہے۔ ایک دوسرے پر ظلم کرتے رہے، رشیا (Russia) کے جانے کے بعد ہر افغانی قائد پورے افغانستان کا بادشاہ بن بیٹھا اور خون کے ندیاں بہائی گئیں۔ اس کی سزا انہیں ملنی تھی۔ اس لئے کہ قرآن نے کہا ہے ''......من قتل نفسا بغیر نفس اوفساد فی الارض فکانما ق تل النا س جمیعا ومن احیا فکانما احی النـاس جـمیعا...... الخ (پ۶، ع۹، سورہ مائدہ، آیت ۳۲)،، جس نے ایک نفس کو بغیر کسی وجہ کے قتل کیا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا۔ اور جس نے ایک نفس کو زندگی دی اس نے پوری انسانیت کو زندگی دی۔ اگر کل وہ کامیاب ہو جاتے تو یقیناً ہم سمجھتے کہ تائید غیبی ان کے ساتھ تھی۔ لیکن اگر ناکام ہوئے ہیں تو بھی اللہ کی مشیت کے مطابق ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے کا خون بہا رہے تھے ایک دوسرے کی زیادتی کر رہے تھے۔ چاہے حق پر کوئی بھی ہو۔ لیکن بہر کیف قتل دونوں طرف سے مسلمان ہو رہے تھے۔ آپکو حدیث پاک معلوم نہیں ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو مسلمان آپس میں ایک دوسرے پر تلوار اٹھائیں۔ '' فـالـقاتل والمقتول کلا هما فی النار،، (بخاری شریف، ج۲) تو قتل کرنے والا اور قتل ہونے والا دونوں جہنمی ہیں۔ رسول پاک نے جہنم کا اعلان پہلے کیوں کیا؟ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! قاتل جہنمی ہوسکتا ہے مقتول کیسے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! مقتول اس لئے جہنمی ہے کہ ارادۂ قتل تو اس کا بھی تھا۔ اگر مقتول نہ ہوتا تو قاتل بن جاتا۔ بہر کیف مشیت جانتی ہے کہ افغانستان کے ساتھ ایسا کیوں ہوا ہے؟ میرے ایک ساتھی نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا میں ابھی اس قابل نہیں ہوا ہوں کہ رجال الغیب کی محفل میں جاؤں ورنہ میں ان سے پوچھتا کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟ لیکن انتظار کرو۔ یاد رکھو، قومیں زمینوں کے مٹنے سے اور افراد کے مٹنے سے نہیں مٹا کرتیں۔ قومیں کسی ملک میں شکست کی بنیاد پر نہیں مٹتی ہیں۔

تو نہ مٹ جائیگا افغان کے مٹ جانے سے
نشہ مئے کو تعلق نہیں پیمانہ سے

تمہارے اندر اگر عشق رسول کا نشہ موجود ہے تو پیمانے بدلتے رہیں گے۔ نشۂ رسول نئی دنیا تلاش کرتا رہے گا۔ نئے آفاق ڈھونڈتا رہے گا۔ اس لئے غمزدہ اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بھی ملت کو موت قریب لیجاتا ہے۔ جب ملت مایوسیوں میں ڈوب جاتی ہے، جب ملت تباہیوں کے قریب پہنچ کر کے اپنے کو مایوس سمجھتی ہے۔ ایسا نہیں ہے،

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ گذری ہوئی صدی کے آغاز میں ہمارے پاس سوائے ترکی کے کوئی ملک آزاد نہیں رہ گیا تھا۔ مراقش جا چکا، فارس گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جیتا ہے یہ ترکی کا مریضِ سخت جاں کب تک؟ ابھی سو سال پہلے یہ سب کچھ ہوا ہے۔ پہلی جنگِ عظیم سے پہلے اور دوسری جنگ عظیم تک یہ ہوتا رہا کہ پاس کچھ نہیں تھا۔ مصر غلام تھا، شام غلام تھا، بغداد غلام تھا، الجزائر غلام تھا، انڈونیشیا غلام تھا، ملیشیاء غلام تھا، یہ سارے ممالک غلام تھے، صحرائے افریقہ کے سارے ممالک غلام تھے، سوڈان غلام تھا، نائجیریا غلام تھا، صومالیہ غلام تھا، آج ان کو آزادی لفظی ہی سہی۔ بہر کیف اپنا نام تو دے سکتے ہیں، اپنا تشخص تو قائم کر سکتے ہیں۔ یہ سب غلام تھے سوائے ترکی کے۔ یہ صورت حال تھی اور اس زمانے میں کسی صاحبِ درد نے کہا تھا مراقش جا چکا، فارس گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ: جیتا ہے یہ ترکی کا مریض سخت جاں کب تک؟ یہ ایک مایوسی کی بولی تھی مگر کسی صاحب خودی نے کسی خوددار شاعر نے اسوقت یہ بھی کہا تھا۔

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

دوسرا مصرع شاید آپ نہ سمجھے ہوں گے، میں بتادوں کہ جب رات ہوتی ہے اور رات میں ستارے جگمگاتے ہیں تو ہزاروں نہیں کروڑوں ستارے ہوتے ہیں لیکن جب صبح ہوتی ہے تو ہر ستارہ

چھپ چکا ہوتا ہے۔ ہر ستارہ کا خون ہوجاتا ہے، مگر صبح ایک نئے انقلاب کی ضمانت ہوتی ہے، ہوسکتا ہے کہ افغانستانیوں کی موت اسلام کے انقلاب کی ضمانت بن رہی ہو۔ اب زندہ ہوجایئے۔

آپ مسلمان بنئے، امن کے پیغام دینے والے بنئے، محبت پھیلانے والے بنئے، خواجہ کے ہندوستان میں رہ کر خواجہ کا مشن لے کر آگے بڑھیے، داتا کی زمین پر رہکر کے داتا کا مشن لے آگے بڑھیے، آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ شاید آپ نے تبلیغ اور دعوت کے راستے میں اپنے اسلاف کی روایات چھوڑ دی تھی۔ شاید اس زمین کی مٹی پہ جو طرزِ عمل اثر انداز ہوتا تھا۔ اس سے رشتہ کچھ دور ہوگیا تھا، ہمیں غم تو ہے اپنے سسکتے ہوئے بچوں اور نعشوں (لاشوں) کا۔ لیکن ہمیں اپنے مرکز کی طرف لوٹنا ہوگا۔ خواجہ جب یہاں آئے تو کیا ان کو بھی مشکلات نہیں تھیں؟ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے لئے مشکلات نہیں تھیں؟ حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے مشکلات نہیں تھیں؟ دکن کی سرزمین پر حضرت بندہ نواز گیسودراز کے لئے مشکلات نہیں تھیں؟ کیا اس زمانہ میں انسانیت آج سے زیادہ نکھری ہوئی تھی؟ اس کے باوجود اسلام غالب کیوں رہا؟ اس لئے کہ ان کا اسلام نمائشی اسلام نہیں تھا، ان کا اسلام نبی کا اسلام تھا، اخلاص اور دعوت کی بنیاد پر آپ اسی اسلام کو دوبارہ نافذ کیجیے، دنیا آپکو سلام کریگی، آپ کے قدموں میں جھکے گی۔ اور کسی کی جرأت نہیں ہوگی کہ وہ آپ کے اسلام کا مذاق اڑا سکے۔

میرے عزیز ساتھیو اور دوستو! میں اس لئے یہ ساری باتیں کہہ رہا ہوں کہ میں آپ کے چہروں پر مایوسیوں کی تحریر پڑھ رہا تھا۔ اور کسی قوم کا مایوس ہوجانا اس کی موت کی علامت ہے۔ دنیا تو چاہتی ہے کہ آپ مایوس ہوجائیں، وگرنہ مغربی میڈیا جو اسرائیل کے رحم وکرم پر ہے وہ ہماری اتنی بھیانک تصویر تو نہ پیش کرتا۔ اسلام کی روایات کا مذاق تو نہ اڑایا جاتا۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں اسلام غالب ہونے کے لئے ہے یاد رکھیئے! کسی ایک طبقہ میں، کسی ایک ملک میں اسلام اگر کمزور پڑ جائے، اول تو اسلام کہیں کمزور ہوا نہیں ہے کہیں مسلمان اگر کمزور پڑ جائے تو یاد رکھو! کہیں دوسری جگہ سے اسلام کا آفتاب طلوع ہوگا۔ تم نے دیکھا جب بغداد بکھر رہا تھا اور ٹوٹ رہا تھا تو دوسرے علاقوں میں اسلام پھیل رہا تھا۔ افریقہ کا بیشتر علاقہ اسی

دور میں مسلمان ہو رہا تھا۔ اور جب اسپین مٹ رہا تھا تو اسپین سے بڑی حکومتیں انڈونیشیاء اور ملیشیاء اسلام کی آغوش میں آ رہی تھیں۔ یہ وہی سال تھا اور وہی زمانہ تھا۔

جہاں میں اہل ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے
اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا ہی دباؤ گے

دبائے جا رہے ہو ابھرنے کے لئے دبائے جا رہے ہو، مٹائے جا رہے ہو زندگی کے لئے مٹائے جا رہے ہو۔ اُبھرو! لیکن ابھرو گے اسی وقت جب وفادارِ مصطفیٰ بن جاؤ گے۔ غدارانِ مصطفیٰ کے لئے کسی دور میں کبھی بھی کوئی جگہ نہیں رہی ہے۔ وفادارِ مصطفیٰ بنکر کے دین کا کام کرو! میں نے کہا تھا کہ گیس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، گیس کہ اس کا کوئی دین نہیں ہوتا، پہاڑ کے نیچے وہ ہوتی ہے، زمین کے نیچے جہاں پولی زمین ہے نکلنے کا موقع ہے وہ نکلتی رہتی ہے، کبھی بخار بنکر کے، کبھی شبنم میں ڈھل جاتی ہے، کبھی بادلوں میں ڈھل جاتی ہے، گیس نکلتی رہتی ہے۔ لیکن جہاں پتھریلی زمینیں ہوتی ہیں، جہاں گیس کے نکلنے کا موقع نہیں ہوتا، جہاں اسے نرمی نہیں سختی ملتی ہے وہاں وہی گیس جوالا مکھی بن جاتی ہے، لاوہ بن جاتی ہے، آتش فشاں بن جاتی ہے، والکینا بن جاتی ہے، اور پہاڑوں کو جلا کر کے خاکستر کر دیتی ہے۔ یہ دباؤ کی گیس ہے جسکو ٹائریریزم کا تم نام دے رہے ہو۔ مسلمانوں کو فلسطین میں اتنا دبا دیا گیا ہے اور 53 ترپن سال سے اتنا کچلا گیا ہے، اتنی لاشیں ان کی گرائی گئی ہیں۔ سابرہ اور شتیلا پر اتنی بمباری کی گئی ہے کہ وہ گیس جوالا بنکر کے پھوٹنے والی ہے اور پھوٹ رہی ہے۔ اسکو تم اسلام کا نام نہ دو۔ یہ دباؤ کا مذہب ہے۔ یہ اسلام نہیں ہے۔ اسلام کبھی بھی ٹائریریزم کا ساتھ نہیں دے سکتا جب کسی قوم کو دباؤ گے خواہ وہ مسلمان ہو خواہ وہ غیر مسلم ہو، کوئی بھی قوم ہو اس دباؤ کے نتیجہ میں آتش فشاں بنے گی اور پھر خرمن باطل کو اور ظالم کو پھونکنے کی کوشش کرے گی۔ یہ او ربات ہے کہ اس صدی میں مسلمان آزاد تو ہوئے مگر دباؤ کا شکار رہے۔ اس دباؤ سے تم تبلیغ

کے ذریعہ سے نکل سکتے ہو۔ یہ شاید کوئی لفظوں کی خوشنمائی اس کومت محسوس کرنا۔ اس بات کا جائزہ لو کہ جب بھی اسلام میں کسی قوم کو دبایا گیا ہے تو صرف مبلغین نے اسلام کو زندہ بھی رکھا ہے اور آگے بھی بڑھایا ہے۔ بتاؤ بغداد کے ٹوٹنے کے بعد، تاتاریوں کے حملہ کے بعد، ہلاکو اور چنگیز کے خونین کارناموں کے بعد دوبارہ کس نے بغداد کو فتح کرایا تھا؟ اسلام ہی نے تو نا، تبلیغ ہی نے تو نا؟ مجھے بتاؤ کہ دنیا میں بہت سے ملک ہیں جہاں اسلام کو دبایا گیا ہے، مگر مسلمان مبلغوں نے، صوفیوں نے، اولیاء اللہ نے اپنے کام کو جاری رکھا اور اسلام زندہ رہا کم وبیش پون صدی تک رشیا نے سارے مدرسے بند کردیئے، اذانیں بند کردی، مسجدوں کو باضابطہ (گوڈانس) گوداموں میں تبدیل کردیا۔ بہت بڑی آبادی بس رہی تھی ازبیکستان، قزاقستان، اور تاجکستان میں مسلمانوں کی، آرمینیا میں مسلمانوں کی، لیکن وہ سب کے سب تباہ کئے گئے۔ ان کے ظاہری روایات کو چھینا گیا، نماز پر پابندی لگائی گئی۔ لیکن کیا اسلام وہاں سے ختم ہوگیا؟ صوفیوں نے، اولیاء اللہ نے اہل دل نے کام کیا، اسلام آج بھی زندہ ہے اور کل بھی زندہ رہے گا۔ جیسے ہی انہیں آزادی ملی ہے پھر اسلامی روایات آگے بڑھ رہی ہیں۔

میرے ساتھیو! دنیا میں ایسے ممالک بہت سے ہیں۔ اس لئے اگر سیاسی اعتبار سے کہیں کوئی قوم مغلوب ہوجائے، لیکن اس کا اخلاص زندہ ہو، اس کا کردار زندہ ہو، تو صبح کا انتظار کرنا چاہئے آپ دعوت وتبلیغ کے راستے سے اس صبح کا انتظار کیجئے جو بہت جلد عالم اسلام پر طلوع ہونے والی ہے۔ لیکن یہ اسی وقت ہوگا، جب ہر مسلمان اپنی ذمہ داری کو مکمل طور پر پورا کرے گا۔ ہر مسلمان اپنی ذمہ داری کو ادا کرے گا ہر مسلمان مسلمان بن کر دکھائیگا۔ اسلام محبت کا مذہب ہے۔ اپنوں سے بھی محبت کرو اور غیروں سے محبت کرو۔ یہ لذتیں کس نے سکھائی ہیں؟ کیا تم نے اپنے پڑوسیوں سے محبت کی ہے؟ محبت کے نام پر اپنے ساتھیوں سے محبت کرنا سیکھا ہے؟ کب تک لوگ تمہاری محبت کا مذاق اڑائیں گے۔ محبت دو اور دلوں کو فتح کرو۔ اسلامی دعوت محبتوں کے سہارے آگے بڑھتی ہے۔ اب آیئے مجھے تو اس موضوع پر گفتگو کرنا تھا کہ دعوت کس طرح دیجائے؟ لیکن شاید حالات کے تقاضہ نے میرے ذہنی رخ

کو کسی اور طرف موڑ دیا جو بہت ضروری بھی تھا، کہ میں آپ کو بتاؤں کہ آپ کو دل شکستہ اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، یہ صحیح ہے کہ دنیا نے آپ کے ظاہری چہرہ مہرہ کا مذاق اڑایا ہے مگر دل کا نہ مذاق اڑایا جاسکتا ہے نہ محبتوں کے سلسلوں میں کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے، میرے ساتھیو! اب آیئے میں بتاؤں اور میں عرض کروں کہ حضور کا طریقۂ دعوت وتبلیغ کیا تھا؟ حضور کا اسلوب تبلیغ کیا تھا؟ کس طرح سے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا پیغام دوسروں کو پہنچاتے تھے، تاکہ ہمارے وہ ساتھی جو داعی کی حیثیت سے کام کرنے والے ہیں انہیں اللہ کے رسول کے اسلوب تبلیغ اور مزاج تبلیغ سے آشنائی ہوسکے۔ میرے ساتھیو! سب سے پہلے یہ دیکھیئے قرآن عظیم نے دعوت کے سلسلہ میں ایک قید لگائی ہے۔ ''اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ،، (پ۱۴، سورۃ النحل، آیت ۱۲۵) اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت سے بلاؤ۔ اور پیارے پیارے وعظ سے بلاؤ۔ موعظۂ حسنہ خوبصورت انداز سے بلایا کرو۔ اگر تمہاری دعوت میں تلخی ہوگی، سخت روئی ہوگی، عبوسا قمطریرہ تمہارا چہرا ہوگا، چٹکی ہوئی زمین کی طرح تمہارے چہروں سے آثار نمایاں ہونگے تو کوئی قریب نہیں آئے گا۔ یادرکھو! کسی بدصورت پودے کے پاس تو کوئی بچہ بھی نہیں بیٹھتا، یعنی کسی بداخلاق داعی کے پاس انسان کیسے آئے گا؟ تمہیں اس کے لئے رسول پاک کے اخلاق کریمانہ کو اختیار کرنا ہوگا، رسولِ پاک کی حکمت اختیار کرنا ہوگا۔ حکمت کیا ہے؟ حکمت کے بہت سے مفاہیم بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن ایک لفظ جو انگلش کا ہے وہ حکمت کے بہت سے گوشوں کو Cover کرتا ہے۔ اسے ویژڈم (Wisdom) کہتے ہیں۔ حکمت کے ذریعہ سے بلاؤ۔ اور عقل وشعور، دانائی، موقع اور محل کی پہچان کے ذریعہ سے دین کی دعوت دو۔ اگر تم نے زمان ومکان کی بدلتی ہوئی قدروں کا مطالعہ نہیں کیا اور دین کی دعوت محل اور منصب اور زمان ومکان سے بے نیاز ہوکے کرتے رہے، تو شاید زمانہ تمہارے راستے میں کھڑا ہوجائے، شاید مکان تمہارے راستہ میں کھڑا جائے، تو تمہاری رفتار کو روک دے گا۔ دعوت کے لئے زمانی حقائق اور ارضی حقائق دونوں کو سامنے رکھنا ہوگا۔ ٹائم اور

Space ہر وقت تمہاری نگاہوں کے سامنے رہنا چاہئے۔ اللہ کے رسول جس دور میں پیغمبر بن کر جلوہ گر ہوئے۔ دعوت دینے کا حکم دیا گیا ہے، ''اُدْعُ اِلٰـی سَبِیْلِ رَبِّکَ،، کہا گیا ہے۔ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ کہا گیا ہے۔ ''قُمْ فَاَنْذِرْ،، کہا ہے۔ اس زمانہ میں دنیا ان کے ساتھ نہیں تھی۔ آج تو تم کروڑوں کی تعداد میں ہو اگر کوئی ایک تمہاری داڑھی کا مذاق اڑائے گا تو ایک لاکھ افراد اپنے چہروں پر داڑیاں سجا کے تمہاری تائید کریں گے۔ غم نہ کرو۔ جوانوں کے چہروں پر داڑھیاں تم نے پہلے کبھی دیکھی تھیں؟ یہ دباؤ کا نتیجہ ہے، یہ تمہاری تبلیغ کا نتیجہ نہیں ہے؟ جب مذاق اڑایا جاتا ہے تو جذبۂ عمل بڑھتا ہے، جب ہوا مخالف ہوتی ہے تو بال و پر میں توانائی زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے

حدی را تیز تر می خواں چوں ذوقِ نغمہ کم یابی

جب تم رفتار دیکھو اونٹوں کی کم ہے تو حدی کو بڑھا دو، تو ایک حدی خوانان مصطفیٰ اسلام بڑھاؤ اپنی رفتار کو اور وہ بڑھائی جائے گی۔ وہ کبھی کم نہیں ہوگی۔ اسلام کی دعوت کے ایک حقیر خادم کی حیثیت سے ہم نے دیکھا ہے کہ ہم نے ان زمینوں میں زیادہ کامیابی حاصل کی ہے، جہاں مخالفت زیادہ ہوئی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہوسٹن (Hosten) امریکہ کا ایک شہر ہے وہاں ایک دفعہ میں گیا تو پہلے ہی سے محاذ آرائی کردی گئی تھی۔ ایک مسجد میں بمشکل تبلیغ ودعوت کی اجازت ملی۔ تو پروپگنڈہ یہ کیا گیا کہ مسجد میں آج گانا ہوگا، آج ناچ ہوگا، آج گانا ہوگا، آج ناچ ہوگا، آج گانا ہوگا، آج ناچ ہوگا۔

یہ پروپگنڈہ میرے حق میں بڑا مفید ہوگیا۔ اس لئے کہ امریکین مسلمان حیرت سے یہ دیکھنے آئے تھے کہ یار یہ کیسے مولوی ہیں؟ جو مسجد میں گاتے ہیں اور ناچتے ہیں۔ ذرا ہم دیکھیں، ان کا ناچ کیسا ہوتا ہے؟ پروپگنڈہ لوگوں کو روکنے کے لئے کیا گیا تھا۔ جیسے آج میلاد کے بارے میں کیا جاتا ہے قیام کے بارے میں کیا جاتا ہے، عشق رسول کی محفلوں کے بارے میں کیا جاتا ہے۔ وہی صورتِ حال تھی، گانا ہوگا ناچ ہوگا۔ دل بہت ٹوٹا ہوا تھا کہ رسول پاک کے سلام کو یہ گانا کہتے ہیں، عشق رسول کے وجد کو یہ ناچ کہتے ہیں، دل اتنا ٹوٹا تھا کہ آنسوؤں کو

سجا کے میں نے تقریر کی تھی۔ وہ تاریخی تقریر تھی۔ آج بھی وہاں کے امریکین مسلمانوں کے ذہن میں ہے۔ نتیجہ یہ تھا کہ پوری مسجد ساون بھادوں کی طرح رو رہی تھی۔ برسات کی طرح برس رہی تھی۔ اس لئے میں نے عشق رسول پر انگلی رکھدی تھی۔ ان کے جذبۂ محبت رسول کو چھیڑ دیا تھا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! اور اس کے بعد پھر تو مجموعہ موبائیل ہوگیا۔ میں نے کہا فلاں جگہ مغرب کے بعد جلسہ ہے تو پورا مجمع وہاں فلاں جگہ شام کو جلسہ ہے تو پورا مجمع وہاں۔ فلاں جگہ صبح کو جلسہ ہے تو پورا مجمع وہاں۔ ایک ہفتہ تک درجنوں جلسے ہوئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں مسجد کی بنیاد بن گئی۔ اور آج آٹھ مسجدیں وہاں کام کررہی ہیں۔ یہ 1986 کے بعد کی بات ہے۔ میرے عزیز ساتھیو! کیوں دباؤ تھا نا؟ اور محبت رسول کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ عشقِ رسول کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ تو یاد رکھو جب بھی تمہاری کسی شریعت کی قدر کا مذاق اڑایا جائیگا تو یہ دباؤ ہوگا۔ اس حالت میں تمہاری رفتار خود بخود بڑھے گی۔ مشیت کی تائید تمہارے ساتھ ہوگی۔ نظر آئے یا نظر نہ آئے۔ تم اس وقت دباؤ کے ماحول میں زندہ ہو۔ اس زندگی کو اپنے لئے غنیمت سمجھو۔ تم اثرِ صحابہ سے بڑے قریب تر ہو رہے ہو تمہارے اوپر بھی آزمائشوں کی وہ چند گھڑیاں آرہی ہیں جو اسلاف کی روایات کا حصہ ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس راستہ میں تمہیں بھی آزمایا جائے اور کامیابیاں تمہارے قدم چومیں، آزمائشوں کو خبردار! تم مصیبتوں کا نام نہ دینا۔ ابتلاء بڑا مقدس لفظ ہے۔ مصیبت ''اصاب،، کے مفہوم میں دوسرا لفظ ہے جو آتا ہے۔ میرے عزیز ساتھیو اور دوستو! بیدار ہو جاؤ! اپنی دینی روایات پر فخر کرو، اپنے اسلام پر ناز کرو، او رکوشش کرو کہ اپنے عمل اور اپنے کردار سے دنیا کو بتاؤ کہ اسلام امن کا مذہب ہے، محبت کا مذہب ہے۔ صرف تمہیں یہ کرنا ہے۔ جب تمہارے خلاف پروپگنڈہ کیا جائے گا لیکن جب تم اپنے کردار سے اس پروپگنڈہ کا جواب دوگے تو دنیا تمہارے قریب ہو جائیگی۔ دنیا تم سے محبت کرے گی۔ ارے اس شخص کو تو ایسا کہا گیا یہ تو اتنا پیارا انسان نکلا۔ اتنا اچھا انسان ہے۔ تمہیں اپنے عمل اور کردار سے اسلام کی خوبیوں کو اور اخلاقی اقدار کو دنیا کے سامنے ثابت کرنا ہے۔ یہی کچھ ہوا تھا پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام فداہ ابی امی کے خلاف۔ جب کبھی ان کی

تبلیغ کو روکنے کی کوشش کی گئی جن پر زیادہ محنت کی گئی وہی پہلے مسلمان ہوئے۔ مکہ کے تمام راستوں پہ بٹھا دیا گیا تھا کہ باہر سے آنے والوں کو بتاؤ کہ مکہ میں ایک مجنون اور دیوانہ پیدا ہوگیا ہے۔ خبر دار اس کے پاس مت جانا۔ اس کی آواز میں جادو ہے۔ اس کے کلام میں سحر ہے جو قریب جاتا ہے اس کا دل بدل جاتا ہے۔ ''طفیل ابن عمر دوسی''، قبیلہ دوس کا ایک بڑا عظیم شاعر بھی اس مغالطہ سے متاثر ہوگیا تھا۔ نبی کی گلیوں کے قریب نہیں جاتا تھا۔ لیکن پھر اس نے سوچا کہ میں شاعر ہوں، میں نقاد ہوں، میں عربی ادب اور شعروں کے مزاج کو سمجھتا ہوں۔ آخر وہ کیسا کلام ہے جو دل کو بدل دیتا ہے۔ ایک روز بے تابانہ اس کے قدم رسول کی گلیوں کی طرف اٹھ گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآنِ پاک کی ایک سورت تلاوت کر رہے تھے۔ قدم جم گئے اور پیشانی ان کی قدموں کو بوسہ دے رہی تھی یارسول اللہ! آپکو دیوانہ کہا گیا تھا۔ مگر آپ نے جو کلام کہا ہے یہ کسی انسانی کلام کے مشابہ نہیں ہے۔ یہ بلاشبہ اللہ کا کلام۔ آج کے بعد سے میں شاعری چھوڑ کے قرآن کی زبان میں بات کروں گا۔ اور دنیا کے ہر گوشہ میں قرآن پہنچاؤ نگا۔

تم محبتوں کے نقیب بن جاؤ، پیار دو، مصیبت زدوں کو سہارا دو۔ خواہ وہ تمہاری قوم کا آدمی ہو یا کہیں اور کا ہو۔ کلمہ پڑھنے والا ہو یا پڑوس کا تڑپنے والا دردمند ہو۔ رسولِ پاک کی سنت پر عمل کرو اور اسے سہارا دو۔ دنیا تمہاری عظمتوں کو سلام کرے گی، اسلام کا حقیقی چہرہ پیش کرو۔ دعوت کے ساتھ کردار کا ہونا بے پناہ ضروری ہے۔ لوازماتِ دعوت میں سے جو بنیادی چیزیں ہیں۔ ان میں صبر ہے، اخلاص ہے، ثبات قدم ہے، عفو ودرگزر ہے، معافی ہے، محبت ہے، پیار ہے، اپنے مشن سے نا قابلِ تردید لگن اور تعلق ہے۔ یہ چیزیں دعوت کے ارکان میں سے ہیں۔ اس پر گفتگو انشاء اللہ آج بھی ہوگی اور کل بھی ہوگی کہ نبی نے اس کو کس طرح دعوت کے راستے میں برتا؟ آج میں پیغمبر کے اسلوب دعوت پر گفتگو کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں ابھی کہ میرے سرکار جب لوگوں سے بات کرتے تھے تو اس کے لئے ماحول کیسا بناتے تھے؟ ہم بات کرتے ہیں اس لاکھوں کے مجمع میں کچھ لوگ سن رہے ہونگے اور کچھ

لوگ اپنی دنیا میں غیر حاضر ہونگے، غائب ہونگے، یہ ذہنی غیبوبت بڑی خطرناک چیز ہے، اگر یہ ذہنی غیبوبت عشق رسول میں ہو تو بہت بڑی دولت ہے۔ محفل میں موجود رہکر بھی مدینہ میں رہا کرو۔ یہ بہت بڑی بات ہے لیکن اگر یہ غیبوبت ذہن کی کمزوری سے ہو تو یہ بہت بڑا مرض ہے۔ تو پتہ نہیں اسوقت میری تقریر کے وقت تم محفل میں موجود ہونے کے بجائے مدینہ میں موجود ہو۔ یا ذہنی اعتبار سے غائب ہو۔ خدا کرے کہ پہلی شکل زیادہ بہتر ہے ایسے ہی ہو۔ کہ ہم کہیں بھی ہوں مدینہ میں ہوں۔

عشق است امامِ من
عقل است غلامِ من

کسی نے پوچھا تھا سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ آپ کے باپ کا نام کیا ہے؟ باپ کوئی معمولی آدمی نہیں، ایران کے آتش کدوں کا بہت بڑا پروہت تھا۔ کہہ سکتے تھے میں بھی ایک بہت بڑے باپ کا بیٹا ہوں۔ سرمایہ اور نعمتوں میں پلا ہوا ہوں مگر کہا نہیں مجھ سے میرے باپ کا نام نہ پوچھو سلمان بن الاسلام، میں سلمان اسلام کا بیٹا ہوں، اسلام کا بیٹا ہوں، اسلام کا بیٹا ہوں۔

نغمہ ہے ہندی میرا
لو ہے حجازی میری

ہم جہاں بھی ہوں مدینہ میں ہوں۔ ہمای نسبت اسلام سے ہے، اور رسول کے چہرہ پاک سے ہے۔ بہرکیف اگر حاضر ہیں تو نبی کے اندازِ دعوت کو اختیار کرو۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اصل بات کہنے سے پہلے ایک ماحول تیار کرتے تھے۔ جب ذہن اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ متوجہ ہوتے تھے تو بڑے مختصر سے لفظوں میں بہت دھیرے دھیرے مدھم انداز سے۔ صحابہ کہتے ہیں جب رسول پاک بولتے تھے تو ایسا لگتا تھا کہ ایک ایک لفظ کو ہم Count کر سکتے ہیں اور لکھ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث کا اتنا ذخیرہ ہمارے سامنے آگیا ہے فرمایا! بہت تیز نہیں بولتے تھے بلکہ ہم لفظوں کو شمار کر سکتے تھے۔ تو پہلے ماحول تیار کرتے، ذہن متوجہ کرتے اور اس کے بعد پھر کوئی بات فرماتے تھے۔ آؤ میں چند باتوں کی طرف

اشارہ کروں۔پہلی دعوت اللہ کے رسول نے کوہِ صفا سے دی ہے،صفا کی پہاڑی پر پیغمبر اعظم اللہ کی طرف بلانے کے لئے کھڑے ہوگئے ہیں۔نیچے عربوں کا ایک مجمع ہے مکہ والے وہاں کھڑے ہوئے ہیں،لوگ کہتے ہیں عربوں کی عادت کے مطابق کھڑے ہوئے تھے مگر میں مؤرخین کی اس بات سے کبھی اتفاق نہیں کرسکتا۔بات کہنے کے لئے تو ثقیفہ بنی ساعدہ بھی تھی۔وہ بات کہنے کے لئے تو دارالندوہ بھی تھا۔بن چکا تھا اس زمانہ میں جہاں مکہ کے لوگ میٹنگ کیا کرتے تھے۔بات کہنے کے لئے کعبہ کا دروازہ بھی تھا اور بات کہنے کے لئے حلف الفضول کے نام پر منعقد ہونے والی میٹنگ کے لوگ بھی تھے۔کسی بھی طریقہ کار کو اختیار کیا جاسکتا تھا۔مگر اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بات کہنے کے لئے صفا کی پہاڑی کا انتخاب کیوں کیا؟ اور یہ ہے مقام کا انتخاب جسے آپ ارضی (زمینی) حقائق کے نام سے یاد کرسکتے ہیں۔

The reality of the earth in Place very Important For a believer
For Up Preatur to realised perfectly Without any doubte

ان Realituese کو جاننا بے پناہ ضروری ہے۔وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پہ تشریف لے گئے اور قوم کو آواز دیتے تو لوگ پہاڑ کے دامن میں جمع ہوجاتے ہیں زمین کا انتخاب ہوگیا،لیکن زمین کے انتخاب کرتے وقت انہوں نے اپنی پیغمبرانہ حیثیت کو سامنے رکھا تھا۔کس کس حیثیت سے بلا رہے ہیں؟ گاؤں کے چودھری کی حیثیت سے؟ بڑے بھائی کی حیثیت سے؟ یا داعیٔ اعظم کی حیثیت سے؟ پیغمبر کی حیثیت سے؟ مشاہد غیب وحاضر کی حیثیت سے؟ کس حیثیت سے بلا رہے ہیں؟ جب تک شخصیت کو نہ منوایا جائے،اس وقت تک بات سمجھ میں نہیں آتی۔اللہ کے رسول پہاڑ پر کھڑے ہیں۔اور کھڑے ہونے کا انداز یہ ہے کہ رسول پہاڑ کے پیچھے بھی دیکھ رہے ہیں،اور سامنے بھی دیکھ رہے ہیں۔اس کا مطلب کہ رسول بتا رہے ہیں کہ دیکھو میں رسول ہوں،برزخ کبریٰ ہوں تمہارے اور خدا کے درمیان میں،میں عالم غیب کو بھی دیکھ رہا ہوں،میں عالم مشاہدہ کو بھی دیکھ رہا ہوں،اور پھر عالم غیب کو ذہن کو توجہ دلانے کے لئے آپ نے بنیاد بنایا کہ اگر تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے ایک دشمن ہے جو تم پر

حملہ کرنا چاہتا ہے۔تو کیا تم میری بات کا یقین کرلوگے؟ کہا اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم نے پورے اس چالیس سال میں کبھی آپ کو جھوٹ بولتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔کبھی آپ کی کوئی غلط بات نہیں دیکھی ہے پتہ یہ چلا کہ داعیٔ اعظم کے امتی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کردار اتنا صاف ہو کہ دنیا اس کے کردار پر انگلی نہ اٹھا سکے۔اس کے کیرکٹر پر حملہ نہ کرسکے۔
حضور کو صادق وامین نبوت کے دعویٰ سے پہلے کیا گیا تھا۔یہ دعوت کی بڑی نازک منزل ہے۔
شاید اس نازک منزل کی نزاکتوں سے ہم واقف نہیں ہیں۔دعوتیں اسی لئے بے اثر ہورہی ہیں۔اللہ کے رسول تاجدارِ دوعالم وہاں کھڑے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ کہوں......'
'یہ اپنی ذات کی نبوی حیثیت کو منوانے کا انداز تھا،،۔جب انہوں نے کہا ہاں! مانتے ہیں۔تو فرمایا میں کہتا ہوں کہ تمہاری زندگیوں کے پہاڑ کے پیچھے ایک عذاب ہے جو تمہارا منتظر ہے کیا تم جہنم کے عذاب سے بچنے کے لئے خدائے واحد کا اقرار نہیں کروگے۔بظاہر اس وقت تو دعوت نہیں قبول کی گئی۔لیکن یہ دعوت کی بنیاد تھی جو رکھدی گئی تھی۔اگر کسی زمین پر زمینی حقائق انسانوں کے جذبات اوران کی باطل روایات تمہاری دعوت کا انکار کریں تو مایوس مت ہوں۔
اسی زمین سے دعوت کے قبول کے سوتے بھی پھوٹیں گے۔کیا اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتنے مقام پر نہیں کہا کہ خبردار! میری قوم کے لئے بددعامت کرو۔انہی کی اولاد مجھے نبی مانے گی اور دین کا علم لے کر کے آگے بڑھیگی۔اللہ کے رسول تاجدار دوعالم نے پہلے زمین کا انتخاب کیا۔پھر لب ولہجہ کا انتخاب کیا اور اس کے بعد آپ نے جب ذہن کو متوجہ فرمالیا تو اپنی بات کہی اب انسان انکار کردے،لیکن اس کے شعور اور لاشعور کی سطح پر رسول کی دعوت ختم ہوچکی ہے جو بعد میں اسلام کے شکل میں ظاہر ہوئی ہے۔اللہ کے رسول تاجدارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصال سے پہلے بغیر یہ بتائے ہوئے کہ میرا کام مکمل ہوگیا ہے۔دو باتیں آپ نے فرمائی ہیں۔پہلے آپ نے یہ کہا کہ اے لوگو! تم خوش ہوجاؤ کہ تمہارا دین مکمل ہوگیا ہے۔اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا...... (پ٦،سورۃ المائدۃ،آیت٣) آج دین مکمل ہوگیا اور نعمتیں تم پر تمام

ہوگئی، اور اللہ نے اسلام کو اپنا دین قرار دے کر کے ہمیشہ کے لئے اس سے راضی ہوگیا ہے۔

یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر مسرت اور وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ نعرے بلند ہوئے ''اللہ اکبر اللہ اکبر،، کے۔ مگر صحابہ کرام کے اسی بزم میں حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ کی آنکھیں ساون بھادوں برسا رہی تھیں۔ صحابہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس لئے کہ یہودیوں نے جب بعد میں یہ سنا کہ پیغمبر پر یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے پیغمبر پر نازل ہوتی تو اس آیت کے دن کو ہم عید منا لیتے۔ صحابہ ؓ نے کہا کہ بغیر عید کہے ہوئے عید بن گئی ہے۔ یہ جمعہ کو نازل ہوئی ہے اور عرفات کے میدان میں نازل ہوئی ہے اس آیت کو منانے کے لئے ہر سال کروڑوں انسان عرفات کے میدان میں پہنچیں گے عید کے لئے۔ عید کہنا ضروری تھوڑی ہے؟ جمعہ عید المسلمین ہے میدان عرفات اجتماع انسانی کا سب سے بڑا مرکز ہے اور وہیں آیت نازل ہوئی ہے۔ بہر کیف یہ خوشی کا بڑا مقام تھا کہ دین مکمل ہوگیا ہے دین کا وہ تسلسل جو جناب آدم سے شروع ہوا تھا۔ فخر بنی آدم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مکمل ہوگیا ہے۔ لیکن صدیق اکبر ؓ رو رہے ہیں۔ صحابہ ؓ نے بعد میں پوچھا کہ حضور آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار نہیں تھے۔ آپ رو رہے تھے؟ دین کی تکمیل پر آپکو اظہارِ مسرت کرنا چاہئے تھا۔ تو کہا تمہیں دین کے مکمل ہونے کی خوشی ہے اور مجھے رسول کے تشریف لے جانے کا غم ہے، ہر نبی دین مکمل کرنے کے لئے آتا ہے۔ اور جب دین مکمل ہوجاتا ہے تو اپنے رفیق اعلیٰ کی بارگاہ میں تشریف لے جاتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

عقائد صحیحہ کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ اَقَامَہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْھَالِکِیْنَ شَفِیْعاً، وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ ھُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَدَیْہِ، صَلٰوۃً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ.

اَمَّا بَعْدُ.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ – بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۝

(پارہ ۲۲، سورہ احزاب: آیت: ۴۰) صدق اللہ العظیم

علماء باوقار، عزیزان ملت اسلامیہ قابل احترام بزرگو، عزیز بچو! ہم اور آپ انتہائی احترام وعقیدت کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکز عقیدت، حضور رحمت عالم، تاجدار مدینہ، سرور کائنات محمد رسول اللہ روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں درود شریف کی نذریں پیش کرلیں۔

اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد معدن الجود و الکرم و الہ الکرام أجمعین

میں کوشش کروں گا کہ رات کے اس ایک حصہ میں جب کہ آپ توبہ کی طرف مائل

ہیں۔ اور دعا کا وقت ہے۔ کچھ مفید باتیں کرسکوں۔

سرورِ کائنات محمد رسول اللہ روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس ذات پاک سے اپنے تعلق کو سمجھنا ہو، اور جائزہ لینا ہو تو سب سے پہلے ہم اپنی زندگی کو دیکھیں، اپنے عناصر حیات کو دیکھیں اور پھر یہ جائزہ لینے کی کوشش کریں کہ ہمارا تعلق ہمارے نبی کی ذات سے کیا ہے اور کیسا ہے؟

میرے عزیزو! یہ پروردگارِ عالم کا نظام ہے۔ یہ اس کی سنتِ جاریہ ہے اور اس کی پھیلی ہوئی فطرت اور تخلیق کی ہوئی فطری کائنات اس بات کی شاہد ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر اس چیز کو سہل فرما دیتا ہے، آسان بنا دیتا ہے۔ جس کی انسان کو زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ انسان کے کھڑے ہونے کے لئے زمین کی ضرورت تھی، تو پروردگارِ عالم نے زمین کو ہمارے قدموں کے نیچے بچھا دیا، تاکہ ہمیں کھڑے ہونے میں کوئی دشواری نہ ہو، ہمارے قیام کے لئے کوئی مشکل نہ ہو۔ اس کے بعد ہمیں غذا کی ضرورت تھی تو رب تبارک وتعالیٰ نے اسی زمین کے سینہ میں ہمارے لئے غذا کے ہزاروں سامان پوشیدہ کر دیئے۔ ہمارے لئے پانی کی ضرورت تھی، پانی کے بغیر ہم چند گھنٹوں سے زیادہ زندگی نہیں گزار سکتے تھے۔ تو اسی زمین کے اندر پانی بھی پوشیدہ کر دیا گیا۔ تاکہ ہم اپنی محنتوں سے پانی حاصل کریں، لیکن ایک چیز ایسی تھی کہ جس کی ضرورت انسان کو غذا سے بھی زیادہ اور پانی سے زیادہ تھی۔ وہ چیز ہوا تھی۔ ہوا کے بغیر انسان ایک سانس نہیں لے سکتا تھا۔ ہوا کے بغیر ایک لمحہ زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ تو پروردگارِ عالم نے ہوا کو پیروں کے نیچے نہیں بنایا۔ ہوا کو چند فٹ کے فاصلہ میں پیدا نہیں کیا، ہوا کو چند گز دور نہیں بنایا، ہوا کو زمین کے سوتوں میں پوشیدہ نہیں کیا، بلکہ اللہ نے ہوا کو ہماری ناک کے قریب پیدا فرما دیا ہے۔ تاکہ جب بھی ہمارا نظامِ تنفس ہوا کی ضرورت کو محسوس کرے تو اسے کہیں دور نہ جانا پڑے۔ بس ہم سانس لے لیں اور ہوا ہمارے لئے افزودگی حیات کا سبب بن جائے۔

ہر نفسے کہ فرو می رود ممد حیات است
وچوں بیروں آمد مفرح ذات است

ہوا اتنی ضروری تھی۔

عزیزانِ ملتِ اسلامیہ! انسانی زندگی کے لئے ہوا کی ضرورت تھی تو ناک کے قریب کر دیا، اور ایمانی زندگی کے لئے نبی کی ضرورت تھی تو جان سے زیادہ قریب فرما دیا" النبی اولی بالمومنین من انفسھم،، نبی مسلمان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ ہوا دور ہو جائے تو انسان بے جان ہو جاتا ہے۔ اور نبی دور ہو جائے تو انسان بے ایمان ہو جایا کرتا ہے۔ نبی کی ضرورت انسانی زندگی کے لئے بے پناہ ضروری ہے، ایمان کے لئے بے پناہ ضروری ہے، عقیدہ کے لئے بے پناہ ضروری ہے، حیات انسانی کی عظمتوں کے لئے بے پناہ ضروری ہے۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! نبی کا رشتہ ہماری زندگی سے کیا ہے؟ نبی کا تعلق ہماری زندگی سے کیا ہے؟ اسے اگر آپ سمجھنا چاہیں تو آپ اپنی زندگی پر غور کریں، آپ اپنی حیات پر غور کریں اور حیات کی کیفیات پر غور کریں۔ دیکھئے نا! ہماری زندگی دو چیزوں کا مجموعہ ہے، ایک کو ہم دیکھ سکتے ہیں اور ایک کو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ ہم جسم اور روح کا مجموعہ ہیں۔ یوں تو عناصر کے باب میں گفتگو کرنے والے بہت سے چیزوں کا مجموعہ ہمیں کہتے ہیں۔

زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے؟ انہی اجزاء کا پریشاں ہونا

لیکن اگر ہم صرف بادی النظر میں دیکھنا چاہیں، ہر فرد کا مشاہد بنانا چاہیں اور ہر فرد کی نگاہ کی بات کریں، اعتبار نگاہ کی بات کریں۔ یہ ماننا پڑے گا کہ ہمارے زندگی دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ ایک کو ہم جسم کہتے ہیں۔ ایک کو روح کہتے ہیں۔ جسم نظر آتا ہے مگر روح نظر نہیں آتی۔ ہر انسان دیکھتا ہے یہ آدمی کتنا لمبا ہے' یہ آدمی کتنا پتلا ہے، یہ آدمی کتنا دبلا ہے، یہ آدمی کتنا چھوٹا ہے، یہ آدمی کتنا صحت مند ہے، یہ آدمی کتنا بیمار ہے۔ یہ نظر آتا ہے مگر انسان کے اندر پوشیدہ جو روح ہے، وہ کیسی ہے؟ یہ کسی کو نظر نہیں آتی۔ کوئی نہیں جانتا کہ صحت مند آدمی کے جسم میں جو روح ہے وہ بیمار ہے یا صحت مند ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! یہ بھی عجیب بات ہے کہ جو نظر آتا ہے وہ کچھ نہیں ہے، اور جو نظر نہیں آتی وہی سب کچھ ہے۔ جسم نظر آتا ہے مگر جسم کچھ نہیں ہے۔ روح نظر نہیں آتی اور روح سب کچھ ہے۔ آپ نے ایک انسان کو چند انسانوں کے کاندھوں پر سوار ہو کر کے جاتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ کبھی آپ نے اس جنازہ کو لے جانے والوں سے پوچھا؟ کہ کہاں لے جارہے ہو اس شخص کو؟ یہ ہمارا ساتھی تھا۔ ہماری آبادیوں میں رہتا تھا۔ ہماری محفلوں کی زینت تھا، کل تک ہمارے ساتھ قہقہے لگاتا تھا، کل تک ہمارے ساتھ تفریحیں کرتا تھا۔ آج یہ خاموش ہو گیا ہے۔ کیوں اسے شہر خموشاں میں لیجارہے ہو؟ ہماری آبادی سے دور لیجارہے ہو؟ نہ لیجاؤ اس ساتھی کو، رکھدو ہمارے صحن چمن میں۔ ہم اس کے ساتھ زندگی ویسے ہی گذاریں گے جیسے ماضی میں گذارتے رہے ہیں۔ تو یقیناً آپ کو دیوانہ کہا جائے گا۔ آپ کو مجنون کہا جائے گا۔ آپ کی ذہنی حالت پہ شک کیا جائے گا۔

اس لئے کہ وہ مردہ ہو چکا ہے۔ اسے شہر خموشاں میں جانا چاہئے۔ لوگ کہیں گے، مت روکو ہمیں جب تک روح اس کے جسم میں موجود تھی اسوقت تک یہ آبادی میں چلتا تھا، زندگی کا مظاہرہ کرتا تھا۔ مگر اب روح نے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا ہے، اس لئے اب قبرستان میں بسایا جائے گا۔ شہر خموشاں میں اسے لے کر کے جائیں گے۔ پتہ چلا اصل جسم نہیں ہے اصل روح ہے روح نکل جائے تو جسم کیڑوں اور مکوڑوں کی غدا بن جاتا ہے، روح نکل جائے تو جسم کو دسیوں من مٹی کے اندر دبایا جاتا ہے۔ روح نکل جائے تو جسم کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے۔ روح نکل جائے تو جسم معاشرہ میں رہنے کے قابل نہیں ہوتا، روح نکل جائے تو جسم شہر خموشاں میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ روح نکل جائے تو عزیز سے عزیز بیٹا اور عزیز سے عزیز باپ اپنے باپ اور بیٹے کی میت کو اپنے گھر میں رکھ کر کے احترام وعقیدت کی نگاہ سے اُسے نہیں دیکھتا۔ جب تک انسان کا تعلق قائم رہتا ہے اس وقت تک جب تک کہ روح موجود ہوتی ہے۔ روح نے ساتھ چھوڑ دیا تو انسان اپنے تعلقات کی بساط سمیٹ لیتا ہے، اپنے تعلقات کی رداء سمیٹ لیتا ہے، اپنے تعلقات کی چادر سمیٹ لیتا ہے، اپنے محبتوں کا رشتہ توڑ لیتا ہے،

اپنے تعلقات کی حیثیت کی فنا کر دیتا ہے، اپنے ہی باپ کو زمین میں دفن کرآتا ہے، اپنے ہی لخت جگر کو مٹی کے حوالے کر دیتا ہے، اپنے ہی نورِ نظر کو آنکھوں سے دور کر دیتا ہے۔ اپنے ہی جگر گوشہ کو زمین کے حوالہ کر دیتا ہے۔ کتنا عجیب معاملہ ہے۔ وہ بچہ جو نگاہوں کے سامنے پلا ہے، وہ بچہ جو زندگی کی مسکراہٹ بن کے زندہ رہا ہے۔ وہ بچہ جو صحن چمن کی رونق ہے۔ وہ بچہ جو گلستان حیات کا شگفتہ پھول ہے۔ وہی بچہ دفن ہونے کے لئے باپ کے کاندھوں پر سوار ہو کر کے جاتا ہے اس لئے کہ روح نکل چکی ہے۔ روح نکل جائے تو جسم کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ ایک جسم ہے اور ایک روح ہے۔ جسم نظر آتا ہے مگر روح نظر نہیں آتی، مگر جو نظر آتا ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے اور جو نظر نہیں آتی وہی سب کچھ ہے۔ اللہ پاک نے انسان کو جو مذہب دیا ہے، وہ بھی دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ ایک کو عقیدہ کہتے ہیں اور ایک کو عمل کہتے ہیں۔ عمل نظر آتا ہے، مگر عقیدہ نظر نہیں آتا ہے، یہ شخص نماز پڑھ رہا ہے نظر آتا ہے، یہ شخص روزہ رکھ رہا ہے نظر آتا ہے، یہ شخص حج کرنے جارہا ہے۔ نظر آتا ہے، یہ شخص زکوۃ دے رہا ہے نظر آتا ہے۔ یہ شخص کلمہ پڑھ رہا ہے نظر آتا ہے۔ مگر اس کا اپنے نبی سے کیا تعلق ہے؟ نظر نہیں آتا، اس کا اپنے خدا سے کیسا تعلق ہے؟ نظر نہیں آتا، اس کا عاقبت کے باب میں کیا تصور ہے؟ نظر نہیں آتا۔ آخرت پر کتنا محکم یقین ہے؟ نظر نہیں آتا، خدا کی وحدانیت پہ کتنا مضبوط یقین ہے نظر نہیں آتا۔ میں کہتا ہوں کہ عمل نظر آتا ہے مگر عقیدہ نظر نہیں آتا، لیکن جس طرح سے روح نظر نہیں آتی، روح سب کچھ ہے، روح نکل جائے تو جسم بے جان ہوتا ہے۔ اسی طرح عقیدہ نظر نہیں آتا، مگر عقیدہ ہی سب کچھ ہے۔ عقیدہ نکل جائے تو عمل بے جان ہو جایا کرتا ہے۔ عمل کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ عمل منہ پہ مار دیا جاتا ہے۔ عمل ہی سب کچھ ہے۔ عقیدہ جسم اسلامی کے لئے روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ عمل جسم ہے اور عقیدہ روح ہے۔ روح کا خیال رکھنے والے ہمیشہ روحانی عظمتوں کے قائل ہیں۔

عزیزان ملت اسلامیہ! تم عمل کو سنوارنے کی کوشش کر رہے ہو مگر تم نے عقیدہ کے

باب میں بھی سوچنے کی کوشش کی۔ عقیدہ کتنا ضروری ہے، اگر عقیدہ کمزور ہو گیا تو عمل اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوگا۔ عقیدہ کی بنیاد پر اعمال قبول ہوا کرتے ہیں۔ عقیدہ اساس ہے اور اعمال کی حیثیت فروع کی ہوا کرتی ہے۔ اور علماء اہل سنت ہر دور میں عقیدہ کی اہمیت پر اس لئے زور دیتے ہیں کہ اس کے بغیر عمل کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس کے بغیر عمل ناکارہ سمجھا جاتا ہے، بے جان سمجھا جاتا ہے، مردہ سمجھا جاتا ہے، زندہ نہیں سمجھا جاتا ہے، مٹی کے اندر دفن کے قابل سمجھا جاتا ہے، انسانی معاشرہ سے نکال دئے جانے کے قابل سمجھا جاتا ہے۔

میرے عزیز اور دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آؤ میں عقیدہ اور اس عمل کی بحث کو ذرا آگے بڑھاؤں۔ کسی فکری بنیاد پر نہیں، کسی فلسفہ کی بنیاد پر نہیں، فلسفہ بیان کرنے کے لئے جاگتا ہوا دماغ ہونا چاہئے۔ فکر بیان کرنے کے لئے جاگتا ہوا مجمع ہونا چاہئے۔ اس لئے آج تم کسی فکر اور فلسفہ کی بات نہ کرو۔ میں زندگی کو دو دو چار کے انداز سے بیان کرنا چاہوں گا۔ تمہارے محسوسات بھی اور اپنے محسوسات بھی، روزمرہ کی زندگی بھی اور روزمرہ کی حیات بھی۔ کبھی تم نے سوچا ہے؟ کہ جسم نظر آتا ہے۔ مگر روح نظر نہیں آتی، مگر جسم کے پرورش کے کتنے سامان ہیں، تن پروری کے تم نے کتنے ذرائع اختیار کر لئے ہیں؟ پوری دنیا میں گھومتے ہو دن رات محنت کرتے ہو اور مشقت کرتے ہو تاکہ جسم کو سنوار سکو، جسم کو آراستہ کر سکو، جسم کو نکھار سکو، جسم سنوارنے کے لئے تم محنتیں کرتے ہو، جسم سنوارنے کے لئے مشقتیں اٹھاتے ہو، جسم آراستہ کرنے کے لئے تم تمام زحمتیں اٹھاتے ہو، مگر روح آراستہ کرنے کے لئے کبھی نہیں سوچتے، روح آراستہ کرنے کا کبھی خیال نہیں کرتے، روح آراستہ کرنے کے بارے میں کبھی نہیں سونچے، جو دفن ہو جائے گا اسے سنوار رہے ہو، جو باقی رہے گی اُسے ترک کر رہے ہو، اسے نظر انداز کر رہے ہو، جسے مٹی کے اندر دفن کر دو گے اس کے لئے آراستگی کا اتنا سامان ہے۔ اور جو زندگی بن کر کے باضابطہ طور پر میدان قیامت میں بھی تمہارے جسم کی حیات کا سامان بنے گی، اس روح کے بارے میں تم نے کبھی نہیں سونچا۔

میرے عزیزو اور دوستو! میں عرض کرنا چاہتا ہوں، جسم سے روح نکل جائے تو جسم کی

کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے، اس لئے اگر تم جسم کو سنوارتے ہو تو روح کو آراستہ کرنے کی بھی کوشش کرو، روح کو سنوارنے کی بھی کوشش کرو، روح کو نکھارنے کی کوشش کرو، روح کو جگمگانے کی کوشش کرو، روح کو منور کرنے کی کوشش کرو۔ روح کو آراستہ کرنے کی کوشش کرو، روح کو آئینہ خانہ بنانے کی کوشش کرو، روح کو انوار وتجلیاتِ الٰہی کا مرکز بناؤ، روح کو مہبط برکت الٰہی بناؤ اور روح کے ذریعہ سے تم اپنی زندگی کی قدروں کو سنوارنے کی کوشش کرو، روح سے چہرۂ ہستی کو نکھارو اور روح سے قدرِ انسانیت کو بڑھاؤ، روح پر نظر رکھنا بے پناہ ضروری ہے۔ روح کو چھوڑنے والے درندے بن جاتے ہیں، روح سے بے نیاز ہونے والے وحشی بن جاتے ہیں روح کو ترک کرنے والے انسانیت سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

روح سے خالی جسم آسمانوں پر اُڑتا ہے تو آگ برساتا ہے، کمندیں ڈالتا ہے سورج پر، تو سورج کی شعاعوں سے انسانوں کو بھون بھون دیتا ہے، مگر روح والا انسان جب آسمانوں پر جاتا ہے، تو رحمتوں کی بارش کرتا ہے، بلندیوں پر اُڑتا ہے تو پھول برساتا ہے، اس لئے کہ روح دل کی لطافت کا نام ہے، روح کے بغیر انسان بے حس ہوتا ہے، درندہ ہوتا ہے، جانور ہوتا ہے، اور وحشی ہوتا ہے۔ آج دنیا روح سے خالی ہوتی جا رہی ہے، دنیا کی درسگاہوں میں جسم سنوارا جاتا ہے، اسلامی درسگاہوں میں روح سنواری جاتی ہے، اسلامی درسگاہوں میں روح آراستہ کی جاتی ہے، اسلامی درسگاہوں میں روح نکھاری جاتی ہے، درسگاہوں اور خانقاہوں کا رشتہ بڑا عظیم ہوا کرتا تھا۔ درسگاہوں میں علم دیا جاتا تھا جس سے روح سنواری جا سکے، اور خانقاہوں میں نظر دی جاتی تھی جس سے روح کا مشاہدہ کیا جا سکے۔

میرے عزیزو اور میرے دوستو! میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کبھی تم نے روح کے بارے میں سونچا؟ ایک لمحہ کے لئے کبھی تمہاری زندگی میں کبھی روح کا سوال پیدا ہوا؟ جسم کو آراستہ کرنے والو، جسم کو نکھارنے والو! جسم کے سنوارنے والو! آؤ آج روح کے مسئلہ کے اوپر ہم غور کریں۔ یہ بہت بڑا سوالیہ نشان ہے، یہ بہت بڑا Question Mark ہے کہ ہمارا جسم اور اس کے اندر روح کی حیثیت کیا ہے؟ روح کے ساتھ ہم کیا سلوک کر سکتے ہیں؟

میرے عزیزو! جب آپ کا جسم بیمار ہوتا ہے تو آپ کسی ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، جب آپ کا جسم بیمار ہوجاتا ہے تو آپ کسی طبیب کے پاس آتے ہیں، جب آپ کا جسم بیمار ہوتا ہے تو آپ کسی معالج کے پاس جاتے ہیں، جسم بیمار ہوتا ہے بے قرار ہوجاتے ہیں، جسم بیمار ہوتا ہے مضطرب ہوجاتے ہیں، جسم بیمار ہوجاتا ہے بے چین ہوجاتے ہیں، جب آپ کا جسم بیمار ہوتا ہے تب آپ کسی ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، لیکن جب آپ کی روح بیمار ہوجاتی ہے تب آپ کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں جاتے جب آپ کی روح بیمار ہوجاتی ہے تب آپ کسی معالج کے پاس نہیں جاتے، جب آپ کی روح بیمار ہوتی ہے تو آپ کسی طبیب کے پاس نہیں جاتے، آپ کہیں گے قمر الزماں! بڑی انوکھی بات کررہے ہو۔ آج تک تو جسم کی بیماریوں کے بارے میں سنتے آئے تھے۔ روح کی بیماریوں کا نیا انکشاف کررہے ہو۔ کیا روح بھی بیمار ہوتی ہے؟ میں عرض کروں گا ہاں! روح بھی بیمار ہوتی ہے، مگر بڑی خطرناک بیماری ہوتی ہے اسکی، جسم بیمار ہوتا ہے تو تنہا ایک جسم پیوند قبر بنتا ہے، مگر روح بیمار ہوتی ہے تو کبھی کبھی ایک روح بیمار ہوتی ہے پورا کا پورا معاشرہ غارت ہوجاتا ہے، ایک روح بیمار ہوتی ہے پوری کی پوری سوسائٹی برباد ہوجاتی ہے، ایک روح بیمار ہوتی ہے پوری کی پوری قوم تباہ ہوجاتی ہے، ایک روح بیمار ہوتی ہے پوری کی پوری قوم غلامی کی زنجیریں پہن لیتی ہے۔ بنگالہ کی سرزمین پر ایک بیمار روح تاریخ نے ریکارڈ کی ہے۔ مگر پورا بنگال غلامی کی زنجیر پہن لیتا ہے دکن کی سرزمین پر ایک بیمار روح ریکارڈ کی گئی ہے۔ مگر پورا دکن غلامی کی زنجیرین پہن لیتا ہے۔ بغداد کی سرزمین پر مہلب بن داؤد کے نام پر ایک بیمار روح ریکارڈ کی گئی ہے مگر پورا بغداد تہس نہس کردیا جاتا ہے اور اسپین کی سرزمین پر ابوعبداللہ نام کی ایک بیمار روح ہے مگر پورا اسپین ہمیشہ کے لئے مٹ جاتا اور فنا کردیا جاتا ہے بیمار روحوں کے بڑے گہرے اثرات ہوتے ہیں، بیمار روحیں قوموں کو تباہ کردیتی ہیں۔ بیمار روحیں ملتوں کو تباہ کردیتی ہیں۔ بیمار روحیں معاشرے کو تباہ کردیتی ہیں۔ بیمار روحیں نسلوں کو تباہ کردیتی ہیں۔ بیمار روحوں کے اثرات بڑے بھانک ہوتے ہیں، اس لئے جسم بیمار ہو تو ڈاکٹروں کے پاس جاؤ، لیکن جب روح بیمار ہو تو فوراً بیدار

ہوجاؤ، فوراً ہوش میں آجاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے گھر کی بیمار روح تمہارے معاشرہ کی بیمار روح، تمہاری سوسائٹی کی بیمار روح، تمہاری قوم کی بیمار روح، تمہاری ملت کی بیمار روح، تمہاری تباہی کا سامان بن جائے۔ تمہیں تنہائیوں کی موت سے ہمکنار کردے اور تمہیں فجائتی حادثات سے ہمکنار کردے، یاد رکھو میرے عزیزو! جسم بیمار ہوتا ہے تو اچھی غذا بُری لگتی ہے، جسم بیمار ہوتا ہے تو چھا پانی بُرا لگتا ہے، جسم بیمار ہوتا ہے تو اچھا کھانا بُرا لگتا ہے، جسم بیمار ہوتا ہے تو آفتاب کی شعاعیں بُری لگتی ہیں، جسم بیمار ہوتا ہے تو نسیم سحر کی نازک خرامی بُری لگتی ہے، جسم بیمار ہوتا ہے تو بادِ صبا کی لطافت بُری لگتی ہے۔ جسم بیمار ہوتا ہے تو پھولوں کی نکہت ناپسندیدہ ہوتی ہے، جسم بیمار ہوتا ہے رائحہ گل بھی پسندیدہ نہیں ہوتا، جسم بیمار ہوتا ہے تو عطر بھی بوجھ بن جاتا ہے مشامِ جان کے اُوپر۔

پتہ چلا! اچھی غذا بُری لگے تو جسم بیمار ہے اور حق بات کڑوی لگے تو روح بیمار ہے۔ جب انسان صراط مستقیم کو چھوڑ کر باطل کا راستہ اختیار کرے تو روح بیمار ہے، جب انسان وفادارِ مصطفیٰ ہونے کے بجائے غدارِ مصطفیٰ ہوجائے تو روح بیمار ہے۔ جب انسان صداقتوں کی منزل پر چلنے کے بجائے بُرائیوں کے راستہ پر چلتا ہوا نظر آئے تو روح بیمار ہے، جب انسان انسانیت کے بجائے ظلم اور بربریت کا آئینہ دار ہوجائے تو روح بیمار ہے، جب انسان محبت کے بجائے نفرتوں کے بیج بورہا ہو تو روح بیمار ہے، جب انسان پیار کے بجائے نفرتوں کی بولی بول رہا ہو تو روح بیمار ہے، جب انسان محبتوں کے بجائے نفرتوں کی آگ برسارہا ہو تو روح بیمار ہے، جب انسان جوڑنے کے بجائے کٹ رہا ہے تو روح بیمار ہے، جب انسان متحد ہونے کے بجائے منتشر ہورہا ہو تو روح بیمار ہے۔ جب انسان عقیدہ کی سطح پر مسلمان، نبی کا غلام ہونے کے بجائے غلامی سے دور ہورہا ہو تو روح بیمار ہے، جب انسان وفادارِ نبی ہونے کے بجائے غدارِ نبی بن جائے تو روح بیمار ہے، جب انسان حلال کھانے کے بجائے حرام کھارہا ہو تو روح بیمار ہے، جب انسان جائز نعمتوں کے بجائے شراب پی رہا ہو تو روح بیمار ہے، جب انسان حلال کمائی کے بجائے حرام کمائی کررہا ہو تو روح بیمار ہے، جب انسان نفس

کی تسکین میں مبتلا ہو رہا ہو تو روح بیمار ہے، جب کاروانِ انسانی کو ظلم کے راستوں پر ڈال رہا ہو تو روح بیمار ہے، اور جب آسمانوں سے آگ برسا رہا ہو تو روح بیمار ہے، جب زمین پر پھول کھلانے کے بجائے بمباری کر کے زمینوں کو برباد کر رہا ہو تو روح بیمار ہے، اور زمینوں کی کوکھ خالی کر رہا تو روح بیمار ہے، جب پانی دینے کے بجائے وہ زہر دے رہا ہو تو روح بیمار ہے، جب نگاہوں کی محبت دینے کے بجائے آنکھوں کے شعلے بانٹ رہا ہو تو روح بیمار ہے، جب چہرے کی حیا کے بجائے چہرے کو بے نقاب کر رہا ہے تو روح بیمار ہے، بے حیائی پال رہا ہو تو روح بیمار ہے، جب عصمتوں کے تحفظ کے بجائے عصمتوں کا دامن تار تار کر رہا ہو تو روح بیمار ہے۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں، میں نے جو پیمانہ مقرر کر دیا ہے روح کی بیماری کا اس پیمانے سے تم اپنے قلب کا جائزہ لے سکتے ہو، اپنا احتساب کر سکتے ہو، یہ صوفیائے کرام کی بزم ہے ہندوستان کی سب سے عظیم مرکزِ عقیدت، خانوادۂ ماہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین موجود ہیں۔ یہ آپ کو مراقبہ کی بات بتائیں گے۔ یہ آپ کو احتسابِ نفس کی بات بتائیں گے۔ خود اپنے احتساب کی بات بنائیں گے، یہ بتائیں گے کہ ہمیں اپنی روح کی بیماریوں کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہے، خود اپنے گریبان میں جھانک کر کے دیکھنا ہے، خود اپنے ضمیر میں جھانک کر کے دیکھنا ہے، ہر رات اپنا مشاہدہ کرنا ہے، خود اپنا مراقبہ کرنا ہے، مراقبہ اور مشاہدہ دراصل انسان کے اپنے ضمیر کا مطالعہ ہوتا ہے۔ اپنے اندرون کا مطالعہ ہوتا ہے۔ ایک سفر وہ ہوتا ہے جو باہر کرتے ہیں، اور ایک سفر وہ ہوتا ہے جو ہم اندر کرتے ہیں، جسے ہم ضمیر کا سفر کہتے ہیں، اندرون زندگی کا سفر کہتے ہیں، جسے ہم اپنی ذات کا سفر کہتے ہیں۔ جس کو ہم جہادِ اکبر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ سفر مسلسل جاری رہتا ہے۔ جس کے ذریعہ سے ہماری کوتاہیاں ہم پر نمایاں ہوتی ہیں، ہماری خطائیں ہم پر نمایاں ہوتی ہیں، ہماری غلطیاں ہم پر نمایاں ہوتی ہیں، ہماری کمزوریاں ہم پر نمایاں ہوتی ہیں۔

اب آپ ہم سے پوچھ سکتے ہیں قمر الزماں! جب ہمارا جسم بیمار ہو تو ہم کسی ڈاکٹر کے

پاس جاتے ہیں کسی طبیب کے پاس جاتے ہیں۔ لیکن جب ہماری روح بیمار ہو تو ہم کہاں جائیں گے؟ میں عرض کرنا چاہوں گا؟ جسم بیمار ہو تو ڈاکٹروں کے پاس جاؤ، اس لئے کہ ڈاکٹر بھی فانی ہے اور جسم بھی فانی ہے، جسم بیمار ہو تو طبیبوں کے پاس جاؤ، اس لئے کہ طبیب بھی فانی ہے اور جسم بھی فانی ہے۔ جسم کے علاج یہ Doctors کریں گے۔ جو تمہارے جسم سے پہلے۔ تمہاری جیبوں کا مطالعہ کرتے ہیں، تمہاری حیثیتِ مالی کا مطالعہ کرتے ہیں، تمہاری قدر مالی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تمہاری اکتسابی حیثیت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ جو انسانیت سے عاری ہوتے ہیں، جو محبت سے بہت دور ہوتے ہیں، مریض تڑپتا رہتا ہے اور جیب کا وزن دیکھا جاتا ہے۔ مریض مر رہا ہوتا ہے، سسک رہا ہوتا ہے اور پیشانی پر اس کے غربت کی لکیروں کا مطالعہ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ جیب کا وزن دیکھا جاتا ہے۔ بلاشبہ جب تمہارا جسم بیمار ہو تو ڈاکٹروں کے پاس جاؤ، جب تمہارا جسم بیمار ہو تو حکیموں کے پاس جاؤ، جب تمہارا جسم بیمار ہو طبیبوں کے پاس جاؤ۔

ڈاکٹر فانی ہے اس لئے وہ فانی جسم کا علاج کرتا ہے، مگر جب تمہارح روح بیمار ہوگی تو یہ ڈاکٹرس تمہیں کچھ نہیں دے سکیں گے۔ جسم بیمار ہو تو ڈاکٹروں کے پاس جاؤ، اور روح بیمار ہوگی تو گنبدِ خضریٰ کی چھاؤں میں آنا پڑے گا۔ رحمۃ للعالمین کے دامنِ کرم میں آنا پڑے گا۔ انیس بیکساں کی بارگاہ میں آنا پڑے گا۔ سرورِ کائنات کے شفاخانہ میں آنا پڑے گا۔ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ کرم سے وابستہ ہونا پڑے گا۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آئے
اور اک نسخۂ کیمیاء ساتھ لائے

محمد عربی بیمار روحوں کا علاج بن کر کے آئے تھے، محمد عربی بیمار روحوں کے لئے شفا بن کرے آئے تھے، محمد عربی بیمار روحوں کو زندگی دینے کے لئے آئے تھے، محمد عربی بیمار رحوں کا مسیحا بن کر آئے تھے، محمد عربی بیمار رحوں کو حیاتِ انسانی کی عظمتوں سے نوازنے کے لئے آئے تھے۔

جب تمہارا جسم بیمار ہو تو ڈاکٹروں کے پاس جاؤ، لیکن جب تمہاری روح بیمار ہوگی تو

محمد رسول اللہ کی بارگاہ میں آنا پڑے گا۔ انیس بیکساں کی بارگاہ میں آنا پڑے گا۔ چارہ سازِ درد منداں کی بارگاہ میں آنا پڑے گا۔ اس ذاتِ گرامی کی بارگاہ میں آنا پڑے گا۔ جس کے قدمِ عزت سے کائنات انسانی کی آبرو وابستہ ہے اس کے حضور میں آنا پڑے گا۔

میرے عزیزو اور میرے دوستو! اور کوئی کہہ سکتا ہے کہ کتنی دور کا پتہ دیا ہے تم نے۔ ہم بمبئی (Bomboy) کی سرزمین پر بیمار ہیں اور تم مدینہ کا پتہ بتا رہے ہو؟ ہم یہاں کی سرزمین پر بیمار ہیں، تم گنبد خضریٰ کا پتہ بتا رہے ہو۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں ہم ان سے دور ہیں مگر وہ ہم سے دور نہیں ہیں۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے رگِ گلو سے بھی زیادہ قریب ہیں ''النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم،، نبی مسلمانوں کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ نفس کے معنی روح کے بھی ہوتے ہیں، روح کا تعلق ہے نبی سے۔ اس لئے روح کے قریب کردیا ہے، پیغمبر کو روح کے قریب کردیا ہے۔ نبی گرامی وقار کو، جب بھی روح پکارے گی وہ سنیں گے، جب بھی روح مضطرب ہوگی وہ سنیں گے، جب بھی روح بے چین ہوگی وہ سنیں گے، جب بھی روح بے قرار ہوگی وہ سنیں گے، جب بھی روح تڑپے گی وہ سنیں گے، جب بھی روح چیخے گی وہ سنیں گے، جب بھی آتما مچلے گی وہ سنیں گے، اس لئے کہ انہیں روحوں کا معالج بنا کر بھیجا گیا ہے، روحوں کا شفا دینے والا بنا کر بھیجا گیا ہے، روحوں کا مسیحا بنا کر بھیجا گیا ہے۔

میرے عزیزو! وہ تم سے دور نہیں ہیں، بس ان کو پکارنے کے لئے ٹوٹے ہوئے دل کی ضرورت ہوتی ہے، شکستہ احساس کی ضرورت ہوتی ہے، شیشہ بھی ایک دل ہے، اور دل بھی ایک شیشہ ہے، مگر شیشہ ٹوٹتا ہے تو بے قیمت ہو جاتا ہے، دل ٹوٹتا ہے تو قیمت بڑھ جایا کرتی ہے۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

(کلیات اقبال، بانگ درا، ص:۲۸۱)

شیشہ ٹوٹتا ہے تو چہرہ نظر نہیں آتا، دل ٹوٹتا ہے تو گنبدِ خضری نظر آتا ہے۔

یہ ٹوٹا ہوا دل شہ کونین کا گھر ہے
یہ ٹوٹا ہوا دل شہ کونین کا گھر ہے
واللہ میرے جذب تصور کا اثر ہے
بیٹھا ہوں یہاں گنبدِ خضری پہ نظر ہے

بس ٹوٹے ہوئے دل سے یاد کرنے کی ضرورت ہے، شکستہ خاطری سے یاد کرنے کی ضرورت ہے، ٹوٹا ہوا دل لے کر نہ جاؤ گے تو ممکن ہے توجہ نہ پاسکو، ممکن ہے کہ تمہاری نظر اس طرف نہ ہو سکے۔

دیکھو! یہ امام احمد رضا فاضل بریلوی ہیں، واللہ مواجہ اقدس میں بیٹھے ہیں۔ پہلی مرتبہ آئے ہیں، حجابات ذرا جلدی اٹھ گئے ہیں، اب آئے ہیں تو ذرا تاخیر ہو رہی ہے، لمحہ لمحہ طلبِ دیدار میں ان کی نگاہیں مضطرب ہیں، اور ضمیر مطالبہ کر رہا ہے، احساس اور وجدان پر یہ فراق کے کلمات بڑے ہی عجیب بن کر گذر رہے ہیں، ایسے عالم میں وہ مشہور نظم کہتے ہیں جو تغزل کی آفاقیت سنبھالے ہوئے ہے اور نعت کا حسن ادب بھی سنبھالے ہوئے ہے۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن آئے بہار پھرتے ہیں

اللہ اکبر! ہزاروں تغزل اس کے اوپر قربان ہو جائیں اور پھر وہ مقام آتا ہے جہاں اشتیاق تڑپ کر کے محمد عربی کی مقدس چوکھٹ سے چمٹ جاتا ہے اور جہاں وہ خاکساری کی انتہاء کو پہنچ جاتے ہیں۔

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

اوراس کے بعد حجاب اٹھتا ہے، سرورکائنات کی زیارت ہوجاتی ہے، یہ جملہ یہ مقدس شعر دل کے ٹوٹنے کی علامت ہے، دل کے کرب کی علامت ہے، دل کے شکستگی کی علامت ہے۔

تمہیں معلوم نہیں ہوگا۔ ایک بہت بڑے بزرگ تھے جنہیں دنیا رسول نما کے نام سے یاد کیا کرتی تھی، وہ سرکار کی زیارت کرادیا کرتے تھے، اور وہ سرکار کی زیارت کرانے میں بڑے مشہور تھے۔ جو بھی صاحبِ نظر آتا، صاحبِ درد آتا وہ ان کی بارگاہ میں آتا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوجاتی ہے۔

ایک مرتبہ ان کی شریکِ زندگی جو خود بھی بہت پارسا تھیں انہوں نے کہا جنابِ والا! آپ دنیا بھر کے سرکار کی زیارت کراتے ہیں لیکن مجھے کبھی سرکار کی زیارت نہیں کرائی۔ یہ چراغ تلے اندھیرا کیسے گوارا کرلیا جائے گا۔ حضور مجھ پہ بھی نظر کرم فرمایئے ورنہ میں سمجھونگی کہ آپ کے بارے میں یہ رسول نمائی کا جو دعویٰ ہے، یہ کچھ صحیح نہیں ہے انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ اگر تم سرکار کی زیارت کرنا چاہتی ہوتو ذرا بن سنور جاؤ، رسول پاک کی بارگاہ میں اس طرح بکھری بکھری، منتشر منتشر، ٹوٹی ٹوٹی اگر جاؤ گی تو کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔ وہی جوڑا پہنو جو تم نے شبِ عروسی میں پہنا تھا۔ ویسے ہی سنور جاؤ جیسے تم اُس وقت سنوری تھیں۔ اوراس کے بعد تم سرکار کی زیارت کرسکوگی، انہوں نے سرکار کی محبت میں اپنے کو بنایا، سنوارا، نکھارا، آراستہ کیا، اس کے بعد اپنے سالہ اوران کے بھائی کو بلالائے۔ اور پھر کہا ذرا اپنی بہن کو دیکھو، بڑھاپے میں کتنے نکھار کر رکھے ہیں، پتہ نہیں کیا ارادہ ہے ان کا، یہ طنز سننا تھا کہ روتے روتے بے حال ہوگئیں۔ اتنا بھیانک مذاق تم نے مجھ سے رسول کے نام پر کیا، سرورِ کائنات کی محبت کے نام پر کیا، کاش یہ مذاق نہ کرتے۔ انہوں نے لباس اتاردیا روتے روتے سوگئیں، اور جب سوگئیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوگئی۔ اس لئے کہ دل ٹوٹا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ دل شکستہ ہوا تو رسول اللہ کی زیارت ہوئی۔

یہ ٹوٹا ہوا دل شہہ کونین کا گھر ہے
بیٹھا ہوں یہاں گنبد خضری پر نظر ہے

میرے عزیزو اور میرے دوستو! وہ دوسرا واقعہ بھی آپ کی نگاہ کے سامنے ہوگا کہ جب دل ٹوٹتا ہے تو پیغمبر اعظم کی زیارت ہوتی ہے۔

وہ ایک غلام تھا، وہ ایک نوکر تھا جسے بَرّہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ سفر حج پہ جارہا تھا اس کا زمیندار مالک، اور وہ کہہ رہا تھا، برہ! تم حج میں چلو گے؟ اس نے کہا! حضور حج کے نام پر تو مجھے اپنے قدموں سے لپٹا کے چلئے میں چلونگا سرکار کی بارگاہ میں، اس لئے کہ وہاں تو ہاتھوں پر اپنی زندگیوں کا نذرانہ لے کر جاتے ہیں۔

کشاں کشاں لئے جاتے ہے آرزوئے وصال
ہر ایک قدم تیرے نزدیک آئے جاتے ہیں
ابھی تو دور ہے صبح بہار کی منزل
ابھی سے کیسے نظر کو قرار آجائے
وہاں سے دیکھنا عالم میری محبت کا
جہاں سے ملنے لگیں گے کھجور کے سایے

کھجوروں کا سایہ تلاش کرنے کے لئے، ببولوں کے خار مغیلان کو مژگان میں سجانے کے لئے نہ معلوم کتنے دیوانے صحرائے عرب کی مشقتیں برداشت کرتے ہوئے گنبد خضری کے قریب پہنچا کرتے ہیں۔ جانتے ہو مدینۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صحراء میں کیوں اتارا گیا، مدینۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صحراء میں کیوں نکھارا گیا، مدینۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صحرا میں کیوں باضابطہ ایک شہر کی حیثیت دی گئی؟

میرے آقا کو میری قیس مزاجی تھی پسند
اس لئے خلد اتر آئی ہے صحرا کے قریب

دیوانے کے لئے صحراء ضروری ہے، اس لئے میری خلد مصطفیٰ کے مدینہ کو صحراء کے قریب کردیا گیا ہے تا کہ دیوانگی جب تلاش کرے تو صحراء میں چلا جاؤں، اور جب محبت جوش مارے تو نبی کے قدموں میں آکے گر جاؤں، یہ کیفیت ہے---- اس نے کہا۔ حضور! میں

ضرور سفر کروں گا۔اوراس کے بعد حج پاک کا سفر ہوا۔پورے حج میں وہ نواب خاموش رہا کہ مذاق نہ کرے۔مذاق اس کی فطرت کا حصہ تھا،مزاح کرتا تھا،وہ برہ کو ہمیشہ باضابطہ مشق مزاح بنایا کرتا تھا،تختہ مزاح بنایا کرتا تھا،تختۂ مشق بنایا کرتا تھا،جب حج مکمل ہوگیا تو سوچا اب تو حج مکمل ہوگیا ہے لاؤ مزاح کرلیں۔اس نے کہا!براہ!تمہیں نبی کی بارگاہ سے کچھ ملا نہیں ہے؟ کہا کیا ان کے ہاں سے کچھ ملتا ہے؟ بیچارہ سادہ سادیہاتی تھا،سادہ لوح تھا،کہاں ان کے ہاں سے کچھ ملتا ہے؟ کہا ہاں۔دیکھو!اس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا دیا کہا دیکھو رسول کی بارگاہ سے مجھے پروانۂ نجات ملا ہے جہنم سے،اور جنت میں داخلہ کا یہ ٹکٹ ہے کیا تم کو رسول پاک کی بارگاہ سے کچھ نہیں ملا؟ واللہ وہ سچ سمجھ گیا۔اس نے سونچا،مدینۃ النبی میں کوئی جھوٹ تھوڑی بولے گا۔تڑپتا ہوا جاکے رسول پاک کی جالیوں سے چمٹ گیا۔اور کہا!یارسول اللہ!ہم نے تو سنا تھا کہ آپ کے دربار میں غریب اور امیر کا فرق نہیں ہوتا،ہم نے سنا تھا کہ آپ کے دربار میں سب برابر ہوتے ہیں،مگر یہاں بھی نواب صاحب کو رقعہ دے دیئے گئے اور مجھے کچھ نہیں ملا۔اتنا کہتے کہتے وہ سوگیا۔اور جب وہ جاگا تو اس کے ہاتھ میں باضابطہ ایک رقعہ لکھا ہوا ملا تھا، جس میں لکھا تھا کہ برہ جہنم سے آزاد ہے۔اور جنت کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔وہ رقعہ لے کے بھاگا ہوا آیا۔میرے نبی کی بارگاہ میں دیر ہے اندھیر نہیں۔نواب صاحب!یہ دیکھو مجھے بھی مل گیا ہے۔نواب نے دیکھا تو اب نواب کے رونے کا مقام تھا۔اور برہ کے ہنسنے کی منزل تھی۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب دل ٹوٹتا ہے تو زندگی مل جاتی ہے،جب دل ٹوٹتا ہے تو باضابطہ طور پر نبی کی نگاہ کرم ہوتی ہے۔نبی کی نظرِ توجہ ہوتی ہے۔اور جب دل ٹوٹتا ہے تو فاصلے خود بخود مٹ جاتے ہیں،شاید!اس کا اندازہ انسانی نفسیات کا مطالعہ کرنے والے بہت اچھی طرح کرسکتے ہیں،مگر جو انسانی نفسیات کے ماہر نہیں ہیں،عموماً سائیکولوجی جن کا Subject نہیں ہے وہ بھی روزمرہ کے مشاہدات میں اسے دیکھ سکتے ہیں۔

قمرالزماں بمبئی کی ایک اندھیری گلی سے گذر رہا تھا کہ اچانک کسی نے اس کے سر پر وار کیا اسے لاٹھی مارا،کوئی ضرب لگائی۔اور میں نے بے ساختہ کہا میرے باپ،لوگوں نے کہا!

ظالم اپنے باپ کو بلا رہا ہے۔باپ تو تمہارا بہت دور ہے۔مگر کسی نے یہ بات نہیں کہی۔اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ درد کی آواز ہے۔چیخ کی آواز ہے،یہ اضطراب کی آواز ہے،اور نفسیات انسانی اضطراب اور چیخ کے موقع پر فاصلہ نہیں دیکھا کرتی ہے،محبتوں کے رشتے دیکھا کرتی ہے،محبتوں کے تعلق کو دیکھا کرتی ہے،آبگینے کے تعلق کو دیکھا کرتی ہے۔

جس سے محبت ہوتی ہے درد میں اسے پکارا جاتا ہے‘ جس سے محبت ہوتی ہے اضطراب میں اسے پکارا جاتا ہے،جس سے محبت ہوتی ہے شیشۂ دل ٹوٹتا ہے تو اسے پکارا جاتا ہے۔آج ہم ہندوستان کی گلیوں سے یارسول اللہ کہتے ہیں تو ٹوٹے ہوئے دل سے کہتے ہیں۔ضرب ہمیں لگ رہی ہے،چوٹ ہمیں پڑ رہی ہے۔اضطراب ہم پر طاری ہے،اس لئے ہم یارسول اللہ کہتے ہیں۔

یہ ٹوٹا ہوا دل شہ کونین کا گھر ہے
بیٹھا ہوں یہاں گنبد خضریٰ پہ نظر ہے

یہ محبت کی علامت ہے کہ جب بھی کبھی درد اور اضطراب کی منزل ہوتی ہے تو ہم یا رسول اللہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں،دنیا کا انسان اس پہ فتویٰ نہیں دے سکتا ہے۔یہ محبت کے فاصلے ہیں جو کچھ زیادہ نہیں ہوا کرتے ہیں۔یہ محبت کی بولی ہے جو زمین کے طول وعرض سے ناپی نہیں جاسکتی ہے۔یہ محبت کے محسوسات ہیں جسے جغرافیہ میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے،یہ محبت کے محسوسات ہیں جسے مفتی کا قلم کبھی اپنی گرفت میں نہیں لے سکتا ہے،یہ محبت کی بولی ہے جو فاصلوں کو سمیٹ دیا کرتی ہے۔ہم رسول اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے نام سے مارے جارہے ہیں،ان کے کلمہ پہ مارے جارہے ہیں،انہیں کی یاد میں مارے جارہے ہیں تو ضرب پڑے گی تو اور کسے یاد کریں گے،ضرب پڑے گی تو اور کس سے محبت کریں گے،ضرب پڑے گی تو اور کس سے تعلق ہمارا جڑے گا۔

یا رسول اللہ أنظر حالنا
یا نبی اللہ اسمع قالنا

انــــا فــی بـحـر غـم مـغـرقٌ

خـذ یـدی سـهـل لـنـا أشـكـالـنـا

اللہ اکبر! یہ درود اضطراب کے کلمات اسی وقت آتے ہیں جب ضرب پڑتی اور مصبتوں کے لمحات آتے ہیں۔درود پاک پڑھئے۔اللهم صل علی سیدنا و مولانا محمد معدن الجود والکرم واله الکرام جمعین

میں یہ عرض کررہا تھا کہ جب تمہارا جسم بیمار ہوتو ڈاکٹروں کے پاس جاؤ لیکن روح بیمار ہوگی تو مکین گنبد خضری کی بارگاہ میں آنا پڑے گا، روح بیمار ہوگی تو رحمۃ العالمین کی بارگاہ میں آنا پڑے گا۔

جسم بیمار ہوتو بوعلی سینا کو پڑھو، جسم بیمار ہوتو فارو بی کو پڑھو، جسم بیمار ہوتو افلاطون کو پڑھو، جسم بیمار ہوتو برقندکو پڑھو۔مگر روح بیمار ہوگی تو کتاب الٰہی کو پڑھنا پڑے گا۔روح بیمار ہوگی تو قرآن عظیم کو پڑھنا پڑے گا، روح بیمار ہوگی تو اللہ کے مقدس نظام کو پڑھنا پڑے گا، روح بیمار ہوگی تو کسی حافظ کی بارگاہ میں آنا پڑے گا، روح بیمار ہوگی تو کسی عالم کے آستانہ پہ جانا پڑے گا۔

اس لئے کہ وہ بیمار روحوں کا علاج جانتا ہے، اس نے قرآن کو اپنے سینہ میں محفوظ کر رکھا ہے، اس نے قرآن کو اپنی زندگی بنا رکھا ہے۔

میرے عزیزو اور میرے دوستو! اب یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمارا اپنے نبی سے تعلق جسم کا تعلق نہیں ہے، مگر روح کا تعلق ہے، جسم کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔جسم کا تعلق منتشر ہوجاتا ہے۔جسم کا تعلق بکھر جاتا ہے، مگر روح کا تعلق ہمیشہ باقی رہتا ہے۔روح کا تعلق کبھی نہیں مٹتا ہے، روح کا تعلق کبھی فنا نہیں ہوتا ہے، ہر نسب وسبب منقطع ہوجاتا ہے۔مگر میرا نسب اور میرا سبب باقی رہتا ہے۔لوگوں نے اسے مادی نسب وسبب کے حوالے سے جانا ہے، مگر میں اسے روحانی نسب وسبب کے حوالے سے بھی پہچانو نا چاہتا ہوں کہ نبی کا رشتہ کبھی نہیں ٹوٹتا ہے، اس لئے کہ روح زندہ رہتی ہے، روح انتقال مکانی کرتی ہے، روح بدلتی ہے۔

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قید حیات
فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا ایک پیغام ہے

عزیزان ملت اسلامیہ! موت کے عالم میں جسم مرتا ضرور ہے مگر روح نہیں مرتی ہے، یہیں وجہ ہے کہ جب روح مضطرب ہوتی ہے، تو نبی یاد آتے ہیں، جب روح مضطرب ہوتی ہے تو نبی سہارا دیتے ہیں، جب روح بے چین ہوتی ہے تو ان کا سہارا سامنے آجاتا ہے، دنیا میں ان کی رہنمائی قانون کی شکل میں ہے دنیا میں ان کی رہنمائی نظام کی شکل میں ہیں۔دنیا میں ان کی رہنمائی آئین کی شکل میں ہے، دنیا میں ان کی رہنمائی سنتوں کی شکل میں ہے، دنیا میں ان کی رہنمائی تشخص کی شکل میں ہے، دنیا میں ان کی رہنمائی Identity کی شکل میں ہے، دنیا میں ان کی رہنمائی شناخت کی شکل میں ہے، دنیا میں ان کی رہنمائی پہچان کی شکل میں ہے، دنیا میں ان کی رہنمائی تعارف کی شکل میں ہے، دنیا میں ان کی رہنمائی دستور کی شکل میں ہے، دنیا میں ان کی رہنمائی آئین کی شکل میں ہے۔مگر جہاں دستور دم توڑ دیتا ہے اور شناخت کی ضرورت نہیں رہتی۔وہاں ان کی رہنمائی بالمشافہ ہوا کرتی ہے، بے نقاب ہوتی ہے، بے حجاب ہوتی ہے وہاں ان کی رہنمائی قانون کی شکل میں نہیں بلکہ وہاں ان کی رہنمائی وجود ناز کی شکل میں ہوتی ہے، سراپائے اطہر کی شکل میں ہوتی ہے، خلد نظارہ کی شکل میں ہوتی ہے، شہر آرزو کی شکل میں ہوتی ہے، مرکز عقیدت کی شکل میں ہوتی ہے۔جان تمنا کی شکل میں ہوتی ہے۔قبلۂ اطاعت کی شکل میں ہوتی ہے۔کعبۂ انقیاد کی شکل میں ہوتی ہے۔

اللہ اکبر! ان کی رہنمائی بڑی بے حجاب اور بڑی عظیم ہوجایا کرتی ہے۔دیکھو! وہ لمحہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوگا۔جسے موت کا لمحہ کہتے ہیں، آپ نے مرنے والے کو دیکھا ہوگا، موت کا چہرہ کتنا بھیانک ہوتا ہے، موت کی صورت کتنی لرزہ دینے والی ہوتی ہے، موت کی حالت کتنی بے قرار کرنے والی ہوتی ہے، موت کی حالت میں انسان کس قدر درد اور کرب سے دوچار ہوتا ہے۔

آنکھیں الٹ جاتی ہیں، جسم بدل جاتا ہے، جسم اکڑ جاتا ہے، چہرہ بدل جاتا ہے۔

کون ہوتا ہے برے وقت کی حالت کے قریب
مرتے وقت آنکھوں کو دیکھا ہے کہ پھر جاتی ہیں

ایسے وقت میں تمام رشتے موجود ہوتے ہیں تمام تعلقات موجود ہوتے ہیں، جنہیں زندگی سے کوئی نہ کوئی تعلق رہا ہے وہ سب موجود رہتے ہیں، ایک باپ بھی موجود ہوتا ہے جس نے اپنے بیٹے کی پیشانی پر غم کی ایک لکیر نہیں دیکھی تھی، لیکن آج موت کو سلوٹیں دیکھ رہا ہے۔ اور آہوں کے علاوہ کچھ نہیں دے سکتا۔ ایک ماں بھی موجود ہوتی ہے جس نے اپنے بچے کے چہرہ پر گردِ ملال نہیں دیکھتی تھی، لیکن آج موت کی تاریکی دیکھ رہی ہے، اور ماں کچھ نہیں کر سکتی، ایک بہن موجود ہوتی ہے جس نے اپنے بھائی کے جسم پر کبھی زمانے میں گرد نہیں دیکھتی تھی۔ لیکن آج موت کے تہیں دیکھ رہی ہے اور بہن بھی کچھ نہیں کر سکتی، ایک دوست بھی موجود ہوتا ہے، جس نے اپنے دوست کے پیروں میں کبھی کانٹا چبھا دیکھا تھا تو اپنے کلیجہ میں کھٹک محسوس کی تھی۔ لیکن آج موت کا کانٹا چبھ چکا ہے اور دوست کچھ نہیں کر سکتا ہے، ایسے درناک عالم میں ایک بیٹا آتا ہے اور کہتا ہے، ابا! کتنا جمع کر رکھا ہے بتا دو؟ پاس بک ہمارے حوالے کر دو، زمینداری ہمارے نام لکھدو، شیرز کا حوالہ دے دو، بینکوں کی بات کرو، کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ تمہارے موت کے بعد تمہارے سرمایہ پر دوسرے قبضہ کرلیں، آہ! کتنا دردناک عالم ہے، آخرت کا سفر ہو رہا ہے موت کی دردناک کیفیت ہے، اور ایسے دردناک عالم میں بٹیا آتا ہے اور پیٹ کا مطالبہ کرتا ہے، بیٹا آتا ہے اور روٹی کا مطالبہ کرتا ہے، بیٹا آتا ہے اور بینک بیالنس کا مطالبہ کرتا ہے، اس لئے کہ زندگی بھر تم نے اس کو پیٹ کی تعلیم دی تھی، اس لئے موت کے وقت بھی پیٹ ہی دکھا رہا ہے، اگر قرآن پڑھایا ہوتا تو سورہٴ یاسین کی تلاوت کر رہا ہوتا، قرآن پڑھایا ہوتا تو کلام الٰہی کی تلاوت کر رہا ہوتا، قرآن پڑھایا ہوتا تو تمہارے سامنے بیٹھ کر کے اللہ کی کتاب پڑھ رہا ہوتا، روح کا بوجھ اتر رہا ہوتا سفر آخرت آسان ہوتا، تم نے وہ روایت پاک سنی ہوگی کہ۔

ایک مرنے والا مر گیا اور اللہ نے فرمایا لے جاؤ اسے جہنم میں ڈال دو، فرشتوں نے اسے جہنم میں ڈال دیا، چھ سال کے بعد مشیت نے فیصلہ فرمایا، فرشتو! اس جہنمی کو جنت میں داخل کر دو، فرشتے اسے لئے آئے اور جنت میں داخل کر دی، مگر سراپا سوال مولا کے سامنے کھڑے ہیں کہ مولا! ہم ہی تو کاتب اعمال ہیں، ہم نے اس کی زندگی میں کوئی نیکی نہیں دیکھی تھی، جہنم میں کونسی نیکی اس نے کر لی؟ اسے جنت کا فیصلہ دے دیا گیا۔ تو مشیت کہے گی! اے میرے فرشتو! تمہیں معلوم نہیں ہے جب یہ مرا تھا تو اپنی بیوی کی گود میں چھ مہینہ کا ایک بچہ چھوڑ کر مرا تھا۔ آج وہ بچہ چھ سال کا ہوا ہے۔ اور پہلی مرتبہ اس نے میرے نام پر انگلی رکھ کر پڑھا ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہے اور انتہائی رحم والا ہے۔ تو میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ جس کا بیٹا مجھے رحمٰن و رحیم کہہ رہا ہو، اس کے باپ کو میں جہنم میں ڈال دوں، یہ اپنے اعمال سے نہیں، اپنے بیٹے کے اعمال کی بنیاد پر معاف کیا جاتا ہے۔

بہرکیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ موت کے دردناک عالم میں بیٹا بھی موجود ہے اور باپ بھی موجود ہے، مگر کوئی بھی سہارا نہیں دے رہا ہے، شیطان دودھ اور شہد سے بھرا ہوا گلاس لئے کھڑا ہوتا ہے، اور کہتا ہے، اے مرنے والے! ایک مرتبہ کہدے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں ہیں، اے مرنے والے ایک مرتبہ کہدے خدا موجود نہیں ہے، میں تمہیں دودھ اور شہد سے بھرا ہوا گلاس پیش کر دوں گا۔ اگر کسی ظالم نے کہدیا تو وہ غائب ہو جائے گا اور کہے گا زندگی کی توانائیوں میں تمہارا ایمان نہ چھین سکا تھا مگر موت کے اضطراب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں تمہارا ایمان چھین چکا ہوں۔ اب تم بے ایمان مر رہے ہو۔

آیئے ہم خدا کی بارگاہ میں دعا کریں کہ پروردگار عالم موت کے دردناک عالم میں شیطان کے ہر ہر فریب سے بچائے۔ شیطان کے ہر دھوکہ سے بچائے، ایسے درناک عالم میں جب ایک طرف شیطان دودھ اور شہد کا بھرا ہوا گلاس لے کر کے ایمان چھیننا چاہتا ہوگا تو مرد مومن کے سامنے رسول اللہ کا چہرہ زیبا آجائیگا۔ رسول اللہ کی صورت گرامی آجائے گی، گویا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما رہے ہوں گے اے مرنے والے! شیطان کی طرف نہ

دیکھ، میری طرف دیکھ لے تیری روح کا اضطراب مٹ جائے گا۔ اے مرنے والے شیطان کی طرف نہ دیکھ ترے قلب کی بے چینی مٹ جائے گی۔ تیرا سفر آسان ہوجائے گا۔ اور میں عرض کرتا ہوں، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر موت کے دردناک عالم میں آپ کے چہرہ کی زیارت ہوجائے تو ہم ایسی موت کا استقبال کرنے کے لئے تیار ہیں، ہم ایسی موت کو کلیجہ سے لگانے کے لئے تیار ہیں۔ ہم زندگی کا زہر غم پی کر موت کی منزلیں تک آپ کی زیارت ہی کے لئے آئے ہیں۔

یا رسول اللہ! ہم نے فاصلوں سے آپ پر سلام عرض کیا ہے دوریوں سے آپ پر سلام عرض کیا ہے، زمانے کے فاصلے گواہ ہیں، اور جغرافیہ کی دوریاں گواہ ہیں کہ ہم نے ہر منزل سے آپ کو سلام عرض کیا ہے۔ مگر ہمیشہ ہمارے سامنے یہ تصور رہا، کبھی وہ قدرِ عنا ہمارے سامنے ہوتا تو سلام کرتے، کبھی وہ قدر زیبا ہمارے سامنے ہوتا تو سلام کرتے، کبھی وہ مصطفیٰ ہوتے تو سلام کرتے، کبھی وہ منتخب ہوتے تو سلام کرتے، کبھی وہ شاہکار قدرت ہوتے تو سلام کرتے، کبھی وہ واجب الوجود کے باعث ایجاد عالم ہوتے تو سلام کرتے، کبھی وہ ذات گرامی ہوتی کہ جس کو پیدا کرنے کے بعد پروردگار عالم نے وہ دوکان ہی بڑھا دی جہاں یہ متاع بنا کرتی تھی۔

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری چشم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

کبھی وہ ہوتے تو ہم سلام پڑھتے مگر اے موت! تو کتنی حسین ہے کہ تیرے پردے میں رسول کی زیارت ہورہی ہے، تیرے پردے میں محبوب کی زیارت ہورہی ہے، تیرے پردے میں مرکزِ عقیدت کی زیارت ہورہی ہے، تیرے پردے میں جان تمنا کی زیارت ہورہی ہے، جنہیں ہماری دوریوں نے سلام کیا ہے، آج روح کا قرب سلام کررہا ہے، جنہیں فاصلوں نے سلام کیا ہے آج وہ قرب کی منزل میں سلام کئے جارہے ہیں، جنہیں یادوں نے سلام کیا ہے، آج یادوں کا مرکز بن کر سامنے ہیں۔

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہوجائے

ہم نے رسول کی یادوں کے اجالے اسی لئے سنبھال رکھے تھے کہ جب ضرورت پڑے گی تو سلام پڑھیں گے۔ جب چہرہ سامنے ہوگا سلام تو پڑھیں گے، جب موت کی ہچکی سامنے ہوگی تو سلام پڑھیں گے۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ!

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیدار کرے
موت کے آئینہ میں دکھلا کے تجھے چہرۂ دوست
زندگی اور بھی تیرے لئے دشوار کرے
آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
ہے شبِ گور بھی اس گل سے ملاقات کی رات

عزیزان ملت اسلامیہ! پتہ چلا جہاں روح کو ضرورت ہوگی، وہاں رحمت عالم سہارا دیں گے، انیس بیکساں سہارا دیں گے۔ چارہ ساز دردمنداں سہارا دیں گے۔ اس لئے کہ ہمارا اپنے نبی سے تعلق جسم کا تعلق نہیں ہے جو ٹوٹ جائے، روح کا تعلق ہے جو باقی رہتا ہے۔

اب آیئے میں اس آیت کریمہ کی ہلکی سی تفسیر پیش کروں، جو اکابرین سے مروی ہوکر کے ہم تک پہونچی ہے۔ ما کان محمد ابا احدمن رجالم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین.،،

محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں، بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت مقام مدح میں استعمال ہوتی ہے، یہ مدح کی آیت ہے، اس میں نبی کی تعریف کی گئی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی مرد کا باپ ہونا تو قابل تعریف ہے لیکن کسی مرد کا باپ نہ ہونا کیا یہ بھی قابل تعریف ہے؟ اور

ان دو جملوں میں ربط کیا ہے؟ ''ما کان محمد ابا احدمن رجالم ولکن رسول اللہ و خاتم النبین،، وہ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں، وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں، مرد کا باپ نہ ہونا، اللہ کا رسول ہونا، خاتم النبیین ہونا، اس میں فکری اور معنوی ترتیب کیا ہوگی؟

میں عرض کرنا چاہتا ہوں آیئے یہاں سے اہل محبت کا ترجمہ سنیئے۔ محمد عربی تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں کہ قیامت میں تمہارا ساتھ چھوڑ دیں۔ وہ اللہ کے رسول اللہ ہیں اور خاتم النبیین ہیں، یہاں بھی ساتھ دینے والے ہیں اور وہاں بھی ساتھ دینے والے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

اسلام میں عورت کی حیثیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ اَقَامَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعاً، فَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَدَیْهِ، صَلٰوةً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهُ وَ نَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ. اَمَّا بَعْدُ.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْباً ٥ (پ۴، ع ۱۲، سورہ نساء، آیت ۱). صدق اللہ العلی العظیم.

محترم المقام حضرتِ علامہ شاکر نوری صاحب امیر سنی دعوتِ اسلامی، علماء باوقار، رفقائے دعوت، شرکائے محفل، ہماری انتہائی قابلِ احترام مائیں، بہنیں، بیٹیاں، ہم اور آپ انتہائی احترام وعقیدت کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکزِ عقیدت، آقائے دوجہاں، حضور رحمتِ عالم، تاجدارِ مدینہ، سرکارِ کائنات محمد رسول اللہ ارواحنا فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں درودِ پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

أللّٰهم صل على سيدنا ومولانا محمد معدن الجود والكرم، منبع العلم والحلم والحكم، وآله بارك وسلم صلوة وسلاما عليك يارسول الله، صلوة وسلاما عليك يا حبيب الله۔

آج کی اس پاکیزہ اور بابرکت محفل میں، جس میں ہماری ہزاروں بہنیں اور بیٹیاں، باپردہ اور عفت مآب خواتین، سامعات کی حیثیت سے موجود ہیں۔ میں اسلام میں عورت کی حیثیت، اس کی ذمہ داریاں اور شریعت اور دین کے تعلق سے ان کے ماضی کے بارے میں کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ کم وبیش 48 گھنٹے کا مکمل سفر فوری طور پر کسی خطاب کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ لیکن میرا اپنا یہ خیال ہے کہ امتِ مسلمہ کا وہ طبقہ جسے ہم اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے نام سے یاد کرتے ہیں، وہ تعلیم، تبلیغ وتدریس کے میدان میں صدیوں سے بہت ہی پسماندہ رکھا گیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ بحیثیتِ ماں، بحیثیتِ بہن، بیٹی کی حیثیت سے، بیوی کی حیثیت سے ایک اسلامی خاتون کی حیثیت سے، کنیزِ فاطمۃ الزہراء کی حیثیت سے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو بھرپور ادا کرنہیں پارہی ہیں، اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے، قصور مردوں کا ہے، یا معاشرہ کو مخصوص نہج پر تشکیل دینے والے ماحول کا ہے کہ جس کی بنیاد پر ہماری بیٹیاں اور ہماری بہنیں دینی تعلیم سے خاص طور پر ناآشنا ہیں۔ اوراس کے نتیجہ میں اسلام کے داعیات اور تقاضوں سے نہ وہ خود بہرہ ور ہیں اور نہ اپنی آغوش میں پروان چڑھنے والے بچوں کو بہرہ ور کراسکتی ہیں۔ غالباً یہ ہندوستان کا سب سے بڑا اجتماع ہے خواتین کی شرکت کے اعتبار سے۔ خدائے قدیر وجبار مولانا شاکر کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور انہیں پورے ملک کی مادرانِ ملت اور خواہرانِ ملت کو جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس لئے اگر یہ مواقع کسی دعوتی ذہن رکھنے والے آدمی کو میسر آجائیں تو پھر اسے تھکن اور سفر کا شکوہ کئے بغیر ان مواقع کو مکمل طور پر استعمال کرنا چاہیے۔ یہی وہ جذبہ ہے کہ معذرت خواہانہ نہیں، بلکہ مشکور ہوکر کہ حاضر ہوں، کہ مجھے اپنی بیٹیوں سے اور اپنی بہنوں سے خطاب کرنیکا موقع مل رہا ہے۔

میری معزز بیٹیو اور بہنو! آپ مسلمان ہیں اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے میدانِ عمل مختلف تو ہوسکتا ہے، مگر آپ کی ذمہ داریاں مردوں سے کم نہیں ہیں۔ بلکہ مردوں کی ذمہ داریاں معاشرہ کی تشکیل وتربیت میں بعد میں شروع ہوتی ہیں۔ اور آپ کی مسئولیات اور ذمہ داریوں اور کام کا آغاز بہت پہلے سے ہوجاتا ہے۔ اسی لئے ضروری ہے کہ آپ یہ محسوس کرسکیں کہ ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں؟ ہماری مسئولیات کیا ہیں؟ اور ہم کسطرح سے دنیا کی تعمیر وترقی میں، اسلام کے ارتقاء میں، معاشرہ کو پاکیزہ اور صالح رکھنے میں، سوسائٹی کو باوقار اور باحیاء رکھنے میں، انسانی زندگی کو غیرت مآب رکھنے میں ہم کیا کردار ادا کرسکتی ہیں؟ اس کے لئے آپکو اسلامی تعلیمات کا مطالعہ بھی کرنا ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ آجکی مصروف دنیا میں مطالعہ کا اگر موقع نہیں ہے تو اس طرح کے اجتماعات میں باوقار علماء سے، اسکالرس سے اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں سننا بھی ہوگا، اور اس پر عمل بھی کرنا ہوگا۔

عورت اسلام سے پہلے اور اب میری عزیز بیٹیو اور بہنو! آج کے اس اجتماع میں سب سے پہلے تو میں یہ بتاؤں کہ ''هل جزاء الاحسان الّا الاحسان،، احسان کا بدلہ ہمیشہ بھلائی سے دیا جاتا ہے۔ اسلام میں اسلام نے عورتوں پر جو احسانات کئے ہیں خاص طور پر، ان احسانات کا بدلہ قرونِ اولیٰ کی مقدس ماؤں نے بے پناہ قربانیوں کے ذریعے سے دیا۔ اور آج بھی اسلام یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جس مذہب نے ہماری بیٹیوں کو جنت کا وسیلہ بنادیا۔ مغفرت کا ذریعہ بنادیا، آخرت کی کامیابیوں کی ضمانت بنادیا، ہماری بیٹیوں کو حیاء اور غیرت کی چادر دی، آبرو اور وقار کا عظیم ترین مزاج دیا، معاشرہ میں سربلند رہنے کا حوصلہ عطا فرمایا۔ اس اسلام کے کچھ حقوق بھی ہیں، جو ہماری بیٹیوں کو اور ہماری بہنوں کو ادا کرنا ہے، آپ اسلام کا مطالعہ کریں تو اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد اب تک دنیا کی وہ قومیں جو اسلام سے دور ہیں، انہوں نے عورت کو صرف تفریح کا ذریعہ بنا رکھا ہے، نفسانی خواہشات کی تسکین کا ذریعہ بنا رکھا ہے، تشہیر کا ذریعہ بنا رکھا ہے، ایک بازار بنا رکھا ہے، اس کے علاوہ آج کی دنیا نے عورت کو کچھ نہیں دیا ہے، عورت کی غیرت، عورت کی عزت، عورت کا اپنا وجود، عورت کی اپنی

حیثیت، عورت کا اپنا تشخص، یہ سب کا سب آجکی دنیا میں بے معنی الفاظ کا مجموعہ ہے، عورت محض مرد کی خواہشات کی تسکین کے لئے استعمال ہو رہی ہے ہر مغربی معاشرہ میں اور ہر اڈوانس سوسائیٹی میں، نہ ماں کی حیثیت سے آجکی دنیا نے وہ مقام دیا ہے، نہ بہن کی حیثیت سے، نہ بیٹی کی حیثیت سے، نہ اسلام کی ایک باغیرت خاتون کی حیثیت سے، اور نہ ہی ایک ماں اور بیٹی کو اپنی انا اور اپنی اس حیثیت کو جسے نسوانی غیرت کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے بقاء او رتحفظ کا کوئی سامان فراہم کیا ہے۔ بدقسمتی سے اسلام کی اعلیٰ ترین تعلیمات سے ناآشنائی کی بنیاد پر وہ اسلام جو عورت کو فرشِ زمین سے اٹھا کر آسمان کی رحمتیں اور سربلندیاں عطا کرتا ہے۔ وہ اسلام جو تنہا اس پوری کائنات میں عورت کی عزت اور اس کی نسوانیت کا محافظ ہے اس کو وقارِ آدمیت دیتا ہے، مردوں کے برابر نہیں، بلکہ بعض حیثیتوں میں اسکو وقارِ آدمیت دیتا ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ابھی کچھ دنوں پہلے برطانیہ کی مادرملکہ نے اسلام کے بارے میں جو تأثرات پیش کئے تھے اس میں اس نے کہا تھا کہ میرے بچپنے تک برطانیہ میں ایک عورت کو کسی بھی سرمایہ کی ملکیت کا تصور بھی کرنے کا حق نہیں تھا، یعنی عورت اپنی دولت بھی رکھ سکتی ہے، اپنی پراپرٹی بھی رکھ سکتی ہے، اپنی زمین بھی خرید سکتی ہے، اپنے سرمایہ کا خود استعمال کر سکتی ہے۔

کم از کم میرے بچپنے میں یہ بات نہیں تھی، یعنی اِنیسویں صدی کے آغاز تک برطانیہ جیسے مہذب ملک میں عورت کو ملکیت کا کوئی حق حاصل نہیں تھا، مالک صرف مرد ہوتا تھا۔ وہ چاہے جائیداد کی ملکیت ہو، بینک بیلنس کی ملکیت ہو، سرمایہ کی ملکیت ہو، وراثت کی ملکیت ہو، عزتِ نفس کی ملکیت ہو، آبرو کی ملکیت ہو، اپنے وقار کی ملکیت ہو، اپنے انا کی ملکیت ہو، اپنی خودداری کی بات ہو، ان سب پر مرد غالب تھا، مرد ڈامینیٹ (Dominet) کر رہا تھا، پھر اس نے کہا! لیکن مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے عورت کے حق ملکیت کو تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ ایسا مالک بنادیا کہ شوہر اس میں دخل اندازی کر ہی نہیں سکتا، میں اس کی شرعی وجہ بتاؤں! ایک عورت کے پاس اگر دولت ہے تو وہ اپنی دولت کو اپنے

بچوں پر خرچ کرے تو یہ اس کی طرف سے بچوں پر اور شوہر پر صدقہ ہوگا، اسے ثواب ملے گا، شوہر اپنی بیوی کو مجبور نہیں کر سکتا ہے کہ بیوی اپنی دولت کو اپنے بچوں پر یا اپنے شوہر کے اُوپر خرچ کرے۔ شوہر کی دولت میں بیوی شریک ہے، شوہر کی دولت میں بچے شریک ہیں، اسی لئے بیوی کو نان ونفقہ وسکنی فراہم کرنا شوہر کی ذمہ داری ہے۔ بچوں کی پرورش اور تربیت باپ کی ذمہ داری ہے۔ لیکن یہ ماں کی ذمہ داری نہیں۔ ماں اپنی دولت کی خود مالک ہے۔ وہ چاہے تو خرچ کرے اور چاہے تو خرچ نہ کرے، ماں پراپرٹی رکھ سکتی ہے اسلام میں، اسے ٹرانزکشن کے اختیارات ہیں۔ سرمایہ کے نمو کے لئے ورک کر سکتی ہیں۔ بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہماری عظیم ترین ماں جن پر دنیا بھر کی ماؤں کی غیرتیں قربان ہوں۔ جنابِ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان کے مال سے تجارت کرکے، مضاربت کرکے اسلام کے اعلان سے پہلے ہی عورت کی عظمت اور اس کی تجارت کی حیثیت کو تسلیم فرمایا ہے۔ اسلام کے علاوہ دنیا کے کسی بھی مذہب میں اگر ایسی کوئی حیثیت ہو تو دکھادو۔ بعض مذاہب میں عورتیں پالی جاتی ہیں اور پھر انہیں غیروں کے حوالے صدقہ کے طور پر کر دیا جاتا ہے۔ بعض مذاہب میں صرف مرد مالک ہوتا ہے اور بعض مذاہب میں مردوں میں بھی صرف بڑا لڑکا ہی مالک ہوتا ہے۔ دوسرے مردوں کو بھی حق حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن یہ اسلام ہے جو نہ صرف یہ کہ عورت کو برابر کا حق دیتا ہے بلکہ مرد کی ذمہ داریاں عورت کے حوالے سے بڑھا دیتا ہے۔

عورت بیسویں صدی میں میری عزیز بہنیں اور بیٹیاں اس کو محسوس کریں، آپ اندازہ فرمائیں کہ اسلام سے پہلے اسطرح کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اسلام سے پہلے عورتیں بیچی جاتی تھیں، خریدی جاتی تھیں، اور اسلام سے پہلے کی بات کر رہی ہیں آپ؟ آج کے بارے میں کیوں نہیں سوچتیں؟ ''جاھلیة القرن العشرین،، 20ویں صدی کی جاہلیت کے بارے میں کیوں نہیں سوچتیں؟ کیا آپ کے ملک میں کوئی ایسا علاقہ نہیں ہے؟ جہاں صرف حمل اس لئے گرادئے جاتے ہیں کہ انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ بچی پیدا ہونے والی ہے، کیا آج بھی لاکھوں قتل نہیں ہو رہے ہیں؟ کیا آج بھی عورت پر ظلم نہیں ہو رہا ہے؟ جاہلی معاشرہ

پیدا ہونے کے بعد قتل کرتا تھا، آج کا اڈوانس معاشرہ پیدا ہونے سے پہلے ہی لڑکی کو قتل کر دیتا ہے۔ کیا کبھی عورت کا ضمیر جاگے گا؟ کیا کبھی عورت احتجاج کر سکے گی؟ " Why only the Girls Why not boys" وہ لوگ جو انسانی حقوق کی بات کرتے ہیں، وہ لوگ جو مساوات کی بات کرتے ہیں، وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے مرد اور عورت کو برابر رکھا۔ اسلام عورت کے حق کو دباتا ہے، جو اسلام کی غلط تصویر پیش کرتے ہیں، وہ آئیں میدان میں اور اس سوال کا جواب دیں کہ آج دنیا کے معاشرہ میں صرف لڑکیوں کا حمل کیوں گرایا جاتا ہے؟ بچوں کو پیدا ہونے سے پہلے کیوں نہیں قتل کیا جاتا ہے؟ کیا اسلیئے نہیں کہ انہوں نے لڑکوں کو بہتر سمجھا ہے لڑکیوں سے؟ وجہ کوئی بھی ہو۔ معاشی وجہ ہو، تمدنی وجہ ہو، ثقافتی وجہ ہو، چاہے معاشرہ کی انتہائی ناپسندیدہ جکڑ بندیا ہوں۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں، ہندوستان مسلمانوں کا ملک ہے، ہمارے خواجہ کا ملک ہے، داتا کا ملک ہے، نقشبندیوں اور سہروردیوں کا ملک ہے، چشتیوں اور قادریوں کا ملک ہے، وہ ملک ہے کہ جس کی ہوا کو خود رسولِ گرامی وقار نے پسند فرمایا ہے ہمیں اس ملک کی زمین سے محبت ہے، مٹی سے محبت ہے، ہواؤں سے محبت ہے، فضاؤں سے محبت ہے، اور سب سے زیادہ چودہ سو سال کے اس اسلامی ورثہ سے محبت ہے جو اس زمین کے اندر موجود ہے، اس لئے یہاں کا درد ہمارا درد ہے، چاہے وہ درد کسی معاشرہ سے اٹھ رہا ہو، وہ غم کسی ماحول سے اٹھ رہا ہو، کیا آج بھی بچیوں کا سودا نہیں کیا جارہا ہے، یہ بچیوں کی خرید وفروخت کرنیوالے لوگ اسلام پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ پہلے یہ اپنی بیٹیوں کو وہ حق دیں جو رسول اللہ نے دیا ہے۔ پہلے اپنے ملک کی بچیوں کو وہ حق دیں جو سرورِ کائنات نے دیا ہے۔ پھر اس کے بعد اسلام سے مطالبہ کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے بارے میں سوچنے کی کوشش کریں۔ اللہ کے رسول تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے، یہ بچیاں جنت کی خوشبوئیں ہیں۔ جب بچیوں کو آغوش میں پروان چڑھنے کے بعد رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کو جنت کی خوشبو دے رہے ہوں۔ بتاؤ! ان بچیوں کے ساتھ بدسلوکی کا کوئی مسلمان تصور

کر سکتا ہے؟ کیا مسلمان کے ذہن میں یہ بات بھی آسکتی ہے؟ اللہ کے رسول تاجدارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس ماں نے اپنے تین بچیوں کو پالا اور ان کی شادیاں کردی تو وہ جنتی ہوگئی، جنت حاصل کرنے کے لئے نہ معلوم کتنی تکلیفوں سے گذرنا پڑتا ہے'' حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ،، (حدیث) جنت کو تکلیفوں سے گھیر دیا گیا ہے۔

ان ہی وادیوں سے چل کر اگر آسکو تو آؤ
میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

پتھروں سے گذر کر جنت جانا پڑتا ہے، کانٹوں کی وادیوں سے گذر کر جانا پڑتا ہے، مصائب اور مشکلات سے گذر کر جانا پڑتا ہے، تلواروں کے نیچے سر دے کر جنت میں جانا پڑتا ہے، شہادت کا مقام حاصل کر کے جانا پڑتا ہے، شب بیداریوں کے ساتھ جنت میں جانا پڑتا ہے۔ آنسوؤں کا سیلِ رواں بہا کر جنت میں جاتا ہے انسان اعترافِ گناہ کی وادیوں سے گذر کر جنت میں جاتا ہے مگر کتنا آسان کر دیا ہے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ اے دنیا کی ماؤں! اگر تم اللہ کی جنت حاصل کرنا چاہتی ہو تو اپنی بچیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔ ان کی بہترین تربیت کرو، ان کی بہترین پرورش کرو۔

ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقام ومرتبہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو دنیا کی تمام ماؤں کی محسنہِ اعظم اور دنیا کی تمام عورتوں کے لئے بہترین رہبر اور رہنما ہیں۔ مشیت نے نبوت کے کم وبیش آدھی صدی تک انہیں صرف اسی لئے زندہ رکھا کہ وہ اپنی ذات میں ایک یونیورسٹی تھیں، اسلام کی ایک جامعہ تھیں، اور دنیا بھر کی عورتوں کیلئے قانون بھی اور مزاج بھی فراہم کرتی تھیں، یہ مصلحت تھی مشیت کی، بڑے بڑے صحابہ جنہیں مجتھدین فی الفقہ ہونے کا مقام حاصل تھا، شریعت میں اجتہاد کا منصب حاصل تھا۔ عصرِ رسول کے مجتھد تھے وہ صحابہ، بارگاہِ رسول سے سندِ اجتہاد جنہوں نے حاصل کی تھی وہ بھی ان کی بارگاہ میں مقلدانہ حاضر ہوتے تھے، وہ بھی سوال کرنے کے لئے حاضر ہوتے تھے، زندگی کا جب بھی کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو اس میں نبی کا مزاج کیا تھا؟ نبوت کی رائے کیا

تھی؟ اگر حضور اسوقت ہوتے تو کیا فیصلہ فرماتے؟ یہ پوچھنے کے لئے حضرت عائشہ کے پاس لوگ جایا کرتے تھے۔

کیا اسلام عورتوں کی تعلیم کا مخالف ہے؟ کون ہے؟ جو کہتا ہے اسلام تعلیم کا مخالف ہے۔ کون ہے؟ جو کہتا ہے اسلام عورتوں کو تعلیم سے روکتا ہے۔ تعلیم کے نہج کا تعین اور ہے، تعلیم کے آداب کا تعین اور ہے۔ مگر اسلام تو پہلا مذہب ہے، جس نے عورت کو قیادت دی ہے، امامت دی ہے، تدریس کا منصب دیا ہے، فقہ وافتاء کا مقام دیا ہے، اجتہاد کا مرتبہ دیا ہے، یہ صرف اسلام ہے اگر کوئی غلط اسلام کسی ملک میں پیش کریں تو وہ ہمارا اسلام نہیں ہے، ہم اسلام کی مذمت کرتے ہیں، جس میں عورتوں کو ذلیل سمجھا جاتا ہے، عورتوں کو پسماندہ سمجھا جاتا ہے، عورتوں کی فطری اور اسلامی صلاحیتوں کو سلب کیا جاتا ہے۔ ہمارا اسلام عورتوں کی تمام فطری اور اسلامی صلاحتیوں کو اجاگر کرنیکا حکم دیتا ہے، اللہ کے رسول تاجدارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کیا ہماری مائیں اس دور کی امت کی قائدات، کیا طالبانہ حیثیت سے حاضر نہیں ہوتی تھیں؟ اس زمانہ میں تعلیم وتربیت کا تو یہی طریقہ تھا نا، کہ پیغمبر سے سوال کیا جاتا اور پیغمبر وحی الٰہی کی زبان میں جواب دے رہے ہوں۔ ” وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (پ ۲۷، ع ۵، سورہ نجم ۳۔ ۴)

وہ مائیں کتنی عظیم تھیں، اس دور کی بیٹیاں کتنی عظیم تھیں، جو سوال نبی سے کرتی تھیں اور جواب معلم کائنات کی طرف سے آتا تھا۔ سوالِ تلمیذ الرحمٰن سے کرتی تھیں اور جواب رحمٰن کی طرف سے آتا تھا۔ کیا ان سے بڑھ کر کوئی طالبہ ہوسکتی ہے؟ کیا ان سے بڑھکر کوئی علم حاصل کرنے والا ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ خواتین کے اس رول کو حدیث پاک نے اور تاریخ نے ہر دور کے لئے محفوظ کررکھا ہے، معاشرے کی تشکیل، معاشرے کی تربیت، معاشرے کا ارتقاء، معاشرہ کی حیاء، معاشرہ کی غیرت، معاشرے کی خودداری، معاشرہ کا جذبہ، معاشرہ میں فدا کاری کی صلاحیت، معاشرہ کا ایثار اور معاشرہ میں علم اورفن کی اقدار کا نمو، یہ سب عورتوں کی مرہونِ منت ہے۔

مکالماتِ فلاطون نہ لکھ سکیں لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

(کلیاتِ اقبال، ضرب کلیم ص ۹۴)

عورت فلاطون بننے کے لئے نہیں ہے۔ فلاطون کو جنم دینے کے لئے ہے۔ خالد وطارق نہ بن سکیں تو خالد وطارق کی تربیت کرنے کے لئے ہے۔ ماں بڑی عظیم ہوتی ہے، کیا حال ہے تمہارا؟ مدرس کو زیادہ اہمیت دوگی یا طالب علم کو، کوئی خالد ہو یا طارق ہو، خواجہ ہو یا غوث ہو، ماں کی آغوش مدرس رہی ہے، انہیں کی آغوش میں کوئی خواجہ بنکے ابھرا ہے، کوئی داتا بنکے ابھرا ہے، کوئی غوث بن کے ابھرا ہے، کوئی طارق بنکے ابھرا ہے، کوئی خالد بنکے ابھرا ہے، کوئی عبداللہ ابن زبیر بنکے ابھرا ہے، قسم خدا کی عبداللہ ابن زبیر کبھی عبداللہ ابن زبیر نہ ہوتے اگر ان کی ماں عظیم تر نہ ہوتی۔ تو ماؤں کا رول بڑا اہم ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! اور صرف ماؤں ہی کا رول نہیں، بہن کا رول بھی بہت اہم ہے، آپ اندازہ فرمائیں جب اسلام کے حوالے سے بھائی کو مصیبت آتی ہے، ایک بھائی کو ظلم کی طاقتیں گھیر لیتی ہیں، ایک بھائی پر پانی بند کردیا جاتا ہے، ایک بھائی کے خون کے پیاسے ہوتے ہیں ظالمانِ وقت، تو ایک بہن اپنا، بہن کا حق ادا کرنے کے لئے اور دنیا کی بہنوں کے لئے ایک سبق بنانے کے لئے اپنے بچوں کی قربانیاں پہلے پیش کرتی ہیں، جسے دنیا زینبِ کبریٰ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ پتہ چلا کہ آجکی بہن کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ اگر کسی کا بھائی اسلام کے حوالے سے ظلم کی طاقتوں کا مقابلہ کررہا ہو تو وہ اپنی اولاد کو اللہ کے راستہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہوجائے بھائی کے لئے اسے دوہرے اجر سے نوازا جائیگا، قربانی کا اجر بھی، اور بھائی کا حق ادا کرنے کا اجر بھی، بھائی اپنی بہن کی غیرت کا محافظ ہوتا ہے، بھائی اپنی بہن کی آبرو کا محافظ ہوتا ہے، بھائی اپنی بہن کی روایات کا محافظ ہوتا ہے، بھائی اس لئے ہوتا ہے کہ شوہر اگر ابھی نہیں ہے تو پھر وہ اپنی بہن کی غیرت اور آبرو کو تحفظ دے سکے۔ نہ معلوم کتنے بھائی ہیں جنہوں نے ہر دور میں اپنی بہن کی آبرو کے لئے قربانیاں دی ہیں۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! اور آجکا ماڈرن (Modern) بھائی اپنی بہن کو ناچتا ہوا دیکھتا ہے اور تالیاں بجاتا ہے، اپنی بہن کو برہنہ دیکھتا ہے اور خوش ہوتا ہے، اپنی بہن اور بیٹی کو سجا کر اور بنا کر کے غیروں کے سامنے پیش کرتا ہے، اور اس ملعون کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ کیا کررہا ہے، اسلام اس کا مخالف ہے۔ اسلام بھائی کو بھائی کا رول ادا کرنیکا حق دیتا ہے۔ اسلام بہن کو بہن بنکر کے رہنے کا حق ادا کرتا ہے۔ اسلام ان بے غیرت بھائیوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرسکتا جو اپنی بہنوں کو محفلوں میں نچوار ہے ہوں۔ اسلام ان بے غیرت باپوں کا ساتھ نہیں دے سکتا جو اپنی بیٹیوں کو طشت میں سجا کر دوسروں کے دسترخوان پر رکھ رہے ہوں۔ اسلام اگر کہیں پابندی لگاتا ہے تو صرف اس لئے لگاتا ہے۔ اسلیئے نہیں کہ وہ عورت کو کمتر سمجھتا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک مستشرق نے پوچھا تھا۔ آئے دن اس طرح کے سوالات سب سے بڑا ایشو (Issue) ہے۔ مسلمانوں کے خلاف جہاں بھی کوئی بات ایسی ملے کہ جس کا تعلق آجکے زمانے سے نہ ہو تو فوراً ہی اسے اسلام کو بدنام کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مجھ سے کرسچین کے گروپ نے پوچھا تھا، آئے دن وہ آتے رہتے ہیں ان کے اسکالرس آتے رہتے ہیں ان کے Students آتے رہتے ہیں، اور اللہ کا شکر ہے کہ وہ مطمئن ہو کے جاتے ہیں، انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم اپنی عورتوں کو مسجد میں پیچھے کیوں رکھتے ہو؟ کیا تم اسے Second درجہ کا شہری سمجھتے ہو؟ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ عورتیں جو ہیں وہ تمہارے برابر کھڑے ہونے کے قابل نہیں ہیں؟ میں نے ان سے کہا نہیں۔ یہ ذہن وہ ہے جو غیروں نے تم کو دیا ہے، ہم اپنی عورتوں کو پیچھے اس لئے نہیں رکھتے کہ وہ Second درجہ کے شہری یا دوسرے درجہ کی قوم ہیں بلکہ اس لئے رکھتے ہیں کہ ہم سینہ تان کر آگے کھڑے ہو کر کے اُنکی آبرو اور غیرت کی حفاظت کرسکیں۔ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ انسان کے شہوانی جذبات کبھی کبھی شیطان کے ذریعہ سے انسانکی روحانیت کے قاتل ہوتے ہیں۔ اسلام نے اسکو پیچھے کھڑے ہونے کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ جب مرد خدائے قدیر و جبار کی بارگاہ میں کھڑا ہو یا عورت کھڑی ہو تو خدا کے علاوہ اس کے ذہن میں کوئی اور بھی تصور پھٹک بھی نہ سکے۔ اور قریب میں

نہ آسکے۔ اس لئے اسلام نے یہ اہتمام کیا۔ اور اسلام نے نہیں، یہودیوں کے یہاں بھی یہی سسٹم ہے، خود عیسائیوں کے قدیم تاریخ کو دیکھو، ان کے یہاں بھی یہی سسٹم (System) تھا۔ آج تو تمہارا مذہب عقلِ جدید کے مقابلہ میں مردہ ہوچکا ہے۔ تم عقل جدید کا جواب نہیں دے پا رہے ہو۔ اس لئے تم وہ کام کرتے جا رہے ہو جو ماڈرن زمانہ مطالبہ کررہا ہے۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! انہوں کہا کہ جنت میں تو حوروں کا تذکرہ ہے۔ مردوں کو تو حوریں ہی ملیں گی۔ عورتوں کو کیا میسر آئے گا؟ میں نے کہا کسی عورت ہی سے پوچھو اس کی غیرت اگر کچھ کہنے کی اجازت دے دے تو اسے دلوانے کی کوشش کرو۔ یہ تو اسلام نے عورت کی غیرت کا تحفظ کیا ہے۔ عورت کیسا مطالبہ کرسکتی ہے کسی کا۔ یہ تو اس کی فطری حیاء ہے۔ جس کی رعایت قرآن نے بھی کی ہے اور قرآن جسکے قلب پہ یہ نازل ہوا اس نے کی ہے ورنہ قرآن پاک نے تو فیصلہ فرمایا ہے۔ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ۝ (پ۲۶، ع۱۸، سورہ حم السجدہ، آیت ۳۱)

قرآن پاک نے تو اعلان عام فرمادیا ہے جو جو خواہشات تمہاری جائز خواہشات تمہیں قرآن میں نظر نہ آئے تو اس آیت کریمہ میں ڈھونڈ لو۔ یہ دنیا کے تمام انسانوں کے لئے قانون اور ضابطہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سنو! اسلام میں رشتوں کا تعلق صرف دنیا تک نہیں ہے۔ اگر مرد بھی نیک ہے اور عورت بھی نیک ہے تو وہ جنت میں بھی میاں بیوی کی حیثیت سے رہیں گے۔ وہاں کسی اور کی تمنا کی خواہش ہی پیدا نہ ہوگی۔ اور اگر خدانخواستہ مرد برا ثابت ہوا تو عورتوں کو حوروں سے زیادہ اونچا مقام دیا جائے گا۔ ان کی حیثیت ان سے زیادہ بلند ہوگی۔ حوریں تو خادمائیں ہونگی ہماری ان بیٹیوں کی۔ ان کا مقام تو بہت زیادہ بلند ہوگا۔ اور پھر یہ باتیں جو پیدا ہوتی ہیں یہ دراصل اس لئے پیدا ہوتی ہیں کہ انسان دنیا کی زندگی کے مقابلہ میں اسی طرح سے جنت کی زندگی سمجھتا ہے۔ وہاں ایسا نہیں ہوگا۔ وہاں تو دراصل انسان کی فطرت اور بھی پاکیزہ ہوجائیگی۔ اور خواہشات بھی اسی پاکیزہ فطرت کے نتیجہ میں پیدا ہونگی۔ یہی وجہ ہے اگر کوئی سوال کرے، اگر ایک کافر کا جہنمی باپ جنت میں نہ جائے تو کیا

بیٹا تڑپے گا۔ یقیناً کافر مسلمان جس کا بیٹا جنتی ہو اس بیٹے کے دل میں کبھی اپنے کافر باپ کو جنت میں لانے کی تمنا ہی پیدا نہ ہوگی، نہ کوئی تڑپ اور اضطراب ہوگا۔ آپ جانتے ہو یہ قرآن پاک میں بار بار حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گناہوں کو مٹانے کی بات کیوں آتی ؟ گناہ مٹادئے جائیں گے، اسلئے کہ گناہوں کے ساتھ کوئی جنت میں نہیں جائیگا۔ جنت اتنا پاکیزہ مقام ہے، اتنا اعلیٰ مقام ہے، اتنا ارفع مقام ہے، کوئی گناہوں کے ساتھ جائیگا نہیں۔ اس لئے پہلے گناہوں کو مٹا دیا جائے گا اور پھر جنت میں داخل کیا جائیگا۔ تو یہ ضروری قرار دیا گیا۔ بات دوسری طرف چل نکلی ...... میں بتا رہا تھا کہ اسلام سے پہلے اگر عورتوں کے حقوق دنیا کے قوانین کی کتابوں میں کہیں موجود ہو تو دکھاؤ۔ اور اگر نہیں تو تمہیں اس بات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے عورت کو انسان سمجھا، انسانوں کے برابر سمجھا اور انسانوں کے حقوق کے لئے دنیا کے سامنے مطالبہ کیا۔ دنیا کو شعور دیا، یونان کا فلسفی رویہ بحث کر رہا تھا کہ عورت کے اندر روح بھی موجود ہے یا نہیں؟ احساس بھی موجود ہے یا نہیں؟ یہ فلسفی کیوں بحث کر رہا تھا؟ عورت اتنی کچلی ہوئی تھی کہ کبھی وہ اپنے ضمیر اور جذبات کی بات کر ہی نہیں سکتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ انہیں بے روح اور بے جان سمجھا جاتا تھا۔

میرے عزیز ساتھیو! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آج کے دور میں بھی ایک جاہلیت واپس آرہی ہے۔ بلکہ آج کے دور کی جاہلیت تمدن کا لبادہ اوڑھکر آرہی ہے۔

دنیا کی لاکھوں امریکین عورتیں مسلمان ہوگئیں، ہزاروں نہیں لاکھوں! اسلیئے کہ وہ کہتی ہیں کہ ہمیں ایک مسلمان شوہر جتنا تحفظ دیتا ہے، ہمیں اپنے امریکین شوہروں سے یہ امید نہیں ہے۔ وہ آج نکاح کرتا ہے اور کل طلاق دے دیتا ہے۔ وہ ہمارے روٹی نفقہ کا ذمہ دار بھی نہیں ہوتا۔ وہ ہمارے بچوں کی طرف پلٹ کر دیکھتا بھی نہیں ہے، بچے پیدا کرتی ہیں اور بچوں کا بوجھ اٹھائے خود کام کرتی ہیں، خود انہیں پالتی ہیں اور جب یہ بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو ماؤں کو لات مار کے ہمیشہ کے لئے چلے جاتے ہیں۔ اسلام کا قانون یہ ہے کہ بیوی بحیثیت بیوی مکمل حفاظت میں رہتی ہے۔ بحیثیتِ ماں بیٹا اس کے قدموں میں رہتا ہے۔ بحیثیت بہن وہ ایک

انتہائی باوقار زندگی رکھتی ہے اس لئے ہم اسلام قبول کرتی ہیں۔ ہمارا مستقبل صرف اسلام کے اندر محفوظ ہے۔ یہ جو تم دیکھ رہے ہو دنیا بھر میں اسلام کے خلاف پروپگنڈہ ہو رہا ہے۔ کیوں ہو رہا ہے؟ اگر اسلام ایک ایسی ہی قوت ہے کہ جس کا کوئی اثر دنیا پر پڑنے والا نہیں ہے تو مرے ہوئے کو مارنے کے لئے کوئی اٹھتا نہیں ہے۔ کون ہے جو مرے ہوئے کو مارنا چاہے؟ یہ کوئی زندہ طاقت ہے، جسے دنیا فناء کرنا چاہتی ہے، جسے دنیا مارنا چاہتی ہے اور ہم اسی زندہ طاقت کو اپنے عمل اور کردار کے ذریعہ سے دنیا کے اندر پیش کرنا چاہتے ہیں۔

یاد رکھو! ہمیں آج کے دور میں اپنے بزرگوں کا طرز عمل اپنانا ہوگا۔ اسلام کسی طرح کے بھی ٹائریزم کا قائل نہیں ہے۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ امریکہ میں جب حملہ ہوا تھا۔ BBC میں بھی شاید آپ لوگوں نے میرا انٹرویو سنا ہوگا۔ حملہ کی شام ہی کو مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ کیا یہ کوئی اسلامی عمل ہے؟ میں نے کہا! نہیں۔ دراصل ٹائریریزم تو کسی دباؤ کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ کوئی دباؤ تھا، کوئی ظلم تھا جس کے نتیجہ میں ایسا ہوا ہے، لیکن خبردار! یاد رکھو اسلام اس کی حمایت نہیں کرتا، اسلام تو یہ کہتا ہے۔ "مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ط وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ط .... الخ" (پ ۶، ع ۹، سورہ المآئدہ، آیت ۳۲) جس نے ایک جان کو قتل کیا، اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا، اور جس نے ایک جان بچائی اس نے پوری انسانیت کو بچایا، اس لئے اسلام ٹائریزم کا ہمیشہ مخالف رہا ہے۔ اسلام اس کی اجازت بالکل نہیں دیتا، اور آپکو یاد ہوگا کہ پھر میرا سب سے پہلا جملہ یہ تھا کہ جسکو میڈیا نے پوری دنیا میں پیش کیا ہے اسلیئے کہ یہ قرآن ہے۔ میں نے کہا کہ تم نے دیکھا ہوگا، تمہیں معلوم ہوگا کہ جب گیس پہاڑوں کے نیچے جمع ہوتی ہے بڑی نازک سی گیس۔ جو چپکے سے نکل جاتی ہے موقع دو تو خاموشی سے گذر جاتی ہے ہوا کی طرح۔ اگر تم موقع دو تو، کوئی نقصان نہیں پہنچاتی ہے گیس، ایک ہوا ہی تو ہوتی ہے، لیکن جب وہی پہاڑوں کے نیچے جمع ہوتی رہتی ہے، اور جمع ہوتے ہوتے سنگلاخ زمین اور پہاڑ جب اُسے نکلنے کا موقع نہیں دیتے تو پھٹتی ہے، اور پہاڑوں کو

لاوہ بنا کر بہادیتی ہے، آتش فشاں بن جاتی ہے۔ میں نے کہا! یہ ٹائر یریزم دراصل اسی دباؤ کا نتیجہ ہے، جو کسی قوم یا قوم کے افراد پر دنیا مسلط کررہی ہے۔ ورنہ اسلام تو اس کا مخالف، اسلام بالکل اجازت نہیں دیتا، اسلام تو حالتِ جنگ میں بھی اجازت نہیں دیتا ہے کہ تم کسی بچے کو مارو، تم کسی عورت کو مارو، کسی درخت کو کاٹو، کسی جانور کو نقصان پہچاؤ۔ اسلام تو امن وشانتی کا مذہب ہے، اسلام تو صلاحیت کا مذہب ہے، اس کے باوجود اسلام کے خلاف پروپگنڈہ اس لئے ہورہا ہے کہ اسلام کی جو تبلیغی قوت ہے وہ آگے نہ بڑھنے دی جائے۔ اسلام کا جو حقیقی حسن ہے وہ بے نقاب نہ ہونے پائے۔ اگر اسلام میں عورت اتنی ہی مجبور ہے تو امریکہ کی لاکھوں عورتیں مسلمان کیوں ہوگئی ہیں؟ برطانیہ کی ہزاروں عورتیں مسلمان کیوں ہوگئی ہیں؟ افریقہ کی ہزاروں عورتیں مسلمان کیوں ہوگئی ہیں؟ عورتوں میں اسلام کیوں بڑھتا جارہا ہے؟ اسلیئے کہ اسلام میں مرد کماتا ہے اور عورت گھر کی ملکہ ہوتی ہے۔ اور مغربی معاشرہ میں عورت بچہ بھی پیدا کرتی ہے اور کماتی بھی ہے اور شوہر کی ناز برداری بھی کرتی ہے۔ اور شوہر جب چاہتا ہے بغیر اللہ ورسول کے خوف کے دولات مارتا ہے اور باہر نکال دیتا ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ جہاں تک مساوات کی بات ہے قرآنِ پاک نے فیصلہ کردیا ہے۔ ہر نکاح خواں اس آیت شریفہ کو پڑھتا ہے۔

یٰـاَیُّهَـا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَـا وَبَـثَّ مِـنْهُـمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًاo (پ۴، ع۱۲، سورہ نساء، آیت ۱)۔

میری مجبوری یہ ہے کہ میں مولانا شاکر صاحب سے اچھا قرآن پڑھ نہیں پاتا۔ خدائے پاک مجھے بھی توفیق عطا فرمائے۔ قرآن عظیم فرماتا ہے کہ اے لوگو! اس اللہ سے ڈرو یہاں صرف مؤمن کو مخاطب نہیں کیا گیا ہے، کیوں نہیں کیا اس لئے کہ جہاں ایمان اور عقیدہ کی صرف بات ہوگی وہاں مؤمن کو مخاطب کیا جاتا ہے، لیکن جہاں عام انسانی معاشرہ اور فلاح کی بات ہوگی وہاں تمام عالم انسانی کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ یہاں عورت اور مرد کے تعین کے

سلسلہ میں "یٰـاَیُّهَـا النَّاسُ" کہا گیا ہے، اور جب تقوی کی بات ہوگی تو "اٰمنوا" آرہا ہے بعد میں۔ یہ قرآن پاک میں آپ ہر جگہ پائیں گے کہ جہاں عام فلاح انسانیت کی بات ہو یا اسلام کی طرف دعوت دینے کی بات ہو۔ وہاں تمام انسانوں کو مخاطب کیا جاتا ہے، اور جہاں ایمان اور تقوی کی بات ہو وہاں مؤمن کو مخاطب کیا جاتا ہے، تو یہاں بھی یٰاَیُّهَا النَّاسُ کہا گیا ہے "یٰـاَیُّهَـا النَّـاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ"، اے لوگو! تم اپنے اس اللہ سے ڈرو۔ ظاہر ہے کہ اللہ کو سب مانتے ہیں کسی نہ کسی شکل میں، رب اسے مانتے ہیں، پروردگار سب مانتے ہیں، اس لئے اے دنیا کے بسنے والے انسانو! خواہ تم کہیں بھی ہو کوئی بھی ہو اپنے اس اللہ سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا ہے، کیوں یہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک جان سے پیدا کرنے اور اللہ سے ڈرنے کے حکم میں رابطہ کیا ہے؟ رشتہ کیا ہے؟ تعلق کیا ہے؟ یاد رکھو! میرا یہ دعویٰ ہے کہ تم قرآن پاک کی دو ایسی آیتیں لے آؤ جو بظاہر ایک دوسرے سے متضاد نظر آتی ہوں، یا مختلف المعانی یا متباین المعانی نظر آتی ہوں تو میں ان میں ربط دکھادوں گا۔ یہ قرآن پاک کا بہت بڑا اعجاز ہے، جسے نظم معنی اور نظم عبارت دونوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس میں بھی ربط ہے۔ اللہ سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا ہے۔ یعنی اے مردو! تم بھی اللہ سے ڈرو۔ اے عورتوں! تم بھی اللہ سے ڈرو۔ اللہ نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے۔

خبردار! اپنے رشتہ اور اپنے تعلق اور اپنے حقوق کے سلسلہ میں اللہ کے قانون کو توڑنے کی کوشش مت کرنا، تم اگر بیویوں کے ساتھ سلوک کرو تو اللہ سے ڈرو۔ بیویاں اپنے شوہروں کے ساتھ رہیں تو اللہ سے ڈر کے رہیں، صرف شوہر کو ذمہ دار محسوس نہ کریں بلکہ اللہ کی بارگاہ میں حساب دینے کا اور جوابدہ ہونے کا بھی احساس رکھیں۔ بتایئے کہ جس معاشرے میں اللہ کی حکمرانی اور اقتدار اعلی کو معاشرے کے افراد کے لئے باضابطہ ان کو جوابدہ بنادیا گیا اللہ کے سامنے، وہ معاشرہ کبھی بگڑ نہیں سکتا اگر گھر والے کے سامنے جوابدہ ہوتے، باپ کے سامنے ہوتے، سوسائیٹی کے سامنے ہوتے، نکاح خواں کے سامنے ہوتے یا برادری کے سامنے

جوابدہ ہوتے تو ممکن ہے انسان بغاوت کرتا۔ لیکن یہاں رب العالمین کے سامنے جوابدہ ہونے کا احساس دلا کے کہا جارہا ہے کہ اللہ نے تمکو ایک جان سے پیدا کیا ہے تم اس کے سامنے جوابدہ ہو، اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر ظلم کرے گا یا بیوی مرد کے مقابلہ میں نشوز اختیار کرے گی، انحراف کرے گی تو دونوں یادرکھیں کہ دونوں کو خدا کی بارگاہ میں جواب دینا ہے" اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا،، اس سے اس کا زوج پیدا کیا، جوڑا پیدا کیا۔ ایک ہی جان سے پیدا کیا، تاکہ طبقاتیت کا کوئی سوال پیدا نہ ہو، انفرادیت کا کوئی سوال نہ پیدا ہو، پست و بلند کا کوئی سوال نہ پیدا ہو، Second درجہ کے شہری ہونے کا کوئی سوال نہ پیدا ہو۔ عورت کو پیر کی جوتی نہ سمجھا جائے، وہ تمہاری طرح سے ایک جان سے پیدا کی گئی ہے، اپنی تخلیق میں وہ بالکل تمہارے برابر ہے، کوئی فرق نہیں اس کے اور تمہارے درمیان میں، یہ قرآن کہہ رہا ہے۔ یہ اللہ کا کلام کہہ رہا ہے، وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ج اور پھر انہیں دو جانوں سے جس کو ایک جان سے پیدا کیا ہے اس نے تمام مردوں کو تمام عورتوں کو پھیلا دیا اس کائنات میں، ایسا نہیں کہ تخلیق کے بعد کوئی دوسرا راہِ تخلیق ہو، عمل تخلیق ہو، جس میں کوئی کوئی Differnce رہا ہو۔ جس میں کوئی بات رہی ہو۔ نہیں نہیں وہ جو ایک جان سے دو جان پیدا کی گئی تھیں، پھر اسی جان سے پوری کائنات کو پھیلا دیا گیا۔ اور سنو! رشتوں کے تعلق کے حوالے سے اسی ذات کو تم یاد کرتے ہو۔ اس لئے ہمیشہ اس سے ڈرتے رہو، جس کے نام سے تم رشتے قائم کرتے ہو، جس نے رشتوں کا احترام کرنا سکھایا ہے، جس نے رحم مادر کے حوالے سے رشتوں کی بنیادیں اتنی مظبوط کردی ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں توڑ نہیں سکتی ہے، ارحام کا تعلق کسی بات سے نہیں ہے، یادرکھیئے! ارحام کا تعلق رحم مادر سے ہے، قرآن جو ہے رشتوں کی اور معاشرہ کی بنیاد اور انسانیت کی بنیاد ارحام مادر کو قرار دیتا ہے، یہ وہ برابری ہے جو عورت کو حاصل ہے، مرد کو حاصل نہیں ہے۔

"والارحام،، اور پھر جہاں جہاں رعایتِ ارحام کی بات کی گئی ہے وہ سب ماں ہی کے حوالے سے دیکھی جاتی ہے، ماں ہی کے رشتے سے دیکھی جاتی ہے، قرآن پاک میں

کتنے مقام پر فرمایا گیا کہ جو لوگ صلہ رحمی کرتے ہیں وہ بہترین مؤمن ہیں۔

خبر دار! صلہ رحمی کے سلسلہ میں کوئی بھی تم سے کوتاہی نہ ہونے پائے، خبر دار رحم کو قطع مت کرنا، اس لئے کہ رحم کا قطع کرنے والا مسلمان نہیں رہ جاتا ہے۔ یہ قطع رحم کیا ہے؟ وہ رشتہ ہے جو ماں نے دیا ہے، جو عورت کے ذریعہ سے دنیا کو میسر آیا ہے وہ رشتہ ہے جس کی شناخت ماں کے تعلق کی بنیاد پر ہوتی ہے، قرآن نے تو اسے اتنا اونچا مقام دیا ہے کہ اسے دین کی اساس بنادیا ہے۔ اس کے لئے باضابطہ احکامات موجود ہیں۔ اس لئے قرآن میں عورت کو پڑھو، بلکہ ہماری مائیں اور بہنیں اور بیٹیاں بھی اپنا چہرہ قرآن میں دیکھیں۔ قرآن کا مطالعہ کریں۔ تھوڑی سی پابندیاں جوان کی غیرت اور آبرو کے تحفظ کے لئے لگائی گئی ہیں۔ اسکو دیکھ کر کے اسلام سے بدظن ہونا، اور قرآن سے بدظن ہونا، یہ بہت بڑی خطا ہوگی۔ اور موت ہوگی امومت کی، نسوانیت کی، غیرتِ نسوانیت کی۔

میری بہنیں، میرے بھائی، ان تعلقات کے سلسلہ میں قرآن پاک فرماتا ہے،" وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ص وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ط..... الخ،، (پ ۲، ع ۱۲، سورہ البقرۃ، آیت ۲۲۸) مردوں کے اوپر عورتوں کے ویسے ہی حقوق ہیں جیسے عورتوں کے مردوں کے اوپر ہیں "ل،، افادہ کے لئے آتا ہے، اور "علی،، ذمہ داریوں کے بوجھ کے لئے آتا ہے، "ولھن،، عورتوں کے لئے اسی طرح کے حقوق ہیں جیسے کہ عورتوں پر ہیں، تو پتہ یہ چلا کہ "ل،، اور "علی،، کا استعمال استعلاء کا فائدہ نہیں دیتا، مساوات کا فائدہ دیتا ہے۔

میرے عزیز ساتھیو اور دوستو! آپ اندازہ فرماؤ، غور کرو کہ قرآن کہتا ہے کہ یادرکھو! کام کی تقسیم سے مرتبہ میں فرق نہیں پڑتا، ایک ڈاکٹر بحیثیتِ ڈاکٹر بہت بڑا ہے۔ ایک انجینیر بحیثیتِ انجینیر بہت بڑا ہے۔ اگر انجینئر ڈاکٹر کا کام نہ کرسکے یا اسے کام نہ دیا جائے تو انجینئر کی توہین نہیں ہے۔ اگر ڈاکٹر انجینئر کا کوئی کام نہ کرسکے تو اس میں ڈاکٹر کی کوئی توہین نہیں ہے۔ تقسیم کار کی بنیاد پر توہین نہیں ہوتی۔ اسلام نے عورت کو گھر کی تاجدار اور ملکہ بنایا ہے۔

اور مرد کو باہر کی ذمہ داریوں کا۔ یہ تقسیمِ کار ہے۔ اسمیں توہین واہانت کا کوئی مسئلہ نہیں۔

میرے عزیز ساتھیو اور دوستو! یہ کہا جاتا کہ مرد اور عورت گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ دونوں کو ایک ساتھ چلنا ہو گا تب چلے گی۔ میں کہتا ہوں ہاں! میں بھی اس کا قائل ہوں، زندگی کی گاڑی عورت اور مرد کے دو پہیوں کے ساتھ چلے گی۔ لیکن دونوں کو ایک ساتھ لگا دو تو چلے گی؟ دونوں کو دو سمتوں میں لگانا ہو گا دو طرف۔ سمت ایک ہوگی، مقصد ایک ہوگا، منزل ایک ہوگی، مگر اسے دو طرف لگانا پڑے گا، بیچ میں گاڑی کی خلیج خود بخود حائل ہوگی۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں مرد اور عورت دونوں کا مقصد انسانیت کی تشکیل وتعمیر ہے۔ معاشرہ کی تشکیل وتعمیر ہے۔ لیکن اس تشکیل و تعمیر میں دونوں کو اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی ہوگی، اپنے اپنے مقام پر کام کرنا ہوگا فاصلہ سے رہ کر کام کرنا ہوگا۔ Side by Side چل کر کے نہیں Shoulder To Shoulder نہیں، بلکہ دو پہیوں کا جو فاصلہ ہے اس کو با قاعدہ قائم رکھنا ہوگا، تب زندگی کی گاڑی آگے بڑھ سکتی ہے۔ ورنہ زندگی کی گاڑی آگے کبھی نہیں بڑھ سکتی ہے۔

میرے دوستو! اسلام نے عورتوں کو اتنے حقوق دیئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! دنیا کی مجھے صرف دو چیزیں پسند ہیں، نیک عورت اور خوشبو۔ یہ اللہ کے رسول ہیں، تاجدارِ دوعالم ہیں، انسانی نفسیات کے سب سے بڑے عالم ہیں بلکہ نفسیاتِ انسانی کو اپنی نگاہِ کرم سے بدلنے والے ہیں۔ راہیں متعین کرنے والے ہیں، وہ پیغمبر فرماتے ہیں کہ عورت اور خوشبو پسند ہیں۔ خوشبو اور نیک عورت کا تذکرہ کیوں کیا انہوں نے؟ اس لئے کہ خوشبو کیا کرتی ہے۔ خوشبو جس محفل میں ہوتی ہے مشامِ جاں معطر ہو جاتا ہے۔ روح تروتازہ ہو جاتی ہے، دل کی کلیاں کھل جاتی ہیں، اس لئے سرکار خوشبو پسند فرماتے تھے، پیغمبر فطرت تھے نا! فطرت کی پسندیدہ چیزوں کو پسند کرتے تھے۔ پھولوں کو پسند کرتے، نکہتوں کو پسند کرتے، خوشبو کو پسند کرتے، لطافتوں کو پسند کرتے، مناظر کے حسنِ بے پناہ کو پسند فرماتے، اور اللہ کی حمد بیان کرتے، حمد کی تعلیم دیتے تھے، تو آپ فرماتے ہیں، مجھے عورت اور خوشبو پسند ہے۔

کیا مطلب؟ یعنی عورت کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے اخلاق کی خوشبو سے معاشرے کو معطر

رکھے، سوسائٹی کو معطر رکھے، ماں کو ماں کا مقام دے، بیٹے کو بیٹے کی حیثیت سے پالے، بیٹی کو بیٹی کی حیثیت سے پالے، بھائی کو بھائی کی حیثیت سے پالے، گھر کو جوڑنے کا کام دے، معاشرے کو استوار کرے۔ خوشبو نفرتیں نہیں پھیلاتی محبتیں بکھیرتی ہے۔ جس ماحول میں خوشبو ہوتی ہے دلوں کے تعلق خود بخود قائم ہو جاتے ہیں۔

عرب اس لئے کہا کرتا تھا، جب اسے کوئی خوشبو دیتا ہے تو کہتا ہے" عَطَّرَ اللّٰہُ حَیَاتَکَ،، اللہ تمہاری زندگی کو معطر فرمادے، خوشبو دار فرمادے، تم خوشبو بانٹ رہے ہو، خوشبو تقسیم کر رہے ہو، کوئی وجہ تو رہی ہوگی کہ رسول پاک کے پسینہ میں خوشبو تھی اور ایسی خوشبو کہ دنیا کا کوئی عطر اور دنیا کی کوئی خوشبو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ کوئی وجہ تو تھی کہ کسی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تو وہ زندگی بھر مہکتے رہے۔ زندگی بھر خوشبو دیتے رہے۔ کوئی وجہ تھی کہ عرب کی بچیاں رسولِ پاک کے پسینہ کو شیشیوں میں جمع کرتی تھیں، کوئی وجہ تھی خوشبو میں کہ حضور گلیوں سے گذر جاتے تو گلیاں مہک اٹھا کرتی تھیں۔ پتہ یہ چلا کہ پیغمبر خوشبو دینے آئے تھے، خوشبو بکھیر نے آئے تھے، خوشبو پیدا کرنے آئے تھے، پوری دنیا کو خوشبو سے بھر دینے کے لئے آئے تھے، اس لئے کہ خوشبو دماغوں کو تسکین دیتی ہے خوشبو روح کو تسکین دیتی ہے، جمعہ میں آپ جاتے ہیں خوشبو لگا کر جایئے، عید میں جاتے ہیں خوشبو لگا کر جایئے، اس لئے کہ معاشرتی اجتماع کا مقام ہوتا ہے، وہاں جائینگے تو معاشرہ مہک اٹھے گا، خوشبو دار ہو جائیگا معاشرہ، تو پتہ چلا کہ خوشبو دلوں کو تسکین عطا فرماتی ہے، روح کو تسکین دیتی ہے، معاشرہ کو مجتمع رکھتی ہے، یہ کام ہے خوشبو کا، اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، مجھے نیک عورت اور خوشبو پسند ہے، پتہ چلا نیک عورت بھی خوشبو کی طرح سے معاشرہ کو مجتمع رکھتی ہے، معاشرہ کو مطمئن رکھتی ہے، معاشرہ کو پرسکون رکھتی ہے، وہ معاشرہ جو اس کی ذات سے ابھرتا ہے، اس کو امن اور مسرت سے بھر دیتی ہے، اور شوہر کو اور پورے معاشرہ کو وہی حیثیت دیتی ہے جو قرآن فرماتا ہے" لتسکنوا الیھا،، تاکہ تم اس کی طرف مکمل سکون حاصل کرسکو۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! اب بتاؤ کہ جس رسول نے نیک عورت کو خوشبو سے تشبیہ دی

ہوکیا وہ خوشبو کی لطافت کو بکھیرنے کی اجازت دیں گے؟ کیا وہ یہ پسند فرمائیں گے کہ وہ خوشبو بکھر جائے، لیکن اسمیں یہ بھی مقصد تھا کہ خوشبو کے زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے کہ دامن گل کے اندر پوشیدہ رہے، جب تک خوشبو دامنِ گل کے اندر پوشیدہ رہے گی، زندہ رہیگی، اور جب دامنِ گل کو چھوڑ دے گی تو تھوڑی دیر مہکے گی۔ پھر بکھر جائیگی اور فنا ہوجائیگی۔

نہیں ہے شانِ خودداری چمن سے توڑ کر تجھ کو
کوئی دستار میں رکھ لے کوئی زیبِ گلو کر لے

خوشبو کی زندگی دامنِ گل میں پوشیدہ ہے، اور دامنِ گل کی زندگی شاخِ چمن پہ پوشیدہ ہے، جب پھول چمن کی شاخ پہ ہوگا تو زندہ رہیگا، تروتازہ رہے گا۔ شاخ سے توڑو گے تھوڑی دیر کے لئے سر پہ رکھو گے، گلے میں ڈالو گے مولویوں کے دومن ہار، لیکن ایک نہ ایک روز وہ پیروں تلے ضرور روندا جائیگا، ہوگا یا نہ ہوگا۔ پتہ چلا کہ شاخِ گل پہ پھول کی زندگی ہے، عورت خوشبو ہے، اس کا گھر اس کا چمن ہے اور اس گھر میں وہ شاخ گل کی طرح سے ہے، اگر اپنے گھر سے ٹوٹے گی، ماحول بکھرے گی تو لوگ گلے ڈالیں گے، پیروں سے روندیں گے۔ اسے زندہ رہنا ہے تو گھر کے پھول کی شاخ پہ زندہ رہنا ہوگا۔ اور گھر کو مہکانا ہوگا۔

میری عزیز بیٹیو اور بہنو! اس اعتبار سے عورت کی حیثیت متعین ہے، آپ اندازہ فرماؤ! اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری خطبہ، جسے وصیت کی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں جہاں وہ دنیا کے دوسرے مظلوم طبقوں کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ رسومِ جاہلیت کو اپنے قدموں سے روندنے کی بات کرتے ہیں۔ وہیں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں! خبردار!! عورتیں ہر دور میں بڑی مظلوم رہی ہیں، اس لئے ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ رسول نے ہر رسم باطل کو اپنے قدموں سے روندا ہے۔ لیکن عورتوں کے بارے میں اللہ کا خوف دلایا ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ خبردار!! اس سلسلہ میں کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔

بچی کی پیدائش سے گھر روشن ومنور ہوگیا: ہماری کسی بہن نے لکھ کر سوال کیا تھا، کیا

ایک ماں کے لئے لڑکوں اور لڑکیوں کے سلسلے میں حقوق میں کوئی فرق ہے؟ کہ لڑکوں کو زیادہ چاہو اور لڑکیوں کو کم چاہو؟ نہیں فرق نہیں ہے اور اگر فرق ہے تو فرق کا جھکاؤ لڑکیوں کی طرف ہے۔ اللہ کے رسول تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کوئی تحفہ لاتے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی کو پیش فرمایا کرتے۔ اور حکم بھی ہے تحفہ لاؤ اور تمہارے گھر میں بیٹیاں اور بیٹے دونوں ہوں تو پہلے بیٹی کو پیش کرو۔ کیوں ایسا کرتے تھے؟

اس لئے کہ بیٹیوں کو ایک روز گھر چھوڑنا ہے۔ بیٹا تو زندگی بھر تم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے یا فائدہ دے سکتا ہے، اس لئے ان کے حقوق کی زیادہ رعایت کرو، اللہ کے رسول تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک جگہ سے گذر رہے ہیں۔ صحابہ نے کہا۔ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ گھر بڑا منور ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جا کے دیکھو یہاں کوئی بچی پیدا ہوئی ہے، بچی کی پیدائش کو گھر کی نورانیت کا ذریعہ بنا دیا۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ اللہ جن لوگوں کو بچیوں سے نوازتا ہے۔ غیب سے خود ان کے لئے وسائل معاش پیدا فرما دیتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

اسلام ایک مکمل نظام حیات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ اَقَامَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْھَالِکِیْنَ شَفِیْعاً، فَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ ھُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَّدَیْہِ، صَلٰوۃً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ. اَمَّا بَعْدَ.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ – بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط ۵

یٰـاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیکم.

صدق اللہ العلی العظیم.

علماء باوقار! عزیزان ملت اسلامیہ! سنی دعوت اسلامی کے امراء وباوقار داعیو! قابل احترام بزرگواور دوستو! ہم اپنی روایت اور اپنے معمول کے اعتبار سے آغاز کلام میں حضور سید عالم، تاجدار مدینہ، سرور کائنات محمد رسول اللہ اروا حنا فداہ ﷺ کی روح طیب وطاہر پر درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اللھم صل علی سیدنا مولانا محمد معدن الجود والکرم وآلہ الکرام اجمعین.

بڑی مبارک اور نیک ساعت تھی وہ، جب آپ نے اس میدان کا نام ”وادیٔ نور،، رکھا تھا۔ آج بحمد اللہ محسوس اور مرئی نور بھی اور غیر محسوس اور غیر مرئی نور بھی اس سرزمین

پر برس رہا ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ، قابل احترام بزرگو دوستو! آج میں بتانا چاہوں گا اور عرض کرنا چاہوں گا کہ ”زندگی کیا ہے،،؟ ہم بھی زندہ ہیں اور آپ بھی زندہ ہیں۔ دنیا کی تمام قومیں اجتماعی طور پر بھی اور انفرادی طور پر بھی اپنی زندگی کا دعوی کرتی ہیں۔ لیکن ایک مسلمان کے نزدیک زندگی کب زندگی بنتی ہے؟ زندگی کہاں معتبر ہوتی ہے؟ زندگی کس مقام پر حد اعتبار حاصل کرتی ہے؟ ایک مسلمان کسے زندگی کہہ سکتا ہے؟ اسے جاننے کے لئے ہمیں قرآن عظیم کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ ہماری رہنمائی اللہ کی مقدس کتاب کرتی ہے۔ درجنوں مقام پر چلتے پھرتے حیوانوں کو قرآن عظیم نے مردہ قرار دیا ہے۔ ایک مقام پر نہیں بلکہ درجنوں مقام پر، قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے ” **انک لا تسمع الموتی**،، اے پیغمبر! آپ مردوں کو سنا نہیں سکتے۔ آپ داعی بنکر تشریف لائے ہیں۔ مبلغ بن کر آئیں ہیں، سراج منیر بن کر کے آئے ہیں۔ حیات کا سرچشمہ لے کر آئے ہیں۔ مبدأفیاض سے اخذ کر کے زندگی کی توانائیاں بانٹ رہے ہیں۔ جو آپ کے قدموں سے لپٹتا ہے، زندہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور جو دور ہوتا ہے مرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ مردوں کو سنا نہیں سکتے۔ بعض ظالموں نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ اس مردے سے مراد قبروں میں سوئے ہوئے مردے ہیں۔ اور اس پر استدلال کرتے ہیں کہ جو لوگ قبروں میں ہیں ان سے آپ سلام وکلام کا کوئی رشتہ نہ رکھیں۔ وہ تو سنتے ہی نہیں ہیں۔ پیغمبر سے کہا جاتا ہے ” **انک لا تسمع الموتی**،، آپ مردوں کو سنا نہیں سکتے۔ لیکن میں کہتا ہوں میرے عزیز! ذرا آگے تو پڑھو نا! قرآن عظیم کے سلسلے میں ہمیشہ یہ رویہ رہا ہے کہ لوگ اپنی خواہشات کے مطابق آیت کے اس حصے کو قبول کر لیتے ہیں جو ان کے جذبات اور مزعومہ خواہشات کی عکاسی کر رہا ہو، اور وہ حصہ چھوڑ دیتے ہیں جو ان کے خلاف ہو۔ قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے آگے۔ ” **اذا ولوا مدبرین**،، جب وہ مردے پیٹھ پھیر کر کے جا رہے ہوں تب آپ انہیں سنا نہیں سکتے۔ پتہ یہ چلا کہ یہاں پیٹھ پھیر کر جانے والے مردوں کا تذکرہ ہے۔ قبروں میں سونے والے مردوں کا تذکرہ نہیں ہے۔ پتہ چلا حیات معتبر

ہوتی ہے نگاہ رسول سے۔ جسے رسول زندہ کہدیں وہ زندہ ہوگا اور جسے قرآن زندہ کہے وہ زندہ ہوگا۔ ورنہ چلنے والا زندہ نہیں ہوتا ہے۔ بیٹھنے والا زندہ نہیں ہوتا ہے۔ پیٹھ پھیر کے جانے والا زندہ نہیں ہوتا ہے۔ چلنے پھرنے والا زندہ نہیں ہوتا ہے۔ یہ زندگی کی مادی علامتیں ہیں۔ مگر روح کی زندگی اس سے بے پناہ مقام بلند ہے۔ روح کی زندگی کی حیثیت دوسری ہوتی ہے۔

انسان وہ زندہ ہوتا ہے جو ایمان کے اعتبار سے زندہ ہو۔ جو عقیدے کے اعتبار سے زندہ ہو، جو تصور الٰہ کے اعتبار سے زندہ ہو، جو قرب خداوندی کے اعتبار سے زندہ ہو، جسے اسلام زندگی کا نام دیدے، جسے شریعت زندہ کہے وہ زندہ ہے۔ ورنہ یہاں کان کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ یہاں آنکھوں کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ یہاں گویائی کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ ابوجہل ہیں اور ابولہب ہیں۔ عتبہ اور شیبہ ہیں قرآن عظیم "صم بکم،، "عمی فھم لا یعقلون،، کہہ رہا ہے۔ یہ بہرے اور گونگے ہیں اور یہ اندھے ہیں۔ عقل نہیں رکھتے ہیں اور شعور نہیں رکھتے ہیں۔ پتہ یہ چلا کہ عقل والا تو اتنا تھا کہ پورے معاشرے کا لیڈر تھا۔ ابوالحکم کہا جاتا تھا۔ مگر بے عقل کہا جارہا ہے۔ بینائی بھی رکھتا تھا مگر اندھا کہا جارہا ہے۔ سماع کی قوت بھی رکھتا تھا مگر بہرہ کہا جارہا ہے۔ اور تکلم بھی رکھتا تھا۔ اس کے باوجود گونگا کہا جارہا ہے۔

پتہ چلا کہ جب تک ہماری قوت سماعت بارگاہ رسالت سے حد اعتبار نہ حاصل کرلے اس وقت تک ہمیں سننے والا نہیں کہا جائیگا۔ جب تک گویائی بارگاہ رسالت سے اعتبار نہ حاصل کرلے، اس وقت تک ہمیں بولنے وللا نہ کہا جائیگا۔ اور جب تک ہماری قوت بصارت بارگاہ رسالت سے اعتبار نہ حاصل کرلے، اس وقت تک ہمیں دیکھنے والا نہ کہا جائیگا۔ ہم آنکھیں ضرور رکھتے ہیں۔ کان ضرور رکھتے ہیں۔ گویائی کی طاقت بھی ہمارے اندر ہے، بولتے بھی ہم ہیں۔ مگر اس کے باوجود کونسا بولنا معتبر ہے؟ کیا دیکھنا معتبر ہے؟ کیا سننا معتبر ہے؟ کان کا کونسا تیور معتبر ہے؟ آنکوں کا کونسا انداز معتبر ہے؟ گویائی کا کیا طرز معتبر ہے؟ اس اعتبار کو حاصل کرنے کے لئے مکین گنبد خضری کی بارگاہ میں جانا پڑیگا۔ رسول اللہ ﷺ کے آستانہ پہ جانا پڑیگا۔ ان کے حضور سے سند لینا پڑیگا۔ ہم زندہ کہتے ہیں۔ مگر زندگی کا وہ معیار جو رسول نے عطا

فرمایا ہے، زندگی کا وہ تصور جو رسول اللہ نے عطا فرمایا ہے، زندگی جو ان کی بارگاہ سے ملتی ہے، زندگی جو ان کے نظام سے عطا ہوتی ہے، ان کے آئین کرم سے عطا ہوتی ہے، وہ زندگی حقیقی زندگی ہوتی ہے۔ ورنہ ہر زندہ زندہ کہا جائے تو آج زندگیاں قیامتیں ڈھا رہی ہیں۔ اگر ہر بولنے والا گویائی کا مالک سمجھا جائے تو آج نطق آگ برسا رہا ہے۔ اگر ہر آنکھ دیکھنے والی سمجھی جائے تو آنکھ نہ معلوم کیا کچھ دیکھتی ہے کیا کچھ دکھا رہی ہے۔ اسلام کا اپنا ایک انداز ہے۔ اسلام کا اپنا ایک معیار ہے۔ اسلام کا اپنا ایک سوچنے کا طریقہ ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! آپ نے ایسے بھی مردے دیکھے ہوں گے جو کاندھوں پر اٹھا کے شہر خموشاں کی طرف لے جائے جاتے ہیں، آپ نے ایسے بھی مردے دیکھے ہوں گے جو بولتے نہیں ہیں، آپ نے ایسے بھی مردے دیکھے ہوں گے جن کے جسم اور جن کی روح میں اختلاف ہوگیا ہے، مردہ کسے کہتے ہیں

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزاء کا پریشاں ہونا

زندگی عناصر میں ظہور ترتیب کا نام ہے۔ موت اس کو کہتے ہیں جب عناصر بکھر جائیں۔ اجزائے حیات بکھر جائیں۔ عناصر حیات میں دو عنصر بڑے طاقتور ہیں۔ ایک کو آپ جسم کہتے ہیں اور اس سے طاقتور عنصر کو آپ روح کہتے ہیں۔

جسم اور روح کے اتحاد کا نام زندگی ہے اور اختلاف کا نام موت ہے۔ یہ ایک جملہ ہے جو انسان کی انفرادی زندگی سے متعلق ہے۔ پھیلاؤ تو کائنات کی تاریخ بن جائے۔ اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت ہے۔ فرد میں اتحاد ہو تو فرد کی زندگی ہے، گھر میں اتحاد ہو تو گھر کی زندگی ہے، ملک میں اتحاد ہو تو ملک کی زندگی ہے، قوم میں اتحاد ہو تو قوم کی زندگی ہے، براعظم میں اتحاد ہو تو براعظم کی زندگی ہے، بحر و بر میں اتحاد ہو تو بحر و بر کی زندگی ہے، اور گھر میں اختلاف ہو تو گھر کی موت ہے، فرد میں اختلاف ہو تو فرد کی موت ہے۔ قوم میں اختلاف ہو تو قوم کی موت ہے، ملک میں اختلاف ہو تو ملک کی موت ہے، عناصر فطرت میں اختلاف ہو تو عناصر

کی موت ہے، سیاروں میں اختلاف ہو سیاروں کی موت ہے، ستاروں میں اختلاف ہو تو قیامت کی علامت ہے۔" **یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب**، ، . قیامت وہ آئے گی کہ جب ستاروں میں اختلاف پیدا ہوجائیگا۔ اور بلندیاں تو مار مارے ہوئے کاغذ کی طرح لپیٹ دی جائینگی۔ اتحاد زندگی ہے، اختلاف موت ہے۔

آپ قوموں کی تاریخ کا مطالعہ کریں، ابھی ابھی میرے ایک عزیز بتا رہے تھے کہ ہمارے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے۔ ہمارے پاس کوئی دولت نہیں ہے۔ الحمد للہ !اہل سنت وجماعت پوری دنیا میں کام کر رہے ہیں، اور دنیا میں کہیں ان کے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے۔ جو قوتیں سرمایہ تقسیم کر رہی ہیں ان سے ہماری بنتی ہی نہیں ہے، ہم سرمایہ کہاں سے حاصل کریں؟ جو (Behind the cutures) ہیں۔ ان سے ہمارا کوئی رشتہ ہی نہیں ہے۔ بھلا ہم کیسے حاصل کریں؟ دو قوتیں ہیں جو پوری دنیا میں اپنے عقیدے اور نظریات کی اشاعت کے لئے کروڑوں کی تعداد میں پٹروڈالر دے رہی ہیں۔ اس میں سعودی قوت ہے جو وہابیت کے اشاعت کے لئے دے رہی ہے، اور ایرانی قوت ہے جو شیعیت کی اشاعت کے لئے دے رہی ہے اور ہمارا دونوں سے کوئی رشتہ نہیں ہے، دونوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، بھلا ہم غریب کہاں پائیں گے؟ مگر الحمد للہ آپ کو جان کر خوشی ہوگی کہ پٹروڈالر کی بنیاد پر دنیا میں جتنا کام انہوں نے کیا ہے اس سے کئی گناہ زیادہ کام ہم نے آپ کی بنیاد پر کیا ہے۔

ہم نے اپنے دولت کے سب سے مرکز کو بیدار کر دیا، وہ ہماری عوام ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے دیوانے ہیں، وہ محمد عربی ﷺ کے نام لینے والے ہیں، نہ ہمیں دولت کی آس کبھی ہوئی ہے اور نہ قیامت تک کبھی ہوگی۔ اس لئے کہ جو نبی کے نام پر جان دے سکتا ہو وہ بھلا اپنا گھر نہیں دے سکتا ہے؟ اپنا خزانہ نہیں دے سکتا ہے؟ ہم نے محبت رسول ﷺ کو بیدار کر دیا ہے، ہم نے احترام رسول کو بیدار کر دیا ہے، ہم نے عشق رسول کی دولت کو بیدار کر دیا ہے، ہم نے جذبۂ فداکاری کو بیدار کر دیا ہے، ہم نے محبت کے میزے کو بیدار کر دیا ہے، ہم نے اس سرچشمہ کو بیدار کر دیا ہے جہاں سے قربانیوں کے سوتے پھوٹتے ہیں، انسان سب کچھ لٹا سکتا

ہے آپ کو کبھی سرمایہ کی کمی نہیں پڑے گی اور نہ کبھی کسی دنیا دار کی طرف دیکھنے کی ضرورت پڑے گی۔ غریب ہمارا سرمایہ ہیں، عوام ہمارا سرمایہ ہیں، فاقہ کش ہمارا سرمایہ ہیں، بوریا نشین ہمارا سرمایہ ہیں، یہی ہمارا سرمایہ ہیں اور جب تک یہ سرمایہ موجود ہے۔ ہم دنیا کے ارباب اقتدار کے سرمایہ کو اپنی ٹھوکروں میں رکھتے ہیں اس لئے کہ ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

خبردار! اپنی تحریک کے لئے کوئی ایسا سرمایہ قبول نہ کرنا جس پر کسی عصبیت کا دھبہ پڑا ہوا ہو، خبردار! اپنی تحریک کے لئے کوئی ایسا سرمایہ قبول نہ کرنا جس پہ حرمت کا الزام لگایا جا چکا ہو، خبردار! اپنی تحریک کے لئے کوئی ایسا سرمایہ قبول نہ کرنا جس کے پیچھے کوئی دنیاوی غرض پوشیدہ ہو، اگر تم نے ایسا کیا تو تحریک مرجائے گی۔ اگر ایسا کیا تو تحریک خاموش ہوجائیگی، تم غریبوں پہ بھروسہ کرو، مزدوروں پر بھروسہ کرو، خاک نشینوں پر بھروسہ کرو، ان شاءاللہ تبارک وتعالی جب ہر سرمایہ حلال ہوگا، جائز اور طیب وطاہر ہوگا تو تحریک میں خود بخود برکت ہوتی چلی جائے گی۔ ہم نے دیکھا ہے، ہم نے جائزہ لیا ہے، مولانا شاکر صاحب نے پوری دنیا کا دورہ کیا ہے، بلا مبالغہ میں کہہ رہا ہوں کہ ورلڈ اسلامک مشن نے بلینس پلینس (Billions Pound) پونڈ کے سرمایہ سے درسگاہیں بنائی ہے۔ اور ہم نے کسی بھی حکومت سے ایک پائی نہیں لیا ہے، ہم نے ہر جگہ اپنی عوام سے اپیل کی ہے، اور عوام کی بنیاد پر مساجد کی ہم نے قطار لگادی ہے الحمد للہ! درسگاہوں کی قطار لگادی ہے۔ ہم نے درسگاہوں کے سینکڑوں دروازے کھولے ہیں۔ ہم نے مساجد ان زمینوں پر بنوائی ہیں، جہاں آج تک مسجدیں نہیں بنی تھیں۔

عزیزان ملت اسلامیہ! ناروے، جسے سقفِ عالم کا نام دیا جاتا ہے، دنیا کی چھت، اپنے محل وقوع کے اعتبار سے سب سے اونچا مقام ہے،" ناروے،، میں سب سے پہلی مسجد ورلڈ اسلامک مشن نے بنوائی ہے، اور لاکھوں پونڈ میں بنوائی ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! "ہالینڈ،، جو ایک بہت ہی ترقی یافتہ ملک ہے اس میں جتنی بھی مسجدیں زمین سے اٹھائی گئیں ہیں یہ سب ورلڈ اسلامک مشن نے بنوائی ہیں۔ اس طرح سے دنیا کے بہت سے ممالک ہیں جہاں ہماری تحریک نے مشن کی بنیاد پر مسجدیں بنوائی ہیں،

درسگاہیں بنوائی ہیں اور ادارے بنوائے ہیں، اور ہم چیلنج کے ساتھ کہتے ہیں کہ دنیا صبح قیامت تک ثابت نہیں کرسکتی کہ اس میں ہم نے کسی حکومت سے بھیک مانگی ہو، کسی حکومت سے خیرات مانگی ہو، کسی حکومت سے اس کا صدقہ مانگا ہو، یا وہ سود کی رقم مانگی ہو جو امریکی بینکوں میں محفوظ کردی گئی ہے، غریبوں کا خون چوس کرکے۔ اور تھوڑی سی خیرات کے طور پر ان کو دیدی جاتی ہے جو اپنے کو بہت دیندار سمجھتے ہوئے نظر آتے ہیں، ہم اسے دینداری قرار نہیں دیتے۔ ہم اپنی عوام پر بھروسہ کرتے ہیں، اپنے دوستوں اور ساتھیوں پر بھروسہ کرتے ہیں، ہاتھ اتنا صاف رکھو کہ جب بھی کوئی تمہارا ہاتھ دیکھنا چاہے تو تمہارا ہاتھ چوم لینا چاہے، تمہارے ہاتھ کا احترام کرنا چاہے، ہاتھ میں کبھی کوئی غلاظت نہ آنے پائے، ہاتھ میں کبھی بھی کوئی دناست نہ آنے پائے، تمہارا ہاتھ ہمیشہ اتنا صاف رہے ہمیشہ اتنا واضح رہے۔ ہماری طاقت ہماری عوام ہے، ہماری طاقت رسول اللہ ﷺ کے دیوانے ہیں، ہماری طاقت وہ آہِ صبح گاہی ہے کہ جس کی غیرت کے سامنے قیصر وکسریٰ کا اقتدار لرزتا تھا، ہماری طاقت وہ نالۂ نیم شبی ہے کہ جب کبھی ہم ایک قطرہ بہادیتے ہیں تو رحمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں، تمہیں معلوم نہیں ہے ہماری طاقت کیا ہے؟ ہماری طاقت تو رسول اللہ کی بارگاہ سے تعلق ہے، انہیں بے کساں سے ہمارا رشتہ ہے۔

دراصل ہماری یہ دنیا کی زندگی بڑی اعتباری زندگی ہے۔ اس کی حیثیتیں اعتبارات کی حیثیتیں ہیں۔ کچھ ریلے ٹیو (Relative) ٹائپ کی یہ زندگی ہے کہ جس کا تعلق دراصل زمان ومکان سے ہے، یہ زمانہ کیا ہے؟ یہ مکان کیا ہے؟ اس میں آپ کی زندگی کہاں ہے؟ کبھی آپ نے تلاش کرنے کی کوشش کی ہے؟ کبھی آپ نے جاننے کی کوشش کی ہے؟ آپ اپنی زندگی کے نقطہ کو اگر زمانے کے کینوس پر تلاش کرنا چاہیں تو خوردبین کے ذریعہ سے بھی تلاش نہیں کرسکتے۔ یہ زمانہ جو بہت محدود ہے، یہ زمانہ جو بڑا مختصر ہے قدرت کی نگاہ میں، یہ زمانہ جو اپنی تحدی کے اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتا، یہ زمانہ کچھ ایسا ہے کہ اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ہماری زندگی اس میں کہیں نظر نہیں آسکتی ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں، ہم

ستر سال زندہ رہتے ہیں۔ ہم اسی سال زندہ رہتے ہیں۔ ہم سو سال زندہ رہتے ہیں۔

تم نے کہکشاں کو دیکھا ہوگا۔ آسمان پہ جگمگاتے ہوئے ستاروں کی منزل دیکھا ہوگا۔ ستاروں کی دنیا دیکھا ہوگا۔ تم نے خلاؤں کی وسعتوں کا تصور کرنا چاہا ہوگا۔ اگر چہ وہ تمہارے تصور سے باہر ہے تم خلا کو کبھی ناپنے کی کوشش کی ہے؟ ستاروں کی روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ کی رفتار سے چلتی ہے، یہی نور کی رفتار ہے، یہی لائٹ کی رفتار ہے، یہی روشنی کی رفتار ہے، ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ، اور جب سے دنیا تخلیق ہوئی ہے ستاروں کی روشنی خلاؤں کے ذریعہ سے ہم تک پہنچ رہی ہے۔ اور اب تک نہیں پہونچی ہے۔ نہ معلوم کتنے ستارے ہیں جو ابھی بعد میں طلوع ہونے والے ہیں، کروڑوں میں ناپ سکتے ہو اسے؟ بلینس (Billions) سالوں میں ناپ سکتے ہو؟ اسے ملینس (Millions) سالوں میں ناپ سکتے ہو؟ ایک دن وہ ہے جو سورج کے طلوع وغروب سے پیدا ہوتا ہے۔ جو سال بنتا ہے۔ اور ایک سال وہ ہے جسے نوری سال کہتے ہیں۔ جسے ہم روشنی کی رفتار سے ناپتے ہیں۔ نوری سال کی بنیاد پر زمانہ کروڑوں، بلینوں اور میلنوں سال کی وسعتوں سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسا ریاضی میں، میاتھمٹکل فیگر (Mathemtical) نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر ہم خلاء کی وسعتوں کو ناپ سکیں اور بتاسکیں کہ اتنے بلین اور ملین سال پر مشتمل ہے خلاء کی یہ وسعتیں۔ اب انسان جان ہی نہیں سکا ہے۔ اور یہی حال زمانے کا بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ روشنی سکنڈ کے انداز سے چلتی ہے۔ سکنڈوں کے انداز سے چلنے والی کروڑوں سال کے دامن پہ پھیلی ہوئی روشنی، اس کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا ہے۔ اس میں ہم نے اپنی زندگی کا نقطہ تلاش کرنا چاہیں تو کیا ڈھونڈ لیں گے؟ اس کینوس کے اوپر، میر نے کہا تھا۔

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے
اپنی زندگی بلبلے کی سی ہے

اور بلاشبہ یہ ایک سراب کا سا دکھاوا ہے۔ مگر میں عرض کرنا چاہتا ہوں میر کو بھی غلطی

ہوئی تھی اس زمانے میں کائنات کی وسعتوں کا اندازہ نہیں تھا۔اس نے اپنی ہستی کو حباب کی طرح کہا تھا۔مگر حباب پھر بھی نظر تو آتا ہے، چاہے چند لمحوں کیلئے۔دو چار روز سہی۔ مسکرا تو لیتے ہیں۔چمن میں پھول کی ہر چند زندگی کم ہے۔اگر چہ دو چار روز ہی کی زندگی مگر زندگی تو ہے۔ایک لمحے کا بلبلہ نظر تو آتا ہے مگر ہماری زندگی زمانے کے کینوس پر کہیں دیکھی نہیں جا سکتی ہے۔نظر نہیں آتی ہے۔مگر اس زندگی کے لئے ہم کتنی کوشش کرتے ہیں اس زندگی کے لئے ہم کتنی محنت کرتے ہیں؟اور کرنا بھی چاہئے۔زندگی ہم کو محنت کرنے کے لئے دی گئی ہے۔"لیس للانسان الا ماسعی،، انسان جو کوشش کرے گا وہی ملے گا۔اس کے باوجود یہ زندگی اتنی مختصر ہے کہ ہم اسے تلاش کرنا چاہیں تو نہیں تلاش کر سکتے۔عجیب عالم ہے ہماری زندگی کا۔کہ دو نفی کے درمیان میں ایک غیر محسوس نقطۂ اثبات ہے۔ پہلے ہم نہیں تھے آج ہم ہیں کل ہم نہیں ہوں گے۔ ہم حال میں موجود ہیں۔مگر یہ حال خود کتنا بے حال ہے کہ کبھی اس کا اندازہ کرنا چاہا آپ نے؟ آج تک حال کو گرفت میں لیا ہی نہیں جا سکا ہے۔آپ کہنا چاہتے ہیں"کل،، کاف اور لام پر مشتمل یہ ایک لفظ ہے۔"کل،، جسے آپ (Tommorrow) کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔"کل،، جیسے ہی کاف ادا کیا یہ ماضی بن گیا اور لام ابھی مستقبل ہے۔ اس میں حال کو تلاش کیجئے۔حال کہاں نظر آتا ہے؟ کس مقام پر نظر آتا ہے؟ کیا حال کو گرفت میں لے سکتے ہیں؟ لیکن وہ گرفت میں آئے یا نہ آئے، بہر کیف حال آپ کا حال ہے۔وہ آپ کی زندگی سے متعلق ہے۔اس کے لئے آپ کو کوشش کرنی چاہیئے۔" **والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر،،**. انسان بہت بڑے گھاٹے میں ہے۔مگر وہ لوگ جو ایمان لائے۔جنہوں نے عمل صالح کیا۔اور حق وصبر کی وصیت کی۔زمانے کی قسم یاد فرمائی جا رہی ہے۔اے محبوب!تمہارے زمانے کی قسم، عہد رسالت کی قسم، انقلابات زمانہ کی قسم، تغیرات روزگار کی قسم، جو بھی چاہو یاد کرو، میرے مخلوق زمانہ کی قسم۔انسان بہت بڑے گھاٹے میں ہے۔انقلابات زمانہ میں وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو اہل ایمان ہوں گے۔عمل صالح کی دولت سے نوازے جائیں گے۔اور حق وصبر کی

وصیت ان کی باضابطہ معیار ہوگی، ان کا کردار ہوگا، وہی کامیاب ہوں گے۔

تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔اس پوری کائنات میں اپنی زندگی تلاش کرنا چاہو۔مگر نہیں تلاش کر سکتے۔جو زندگی تم تلاش نہیں کر سکتے۔اس کو کامیاب کرنے کے لئے کم از کم ون تھرڈ (One third) زندگی میں محنت کرتے ہوئے نظر آتے ہو۔ایک ڈاکٹر بننا چاہتے ہو۔ پچھتر سال کی عمر لے کر کے آئے ہو۔پچیس سال ڈاکٹر بننے میں گزار دیتے ہو یا نہیں گزار دیتے ہو؟ ایک تہائی زندگی اگلی دو تہائی زندگی کے لئے خرچ کرتے ہو یا نہیں کرتے ہو؟ اس پہ محنت کرتے ہو یا نہیں کرتے ہو؟ دن رات محنت کرتے ہو یا نہیں کرتے ہو؟ پوری دنیا سے کٹ کر کرتے ہو۔ پورے ماحول سے کٹ کر کرتے ہو۔دوست آواز دے رہے ہیں چلو آج فلاں تماشہ لگا ہے ڈاکٹر بننے والا بچہ کہتا ہے نہیں آج مجھے امتحان کی تیاری کرنی ہے۔دوست آواز دے رہے ہیں چلو آج تفریح کرنی ہے۔وہ بچہ کہتا ہے نہیں بلکہ میں بہت جلد تجربے اور تعلیم کی منزل سے گزرنے والا ہوں۔اس لئے پریکٹیکل امتحانات میں دشواریاں پیش آجائینگی۔اگر میں آج کی رات تمہارے ساتھ صرف کروں۔پتہ چلا کہ پچاس سال کو کامیاب کرنے کے لئے پچیس سال تم لگا دیتے ہو۔مگر وہ جنت جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔جس کو نہ زمانے سے ناپا جا سکتا ہے نہ مکان سے ناپا جا سکتا ہے۔جہاں زمانہ بھی خاموش اور مکان بھی خاموش ہے۔جہاں ابدیت ہے۔جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔اس کے لئے پانچ وقت سجدہ نہیں کر سکتے ہو؟ اس کے لئے چند عبادتیں نہیں کر سکتے ہو؟ اس کے لئے اللہ کی رضا کا سامان نہیں کر سکتے ہو؟ تم نے زندگی کو حد اعتبار کی حیثیت سے نہیں دیکھا ہے۔اسلام جب زندگی کی بات کرتا ہے تو موت سے بلند ہو کے کرتا ہے۔اسلام موت کو زندگی کا خاتمہ نہیں سمجھتا ہے۔بلکہ زندگی کی ایک منزل سمجھتا ہے۔

مرکے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قید حیات
فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا ایک پیغام ہے

مردِ مومن کی زندگی تو موت کے بعد شروع ہوتی ہے، وہ زندگی جو لافانی زندگی ہے وہ زندگی جو عالمگیر زندگی ہے، وہ زندگی جو قربِ خداوندی کی زندگی ہے، وہ زندگی جو مشاہدۂ الٰہی کی زندگی ہے وہ زندگی جو دیدارِ الٰہی کی زندگی ہے، وہ زندگی جو ازلی حقیقتوں سے وابستہ ہے، وہ زندگی جس پر موت کا سایہ نہیں پڑسکتا، وہ زندگی جو غموں سے بے نیاز کردی گئی ہے، وہ زندگی جس پر انقلابات زمانہ متاثر نہیں ہوتے، وہ زندگی جو ہمیشہ سرمدیت کی مقدس آغوش میں پروان چڑھتی ہے، وہ زندگی تو موت کے بعد ملنے والی ہے۔ اس زندگی کے لئے اس زندگی میں تھوڑا سا کام نہیں کرسکتے ہو؟ تھوڑا سا تغیر نہیں برپا کرسکتے ہو؟ تھوڑا سا انقلاب نہیں برپا کرسکتے ہو؟ میرے عزیزو اور میرے دوستو! جسم کے سنوارنے کے ہزاروں کام کرتے ہوئے نظر آتے ہو، جسم کو آراستہ کرنے کے ہزاروں کام کرتے ہوئے نظر آتے ہو، آرائش زلف وگیسو کے لئے کتنا اہتمام کرتے ہو، اس کا اندازہ ہو تو اپنی روزمرہ کی زندگی کو دیکھو۔ روز نہاتے ہو تاکہ جسم پاک ہوجائے۔ روز کپڑے بدلتے ہو تاکہ تمہارا جسم پر گندگی نہ ہو۔ روز زلفیں سنوارتے ہو تاکہ زلفیں وحشت کی آئینہ دار نہ بن جائیں اور تمہیں کسی مجنوں سے مشابہ نہ قرار دیدیا جائے، اور دیوانے تمہیں اپنی طرف بلاتے ہوئے نظر نہ آئیں۔ اس لئے تم اپنی زلفیں بھی سنوارتے ہو، تم اپنا لباس بھی سنوارتے ہو، تم غسل بھی کرتے ہو، پرفیوم (Perfume) بھی استعمال کرتے ہو، نکہتوں اور بہاروں کے ماحول سے گزرنے کے لئے جتنا تم سے ممکن ہے سب کرتے ہو۔ لیکن اگر تم ایک ایسے انسان بن جاؤ کہ جس نے کبھی غسل نہ کیا ہو جس نے کبھی خط نہ بنایا ہو۔ جس نے کبھی زلفیں نہ سنواری ہوں۔ جس نے کبھی لباس نہ دھلا ہو۔ تو تم انسانوں کی بستی میں رہنے کے قابل نہ رہ جاؤ گے۔ تمہیں نکال دیا جائیگا اس آبادی سے۔ کسی اور مقام پر بھیج دیا جائیگا۔ تمہارے بدن کی بدبو پورے معاشرے کو گندہ کردے گی۔ غلاظتوں سے آشنا کردیگی۔ تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ جسم جسے تم قبر کے اندر دبادو گے اس جسم کو سنوارنے کے لئے کتنی محنت کرتے ہو؟ اسے صاف کرنے کے لئے روز غسل کرتے ہو۔ آرائش زلف وگیسو کے ہزاروں سامان تم نے کررکھے ہیں۔ مگر وہ روح جو تمہیں ہمیشہ زندہ

رکھنے والی ہے۔ اس روح کو پاک کرنے کے لئے کوئی سامان نہیں کرتے۔ اس روح کو کبھی نہیں نہلاتے ہو، اس روح کو طہارت سے کبھی آشنا نہیں کرسکتے ہو۔ اس روح کے بارے میں کبھی نہیں سوچتے ہو، کہ روح بھی اگر اپنی حالت میں پڑی رہی تو گندی ہوجائے گی، روح بھی بدبودار ہوجائیگی، روح بھی بیماریوں کا آمیزہ بن جائے گی، روح بھی نامعلوم کتنی خطرناکیوں سے دوچار ہوجائیگی، روح کے بارے میں تم نے کبھی نہیں سونچا۔

سنو! جسم کو صاف کرنے کے لئے پانی کی ضرورت ہے۔ اور روح کو صاف کرنے کے لئے ذکر الٰہی کی ضرورت ہے۔ یادِ الٰہی کی ضرورت ہے، ذکر مصطفٰی کی ضرورت ہے، طاعتوں کی ضرورت ہے، عبادتوں کی ضرورت ہے، جسم گندہ ہوگا تو انسان بھاگیں گے، اور روح گندی ہوگی تو فرشتے بھاگیں گے۔ عالم ملکوت کے باشی تم سے بھاگیں گے۔ وہ تم سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔ جو تمہارا نامۂ اعمال تیار کررہے ہیں، اس لئے روح کو پاکیزہ رکھو تاکہ فرشتوں کا قرب حاصل ہوجائے۔ یہ فرشتے ہمیشہ تمہارے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ فرشتے بڑے طیب وطاہر ہیں۔ یہ فرشتے بڑے پاکیزہ ہیں۔ ان کے نورانی بدن پر کبھی گرد پڑتی نہیں ہے۔ کوئی پولیوشن (Pollution) انہیں متاثر نہیں کرسکتا ہے۔ ماحول کا کوئی بھی جرثومہ ان کے نورانی بدن کے اوپر چمٹ نہیں سکتا ہے۔ یہ ان باتوں سے بہت زیادہ بلند ہیں۔ چاہے تم کس قدر پلوٹیڈ (Pallution) ماحول کردو۔ چاہے تم ماحول کتنا ہی گندہ کیوں نہ کردو۔ اس کے باوجود فرشتوں کا جسم جتنا پاک ہوگا جیسا کہ تخلیق کے وقت تھا۔ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ کبھی تم سلام نماز میں پڑھتے ہو تو تم نے سونچا؟ السلام علیکم ورحمۃ اللہ! جماعت میں ہوتو آدمیوں کو سلام کرتے ہو، لیکن گھر میں تنہا سلام پڑھتے ہو تو کسے سلام کرتے ہو؟ کس پر سلامتی بھیجتے ہو؟ کس کی سلامتی طلب کرتے ہو؟ کس کی بارگاہ میں گریٹنگ (Greeting) پیش کرتے ہو؟ یہ نذر تھد یہ کس کے لئے ہے؟ کبھی تم نے سونچا؟ اگر تم مجمع میں نماز پڑھ رہے ہوتو اپنے دوستوں کو سلام کرتے ہو۔ تنہا ہو تو فرشتوں کو سلام کرتے ہو۔ یہ فرشتے جو تمہارے ساتھ لگے ہوئے ہیں، یہ فرشتے ہر وقت تمہارے پاس ہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب بندہ

جسمانی اعتبار سے گندہ ہوجاتا ہے۔ تو نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتے نامۂ اعمال لیکے دور کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور جب تک نہا نہیں لیتا ہے قریب نہیں آتے ہیں۔ تو جب جسمانی اعتبار سے گندے ہونے والوں سے دور ہوتے ہیں۔ تو جو روحانی اعتبار سے گندے ہیں ان کا عالم کیا ہوگا؟ ان سے کتنے دور ہوجائیں گے۔ یاد رکھو! جہنم کو سزا کی جگہ کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ تصور بھی یہی ہے مگر جہنم جہاں سزا کی جگہ ہے۔ اک مومن کے لئے اسے پاک کرنے کی بھی جگہ ہے۔ بلاشبہ کافر جو دائمی طور پر جہنم میں رہے گا اسے تو سزا دی جاتی ہے، مگر مومن کو وہاں جلا کے پاک کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی گندی روح جنت میں رہنے کے قابل ہوجائے۔ اس کے بعد دوبارہ اسے جنت میں داخل کردیا جاتا ہے، دوبارہ اسے بھیجا تاجا ہے۔ اس لئے اپنی روح کو پاک کرنے کی دن رات کوشش کرو۔ اتنے بڑے اجتماع کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ تم اپنے وجود کو پہچانو۔ اپنے وجود کی قدر و قیمت کو پہچانو۔ اپنی حیات کی وسعتوں کو پہچانو۔ اپنے حیات کی لامتناہی قدروں کو پہچانو۔ حیات بعد الموت کا جائزہ لو۔ تم صرف مردہ عقیدے کے قائل بن کے نہ رہو تم صرف یہ یاد نہ کرتے رہو کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں اور ہم یقین لاتے ہیں۔ ”امنت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر والقدر خیر وشرہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت،، یہ بعث بعد الموت . . جو لائف آفٹر ڈتھ (Life after death) ہے۔ موت کے بعد جو زندگی ہے۔ اس کے بار۔۔ میں تمہارا تصور صرف زبانی نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اسے محسوس کرو اسے ہر وقت اپنی نگاہوں کے سامنے رکھو اس کا جائزہ لو اسے سنوارنے کی کوشش کرو۔ اسلام نے حیات بعد الموت کے فلسفہ سے زندگی کو توازن دینا چاہا ہے۔ زندگی کو بیلنس (Balance) کرنا چاہا ہے۔ زندگی کو آراستہ کرنا چاہا ہے۔ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ وہ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ جنہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندگی پر یقین نہیں ہے، ان کی زندگی سیلفشنس (Selfishnes) اور خودغرضی کا مجموعہ ہوتی ہے۔ وہ اسی دنیا میں ہر برائی کرتے ہیں۔ غریبوں کا خون چوستے ہیں۔ کمزوروں کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دوسروں کا مال چھینتے ہیں تاکہ اپنے شبستان کو سجا سکیں۔

تاکہ اپنی دنیا کو آراستہ کرسکیں۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد انہیں دوبارہ زندہ نہیں ہونا ہے۔ دوبارہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر نہیں ہونا ہے۔ انہیں پتہ ہی نہیں ہے کہ مرنے کے بعد بھی کوئی زندگی ہے۔ جو لوگ مذہب کے فلسفہ پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کے سامنے زندگی کا تصور بڑا مضمحل ہے۔ نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ ہم کیوں آئے ہیں؟ اور نہ یہ جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ عجیب سا عالم ہے قسم خدا کی! وہ بڑے بڑے فلسفی، وہ بڑے بڑے سائنٹسٹ، وہ بڑے بڑے ریسرچ اسکالرس، جو ذروں کا دل چیرتے ہیں۔ جو آفتاب کی شعاعوں کو گرفتار کرتے ہیں۔ جو زمان و مکان پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔ انہیں پتہ نہیں ہم کیوں آئے ہیں؟ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ مرنے کے بعد ہمارا عالم کیا ہوگا؟ یہ تو صرف اسلام ہے جو آغازِ زندگی کا فلسفہ بھی بیان کرتا ہے۔ اور مرنے کے بعد بھی حیثیتیں متعین کرتا ہے۔ یہ اسلام ہے جو مکمل زندگی کا تصور دیتا ہے۔ وہ بتاتا ہے تم کس لئے آئے ہو؟ تمہارے فرائض اور ڈیوٹیس (Duties) کیا ہیں؟ تمہاری ذمہ داریاں اور ریسپانسبلٹیز (Responsibilities) کیا ہیں؟ اور وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ مرنے کے بعد کہاں جاؤ گے؟ جو کافر ہے وہ مرنے کے بعد کی زندگی پر یقین نہیں رکھتا۔ اس کا یہ عالم ہے کہ کسی نے ایک بڑے فلسفی سے پوچھا تھا۔ ایک بڑے سائنسدان سے پوچھا تھا۔ زندگی کی حقیقتوں پر غور کرنے والے اور مادہ اور فزیکل توانائیوں کو ریسرچ کے میزان پر تولنے والے! کبھی تم نے سوچا کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اس نے کہا مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ کیا ہوگا؟ لیکن (What I can think) جو میں سوچ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد ایک تاریکی ہے۔ ایک تاریکی ہے۔ ایک تاریکی ہے۔ ایک تاریکی ہے۔ ایک تاریکی ہے۔ اندھیرا ہے۔ اندھیرا ہے۔ اندھیرا ہے۔ اور اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ جہاں سانس رک گئی۔ جہاں آنکھیں بند ہوگئیں۔ اس کے بعد تاریکیوں کا ایک لامتناہی سمندر مجھے نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں نظر آتا ہے۔ میں کہنا چاہتا ہوں وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اسی لئے اسے تاریکی نظر آئی ہے۔ مگر ہم مصطفے پر یقین رکھتے ہیں ہمیں مرنے کے بعد بھی روشنی نظر

آتی ہے۔ ایک روشنی ہے۔ ایک روشنی ہے۔ نور کا ایک سیلِ رواں ہے ایک سمندر ہے۔ جو قدمانِ مصطفے سے ابل رہا ہے۔ جو ہمیں ہر منزل پر رہنمائی کر رہا ہے۔

یارسول اللہ!

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہوجائے

ہم تو اجالوں کے مسافر ہیں۔ ہم اندھیروں کے مسافر نہیں ہیں۔ ہماری زندگی کی راہوں میں بھی مصطفے کے قدموں کی تابندگی ہے۔ ان کے معالم نقوش کی تابندگی ہے۔ ان کی حیات کی تابندگی ہے، اور مرنے کے بعد بھی ان کے روئے زیبا کی تابندگی ہے، ان کے بخشے ہوئے تصور حیات کی تابندگی ہے، جنت کی تابندگی ہے، رحمت الٰہی کی تابندگی ہے، دیدار خداوندی کی تابندگی ہے، قبر کی زندگی کی تابندگی ہے، علیین کی تابندگی ہے، اور محشر کے تصورات کی تابندگی ہے، ہم تو تابندگی کے مسافر ہیں، اندھیروں میں وہ سفر کرتے ہیں جو یقین کے مسافر نہیں شک کے مسافر ہوتے ہیں۔ شک اندھیرا ہے اور یقین اجالا ہے۔ شک اور یقین کے لفظوں کا جو ترجمہ ہے وہ یہ ہے کہ شک کہتے ہیں اندھیرے کو۔ ڈاؤٹ فل (Doubtfull) کیفیات دراصل اندھروں کی آئنہ دار ہوتی ہیں۔ انسان اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتا ہوا نظر آتا ہے، اندھیروں میں چلتا ہوا نظر آتا ہے اور اسے معلوم نہیں کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟

منافقین کے بارے میں قرآن عظیم کہتا ہے۔ ''کبھی تو یہ ایمان لاتے ہیں کبھی انکار کر بیٹھتے ہیں،، ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اچانک بجلی چمکی، راستہ کچھ نظر آیا اور پھر اندھیرا ہو گیا اور ٹامک ٹوئیاں مارنے لگے۔ یہ منافقین کی بات ہے۔ لیکن کافروں کے سامنے اندھیروں میں زندگی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ اس لئے وہ صرف اندھیرا دیکھتے ہیں۔ مگر ہمارے سامنے صرف اجالا ہے۔ صرف اجالا ہے۔ اجالے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم یقین کی راہوں کے مسافر ہیں۔ ہم اندھیروں کے مسافر نہیں ہیں۔ ہماری ہر منزل منزل یقین ہے۔ اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام کی راہ پر چلنے والا یا تو منزل یاب زندگی ہوتا ہے۔ لیکن اگر منزل پہ

نہ پہونچا تو راستے میں جہاں موت آتی ہے منزل وہیں اس کے قدم چومتی ہے۔ وہ کبھی منزل آشنائی سے دور نہیں ہوتا۔ ہمیشہ وہ منزل کا مسافر ہوتا ہے۔ ہمیشہ منزل پہ پہونچنے والا ہوتا ہے۔ جہاں زندگی کی شام ہوتی ہے وہیں منزل آجاتی ہے، جہاں زندگی کی شام ہوجاتی ہے وہیں وہ اپنا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ ہم اسلام کے راستے پر چلتے ہیں۔ یہ یقین کا راستہ ہے۔ یقین مان لیجئے کہ دنیا نے ہمیشہ غیر یقینی راستوں کی پرواہ کی ہے۔ لوگ غیر یقینی راستوں پر چلتے ہیں، اگر دنیا کے نظام ہائے باطل کا جائزہ لو، دنیا میں بنائے ہوئے انسانی قوانین کا جائزہ لو، تو تمہیں صرف اندازہ نظر آئے گا، قیاس نظر آئے گا، امکانات نظر آئیں گے، امکانات پر گفتگو نظر آئے گی۔ پوسیبلیٹی (Possibility) نظر آئے گی اور پوسبلیٹی (Possibility) کے دائرے میں گھومتی ہوئی زندگی نظر آئے گی۔ اس کے علاوہ تمہیں کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔

میں نے قرآن عظیم کی مقدس آیت کریمہ پڑھی تھی۔ اس تمہید کے بعد اس آیت کریمہ کو سنو اور اس کے جلووں سے اپنے قلب کو منور کرنے کی کوشش کرو۔ قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے۔'' **یا ایھا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم**،، اے مسلمانو! اللہ اور رسول کے پیغام کو فوراً قبول کرو۔ جب بھی رسول تمہیں بلائیں۔ اس لئے کہ وہ حیات کی طرف بلاتے ہیں، اس لئے کہ وہ زندگی کی طرف بلاتے ہیں، حیات جاودانی کی طرف بلاتے ہیں، حیات سرمدی کی طرف بلاتے ہیں، یہی قرآن عظیم کا ترجمہ ہے۔ اور عجیب عالم ہے۔ قسم خدا کی! جب پیغام کی بات آئی تو اللہ و رسول دونوں کی بات کی گئی۔ قرآن کہتا ہے۔'' **یا ایھا الذین آمنوا استجیبو اللہ وللرسول..... الخ**،، اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے پیغام کو سنو! اسے قبول کرو۔'' **اذا دعاکم**،، جب کہ پیغمبر تمہیں آواز دیں۔ پیغمبر تمہیں بلائیں۔ پیغام دونوں کا ہے۔ مگر بلانے والے تنہا پیغمبر ہیں۔ آواز دینے والے تنہا پیغمبر ہیں۔ اس زمین میں اللہ کے نائب مطلق پیغمبر ہیں۔ اللہ کے سفیر اعظم پیغمبر ہیں۔ پیغمبر بلائیں تو اللہ کا بلانا ہے۔ پیغمبر آواز دیں تو اللہ کا آواز دینا ہے۔ پیغمبر بلائیں تو اللہ کی دعوت ہے۔ یہ ''دعا،، واحد کا صیغہ ہے۔ اور اللہ و رسول یہ دونوں تو تثنیہ ہیں، عربی زبان میں

تثنیہ کے لئے الگ استعمال ہوتا ہے۔ ''دعواکم،، نہیں ہے۔ ''دعاکم،، ہے۔ گویا یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ رسول کی بارگاہ میں جانا خدا کی بارگاہ میں جانا ہے، رسول کا پیغام سننا خدا کا پیغام سننا ہے، رسول کے آستانے پر حاضری دینا خدا کی بارگاہ میں حاضری دینا ہے، رسول کے نظام کو قبول کرنا توحید کی اعلیٰ ترین قدروں کو قبول کرنا ہے۔ اور کبھی تم نے لذت تخاطب کو محسوس کیا ہے یا نہیں کیا؟ تخاطب میں بھی ایک لذت ہوتی ہے۔ جو کوئی محبوب تمہیں بلائے، جب کوئی پیارا تمہیں بلائے۔ جس سے تم عقیدت رکھتے ہو وہ تمہیں بلائے تو اس کے بلانے میں جو لذت ہوتی ہے اس میں بڑی سرمدیت ہوتی ہے۔ پس پردہ میں جو محبوب سے بات ہوتی ہے اس میں بھی ایک کیف ہوتا ہے۔ اس میں بھی ایک لذت ہوتی ہے۔ اس میں بھی ایک سرمدیت ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں جہاں جہاں اللہ نے کہا ہے ''یا ایھا الذین آمنوا،، وہاں اللہ مخاطب کر رہا ہے ایمان والوں کو۔ اگر ایمان والے ہیں تو اس مخاطبت کی لذتیت میں ڈوب جاتے ہیں۔ اس سرمدیت میں ڈو جائیں گے کہ اللہ مخاطب کر رہا ہے۔ ہم کیسے ہیں؟ کتنے کمزور ہیں۔ ہماری کیا حیثیت ہے؟ مگر اللہ مخاطب کر رہا ہے۔ ہم تو مخاطب الٰہی ہیں۔ اللہ ہم سے کلام فرما رہا ہے۔ آپ ہمارے مخاطب ہوں تو فخر کریں گے۔ لیکن جب بندہ اللہ کا مخاطب ہو جائے تو اس لذت کو وہ کیسے فراموش کر سکتا ہے؟ وہ کیسے بھول سکتا ہے؟ قرآن پاک کو کبھی آپ اس لذت کیف میں پڑھنے کی کوشش کی ہے؟! ''یا ایھا الذین آمنوا،، اے ایمان والو! جہاں جہاں کہا گیا ہے اے ایمان والو! وہاں اللہ آپ کو مخاطب کر رہا ہے، آپ کو بلا رہا ہے، اللہ آپ سے کلام فرما رہا ہے، آپ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہیں اور شرف کلام میسر آ رہا ہے۔ ایک طرفہ ہی سہی مگر کلام تو فرما رہا ہے، آپ کو بلا تو رہا ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں۔ وہ بندہ کتنا خوش نصیب ہے، وہ بندہ کتنا عظیم ہے، وہ بندہ کتنا بزرگ اور محترم ہے، وہ بندہ کس قدر قابل تعظیم ہے، وہ بندہ کس قدر اپنی قسمت پہ ناز کرے گا جسے اللہ بلا رہا ہو۔ کوئی سرمایہ دار بلا رہا ہو تو زمین پر قدم نہیں پڑتے ہیں۔ کوئی وزیر بلائے تو اتراتے ہوئے چلتے ہیں، کوئی سربراہ مملکت بلائے تو اللہ اکبر اس طرح پریدہ بال ہوتے ہیں کہ جیسے زندگی کی

رفعتوں کے آخری مقام پر ہیں۔ جسے اللہ بلا رہا ہو اس کے مقام کا کیا عالم ہوگا؟ جسے اللہ مخاطب کر رہا ہو اس کی منزل کا کیا عالم ہوگا؟ کبھی ''یا ایھا الذین آمنوا،، پڑھتے ہوئے اس کیف کو محسوس کیجئے۔ اس لذت کو محسوس کے لئے جو اس کے اندر پوشیدہ ہے۔ اللہ آپ کو مخاطب کر رہا ہے۔ اے ایمان والو! ایک مقام پر نہیں قرآن پاک میں سینکڑوں جگہ فرمایا جا رہا ہے۔ اے ایمان والو! پتہ چلا اپنے ایمان کی حفاظت کرو۔ جب ایمان والے ہو گے تو مخاطب الٰہی بن جاؤ گے اور ایمان والے نہیں ہو گے تو اللہ کے خطاب کی لذت سے محروم کر دئے جاؤ گے۔

سنی دعوت اسلامی تمہارے ایمان کی حفاظت کا انتظام کر رہی ہے۔ سنی دعوت اسلامی کے پلیٹ فارم سے ایمان کی لذتوں سے آشنائی کا ایک مقام میسر آ رہا ہے۔ قرآن پاک کو کیف وجذب میں ڈوب کے پڑھو۔ قرآن پاک قانون کی خشک کتاب نہیں ہے۔ یہی فرق ہے قرآن میں اور دوسری کتابوں کے اندر۔ جب دنیا میں قانون کی کوئی کتاب مرتب ہوتی ہے تو وہ بڑی خشک ہوتی ہے۔ ویری ڈرائی (Very Dry) ہوتی ہے اس قدر خشک ہوتی ہے کہ اس میں نہ کنایہ ہوتا ہے، نہ استعارہ ہوتا ہے، نہ تشبیہ ہوتی ہے، نہ تشبیب ہوتی ہے، نہ ایجاز ہوتا ہے، نہ اطناب ہوتا ہے، نہ شعریت ہوتی ہے، نہ اور دوسری کیفیتیں ہوتی ہیں، نہ انحنا ہوتا ہے نہ امالہ ہوتا ہے، نہ بہاری مضامین ہوتے ہیں۔ قانون کی زبان میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اگر قانون کی زبان میں تم نے مبالغہ بھر دیا تو وہ قانون نہیں رہ جائیگا شعر بن جائیگا۔ اگر قانون کی زبان میں ایجاز واطناب بھر دیا تو وہ قانون نہیں رہ جائیگا۔ قانون کا تو یہ عالم ہے کہ قانون داں جانتے ہیں، میں نے بھی اسلامی قوانین اجتہاد کی روشنی میں پڑھے ہیں۔ اسی لئے مجھے بھی معلوم ہے کہ قانون کا تو یہ عالم ہے کہ ایک پلہ میں لفظ کو رکھو اور دوسرے پلہ پہ مفہوم کو رکھو اور دونوں برابر ہونے چاہئے۔ نہ لفظ زیادہ ہوگا نہ مفہوم زیادہ ہوگا۔ قانون جو مفہوم متعین کرنا چاہتا ہے اس کے لئے بہت ہی کیرفولی (Carefully) الفاظ کو سلیکٹ (Select) کرتا ہے۔ الفاظ کا انتخاب کرتا ہے۔ تب جا کر کے وہ قانون کی زبان بنتی ہے۔ قانون کی زبان تو اتنی خشک ہے کہ اس کو پڑھنے والے ہمیشہ بوریت محسوس کرتے ہیں۔ دفعات رٹتے رہتے

ہیں۔ نظیریں دیکھتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں اور کیا آتا ہے؟ نہ انہیں شعر آتا ہے نہ انہیں تشبیہ دینی آتی ہے، نہ ایجاز واطناب ہوتا ہے، نہ وہ ایسی کوئی کیفیت سے آشنا ہوتے ہیں جو دل کو چھو سکے، جو مشاعر کو چھو سکے، جو محسوسات کو چھو سکے، جو جذبات کو چھو سکے، جو کیفیات کو مخاطب کر سکے، جو انسان کی فنون لطیفہ اور کیف لطیف کو باضابطہ آواز دے سکے۔ قانون کی زبان میں ایسا کچھ نہیں ہوتا مگر قربان جاؤ قرآن اللہ کا قانون ہے مگر مجاز کا حسن بھی ہے، کنایہ کا جمال بھی ہے، اطناب کی کیفیت بھی ہے، اور استعارے کا جمال بھی ہے، شفق کا حسن بھی ہے اور افق کی سرخی بھی ہے، آسمانوں کا برستا ہوا بادل بھی ہے اور زمین پر بچھی ہوئی سبزے کی چادر بھی ہے، دریاؤں کی روانی بھی ہے، اور پھولوں کی نکہتیں بھی ہیں۔ سب کچھ قرآن کے اندر موجود ہے اور پھر بھی قانون الٰہی ہے، پھر بھی دستور الٰہی ہے، پھر بھی آئین زندگی ہے، پھر بھی اللہ کا مقدس ترین قانون ہے، یہ قرآن پاک ہی کا اعجاز ہے کہ جس نے باضابطہ حسن اعجاز اور لفظوں کی کیفیتوں کو ایک ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ قانون کی روح بھی مجروح نہیں ہوتی ہے اور پڑھنے والا کہیں بھی اپنے کو خشک محسوس نہیں کرتا۔ وہ لوگ جو شعریت کی دنیا سے آشنا نہیں ہیں، جنہوں نے اپنے بعض مشاعر کو مردہ کر دیا ہے۔ قدرت آپ کی کسی بھی فکری اور محسوس توانائیوں کو مردہ دیکھنا نہیں چاہتی۔ اللہ نے جو صلاحیت آپ کے اندر رکھی ہے اسے زندہ ہونا چاہئے۔ اسے زندہ رہنا چاہئے۔ اگر آپ زندہ رہیں گے تو اللہ کی نعمت کا شکر ادا کریں گے۔ اسے ماردیں گے تو شکر ادا نہیں کریں گے۔ دیکھئے نا۔ نغموں سے دلچسپی انسان کی فطرت ہے۔ ایسی فطرت ہے کہ ایک چار سال کے بچے کے سامنے کوئی نغمہ چھیڑ دو تو وہ تھرکنے لگتا ہے۔ اس کے جسم میں لغزش پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ باضابطہ رقص کرنے لگتا ہے۔ دیکھا ہے یا نہیں دیکھا ہے؟ سعدی نے اسی لئے کہا تھا جو نغموں سے دلچسپی نہ رکھے میں سمجھتا ہوں کہ وہ انسان نہیں ہے۔ مجھے اس کے انسان ہونے کے بارے میں شبہ ہوتا ہے۔ جو نغموں سے دلچسپی نہیں رکھتا ہے، جو نغموں سے باضابطہ بہرہ یاب نہیں ہو سکتا ہے۔ آیا اس کی کوئی حس مردہ تو نہیں ہے؟ کوئی جذبہ سو تو نہیں گیا ہے؟ کوئی گوشہ خاموش تو نہیں ہے؟ اس کے محسوسات میں

باضابطہ کوئی برق تو نہیں پڑ گئی ہے؟ آخر وہ نغموں سے دلچسپی کیوں نہیں لیتا؟ اب ظاہر ہے کہ نغموں سے دلچسپی لینا یہ انسان کی فطرت ہے۔ نغمے کان کو اچھے لگتے ہیں، دل کو اچھے لگتے ہیں، روح کو اچھے لگتے ہیں، اس لئے نغموں سے لوگ دلچسپی رکھتے ہیں۔ بعض ظالموں نے یہ بھی کہا ہے کہ دراصل انسان کا وجود خود بھی موسیقی کا پرستار ہوتا ہے۔ اب آپ اندازہ فرمائیں کہ نغموں سے دلچسپی انسان کی فطرت ہے۔ اب اگر آپ نے اسے نعتِ مصطفےٰ نہیں دیا تو وہ فلمی گانے گاتا ہوا نظر آئے گا، وہ بازاروں میں لٹتا ہوا نظر آئے گا، وہ کہیں تو اپنے جذبے کو تسکین دے گا، کہیں تو اپنی فکر کو تسکین دے گا، وہ کسی بازار میں تو جائیگا اس لئے فلمی گانوں سے بچانے کے لئے اسے نغموں کا ذوق دیدیجئے، نعت مصطفےٰ کی کیفیت دیدیجئے، حمد الٰہی کا مزاج دیدیجئے، اسے نغمہ بار کر دیجئے، وہ کہیں اور نہیں جائیگا۔ کسی اور مقام پر نہیں جائے گا۔

آپ لوگ کہیں گے کہ عجیب دعوتی لوگ ہیں۔ ہر تقریر کے بعد ایک نعت پڑھتے ہیں۔ یہ تو گانے والے لوگ نظر آتے ہیں۔ لوگ طنز کرتے ہیں۔ بے چارے محسوسات سے خالی ہیں۔ انہیں معلوم نہیں ہے کہ انسان کی فطرت کس کس بات کا مطالبہ کرتی ہے؟۔ یہ بہت ہی قابل رحم لوگ ہیں۔ دعوت انہی کو کی جائے۔ انہیں کو سمجھایا جائے۔ کہ اگر تم نعت رسول سے دلچسپی نہ لوگے تو تمہارا بچہ اپنے جذبہ نغمہ پسندی کی تسکین کے لئے کہاں جائیگا؟۔ کس مقام پر جائیگا؟۔ وہ پاپ (Pop Music) میوزک سنے گا۔ وہ ڈرم (Droom) کی آواز پر تھرکے گا۔ وہ ہندی نغموں کو مغرب کے انداز میں پیش کر کے ناچے گا۔ وہ پوری سوسائٹی کو رقاص بنا دیگا۔ بچپنے ہی سے عشق مصطفےٰ کی لذت دیدو وہ کہیں اور نہیں جائیگا، کسی اور بازار میں نہیں جائیگا، بکنے سے بچ جائیگا۔

میرے نوجوانو! اپنے دوستوں کو اور اپنے بچوں کو نبی کی محبت دیدو تا کہ وہ کسی اور سے محبت نہ کر سکے اور اس کا دل خالی نہ رہے۔

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

اسلام میں تصورِ مساوات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ اَقَامَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعاً، فَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ، صَلٰوةً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهُ وَ نَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ.
أمَّا بَعْدَ.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ – بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ ط

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ (پ: ۳ سورة آل عمران آیت: ۳۱) صدق الله العلی العظیم.

علماء باوقار، عزیزانِ ملتِ اسلامیہ، قابلِ احترام بزرگو اور دوستو! ماؤں اور بہنو!، ہم اور آپ انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکزِ عقیدت، آقائے دو جہاں، حضور رحمت عالم، تاجدار مدینہ، سرور کائنات محمد رسول اللہ اروا حنا فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں درودِ پاک کی نذریں پیش کرلیں۔ (درود شریف) مسلسل خطابات اور آواز کی خستگی زنجیر پا بنتی جارہی ہے اور احباب کا اصرار ایک شوقِ وارفتہ کی کیفیت اختیار کرگیا ہے۔

اب تھکن پاؤں کی زنجیر بنی جاتی ہے
راہ کا شوق یہ کہتا ہے کہ بڑھتے رہئیے

میں بے پناہ مسرور ہوں اور خوش ہوں کہ جوگیشوری کے اس مقام پر ایک دار العلوم قائم ہوچکا ہے۔ اور یہاں آج قرآن پاک کو اپنے سینے میں محفوظ کرنے والے نوعمر بچوں اور نوجوانوں کے سروں پر دستار حفظ رکھی گئی ہے۔ یہ عظیم مجمع اور اسٹیج پہ موجود علماء کرام اس کوشش کے گواہ ہیں۔ خدائے قدیر و جبار ہمیں بھی گواہوں میں شامل فرمالے۔ (آمین) بظاہر اور منظر یہ ایک مختصر سا کارنامہ سمجھا جائے گا۔ لیکن یہ بڑا تاریخی اور اہم کارنامہ ہے۔ تاریخی اس اعتبار سے کہ آج جب کہ پوری دنیا کی تمام ذہین قوتیں۔ ''ذہین قوتیں،، میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ پہلے اسلام پر نادانوں کی طرف سے حملے ہوا کرتے تھے۔ لیکن اب فکر حاضر اسلام کے اوپر مسلح حملے کررہی ہے۔ پہلے اسلام کے خلاف گلیوں اور بازاروں میں کہا جاتا تھا اور اب میڈیا اور اخبارات کے ذریعہ اسلام کی کردار کشی کی جارہی ہے۔ اس لئے ذہین حملے ہورہے ہیں۔ ایسے دور میں جب قرآن عظیم کو معاذ اللہ ایک ایسی کتاب قرار دینے کی کوشش کی جارہی ہے جو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ظلم کی تعلیم دیتی ہے۔ انسانی طبقات میں تفریق کی باتیں کرتی ہے۔ ایسے دور میں آج بھی قرآن پاک کا یہ اعجاز ایک غالب قوت بن کے اُبھر رہا ہے کہ تم لاکھ کہو آج بھی قرآن عظیم مسلمانوں کے سینوں میں پورے پورے تیس پاروں سمیت اُتر رہا ہے۔ اور صبح قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ دنیا میں اور بھی تو مذاہب ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ وہ آسمانی کتابیں رکھتے ہیں۔ میں پاپائے اعظم کو چیلنج کرتا ہوں جو ویٹکن کی سرزمین پر عیسائت کا سربراہ اعظم سمجھا جاتا ہے۔ کہ وہ کبھی اپنی ہی قوم کو پوری انجیل سنا کر دکھادے۔ دوسرے مذاہب کے وہ رہنما جنہیں اتھاریٹی سمجھا جاتا ہے۔ وہ اپنے مذاہب کی کتابوں کو حفظ نہیں کرتے۔ اور ہمارے مذہب کی عظمت یہ ہے کہ ہمارے بچے بھی اُسے محفوظ کرلیتے ہیں۔ آج تک کسی مذہب میں کوئی ایسا انسان نہ ملا ہوگا جو دعویٰ کرے کہ ہم نے پوری توریت یاد کرلی ہے۔ ہم نے پوری انجیل یاد کرلی ہے، ہم نے پوری زبور یاد کرلی ہے ہم نے عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید سب کو یاد کرلیا ہے۔ آج تک دو ہزار سال کے طویل دورانیہ میں۔ اور جناب موسیٰ کی زندگی کو سامنے رکھا جائے تو کم و بیش ساڑھے تین ہزار سال کے طویل وقفے میں آج تک کوئی یہ دعویٰ نہ کرسکا ہے۔ یہ عظمت مسلمانوں کی ہے کہ وہ اپنی کتاب سے محبت کرتے

ہیں۔ تو اُسے صرف طاقوں میں نہیں رکھتے۔ بلکہ دلوں کے محفوظ خانے میں رکھتے ہیں اور دلوں کے انتہائی محفوظ مقام پر رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ دنیا کی تمام کتابیں اگر مٹادی جائیں تو مٹائی جاسکتی ہیں۔ وہ کتابیں جو پریس میں چھپتی ہیں، وہ کتابیں جو کاغذوں پہ چھپتی ہیں، یا ماضی میں جو کتابیں تختیوں پہ لکھی جاتی تھیں، یا پتھروں پہ لکھی جاتی تھیں، اوراق پر لکھی جاتی تھیں، چمڑوں پہ لکھی جاتی تھیں، اُن کتابوں کو جلایا بھی جاسکتا ہے۔ اور مٹایا بھی جاسکتا ہے۔ مگر قرآن کو بدلا اس لئے نہیں جاسکتا کہ جب تک دنیا میں ایک حافظ زندہ ہے۔ پورا قرآن اس کے سینے میں محفوظ ہے۔ حفاظ کرام اللہ کے نظام حفظ کا ایک حصہ ہیں اور پروردگار عالم نے جو تحفظ کا ذمہ لیا ہے اس ذمہ داری کو یہ ننھے ننھے نو عمر بچے پورا کر رہے ہیں۔

میرے عزیزو اور میرے دوستو! اس اعتبار سے یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ میں مبارکباد پیش کرتا ہوں اُن علماء کو جنہوں نے محنتیں کی ہیں۔ اور اُن حفاظ کو جنہوں نے ان کے سینے میں اللہ کی کتاب کے تیس پارے منتقل فرمادیئے ہیں۔ یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ جن لوگوں نے تعاون کیا ہے، جن لوگوں نے درسگاہ قائم کی ہے وہ اس کے ثواب کو سمیٹنا چاہیں گے تو دامن تنگ نظر آئیگا۔

دینے والے تجھے دینا ہے تو اتنا دیدے
کہ مجھے شکوۂ کو تاہی داماں ہوجائے
اے نمک پاش تیرے حسنِ ملاحت کی قسم
ایسا کردے کہ ہر اک زخم نمک داں ہوجائے

میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے آپ سمیٹ نہیں سکتے کہ ان چھ بچوں نے آج قرآن عظیم سیکھا ہے اور پڑھا ہے اور حافظ ہوگئے ہیں۔ کل اگر یہ چھ بچے پڑھانے بیٹھ جائیں گے تو یقیناً چھ سو بچوں کو حافظ بنائیں گے۔ پھر وہ چھ سو بچے چھ ہزار بچوں کو حافظ بنائیں گے۔ اور پھر وہ چھ ہزار بچے چھ لاکھ بچوں کو حافظ بنائیں گے۔ پھر وہ چھ لاکھ بچے چھ کروڑ بچوں کو حافظ بنائیں گے۔ اور وہ چھ کروڑ بچے چھ ارب بچوں کو حافظ بنائیں گے۔ اور وہ چھ ارب بچے چھ کھرب بچوں کو

حافظ بنائیں گے۔ اور وہ چھ کھرب بچے نہ معلوم کتنے کھرب بچوں کو حافظ بنائیں گے۔ اس طرح سے اعداد و شمار کا منتہا ہی سلسلہ ختم ہوجائے گا مگر ثواب کا سلسلہ باقی رہے گا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! بلا وجہ تھوڑی فرمادیا گیا ہے کہ حفاظ قرآن کے والدین کے سروں پہ تاج رکھا جائے گا۔ یہ تاج کیوں پہنایا جائیگا؟ اس لئے کہ وہ بے شمار افراد کے سینوں میں قرآن پاک کی عظمتیں اور قرآن پاک منتقل کرچکے ہوں گے۔ یہ ایک ایسا صدقۂ جاریہ اور ثواب جاریہ ہوگا جس کی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔ صبحِ قیامت تک اس کا ثواب ان کے والدین کو بھی ملے گا، ان کے اساتذہ کو بھی ملے گا، درسگاہ قائم کرنے والوں کو بھی ملے گا، چندہ دینے والوں کو بھی ملے گا، معاونت کرنے والوں کو بھی ملے گا، یہ ایک ایسا سرسبز و شاداب گلستاں ہے کہ جس کی مہک سے قیامت تک مشامِ انسانی معطر ہوتا رہے گا اور قیامت میں مغفرت کا ذریعہ بن جائے گا۔ یہ چند باتیں جو دراصل میں اس تعلق سے کہہ رہا تھا کہ آپ نے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ آج کے دور میں وہ کتابیں زندہ اور وہ کتاب الٰہی اور وہ قانون زندگی جس نے کائنات کی تقدیر بدلی ہے، کائنات کا مزاج بدلا ہے، کائنات میں تمدن کی بنیادیں رکھی ہیں، کائنات میں تہذیب کے عناصر رکھے ہیں، اور کائنات کو پہلی مرتبہ شعور انسانی دیا ہے، اُسی کتاب کے بارے میں آج کا فریب کار مغرب زدہ انسان، آج نہ معلوم کیسی باتیں کہتا ہوا نظر آتا ہے؟ آپ قرآن عظیم کے نزول سے پہلے اگر دنیا کا جائزہ لیں اور اس کے بعد قرآن پاک کے نزول کے بعد دنیا کا جائزہ لیں تو بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے یہ سب پودا اسی کی لگائی ہوئی ہے۔ آپ یہ محسوس کرسکیں گے کہ دنیا میں جہاں بھی انسانیت کا کوئی تصور مل رہا ہے یہ صدقہ ہے قرآن عظیم کا۔ اور یہ عطا ہے قرآن عظیم کی، یہ اگر میں اپنی جانب سے کہوں تو شاید آپ اسے مبالغہ کا نام دیں۔ یا ایک مسلمان کی قرآن سے محبت کی بات کہنا شروع کردیں۔ مگر میں دنیا کی تمام متمدن قوموں کو جو تاریخ کا مطالعہ کرتی ہیں اور دنیا کے اُن تمام انسانوں کو جو کسی تعصب کی عینک سے دیکھنے کے عادی نہیں ہیں میں آج دعوت سخن دینا چاہتا ہوں اور دعوتِ فکر دینا چاہتا ہوں کہ وہ تھوڑی دیر تک میری بات پر توجہ دیں۔ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم، سرور کائنات، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کے پانچ سوا کہتر (۵۷۱) سال کے بعد اس خاک دانِ گیتی پر اس دنیا میں ہوئی۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر سرور کائنات محمد رسول اللہ روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کا زمانہ یہ دنیا کا تاریک ترین زمانہ ہے۔ جسے فترہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اُس وقفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس میں کوئی پیغمبر جلوہ گر نہیں ہوا، کوئی رسول نہیں آیا، کوئی نبی جلوہ گر نہیں ہوا، کوئی ہادی جلوہ گر نہیں ہوا، حتیٰ کہ کوئی مجدد، دین کا بھی جلوہ گر نہیں ہوا۔ اور نہ ہی کوئی مصلح جلوہ گر ہوا۔ یہ پانچ سوا کہتر سال کا زمانہ پوری دنیا کی تاریکی کا زمانہ ہے، سب سے زیادہ اندھیرا زمانہ ہے۔ ظلمتوں کا زمانہ ہے، ظلم کا زمانہ ہے، بدکرداری کا زمانہ ہے، خطاؤں کا زمانہ ہے، ناخدا پرستی کا زمانہ ہے، سجدوں کی آوارگی کا زمانہ ہے۔ وہ سجدے جو غیر اللہ کے لئے کئے جاتے ہیں۔ بندۂ مومن کا سجدہ کبھی آوارہ نہیں ہوتا۔ تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں پیشانیوں کی رسوائی کا زمانہ ہے، عصمتوں کے نظام کے بکھر جانے کا زمانہ ہے، اور عفتوں کے نظام کے ٹوٹ جانے کا زمانہ ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب دنیا میں عدل کی ایک آواز بلند ہوتی ہوئی نظر نہیں آتی، یہ وہ زمانہ ہے کہ جب دنیا میں ایک بھی حکمراں نظر نہیں آتا، جس نے عدل کی بساط بچھائی ہو اور انصاف کے بارے میں کوئی بات کہی ہو۔ یہ ''۵۷۱،، سال کا زمانہ وہ ہے کہ جب پوری دنیا کسی ایسے نجات دہندہ کی منتظر تھی جو ایک قانون زندگی لے کر کے آئے، ایک دستور حیات لے کر کے آئے، اور بھٹکتی ہوئی انسانیت کو منزل کا پتہ دے سکے۔

میرے عزیزو! اور میرے دوستو! آیئے میں تاریخ انسانی کے حوالے سے اور تاریخ کے ناقابلِ تردید شواہد کی روشنی میں بتاؤں۔ کہ پیغمبر آخرالزماں سرور کائنات محمد رسول اللہ کی تشریف آوری سے لے کر جناب عیسیٰ کے رفع آسمانی تک جو زمانہ گذرا ہے یہ کس اعتبار سے تاریخ کا تاریک ترین زمانہ ہے؟ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ قمر الزماں! تم یہ کہتے ہو کہ دنیا تہذیب آشنا نہیں تھی، دنیا تمدن سے آشنا نہیں تھی۔ یونان تو موجود رہا ہوگا، چین تو موجود رہا ہوگا، جہاں تک تعلیم حاصل کرنے کا حکم خود پیغمبر اعظم نے دیا ہے۔ حکمتِ چین کی شہرت یقیناً تاریخ کا ایک حصہ ہے، ایران تو موجود رہا ہوگا، ایران میں اوسطا کا نظام تو موجود رہا ہوگا، ایران کے آتش کدوں میں یقیناً اخلاق اور محبت کے کچھ شرارے اور کچھ چنگاریاں کہیں نہ

کہیں موجود رہی ہوں گی۔ ہندوستان بھی موجود رہا ہوگا، اور ویدک دور کے کچھ اخلاقی ضوابط یقیناً کسی گوشے میں پائے جاتے رہے ہوں گے، اس کے باوجود یہ کہنا کہ تاریخ میں کہیں امن وانصاف اور تہذیب وشرافت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ کیا یہ تاریخ کا کھلا ہوا مذاق نہیں ہے؟ میں عرض کرنا چاہوں گا۔ یہ جتنے حوالے میں نے دیئے ہیں، یہ سب کے سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کے حوالے ہیں۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام اور سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان میں، پیغمبر تو پیغمبر ہیں کوئی فکری مصلح کنفیوشش کے نام سے، یا اوسطا کے نام سے، یا ویدک کے نام سے کبھی پیدا نہیں ہوا ہے۔ اب یہ دور تاریخ کا انتہائی تاریک ترین دور ہے۔ یہ وہ دور ہے کہ جب ظلمتیں بڑھادی گئی ہیں۔ تاکہ اُجالوں کا حقیقی احساس کیا جاسکے، جب ظلم چھا گیا ہے تاکہ عدل کا حقیقی تصور کیا جاسکے۔ ''الاشیاء تعرف باضدادھا،، چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں رات اندھیری کردی گئی ہے تاکہ آفتابِ تازہ کا جمال زیادہ دیکھا جاسکے۔ یہ وہ زمانہ دنیا کا بڑا تاریک زمانہ ہے۔ آپ کہتے ہیں یونان بڑا متمدن ملک تھا، یونان نے بڑے بڑے دانشور پیدا کئے تھے۔ مدونینِ اخلاق پیدا کئے تھے۔ بڑا فرق ہے یونان کے تدوین اخلاق کا اور اُس اخلاقی نظام کا جو مدینے کی گلیوں سے بپا ہوا تھا۔ یونان کا مدوّنِ اخلاق دنیا کو اخلاق کی تعلیم دیتا تھا مگر اس دعویٰ کے ساتھ کے دنیا میں سب سے معزز قوم، صرف یونانی ہے جسے حکومت کا حق ہے بلکہ دنیا کی تمام قومیں صرف غلامی کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ جس نے طبقاتیت کی بنیاد پر اخلاق کی بنیاد رکھی ہو، وہ اخلاق کی تعلیم کیا دے سکے گا؟ وہ تو انسانیت کی تذلیل کر رہا ہے، وہ تو انسانیت کو رُسوا کر رہا ہے، وہ تو انسانیت کی توہین کر رہا ہے، وہ تو انسانیت کو قدموں کے نیچے روندرہا ہے، اخلاق کی تعلیم تو وہ پیغمبر اعظم دے گا کہ جس نے بتایا کہ آج کے بعد میں نے نسل ونسب کی تمام حیثیتوں کو اپنے قدموں کے نیچے روندھ دیا ہے، آج کے بعد شرافت اور تقویٰ کی بنیاد پر تمہیں منزل بھی ملے گی اور مقام بھی ملے گا۔ نسل ونسب سے مراد اس جاہلی نسل ونسب کی بات کر رہا ہوں جو عہد رسالت سے پہلے تھا اس بات کو ذہنوں میں رکھ لیجئے گا۔ اس لئے کہ کبھی کبھی جب معاملہ شعلہ زن ہوتا ہے تو لطیف باتیں بھی شعلوں میں تبدیل ہوجایا کرتی ہیں۔ میں ایسا کوئی

ذہن آپ کو نہیں دینا چاہتا۔ میں عہدِ رسالت سے پہلے کے نسل ونسب کی بات کر رہا ہوں۔

میرے عزیزو! اور میرے دوستو! تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ کے رسول، تاجدار دو عالم، سرور کائنات، محمد رسول اللہ روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے سے لے کر جناب عیسیٰ علیہ السلام تک کوئی ایسا زمانہ آپ نہیں دکھا سکتے، کوئی ایسا معاشرہ نہیں دکھا سکتے، کوئی ایسی سوسائٹی نہیں دکھا سکتے، کوئی ایسی قوم نہیں دکھا سکتے، کوئی ایسا مصلح نہیں دکھا سکتے، کوئی ایسا ریفارمر نہیں دکھا سکتے، کوئی ایسا مفکر نہیں دکھا سکتے، کوئی ایسا ذہین انسان نہیں دکھا سکتے، کوئی ایسا حکمراں نہیں دکھا سکتے، جس نے اپنے نظام کی بنیاد اخلاق پر اور عدل کے اوپر رکھی ہو، یہ زمانہ تاریک ترین زمانہ ہے۔ یونان کی بات کر رہے ہیں؟ یونان یقیناً کبھی دانشوروں کی آماجگاہ رہ چکا ہے۔ مگر میرے آقا کی تشریف آوری سے پہلے ایک یونانی کا یہ عقیدہ تھا کہ دنیا میں کسی کمزور کو جینے کا حق نہیں ہے۔ یونان کے معاشرہ کو طاقت کے قبضے کا معاشرہ کہا جاتا تھا۔ یونانی یہ کہتا تھا کہ دنیا میں کوئی کمزور جینے کا حق نہیں رکھتا ہے۔ اور اس دعوے کو اور اپنے نظام کے اس حصے کو وہ اس حد تک اپناتا تھا کہ اگر کسی ماں کی آغوش میں کوئی طاقتور بچہ پیدا ہوتا تو ماں اُسے زندہ رکھتی تھی۔ اور اگر کوئی کمزور بچہ پیدا ہوتا تو ماں اپنے بچہ کو لے کر کے پہاڑ کی چوٹی پہ جا کر کے زمین پہ گرا دیتی تھی اور خوش خوش چلی جاتی تھی کہ شاید اُس نے کوئی انسانی فریضہ انجام دیا ہے۔ سرور کائنات کی تشریف آوری سے پہلے یونان کی پہاڑیوں کی بلندیوں سے لاکھوں ننھے بچوں کو زمین پہ پٹخ کے موت سے ہمکنار کر دیا گیا ہوگا۔ زمین پہ پھینک کر کے موت سے ہم کنار کر دیا گیا ہوگا۔ اچھا تھا ہم اس دور میں موجود نہیں تھے۔ مگر تصور کی آگ بڑی طاقتور ہوا کرتی ہے۔ خیال کی آگ بڑی طاقتور ہوا کرتی ہے۔ اگر آپ موجود نہیں تھے تو تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند کیجئے اور چشم تصور سے دیکھئے کہ یونان کے ایک متمدن شہر سے ایک ماں اپنے بچے کو کلیجے سے لگائے ہوئے پہاڑ کی چوٹی پہ چڑھ رہی ہے اپنے دل کی دھڑکن کو سمیٹے ہوئے اور پہاڑ کی چوٹی پہ چڑھنے کے بعد اپنے ننھے سے بچے کو زمین پر پھینکتی ہے۔ بچہ خواہ کتنا ہی کمزور رہا ہو مگر زندگی کی معمولی سی رمق بھی موجود رہی ہوگی۔ تو اس بچے کی آواز سے کوئی چیخ بلند ہوئی ہوگی۔ کوئی کرب ناک آواز بلند ہوئی ہوگی، جب بچہ

زمین پر گرا ہوگا، جب بچہ دھرتی پہ گرا ہوگا، جب بچے نے آخری ہچکی لی ہوگی، یاد رکھو! جب بھی کسی یونانی ماں نے یونان کی پہاڑی سے زمین پر کسی بچے کو پھینکا ہوگا اور بچہ بکھرا ہوگا تو اس کی آتما تڑپی ہوگی، اُس کی چیخ بلند ہوئی ہوگی، محمد رسول اللہ اُسی کمزور بچے کی چیخ کا جواب بن کر کے آئے ہیں۔ رحمۃ للعالمین اُسی کمزور بچے کی چیخ کا جواب بن کر آئے ہیں۔ تو وہ نا آئے ہوتے تو آج بھی یونان کی پہاڑیوں سے نامعلوم کتنے بچوں کو زمینوں پہ پھینکا جا رہا ہوتا۔ وہ تو رحمۃ اللعالمین تھے۔ وہ تو کمزوروں کے لئے آئے تھے۔ وہ تو بے بسوں کے لئے آئے تھے۔ وہ تو بے سہارا افراد کے لئے آئے تھے، وہ تو طاقتور لوگوں کا معاشرہ نہیں کمزوروں کی سوسائٹی قائم کرنے کے لئے آئے تھے۔ وہ تو حکمرانوں کی آقائی کے لئے نہیں بلکہ غلاموں کی آقائی کے لئے آئے تھے۔ اُنہوں نے مزاج اقتدار بدل دیا تھا۔ پہلے اہل اقتدار قابض ہوا کرتے تھے۔ اقتدار پر، مگر انہوں نے زمین سے اُٹھایا تھا افراد کو، اور آسمانِ اقتدار کی بلندیوں پہ پہونچا دیا تھا اور پھر بھی کوئی نخوت اقتدار نہیں تھی۔ کوئی غرورِ اقتدار نہیں تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان کی تشریف آوری سے کچھ پہلے پہلے ایران میں نوشیروانِ عادل نام کا ایک انسان گذرا ہے۔ جس کے نام کا جز عادل تھا، میرے مرشدِ برحق آقائی ومولائی حضور مفتی اعظم ہند کے لب و لہجے میں بات کروں تو بات واضح ہوجائے گی کہ کسی بھی غیر مسلم کو لفظِ عادل سے یاد کیا ہی نہیں جاسکتا۔ اس لئے کہ عدل واسلام مرادف ہیں۔ جہاں اسلام نہ پایا جائے وہاں عادل نہیں پایا جاسکتا۔ اعتدال تو اسلام دیتا ہے۔ عدل کا تصور تو اسلام دیتا ہے۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے اس پہ بعد میں کبھی گفتگو کی جاسکتی ہے۔ لیکن میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تاریخ نگاروں نے نوشیروان کے نام کا جز عادل بنا دیا ہے۔ آیئے میں کلیلۃ ودمنۃ کے مقدمہ نگار کے حوالے سے نوشیران عادل کے عدل کا ایک منظر پیش کروں وہ یہ لکھتا ہے کہ نوشیران کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ظلم کو عدل بنا کر کے پیش کرتا تھا اور لوگ اُسے باور کرلیا کرتے تھے۔ اُس نے کہا کہ میں ایک مرتبہ اس کے دربار میں موجود تھا اور اُس نے اعلان کیا کہ اے لوگو! میں نے زمینوں پر جو نیا ٹیکس نافذ کیا ہے وہ مبنی بر انصاف ہے یا نہیں ہے؟ تو تمام دبیران مملکت نے ایک آواز ہو کر کہا تھا حضور! حق وہ ہے جو آپ کی زبان سے نکلتا ہے۔ بھلا یہ کیسے

ممکن ہے کہ کوئی قانون آپ پیش کریں اور مبنی بر انصاف نہ ہو؟ تو نوشیروان عادل نے ذہنوں کے چھپے ہوئے چور کا تجزیہ کرنے کے لئے کہا میں تمہیں اب فکر کی آزادی دیتا ہوں اظہار کی آزادی دیتا ہوں، زبان کی آزادی دیتا ہوں۔ فریڈم آف اکسپریشن Freedom of Expression کا دور ہے تم آزادی کے ساتھ بولو۔ یہ مت سمجھ کہ نوشیروان کے سامنے بول رہے ہو تم جو بھی کہو گے تمہارے قول کا احترام کیا جائے گا۔ لوگوں نے تھوڑی دیر کے لئے سوچا ہوگا کہ آج تو نوشیرواں بدل گیا ہے۔ آج تو مزاج اقتدار میں بڑی ڈیموکریسی Democracy اور بڑی جمہوریت آگئی ہے" آج تو وقت کا طاغوت انسانوں کی بولی بول رہا ہے۔ ایک شخص کو ہمت ہوئی اور اُس نے کھڑے ہو کے کہا اگر آپ اجازت دیں تو میں یہ بات کہوں کہ آپ نے جو نیا قانون پیش کیا ہے یہ مبنی بر انصاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ نے غیر مستقل زمینوں پر مستقل ٹیکس لگائے ہیں۔ دریاؤں کے کنارے جو کٹاؤ کی زمینیں ہیں کسی وقت دریا کا بہاؤ، انہیں نگل جائے گا اور غریبوں کی فریاد آپ کے دروازے پہ اُس وقت پہونچے گی جب زمین کا کوئی گوشہ ان کی لاش، کو اپنے اندر سنبھال چکا ہوگا۔ اس لئے میرا یہ کہنا کہ جناب والا مستقل زمینوں پہ مستقل ٹیکس لگائے جائیں اور غیر مستقل زمینوں پہ غیر مستقل ٹیکس لگائے جائیں یہ اُس نے کہا۔ نوشیرواں کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں اور اُس کے بعد اُس نے کہا وہ کون ہے؟ جو میرے دربار میں میرے قانون کی دھجیاں اُڑا رہا ہے۔ کچھ لوگوں نے ہمدردی کے لئے کھڑے ہو کے کہا، حضور یہ تبیع مملکت ہے یہ آپ کے جملوں کو قانون کی شکل دیدیا کرتا ہے۔ جو بولتے ہیں اُسے دستور بنا دیا کرتا ہے۔ بڑا نمک خوار ہے آپ کا۔ اس کے اوپر احسان کر دیجئے، پہلی مرتبہ اس نے جرأت بیجا کی ہے، پہلی مرتبہ غلطی کی ہے۔ اُس نے کہا یہ کون ہے جو اس کا حمایتی ہے۔ یہ دونوں کھڑے ہو جائیں اور ان کے سروں پہ لوہے کے قلمدان اُس وقت تک توڑے جائیں جب تک ان کا بھیجا باہر نہ آجائے۔ یہ وہ عدل تھا جس کو عادل کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ مگر قربان جائیے کہ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو نظام عدل برپا کیا تھا اُس کی عظمتوں کا یہ عالم تھا کہ وہ عظیم فاتح جس نے قیصر و کسریٰ کی قوتوں کو اپنے قدموں پہ جھکا دیا تھا جب وہی امام بن کر کے مسجد کے اندر کھڑا

ہوتا ہے تو ایک معمولی سا انسان اعتراض کر دیتا ہے۔ عمر! یہ آپ نے جو چادر پہن رکھی ہے، یہ عمامہ جو بنوا رکھی ہے یہ اتنی بڑی یہ اُس چادر سے تو نہیں ہو سکتی جو آپ نے ہمیں تقسیم کی تھی کچھ آپ نے زیادہ لیا ہوگا بیت المال سے۔ سیدنا عمر فاروق نے اشارہ فرمایا، عبداللہ بن عمر کھڑے ہوئے اور کہا میرے ابّا کا قدِ عظیم یقیناً بہت زیادہ ہے۔ اس لئے میں نے اپنی چادر بھی ان کے حوالے کر دی ہے۔ انہوں نے میری چادر کو شامل کر لیا ہے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں ایک طرف وہ نوشیرواں جو ایک مملکت کا حکمراں ہے وہ یہ برداشت نہیں کرتا کہ اس کے دربار میں کلمہ حق کہا جائے اور دوسری طرف نوشیرواں کے جانشینوں کے اقتدار کو اپنے قدموں سے روندھنے والے عمر یہ اجازت دیتے ہیں کہ دربار کا معمولی انسان بھی جو چاہے کہہ سکتا ہے۔ یہ اسلام ہے جہاں اظہار کی آزادی ہے وہ قرآن جو اظہار کی آزادی دینے کے لئے آیا تھا۔ وہ قرآن جو مساوات کا تصور لے کر کے آیا تھا۔ وہ قرآن جو انصاف کا احساس لے کر کے آیا تھا وہ قرآن جو تکمیل انسانیت کا نظام لے کر کے آیا تھا، وہ قرآن جو پستوں کو بلند کرنے کے لئے آیا تھا، وہ قرآن جو کمزوروں کو دعوت دینے کے لئے آیا تھا، وہ قرآن جو اُخوت کا درس دینے آیا تھا، وہ قرآن جو وحدتِ انسانی کا تصور لے کر کے آیا تھا۔ وہ قرآن جس نے انسانوں کو انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام پہ پہونچایا۔ آج اُسی قرآن پر اعتراضات صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو قرآن سے بہت خوفزدہ ہیں۔ کبھی کبھی خوف کی آواز بھی بڑی ہی بھیانک اور ڈراؤنی ہو جایا کرتی ہے۔ کسی آبادی میں اگر خوف طاری ہو جائے تو رات بھر لوگ سوتے نہیں ہیں اور نئے نئے جھوٹے جھوٹے قصے سنایا کرتے ہیں کہ کل میں نے اس گلی میں اس کو دیکھا تھا اور ایک مسلح آدمی اُس سے گذرا تھا اور ایک قیامت وہاں کھڑی منتظر تھی اور ایک بھیانک سایہ میں نے وہاں دیکھا تھا۔ یہ سب خوف کی آواز ہے اور خوف کی آواز میں سچائی نہیں ہوتی۔ قرآن ایک غالب قوت بن کر کے اکیسویں صدی میں پوری دنیا پہ چھانے والا ہے اس لئے جو اُس سے خوفزدہ ہیں اُسے بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ جھوٹ کا الزام لگانا چاہتے ہیں۔ قرآن سچائی ہے جو غالب ہو کے رہے گی۔ تمہیں معلوم ہے؟ اندازہ کر سکتے ہو تم، کہ کم و بیش آدھی صدی سے زیادہ قرآن پاک کے نظام کو جبر و تشدد کے نیچے دبانے کے باوجود آج جب تھوری

سی آزادی ترکی میں انتخاب کی دی گئی ہے تو قرآن کے حاملین کی طاقت جیت گئی ہے وہاں، الجزائر میں دی گئی ہے تو وہاں جیت گئے ہیں وہ لوگ جو قرآن کے حاملین ہیں کیوں؟ میں آپ کو انتہائی مبارک باد انداز میں کہنا چاہوں گا کہ نجم الدین اربکان کی پارٹی جو جیت رہی ہے۔ یہ حنفی بھی ہے۔ سنی بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یقینی طور پر سلسلۂ نقشبندی بھی ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا اور بتا رہا تھا کہ آپ اندازہ فرمائیں رشیا میں ستر سال تک قرآن عظیم کا داخلہ ممنوع تھا۔ جو لوگ قرآن عظیم کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں۔ ذرا غور سے سن لیں، توجہ دیدیں تھوڑا سا، سچائیوں کو الزامات کے ذریعہ سے دبایا نہیں جا سکتا ہے۔ اب تک مسلمان صرف تلاوت کرتا تھا۔ اب مسلمان نے قرآن سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ ستر سال تک یعنی لینن اور اسٹالین کے انقلاب کے بعد سے لے کر اب تک اگر قرآن پاک لے کر اگر کوئی پہنچ جاتا تو اسے سائبیریا کے برف زدہ علاقوں میں تڑپنے کے لئے ڈال دیا جاتا تھا۔ پوری پوری عمر کی قید دی جاتی تھی۔ قرآن پاک لوگ اپنی جان پر کھیل کر کے کہیں سے حاصل کیا کرتے تھے اور گھروں میں چھپ کے پڑھا کرتے تھے۔ مگر آج جب کمیونزم کا نظام بکھرا ہے تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ قرآن پاک کی درسگاہیں اُن تمام خانقاہوں میں قائم ہو گئی ہیں جو آج تک محفوظ ہیں اور تنہا ورلڈ اسلامک مشن جس کا میں جنرل سکریٹری ہوں اُس نے ایک ملین قرآن پاک پانچ علاقوں میں تقسیم کیا ہے باضابطہ پانچ حکومتوں میں، ایک ملین سے مراد دس لاکھ قرآن عظیم، تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن پاک ایک غالب قوت ہے جتنا قرآن پاک کے نظام کو دبانے کی کوشش کی جائے گی اُسی قدر یہ پھیلے گا۔ کسی موقع پہ انشاء اللہ میں ان مملکتوں کے دینی اور ایمانی محرکات کا جائزہ لوں گا کہ یہ کیسے آج تک مومن ہیں؟ اتنے ظلم کے باوجود اتنی زیادتیوں کے باوجود ان کے اندر ایمان کیوں موجود ہے؟ اس لئے کہ یہ لوگ امام شامل اور امام منصور نقشبندی کے مرید تھے جن کے دلوں میں عشق مصطفیٰ روشن تھا۔

میرے عزیزو! اور میرے دوستو! تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ اگر دیکھیں تو سرور کائنات کی تشریف آوری سے پہلے دنیا میں کہیں بھی انصاف کی کوئی آواز نہیں تھی آپ سوچتے

ہوں گے مصر کی تہذیب بڑی پرانی ہے۔ مصر کی تہذیب نے اہرام تراشے ہیں۔ صنادید تراشے ہیں۔ بڑے طاقتور لوگ رہے ہوں گے۔ مگر مصر کی تہذیب کا تجزیہ کرنا ہو تو دیکھو کہ حضرت عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ نے جو مصر کے گورنر بنا کے بھیجے گئے۔ جب شہر میں داخل ہوئے تو آپ دیکھتے ہیں کہ ایک جلوس نکلا ہوا ہے۔ ایک جلوس میں ایک بچے کو آراستہ کر کے لوگ کہیں لے جا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا لوگو! یہ جلوس کہاں لے جا رہے ہو؟ تو لوگوں نے کہا حضور دریائے نیل خشک ہو گیا ہے اور جب نیل کا دیوتا اپنی زلفیں سمیٹ لیتا ہے تو ہماری کھیتیاں سوکھنے لگتی ہیں اس لئے آج ہم دریائے نیل پر اپنے بچے کو قربان کرنے لے جا رہے ہیں تا کہ وہ اپنی زلفیں پھیلا دے اور ہماری کھیتیاں سیراب ہو جائیں۔ سیلاب پوری دنیا میں تباہی کا سامان فراہم کرتا ہے۔ مگر عرب دنیا میں سیلاب نہ معلوم کتنی رحمتوں کا امین ہوتا ہے۔ اس لئے پوری دنیا میں اُسے سیل آب وغیرہ کہتے ہیں۔ مگر عرب میں اُسے فیضان کا نام دیا جاتا ہے۔ تو فیضان کے منتظر تھے وہ۔ حضرت عمرو ابن عاص نے سوچا اللہ اکبر! یہ لوگ اپنے بچے کو دریا پہ چڑھانے جا رہے ہیں۔ ذبح کرنے جا رہے ہیں تا کہ دریا کی موجیں اس بچے کا خون پینے کے بعد خشک نہ ہو جائیں۔ کتنے ظالم ہیں یہ لوگ! آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ!" جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا ،، حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بیشک باطل مٹنے والا تھا۔ انسان کائنات کا حکمراں ہے، انسان اس زمین پر اللہ کے قوانین کا نافذ کرنے والا ہے، انسان کائنات کا سب سے حسین شاہکار ہے، انسان کائنات کا مقتول ہے قاتل نہیں، انسان اللہ کی بارگاہ میں سر جھکانے کے بعد ساری کائنات سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ کائنات انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے انسان کائنات کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے۔" وسخر لكم الشمس والقمر ،، تمہارے لئے زمین و آسمان کام میں لگا دئے گئے ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند

یہ سب کے سب انسانوں کے لئے لگائے گئے ہیں۔ اس لئے کوئی دریا ہو یا پہاڑ ہو، کوئی سورج ہو یا سیارہ ہو، کوئی آسمان کی قوت ہو یا زمین کی توانائی ہو، کوئی مادی قوت ہو

یا کہربائی قوت ہو، کوئی غلیظ شئے ہو یا کوئی شفاف قوت ہو، کوئی اقتدار ہو یا خواہش ہو، کوئی نفع ہو یا نقصان ہو، کوئی بلندی ہو یا پستی ہو، کوئی بھی شئے انسان سے بندگی طلب نہیں کر سکتی ہے۔ عبادت طلب نہیں کر سکتی ہے، قربانی اگر دی جائے گی تو صرف اللہ کے لئے دی جائے گی، کسی کے حلقوم پر اگر چھری رکھی جائے گی تو بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کے رکھی جائے گی اور انسان کے حلقوم پہ کوئی دوسرا نہیں وہ خود اپنی گردن کو اللہ کی راہ میں پیش کر سکتا ہے جسے حیات ابدی سے نوازا جائے گا۔ مگر یہ بچہ، نہیں، اسے واپس لے جاؤ۔ میں کبھی اجازت نہیں دونگا کہ ایک بچے کو دریا کی موجوں پہ چڑھا دیا جائے۔ اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے، اپنی کھیتی سیراب کرنے کے لئے، اپنی معاشی کفالت کے لئے، پتہ چلا بچوں کو روٹی کی قربان گاہ پر صرف آج نہیں ہر دور میں چڑھایا گیا ہے، ہر زمانہ میں چڑھایا گیا ہے، انداز بدل گیا ہے، مزاج بدل گیا ہے، آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ اگر ڈاکٹر نے بتادیا کہ تمہارے شکم میں کوئی بچی ہے تو گروادی جاتی ہے۔ اس لئے کہ بچی معیشت پر بوجھ ہوگی، بچی کے لئے جہیز فراہم کرنا پڑے گا، بچی کے لئے دوسری چیزیں فراہم کرنی پڑیں گی، کتنا ظالم ہے، آج کا انسان؟ مگر وہی عہد جاہلیت کا زمانہ ہے جو لوٹ کے آگیا ہے۔ اسے جاہلیت القرن العشرین کے نام سے یاد کر سکتے ہیں۔ یہ بیسویں صدی کی جاہلیت ہے، یہ عصرِ تمدن کی جاہلیت ہے، یہ عصرِ حاضر کی جاہلیت ہے جب اُس زمانہ کا معاشی قربان گاہ پہ چڑھنے والا بچہ کسی نجات دھندہ کو پکارتا تھا تو آج بھی وہی نجات دھندہ دنیا کو سکون عطا فرما سکتا ہے۔ قرار عطا فرما سکتا ہے۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! جلوس تو واپس ہو گیا مگر سیدنا عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوچا کہ اگر میں نے بچوں کی قربانی کی رسم کے بند کرنے کے بدلے انہیں پانی فراہم نہیں کیا تو یقیناً وہ کسی رات کی تنہائی میں یہ جرم کر بیٹھیں گے۔ اور میرے آقا کا حکم یہ ہے کہ اگر دریائے نیل کے کنارے اگر کوئی بھوکا کتا بھی مرجائے گا تو عمر سے پوچھا جائے گا۔ انسانی ذبح تو بڑا دردناک معاملہ ہے۔ اور اُس کے بعد آپ نے حضرتِ عمر فاروق کو خط لکھا اے امیر المومنین! یہاں لوگ اپنے بچوں کو دریاؤں پہ چڑھا دیتے ہیں۔ اس لئے خدارا پانی کا انتظام

کیجئے۔ کس یقین کی بنیاد پہ خط لکھا تھا۔ کس اعتماد کی بنیاد پہ خط لکھا تھا؟ کس وسیلہ کی بنیاد پر خط لکھا تھا؟ کیا وہ جانتے تھے کہ وہ پانی کا انتظام کر سکیں گے صحراء میں؟ کیا جانتے تھے کہ پمپنگ سیٹوں کا نظام ہے؟ کوئی نہر جاری کر دی جائے گی۔ کوئی میٹھا دریا جاری کر دیا جائے گا۔ نہیں اُس زمانے میں ایسا کوئی نظام نہیں تھا مگر ایک بات پر یقین تھا کہ عمر فاروق نائب ہیں محمد رسول اللہ کے، خلیفہ ہیں، مختار کل کے، اگر وہ چاہیں گے تو جہاں ٹھوکر لگا دیں گے زمزم پیدا ہوگا۔

ایماں کے جہاں پڑتے ہیں قدم
پیدا وہیں زمزم ہوتا ہے

اس اعتماد پہ خط لکھا تھا اور سیدنا عمر فاروق نے جواب دیا تھا اے دریا! اگر اللہ کے حکم سے جاری ہوتا تھا اور اللہ کے حکم سے رُکتا تھا تو آج اللہ کا بندہ عمر کہہ رہا ہے۔ جاری ہو جا۔ اور دنیا نے دیکھا کہ جب دریا کی تہہ میں یہ رقعہ ڈالا گیا تو فیضان آیا اور کھیتیاں سیراب ہوتی چلی گئیں پتہ چلا "من کان للہ کان اللہ له، ، جو اللہ کا ہو جاتا ہے ساری کائنات اس کی ہو جاتی ہے۔ اب آپ اندازہ فرمائیں کہ دریا کے کنارے جب کسی بچے کو ذبح کیا جاتا رہا ہوگا تو اس کی حلقوم سے نکلنے والا آخری قطرہ کسی نجات دھندہ کو پکارتا رہا ہوگا سرور کائنات اُسی مظلوم کے آخری قطرہ کا جواب بن کر کے آئے ہیں۔ رحمۃ اللعالمین کی تشریف آوری نہ ہوتی تو مصر کے دریاؤں کے کنارے آج بھی یہ انسانی ڈرامہ دیکھا جا سکتا اور یہ منظر مشاہدہ کیا جا سکتا! حضور سید عالم سرور کائنات کی تشریف آوری سے پہلے دنیا کی اور دوسری قوموں کا کیا حال تھا؟ اس کا اندازہ کرنا ہو تو گرد و پیش کا مطالعہ بھی کر سکتے ہو اور جائزہ بھی لے سکتے ہو۔ مگر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ ساری ظلم کی رسمیں اگر بند ہوئی ہیں تو رحمۃ اللعالمین کی تشریف آوری کے بعد۔ آج یہ کہا جا رہا ہے کہ آج کا دور غلاموں کی آزادی کا دور ہے۔ یورپ اور امریکہ میں ایک دن منایا جاتا ہے فریڈم (Freedom) کا اور Selevery کے ختم کرنے کا، جس روز انہوں نے غلامی کی رسم کو ختم کیا ہے وہ دن مناتے ہیں۔ مگر انہیں معلوم نہیں کہ غلامی کی رسم کو تم نے آج ختم کیا ہے۔ انیسویں صدی کے

آغاز میں ختم کیا ہے۔ مگر حضور رحمت عالم نے غلاموں کو آقائی کا منصب آج سے چودہ سو سال پہلے عطا فرمایا تھا۔ تم نے تو بغاوت کے خوف سے ختم کیا ہے۔ جب یہ دیکھ آیا ہے کہ کالا افریقہ بیدار ہو کر کے گورے معاشرے کو نگل لینا چاہتا ہے۔ جب تم نے یہ دیکھ لیا کہ کالوں کی سرزمین کو اللہ نے معدنیات سے بھر دیا ہے اور گوروں کی زمین بنجر اور ویران ہو گئی ہے۔ تیل بھی ان کی زمین پر ہے، سونا بھی ان کی زمین پر ہے، ڈائمنڈ بھی ان کی زمین پر ہے، معدنیات بھی ان کی زمین پر ہیں تو اس زمین کی لالچ میں آج تم غلاموں کو آزاد کرنے کی بات کر رہے ہو، لیکن اگر تم نے روس کا مطالعہ کیا ہو گا یہ بھی ماضی قریب کی ایک کتاب ہے جس میں ایک غلام نسل کا انسان امریکہ سے اپنی جڑیں ڈھونڈنے کے لئے افریقہ جاتا ہے اور اس کے بعد اس نے غلاموں کے سفر کا جو منظر کھینچا ہے تو اسے دیکھو آنکھوں میں آنسو آ جائیں گے، دل کانپ جائے گا۔ انسانی کشتیوں میں لاد کر کے غلاموں کو لادا جاتا تھا اور ان کو زخم لگائے جاتے تھے۔ اور ان کو مارا جاتا تھا اور اگر خدانخواستہ کبھی ان کے زخم بڑھ جاتے تو ان زخموں پہ پانی ڈالا جاتا تھا، اُن زخموں پہ نمک چھڑکا جاتا تھا اس طرح سے انہیں موت سے ہمکنار کیا جاتا تھا۔ انہیں تباہ کیا جاتا تھا۔ ابھی تک غلامی کی یہ رسم رہی ہے۔ مگر لوگوں نے جب دیکھا کہ غلامی کے خلاف دنیا میں آواز بلند ہو رہی ہے تو خود ہی غلامی کو ختم کرنے کی بات کر کے آج غلامی کے ختم کرنے کا انعام اپنے سر لینا چاہتے ہیں۔ مگر اُنہیں معلوم نہیں کہ آج سے چودہ سو سال پہلے سرورِ کائنات محمد رسول اللہ روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عملاً غلامی کو ختم فرما دیا تھا۔ ہر اس انسان کو جو غلاموں سے محبت کر رہا ہو جنت کی بشارت دی تھی۔ کسی گناہ کے بدلے میں غلام آزاد کر دیا جائے تو مغفرت کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ روزہ چھوڑ دو غلام آزاد کر دو تو بخش دیئے جاؤ گے۔ کوئی غلطی کر لی ہو تو غلام آزاد کر دو تو بخش دیئے جاؤ گے۔ کوئی خطا کر بیٹھو غلام آزاد کر دو تو بخش دیئے جاؤ گے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ تاریخ انسانی میں کیا کوئی ایسا حکمران ملے گا کہ جس نے غلاموں کو آزاد کرنے کے بعد اپنے گھر کا فرد بنا لیا ہو، کیا حضرتِ زید محمد رسول اللہ کے گھر کے فرد نہیں ہو گئے تھے۔ کیا بلال حبشی جن کو ان کے آقا سے سیدنا صدیق

اکبر نے آزاد کروایا تھا۔ اور پھر یہ کہتے تھے ''سیدنا بلال،، بلال ہمارے سردار ہیں۔ دیکھو دنیا کا قانون یہ ہے کہ جب بھی کوئی نئی بات، نیا انعام، نیا فیصلہ کسی کو ملتا ہے، تو جب سب سے پہلے جو بنیاد رکھتا ہے اس کا احترام کیا جاتا ہے، اُسے مانا جاتا ہے، اُسے تسلیم کیا جاتا ہے۔ میرے آقا سے پہلے اگر کسی نے غلاموں کو آزاد کرنے کی بات کی ہو تو تم کریڈٹ اسے دے سکتے ہو لیکن میرے آقا سے پہلے دنیا میں کسی نے غلاموں کو آزاد کرنے کی بات نہیں کی ہے۔ تو آج دنیا میں جو بھی غلام آزاد ہو گا یہ صدقہ ہو گا رسول اللہ کا، یہ صدقہ ہو گا سرورِ کائنات کا، میرے آقا سے پہلے اگر کسی نے مساوات کی بات کی ہو تو تاریخ کا حوالہ دکھاؤ۔ کسی مذہب نے بات کی ہو، کسی دھرم نے بات کی ہو کہ انسان برابر ہے۔

انسان سب ایک جیسے ہیں۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔ ''کلکم من آدم و آدم من تراب،، تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ میرے آقا سے پہلے کسی اور نے یہ بات کہی ہے کہ تم سب ایک باپ کے بیٹے ہو، ایک باپ کے بیٹے ہونے کا مطلب سمجھتے ہو؟ تم سب بھائی بھائی ہو' کسی بھی قوم سے تعلق ہو تمہارا، کسی بھی خاندان سے تعلق ہو تمہارا، کسی بھی علاقے سے تعلق ہو تمہارا، مجھے اچھی طرح یاد ہے ابھی انگلینڈ میں چرچ کی ننوں کا ایک قافلہ آیا تھا اور اس نے کچھ سوالات کئے تھے۔ ایک نن (راہبہ) نے مجھ سے یہ پوچھا تھا، اسلام اتنی سختیاں کیوں کرتا ہے؟ اپنی بچیوں کو دوسرے بچوں کے ساتھ ملنے کی اجازت کیوں نہیں دیتا؟ اس قدر پابندیاں کیوں لگائی جاتی ہیں مذہب کی بنیاد پر، میں نے کہا کہ تم بھی یہ پابندیاں لگاتی ہو مگر تھوڑے فرق کے ساتھ، تمہارے یہاں شاہی خاندان کی کوئی بچی عام انسانوں سے مل لیتی ہے تو اتنا ہنگامہ کیوں مچا لیتے ہو تم؟ تمہارے یہاں شاہی خاندان کے بیٹے عام انسانوں سے کیوں نہیں ملتے؟ پتہ یہ چلا کہ تم نے جو احترام اپنے بادشاہوں کو دے رکھا ہے رسول اللہ نے وہ احترام اپنے ہر امتی کو دے رکھا ہے، اپنے ہر غلام کو دے رکھا ہے، تم نے اپنی عزت کا تصور محدود کر رکھا ہے چند خاندانوں میں ''مگر ہمارے لئے اسلام میں سب کے سب برابر ہیں۔ پھر تم یہ نہیں جانتے ہو کہ اسلام کسی

ایسے رشتے کا قائل نہیں ہے۔جس کی بنیادیں فراہم نہ کی جاسکیں، اسلام میں تمام انسان ایک باپ اور ایک ماں سے پیدا کیئے گئے ہیں۔اس لئے سب بھائی بھائی ہیں بھائی اور بہن ہیں۔ اس لئے جب تک کہ کوئی لڑکی کسی کے نکاح میں نہ آجائے اُس سے پہلے کوئی لڑکی اگر ہو گی تو وہ بہن کہلائیگی اس کے علاوہ کچھ نہیں کہلائیگی۔اسلام یہ نظر دیتا ہے اپنے بیٹوں کو کہہ دینا کہ ہر بچی کو خواہ وہ کسی ہندو گھر میں پیدا ہوئی ہو، عیسائی گھر میں پیدا ہوئی ہو، مسلمان گھر میں پیدا ہوئی ہو اُسے بہن کی نظر سے دیکھو اس لئے کہ وہ حوا کی بیٹی ہے، وہ آدم کی بیٹی ہے۔اور ہر بوڑھی عورت کو ماں کی نظر سے دیکھو اس لئے کہ وہ بھی حوا ہی کی بیٹی ہے۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اور ہر بوڑھے انسان کو باپ کی نظر سے دیکھو اس لئے کہ وہ بھی آدم ہی کا بیٹا ہے جو تم سے عمر میں بڑا ہے وہ تمہارے باپ کی طرح سے ہے۔اسلام دراصل محبتوں کے وہ لافانی رشتے قائم کرتا ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت نہ چیلنج کرسکتی ہے۔نہ مٹا سکتی ہے۔شادی سے پہلے کسی جنسی رشتے کا اسلام اس لئے مخالف ہے کہ نہ معلوم کتنے بچے بے چہرگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔وہ اپنی شناخت کھو بیٹھتے ہیں، وہ اپنی پہچان کھو بیٹھتے ہیں، یورپ لرز رہا ہے، امریکہ کانپ رہا ہے، اُن کروڑوں بچوں کے باپ کو تلاش کرنے کے سلسلہ میں جو اپنے باپ کا نام نہیں بتاسکتے ہیں۔چند لمحوں کی لذت صدیوں کی ذلتوں کا پٹہ ان کی گردنوں میں ڈال دیتی ہے۔اس لئے اسلام نے منع کیا ہے کہ شادی سے پہلے کوئی تعلق قائم نہ کیا جائے۔اسلام یہ نہیں چاہتا کہ بے پہچان کے بچے سامنے آجائیں، بے نام کے بچے سامنے آجائیں، شناخت کے بغیر بچے سامنے آجائیں، معاشرے پر بوجھ بن جائیں تہذیب پہ بوجھ بن جائیں تمدن پہ بوجھ بن جائیں۔اس لئے ایسے ہر دروازے کو بند کیا گیا ہے جہاں سے یہ جنسی انارکی پھیل سکتی ہو جب میں نے یہ بات کہی تھی تو بوڑھی نن نے کھڑے ہو کر کہا تھا کہ قمر الزماں کیا میں آج بھی مسلمان ہو سکتی ہوں، میں نے کہا اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو سرکار نے تمہیں دوہرا انعام دینے کا فیصلہ دیا ہے۔تم اپنے دور میں جو نیکیاں کرسکی ہو وہ بھی ملیں گی اور آج کے بعد اتنی نیک بن جاؤ گی جیسے ماں کے شکم سے پیدا ہوئی ہو۔

میرے عزیزو اور میرے دوستو! انسانی مساوات کا جو تصور ہے یہ سرورِ کائنات کی عطا ہے، میرے آقا سے پہلے کسی مذہب نے دیا ہو تو بتاؤ! بلاشبہ توریت اللہ کی کتاب تھی۔مگر وہ توریت جو آج یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔اُسے کافی بدل دیا گیا ہے۔وہاں تو یہ کہا جاتا ہے کہ شرافت تو محدود ہے اسرائیل کے اندر، غیر اسرائیل کبھی شریف ہو ہی نہیں سکتا ہے، بلاشبہ انجیل اللہ کی کتاب تھی۔لیکن بدلی ہوئی انجیل میں انسانیت کا اتنا لرزہ خیز تصور پیش کیا گیا ہے کہ آپ سنو گے۔تو کانپ جاؤ گے بدلی ہوئی انجیل میں تو یہ کہا جاتا ہے کہ ہر انسان پیدائشی گنہگار ہے۔جب وہ پیدا ہوا ہے تو گناہوں کا بوجھ لے کے پیدا ہوا ہے۔یہ اسلام ہے جو کہتا ہے کہ ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے وہ ماں باپ کے شکم سے بے گناہ پیدا ہوتا ہے۔بے خطا پیدا ہوتا ہے اور جب تک شعور کی بنیاد پر گناہ کے قابل نہ ہو جائے اُسے بے گناہ اور بے خطا ہی سمجھا جاتا ہے۔وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم سے گناہ ہوا تھا اسلئے بیٹے نے گناہ کو ورثہ میں لے لیا ہے۔وہ گناہگار پیدا ہوا ہے۔وہ مجرم پیدا ہوا ہے، معاذ اللہ! اول تو ہم حضرت آدم کے ذلتِ پیغمبرانہ کو گناہ کہنے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں تمہیں معلوم نہیں ہے نبی معصوم ہوا کرتا ہے اور تم نے دنیا میں دیکھا ہوگا کہ گناہوں کے بدلے میں ویرانیاں ہوتی ہیں، گناہوں کے بدلے میں بربادیاں ہوتی ہیں، گناہوں کے بدلے میں زمین اُجڑ جاتی ہے، گناہوں کے انجام کے طور پر گھر ختم ہو جاتے ہیں، نسلیں برباد ہو جاتی ہیں مگر یہ کیسا گناہ ہے حضرتِ آدم کا کہ

ہم ہوئے کہ تم ہوئے کہ میر ہوئے
ان کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

اگر وہ نہ ہوتے تو آج نہ ہم ہوتے، نہ تم ہوتے، ترقیوں کی انجمن ہوتی اور نہ یہ کائنات کی آبادی ہوتی، مصلحتِ خداوندی کو گناہ کا نام نہ دو۔لیکن اگر تم نے گناہ کہہ دیا ہے تو یہ ظلم کیا ہے تم نے جناب آدم کے مقدس نام کے ساتھ۔مگر یہ ظلم اپنی اولاد پر منتقل تو نہ کرو، پیدا ہونے والا بے گناہ پیدا ہوتا ہے۔اگر بچپنے میں مرجائے تو جنتی ہوتا ہے۔ماں باپ کو بھی جنت میں لے جانے والا ہوتا ہے۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں یہ تصورِ انسانیت اور عظمتِ انسانیت کا تصور کس نے دیا ہے؟ اب ایک طرف تو یہ کہا گیا۔ اور پھر یہ کہا گیا۔ اچھا! گناہ گار تو پیدا ہو ہے۔ مگر ایک دفعہ زندگی میں اگر وہ اعتراف گناہ کرلے تو گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ اور اعتراف گناہ کا ڈھنگ کیا ہے، کسی پادری کے پاس، کسی چرچ کے رہنما کے پاس جا کر کے اپنے زندگی کا کچا چھٹا بیان کیا جائے۔ اسے اعتراف گناہ کہتے ہیں اور اُس کے بعد وہ خدا اور بندے کے درمیان میں ذریعہ بن جائے تو گناہ معاف ہوتا ہے۔ اسلام نے اس تصور کو روند ڈالا ہے۔ اسلام کسی انسان کو انسان کے سامنے ذلیل ہونے سے بچاتا ہے۔ چرچ کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ رومن دور میں نہ معلوم کتنے شہزادوں کو اور شہزادیوں کو ان کے گناہوں کی بنیاد پر چرچ بلیک میل کرتا رہا، انہیں سزائیں دیتا رہا۔ مگر اسلام میں اگر کسی سے غلطی ہو جائے۔ آدم نے غلطی نہیں کی تھی۔ گناہ نہیں کیا تھا اور ان کا بیٹا گنہگار بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر بعد میں کسی سے گناہ ہو جائے تو اس کے لئے کسی پادری کے پاس نہیں جانا ہے۔ کسی مولوی کے پاس نہیں جانا ہے، اپنے گناہ کا اعتراف کرنے کے لئے کہیں نہیں جانا ہے۔ رات کی تنہائی میں جب پوری دنیا سو رہی ہو چند آنسو اللہ کی بارگاہ میں پیش کردیئے جائیں۔ گناہ خود بخود معاف ہو جائیں گے۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

اپنے عقیدوں کے بھیانک گوشوں کو چھپا کر کے آج یہ قوم بھی نئی نئی لالچوں کے ساتھ مسلمانوں کے پاس آرہی ہے۔ ہمارا مذہب اچھا ہے۔ ہمارا دین اچھا ہے۔ نہیں! مطالعہ کرو اور اسلام اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو چکا ہے۔ اور اپنی پوری قوت کے ساتھ دنیا کے پورے علاقوں میں پھیلتا چلا جارہا ہے۔ تم مایوسیوں کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہو۔ نکل آؤ اس دلدل سے، غربت اپنے مقام پر ہے، پریشانیاں اپنے مقام پر ہیں، مگر اسلام کمزور نہیں، اسلامی تہذیب کمزور نہیں کہ شکست کھا جائے، اسلام غالب ہونے کے لئے ہے، مسلمان بلند ہونے کے لئے ہے۔

میرے عزیزو اور میرے دوستو! کبھی کبھی مایوسی موت بن جایا کرتی ہے، نکال دو اپنے ذہنوں سے مایوسی کا کوئی تصور۔ اب تک ہم ان پڑھ تھے۔ اپنی خوبیوں سے خود واقف نہیں تھے۔ اسلام کی عظمتوں سے آشنا نہیں تھے اس لئے مایوسیاں ہمارے دروازوں پر ڈیرے ڈالے بیٹھی تھیں۔ مگر اسلام ایک غالب اور قہرماں بن کے اُبھر رہا ہے اور دنیا میں جو بھی اسلام کے خلاف بولا جارہا ہے وہ دراصل وہ ان کا اپنے اندر کا خوف ہے جو بول رہا ہے، وہ اسلام کا دروازہ روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے مگر جب ہوا تیز ہوتی ہے تو رفتار بڑھانی پڑتی ہے۔ ہمیں اپنی رفتار بڑھانی ہوگی۔ ہمیں درسگاہیں قائم کرنی ہوگی۔ ہمیں ادارے قائم کرنے ہوں گے۔ ہمیں مدارس قائم کرنے ہوں گے جہاں ہم اپنے بچوں کو اسلام کی خوبیاں بتا سکیں۔ اسلام کی عظمتوں سے آشنا کر سکیں۔ انہیں پراؤڈ کر سکیں اپنے کلچر پر اور اپنی تہذیب پر، انہیں احساس فخر دے سکیں، انہیں بتا سکیں کہ تمہیں خیر امت کے منصب سے نوازا گیا ہے اور تم صرف اپنے نہیں پوری دنیا کے نجات دہندہ ہو۔

میرے عزیزو اور میرے دوستو! آج دنیا میں حقوق نسواں کی بات کی جارہی ہے۔ عورتوں کے حقوق کی، اور معاذ اللہ! قرآن پاک کے مفہوم کو غلط سلط پیش کر کے غلط طریقے سے قرآن پاک کو عورتوں کے حقوق کا غاصب کہا جارہا ہے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں ذرا سوچو اور غور کرو۔ میرے آقا حضور سید عالم سرور کائنات کی تشریف آوری سے پہلے اگر دنیا میں کسی بھی ریفارمر یا مصلح نے عورتوں کے حقوق کی بات کی ہو تو دکھاؤ ایک واقعہ دکھا دو، عورتیں بیچی جاتی تھیں، عورتیں خریدی جاتی تھیں۔ عورتیں جائیداد میں تقسیم ہوتی تھیں۔ عورتیں کنیزیں بنائی جاتی تھیں، عورتیں چڑھادی جاتی تھیں، عورتوں کی قربانی دی جاتی تھیں، عورتیں ذبح کردی جاتی تھیں پیدا ہوتے ہی دفن کردی جاتی تھیں " **واذا الموء دۃ سئلت، بای ذنب قتلت،** ، آج کے دور کو تم سب سے ترقی یافتہ دور کہہ رہے ہو، مگر فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے عورتیں بکتی تھیں اور آج عورتیں اتنی ذلیل ہوگئی ہیں۔ خود نہیں بکتی ہیں بلکہ سامان تجارت کے بیچنے کا ذریعہ بن رہی ہیں، آج کتنی ہی Modeling ہو رہی ہے۔ عورتوں کے ذریعہ

سے ہورہی ہے۔ اب عورت نہیں بک رہی ہے۔ عورت کا شباب چادر بیچ رہا ہے، کپڑے بیچ رہا ہے روٹی بیچ رہا ہے، چائے بیچ رہا ہے بسکٹ بیچ رہا ہے، عورت کا شباب بیچ رہا ہے عورتوں کی جوانی بیچ رہی ہے۔ کس قدر رُسوا کر دیا گیا ہے! مغربی ماحول میں، آج ہوٹلوں میں عورتیں رقص کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، پرسنل سیکرٹری عورتیں ہوا کرتی ہیں۔ جہازوں میں باضابطہ عورتیں غیر مردوں کے سامنے جھک جھک کر کے اپنی حیاء اور غیرت کو نیلام کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ایر ہوسٹس کے ذریعہ سے فضا میں عورت بک رہی ہے۔ قحبہ خانوں میں عورت بک رہی ہے، ہوٹلوں میں عورت بک رہی ہے، سینما کے پردوں پہ عورت بک رہی ہے۔ پہلے عورت بیچی جاتی تھی۔ آج سامان تجارت کے ساتھ عورت بک رہی ہے۔ پہلے بھی بک رہی تھی آج بھی بک رہی ہے۔ اگر آج کی عورت کے اندر ذرا سی بھی غیرت ہوتی تو عصر جدید کی تہذیب کے خلاف چیلنج کرتی کہ ہمارے عریاں جسموں کو دکھا کر کے تم اپنا سامان بیچ رہے ہو۔ کیا ہم اتنی ذلیل ہوگئی ہیں؟ ہم اتنی رسوا ہوگئی ہیں؟ وہ اسلام ہے جو عورت کو اپنی زندگی کی قیمتی متاع سمجھتے ہوئے پردے میں رکھتا ہے اور دنیا میں ہر رسوائی کے بازار سے بچا لیتا ہے۔ اسلام نے عورت کو بکنے کی چیز نہیں بنایا ہے۔ وہ کسی اسٹیج پہ نہیں بکتی، تم اُسے دوسروں کی نگاہوں کی تماشہ گاہ بنانے کے لئے اُسے ننگا کر کے پردہ سیمیں پہ لائے ہو، تم اُسے سینما کے پردے پہ لائے ہو، یہ غیرت ہے اُس کی، تم نے اُسے ذلیل کر دیا ہے اور رسوا کر دیا ہے، آج اس کے اندر اگر احساس بیدار ہو جائے تو مغربی تہذیب کے خلاف سب سے بلند آواز عورتوں کی طرف سے بلند ہوگی۔ سب سے قد آور آواز عورتوں کی طرف سے اٹھے گی کہ ہمیں صدیوں سے ذلیل کیا گیا ہے اور رسوا کیا گیا ہے۔ اسلام میں عورت کا تصور کتنا محترم ہے کہ اسلام میں عورت یہاں تو ماں ہے جس کے قدموں کے نیچے جنت ہے " الجنة تحت اقدام الأمهات،، جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ مرد اگر اپنی جنت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اپنی ماں کے قدموں کے نیچے تلاش کرے گا۔ اسلام میں عورت بہن ہے جس کی ایک آواز پر خواہ وہ اپنی بہن نہ ہو یقین مان لو کہ نجات کے قافلے ہزاروں مقامات کا سفر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اسلام میں عورت بیٹی ہے جس کی غیرت کا تحفظ پورے معاشرے کا فرض ہے۔ اس کے علاوہ اسلام میں عورت کچھ بھی نہیں ہے۔ بیوی ہے جو شریک حیات ہے، ذریعہ سکون ہے " لتسکنوا الیھا،، کی علامت ہے، دبستان حیات کا شگفتہ پھول ہے، اور زندگی کی بہترین پارٹنر اور شریک کار ہے۔ اس کے علاوہ عورت کا کوئی استعمال نہیں ہے اسلام میں، عورتوں کو ذلیل کرنے والے " اپنی بیٹیوں کو بازار میں نیلام کرنے والے، اپنی بچیوں کو رُسوا کرنے والے اور ماڈلنگ پر مجبور کرنے والے اور عریاں ہو کر کے سامان فروخت کرنے پر مجبور کرنے والے، جہازوں میں شرابی اور زناکار اور اجنبی مسافروں کے سامنے اُن کی مسکراہٹیں پیش کرنے والے یہ اس قابل ہیں کہ عورت کی عزت کی بات کریں؟ یہ اس قابل ہیں؟ کہ عورت کے ناموس کی بات کریں؟ آج کے دور کے یہ ظالم اس قابل ہیں کہ عورت کی آبرو کی بات کریں؟ عورت اگر محفوظ ہے تو مذہب کے دامن میں محفوظ ہے۔ اسلام کے دامن میں محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ عورت کی حفاظت کی ضمانت نہ دنیا کی کوئی طاقت دے سکتی ہے نہ کوئی سوسائٹی دے سکتی ہے۔

میرے عزیزو! اسلام کا مطالعہ کرو۔ درسگاہیں قائم کرو اور سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نظام رحمت کو اپنے سینوں میں اُتارو یہ اُسی وقت ہوگا جب رسول اللہ کی اتباع تمہاری زندگی کا حاصل بن جائے گی۔ اُس وقت اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ اور جب تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں شکست نہ دے سکے گی۔ " قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله،، رسول کی اتباع کرو محبتِ الٰہی کا وہ مقام حاصل کر لو کہ جہاں بھی تمہاری کسی شوکت کو چیلنج کیا جائے اللہ کا کرم تمہارے ساتھ ہو جائے۔

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

قرآن کا انسانی تصور

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ اَقَامَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعاً، فَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَدَیْهِ، صَلٰوةً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهُ وَ نَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ. اَمَّا بَعْدُ.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ اَهْلِیْکُمْ نَاراً وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ (پارہ۲۸، سورۃ التحریم آیت: ۶). صدق اللہ العلی العظیم

علماء باوقار، عزیزان ملتِ اسلامیہ، قابل احترام بزرگو! عزیز بچو، ماؤں اور بہنو! ہم اور آپ انتہائی احترام وعقیدت کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکز عقیدت آقائے دو جہاں، حضور رحمت عالم، تاجدار مدینہ، سرور کائنات محمد رسول اللہ ارواحنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

حضرت گرامی! یہ محفل ایک خالص دعوت کی محفل ہے۔ جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی اُن ذمہ داریوں کو محسوس کرسکیں جن کے لئے ہمیں پیدا کیا گیا ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے کائنات میں سب سے افضل اور برتر ہے۔ حساس، ذی شعور، عاقل اور ادراکات

کا حامل ہے۔ پوری کائنات میں تنہا انسان وہ مخلوق ہے جو نامعلوم اشیاء کو ترتیب دے کر کے معلومات کے سینکڑوں دروازے کھولتا ہوا نظر آتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو عقل سے نوازا ہے۔ شعور سے نوازا ہے، فکر سے نوازا ہے۔ ادراک سے نوازا ہے۔ قوت مشاہدہ سے نوازا ہے۔ بصیرت سے نوازا ہے، بصارت سے نوازا ہے، نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت دی ہے، اچھے اور بُرے کی تمیز عطا فرمائی ہے، ان صلاحیتوں کی بنیاد پر انسان کو دنیا میں سب سے بہتر، سب سے ممتاز، اور سب سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ انسان کیا ہے؟ انسان کی حقیقت کیا ہے؟ یہ ایک سوال ہے یقیناً جو انسان کے ذہنوں میں پہلے ہی آیا ہوگا۔ اس کا جواب اسلام جو دیتا ہے وہ دوسرے جوابوں سے مختلف دیتا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے انسان کو محض ایک حیوانی وجود سمجھا ہے۔ گوشت اور ہڈی کا مجموعہ سمجھا ہے، جنہوں نے انسان کو صرف چہرے مہرے کے اعتبار سے دیکھنا چاہا ہے۔ انہوں نے صدیوں پہلے بھی کچھ ہڈیاں ترتیب دی ہیں۔ اور انسان کا سلسلہ نسب بندروں سے وابستہ کردیا ہے۔ ڈارون کا وہ نظریہ، نظریہ ارتقاء جس کا نام ہے۔ اس کا حاصل یہی ہے کہ انسان ہمیشہ انسان نہیں رہا ہے بلکہ انسان ایک جرثومہ حیات کی طرح سے پانی کی سطح پہ نمودار ہوا ہے۔ کبھی جانوروں کی طرح سے جنگلوں میں چلتا پھرتا اور درندوں کی طرح سے پھاڑتا کھاتا نظر آیا ہے اور پھر دھیرے دھیرے اُس نے سماجی قدریں حاصل کی ہیں، تہذیب اور تمدن کی طرف قدم اٹھایا ہے۔ وحشت سے مدنیت کی طرف بڑھا ہے اور اب یہاں تک پہونچا ہے۔ انسان کے اسی ارتقائی سفر کو وہ لوگ جنہوں نے انسان کے خالق سے ہٹ کر کے انسان کو سمجھنا چاہا ہے انہوں نے قبول کرلیا ہے۔ دلائل کے طور پر وہ کچھ ہڈیاں پیش کرتے ہیں۔ کوئی پرانے انسانی ڈھانچے پیش کرتے ہیں جن کی شکلیں بندروں سے ملتی جلتی تھیں۔ یہ اور بات ہے کہ دنیا میں آج بھی ہزاروں ایسی جگہیں ہیں جہاں انسانوں کی شکلیں بندروں سے ملتی جلتی ہیں۔ اس کے لئے ماضی کی قبر کھودنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حال کے جنگلات کا مشاہدہ بھی کافی ہوگا۔ مگر نہیں! چونکہ انہوں نے ایک ناقص فکر کو ترتیب دی ہے اس لئے پھر یہ ناقص کو ثابت کرنے کے لئے اور

ناقص ثبوتوں کا سہارا لے کر کے وہ انسانوں کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ تم جانوروں کی طرح سے ہو۔ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں اور اس کے بعد مر کر مٹی میں مل جاؤ گے۔ نہ تمہارے آغاز کا کوئی مقصد ہے نہ انجام کا کوئی مقصد ہے۔ نتیجہ یہ ہوگیا ہے کہ انسان زندگی گذار رہا ہے۔ آخر درندوں کی اولاد جو ٹھہرا جانوروں کی طرح زندگی گزار رہا ہے آخر جانوروں کی ترقی یافتہ شکل جو ٹھہرا، وہ احساس سے عاری ہے، وہ شعور سے عاری ہے، وہ کسی کے درد کو محسوس نہیں کرتا، کسی کی چیخ کا جائزہ نہیں لے سکتا، کسی کے کرب پر تڑپ نہیں سکتا، کسی کے آنسو پونچھ نہیں سکتا، کسی کی مشکل میں ساتھ نہیں دے سکتا، کسی کے دردناک نالے کو گوشہ سنوا سے سن نہیں سکتا۔ اس لئے کہ بحر کیف وہ جانور ہے۔ مگر اس کے برعکس اسلام نے جو انسان کا تصور دیا ہے اگر آپ اس کا مطالعہ کرنا چاہیں تو ایک مستقل Topic ہے۔ ”الانسان فی القرآن،، قرآن کا انسانی تصور۔ آپ اگر اُس کا جائزہ لینا چاہیں تو آپ انسان کی عظمت اور برتری کا تجزیہ کر سکیں گے۔ آپ جائزہ لے سکیں گے کہ پروردگار عالم نے انسان کو ایک مستقل مخلوق بنایا ہے جو سب سے افضل ہے، سب سے بہتر ہے۔ سب سے بزرگ ہے، اور سب سے زیادہ عظیم ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو جانوروں سے ترقی دے کے انسان نہیں بنایا ہے۔ بلکہ روز اول ہی سے اُسے انسان بنا کے بھیجا گیا ہے اور اتنا عظیم انسان، اتنا بزرگ انسان 'اتنا محترم انسان کہ انسان کی تخلیق کے لئے زمین کا کوئی حصہ منتخب نہیں کیا گیا بلکہ جنت کا کوئی حسین گوشہ منتخب کیا گیا۔ دنیا کی ہر مخلوق زمین پر پیدا کی گئی۔ جانور زمین پہ پیدا کئے گئے، درندے زمین پہ پیدا کئے گئے، سبزے زمین پہ لہلہائے گئے، دریاؤں کو روانی اسی زمین پر دی گئی۔ نسم سحر اسی زمین پہ چلی، بادصبا اسی زمین کا حصہ بنی۔ اسی فضا کے اندر نہ معلوم کتنی رعنائیاں اور کتنی کیفیتیں گونجی مگر انسان کی تخلیق زمین پر نہیں بلکہ اولین انسان کی تخلیق پروردگارِ عالم نے اپنے خلد کے ماحول میں جنت کی سرزمین پہ کیا تا کہ انسان کا امتیاز باقی رہ سکے، انسان کا احترام باقی رہ سکے، انسان کی عظمت باقی رہ سکے، انسان اپنے مقام بلند کو پہچان سکے، انسان اپنی ہر حقیقت کا جائزہ لے سکے، انسان دنیا میں نہیں پیدا کیا گیا، انسان اول جنت

میں پیدا کیا گیا اور توالد و تناسل کا وہ ذریعہ اس کی پیدائش اولین کا رشتہ نہیں بن سکا، جو آج جاری ہے بلکہ پہلے انسان کو دست قدرت نے اپنے خصوصی ہاتھ سے بنایا تھا اور دنیا میں کوئی رشتہ اور کوئی تعلق نہیں آپ اندازہ فرمائیں انسان کائنات کا وہ شاہکار ہے۔ کونین کا وہ تابندہ ستارہ ہے جسے دست قدرت نے براہ راست بنایا ہے اور دنیا میں جب کوئی انسان آتا ہے کوئی شئی پیدا ہوتی ہے تو وہ اپنے کمالات کی بنیاد پر کوئی مقام حاصل کرتی ہے مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس کا مقصد بھی متعین فرمادیا اور مقام بھی متعین کردیا یہ نہیں فرمایا کہ میں نے ایک مخلوق بنادی ہے یہ بعد میں جو چاہے منزل حاصل کرلے، پیدا کرنے سے پہلے فرشتوں کی باعزت اور باعظمت جماعت میں اعلان کیا ”انی جاعل فی الارض خلیفة،، میں زمین میں اپنا نائب پیدا کرنا چاہتا ہوں میں زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں، جانتے ہیں خلیفہ کسے کہتے ہیں، خلیفہ بظاہر تو اُسے کہتے ہیں جو کسی موجود اصل کی غیر موجودگی میں اُس کے لئے کام کرے، مگر اللہ تو ہر مقام پر موجود ہے ہر جگہ موجود ہے ہر عالم میں موجود ہے ہر کیفیت میں موجود ہے رگِ گلو سے بھی زیادہ قریب ہے ”واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اُجیب دعوة الداع اذا دعانی،، اے میرے محبوب میرے بندے جب تم سے پوچھیں تو کہہ دو میں اُن سے بہت زیادہ قریب ہوں جب بھی میرا بندہ مجھے آواز دیتا ہے خود اس کی آواز کو سنتا ہوں۔ مشیت کا یہ فیصلہ اور پروردگار عالم کا یہ اعلان بتا رہا ہے کہ کائنات کا کوئی گوشہ اور کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جو مشیت سے خالی ہے، پروردگار عالم کے وجود سے خالی ہے، وہ ہر جگہ موجود ہے، وہ ہر لحہ موجود ہے، وہ ہر آن موجود ہے، وہ ہر کروٹ موجود ہے، وہ ایسا موجود ہے کہ ایک لحہ کے لئے غافل بھی نہیں ہے اُسے تو نیند بھی نہیں آتی وہ تو سوتا بھی نہیں ہے وہ تو ساری کائنات کا مشاہدہ کرنے والا ہے کائنات کے ذرے ذرے کا تفصیلی مطالعہ ہر لحہ کرتا ہے۔ ہر ہر فرد کا مشاہدہ کر رہا ہے انسان کے دل کے اندر پیدا ہونے والے خیالات و خدشات اس کی نگاہ قدرت سے پوشیدہ نہیں ہیں وہ قادر مطلق ہے وہ دیکھ رہا ہے انسان کے ذہن میں اُبھرنے والے سوالات اس کی نگاہ قدرت سے

پوشیدہ نہیں ہیں وہ ایسا لطیف ہے ایسا خبیر ہے، جگہ جگہ قرآن عظیم میں خبیر اور لطیف یہ دونوں صفتیں ایک ساتھ کیوں آئی ہیں؟ لطافت کے ساتھ خبر رکھنے والا ہے خواہ چیز کتنی ہی پوشیدہ کیوں نہ ہو کتنی ہی باریک کیوں نہ ہو مگر نگاہ قدرت سے چھپ نہیں سکتی ہے۔ پروردگار عالم کے نگاہ سے نہیں چھپ سکتی ہے۔ وہ ہر شئی کو دیکھ رہا ہے۔ ہر چیز کا جائزہ لے رہا ہے۔ ہر چیز کا مطالعہ فرما رہا ہے وہ شہید ہے، وہ بصیر ہے، وہ موجود ہے۔ اللہ اکبر-- اس لئے ظاہر ہے کہ اس کی نیابت کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے؟ وہ تو اصلاً موجود ہے ہر مقام پر اس کی قدرت نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ نہیں! یہاں یہ مفہوم نہیں ہے خلافت کا یہاں مفہوم یہ ہے کہ پروردگار انسان کی حیطہ ادراک سے وراء ہے۔ وہ ہر جگہ موجود ہے مگر ذہن انسانی اس کا ادراک نہیں کر سکتا، شعور انسانی اس کا احاطہ نہیں کر سکتا، انسان کا ذہن محدود ہے۔ اور خدا کی صفات مبارکہ لامحدود ہیں۔ اس لئے ذہن محدود حقیقتِ لامحدود کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اور چونکہ انسان ادراکِ حقیقت الٰہی نہیں کر سکتا اسلئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس زمین پر اپنا نائب پیدا فرما دیا ہے جو باضابطہ رابطہ کا کام تو دے گا بندے کے درمیان میں اور خدا کے درمیان میں، آنے والی نسلوں کے درمیان میں وہ رابطہ ہوگا۔ تم خدا تک نہیں پہنچ سکتے ہو، تم خدا کو نہیں دیکھ سکتے ہو مگر مجھے میرے پروردگا نے اپنی قدرت کا مظہر بنا کے بھیجا ہے۔ اس لئے تم مجھے دیکھو اللہ کو سمجھ سکو گے، میری بارگاہ میں آؤ اللہ کی احکامات کا جائزہ لے سکو گے۔ خلافت کا یہ سلسلہ حضرتِ آدم سے شروع ہوا اور جناب محمد رسول اللہ پہ ختم ہوا۔ انسان کو علیم بنا کے بھیجا گیا صاحب شعور بنا کے بھیجا گیا اور کائنات کی حقیقتوں کا ادراک رکھنے والا بنا کے بھیجا گیا اور پھر فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ تم انسان کے سامنے سر جھکاؤ جو جنت میں پیدا ہوا ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! جب حضرت آدم کو جنت میں پیدا کیا گیا تو فرشتوں نے سجدہ کیا اس دور میں سجدہ تعظیمی جائز تھا یہ تو رسول اللہ کا حساس تصور توحید تھا کہ آج کے دور میں اُسے حرام قرار دیدیا گیا۔ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو سجدہ نہیں کیا جاسکتا ہے ان کی شریعت مطہرہ میں، ان کے قانون میں۔ اللہ ایک ہے۔ پیشانیاں اُسی کی

بارگاہ میں جھکیں گی جس نے پیشانی کو پیدا کیا ہے، جو پیشانیوں کا خالق ہے، جو رب کائنات ہے، مگر رسول اللہ سے پہلے تعظیم کا سجدہ یوسف کو بھی کیا گیا ہے، اور فرشتوں نے جناب آدم کو بھی کیا ہے، انسان مسجود ملائک رہ چکا ہے۔ آپ اندازہ کرو انسان کتنا بلند ہے؟ کہ فرشتے اُسے سجدہ کرتے ہوئے نظر آئے ہیں، فرشتوں نے اُس کے سامنے پیشانی جھکائی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں کیوں پیدا کیا گیا؟ قرآن عظیم تو یہ اعلان کر رہا ہے۔ قرآن عظیم تو یہ فرما رہا ہے کہ ہم اس زمین پر اپنا نائب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ " انی جاعل فی الارض خلیفۃ، ، تو زمین ہی پہ پیدا فرمایا گیا ہوتا۔ مگر زمین پر نیابت کا منصب جسے پروردگار عالم نے عطا فرمایا اُسے جنت میں کیوں پیدا فرمایا گیا؟ تا کہ انسان بھی اصل سے واقف ہو سکے۔ انسان اپنے مرکز سے واقف ہو سکے۔ انسان اپنے حیّز سے واقف ہو سکے، انسان اپنے اصل مقام سے واقف ہو سکے۔ وہ جان سکے کہ آدم کو جنت میں پیدا کیا گیا تھا اس لئے ہر آدمی کا حقیقی ٹھکانہ جنت ہے۔ جہاں سے آئے ہیں وہیں جانے کی کوشش کریں۔ کہیں اور جانے کی کوشش کریں گے تو آدم سے بغاوت ہوگی، آدمیت سے بغاوت ہوگی، یہ احساس دلانے کے لئے اور یہ بتانے کے لئے کہ تم کوئی ارضی مخلوق نہیں ہو۔ جنتی مخلوق ہو تمہیں جنت میں پیدا کیا گیا ہے اور اس کے بعد زمین پہ بھیجا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھیجا تو گیا تھا حضرت آدم کو تنہا مگر قرآن نے صیغہ جمع کا استعمال کیا ہے۔ تم سب اُتر جاؤ زمین پر؟ کیوں۔ آدم کے ساتھ پوری قوم کو کیوں اُتارا جارہا ہے۔ پشت آدم میں صبح قیامت تک آنے والا ہر آدمی موجود تھا اس لئے مشئیت نے کہا کہ جنت میں تمہارے تصور کی تخلیق ہو چکی ہے اب زمین پہ جاؤ اور وہاں جا کے ایک مختصر سی مدت تک زندگی گزارو، اور پھر کوشش کرو کہ اسی جنت میں واپس آجاؤ، اپنے اصلی مقام پر واپس آؤ۔ اپنے اصلی گھر میں واپس آجاؤ۔

میرے عزیزو اور میرے دوستو! اب میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں، یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے بتاؤ کہ جب آپ کو جنت ہی میں واپس جانا ہے تو وہ لوگ جو جنت میں جانے کی کوشش کر رہے ہیں اور جنت میں لے جانے کی یہ محنتیں کر رہے ہیں۔ وہ آپ کے

مقصد حیات اور مقصد تخلیق دونوں سے مطابقت رکھتا ہوا کام کر رہے ہیں یا نہیں؟ انسان جنت کی تخلیق ہے، جنت میں پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کی اصل جنت سے وابستہ ہے۔" کل شئی یرجع الی اصلہ، ، ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ اگر انسان کی اصل جنت ہے تو یقیناً اس کو وہیں لوٹنا چاہیئے۔ دیکھئے انسان پیدا ہوتا ہے دنیا میں ایک زندگی گذارتا ہے۔ لیکن ایک طویل زمانہ گذارنے کے بعد ایک ایسا وقت ہے کہ جب وہ چند انسانوں کے کاندھوں پہ سوار ہو کے جاتا ہے مرنے والوں کے لئے دنیا میں سینکڑوں کلمات تعزیت ایجاد کئے گئے ہوں گے۔ ہر زبان میں ایجاد کئے گئے ہوں گے؟ موت ایسی اٹل حقیقت ہے کہ کوئی بھی قوم ہو، کوئی بھی ملک ہو، کسی بھی زبان کا بولنا والا انسان ہو، موت کی دردناکیوں سے اُسے دوچار ہونا پڑتا ہے اور رشتوں کا کرب اُسے جھیلنا پڑتا ہے۔ اس لئے دنیا کی ہر زبان میں مرنے والے کے لئے کے لئے کلمات تعزیت ایجاد کئے گئے ہوں گے۔ مرنے والے کے متعلقین کے لئے مرنے والے کی اولاد کے لئے، مرنے والوں کے بچوں کے لئے، یقیناً کلمات موجود ہوں گے دنیا کی ہر زبان میں موجود ہوں گے، دنیا کے ہر Low میں موجود ہوں گے۔ مگر قربان جائیے۔ قرآن عظیم نے جو کلمات عطا فرمائے ہیں۔ اُس سے بہتر کلمات کا تصور دنیا کی کسی زبان میں نہیں کیا جا سکتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیوں کہا جاتا ہے؟ میرے بھائی! ایک مرنے والا دنیا کے تمدن سے دور قبر کی وحشت کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔ ایک جنگل میں جا کے ایک نئے گھر میں سلا دیا جاتا ہے اُسے۔ بڑا خوفزدہ ہوتا ہوگا اور اُس کو دفن کر کے آنے والے بھی محسوس کرتے ہوں گے۔ کیا یہ دنیا کی رونقیں اور دنیا کی تمام لذتیں، وہ اُس سے محروم ہو گیا ہے۔ انسان جس نے بڑے بڑے محلات بنائے تھے، جس نے پورے ماحول کو برقا دیا تھا، بجلی کے قمقموں سے۔ جو ایک لمحے کے لئے بھی ایر کنڈیشننگ کے بغیر سو نہیں سکتا تھا اور جو ایک لمحے کے لئے بھی روشنی کے بغیر سانس نہیں لے سکتا تھا۔ وہ صبح قیامت تک ایک ایسی قبر میں سونے چلا گیا ہے جہاں روشنی کا کوئی سامان نہیں ہے، جہاں ایر کنڈیشننگ نہیں ہے، جہاں زندگی کی

دوسری شرطیں موجود نہیں ہیں، جہاں لذتیں موجود نہیں ہیں، جہاں وہ رعنائیاں اور نکہتیں موجود نہیں ہیں جس کے بغیر وہ روٹھا روٹھا سا نظر آتا تھا۔ کیسے وہ صبح قیامت تک وہاں سوتا رہے گا؟ کیسے وہ زندگی گذارتا رہے گا؟ یہ خوف جانے والے کے لئے بھی تھا اور یہ خوف پہونچانے والوں کے لئے بھی تھا۔ وہ لوگ جو بعد میں موجود تھے اُن کے لئے بھی یہ خوف تھا کہ قبر بڑی دردناک منزل ہے۔ بڑی وحشتناک منزل ہے، بڑی لرزہ خیز منزل ہے، بہت زیادہ ڈرانے والا منزل ہے، اس خوف کو دور کرنے کے لئے پروردگار عالم نے ہم کو یہ جملہ عطا فرمایا" ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں، اگر کوئی اجنبی مقام پر جائے تو غم کیا جاتا ہے، اگر کوئی نئے مقام پہ جائے تو غم کیا جاتا ہے، اگر کوئی وحشت ناک مقام پہ جائے تو غم کیا جاتا ہے، اگر کوئی ایسے مقام پہ جائے جہاں کبھی کوئی اس کا کوئی شناسا موجود نہ ہو تب غم کیا جاتا ہے۔ لیکن مسافر اپنے گھر واپس آئے تو خوشی منائی جاتی ہے، مسافر اپنے گھر آئے تو غم نہیں کیا جاتا ہے۔ مسافر اپنی آبادی میں واپس آئے تو وہ جانی پہچانی دنیا میں آتا ہے۔ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے مرنے والے غم نہ کرو تم جہاں سے آئے ہو وہیں جا رہے ہو وہ تمہارا شناسا ماحول ہے، تمہارے باپ کو وہاں پیدا کیا گیا ہے، تمہاری تخلیق جنت میں ہوئی ہے، تم تو اپنے گھر واپس جا رہے ہو، اپنے مکان میں واپس جا رہے ہو، اپنی سرزمین پہ واپس جا رہے ہو، اس لئے غم تمہیں نہیں کرنا چاہیے، تم تو اپنے حیّز اصلی میں جا رہے ہو، اُس مقام پہ جا رہے ہو جس مقام کا تقاضہ تمہاری طبیعت کر رہی ہے۔ صفت انسانی کر رہی ہے، تمہاری انسانیت کر رہی ہے، تمہاری تخلیق اولین کر رہی ہے، تمہاری آدمیت کر رہی ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اب آئیے میں بتاؤں کہ انسان اس دنیا میں آنے کے بعد بہت کم سوچتا ہے کہ ہمیں کس لئے پیدا کیا گیا ہے؟

میرے عزیز! انسان کی فطرت بڑی عجیب واقع ہوئی ہے صاحب شعور اُسے بنایا گیا ہے

چاند پہ کمندیں ڈال رہا ہے، سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر رہا ہے۔ وہ کائنات کے ذرے ذرے کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ مگر بھولا ہوا ہے تو اپنی زندگی کو بھولا ہوا ہے۔ اپنے وجود کو بھولا ہوا ہے۔

یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ انسان جو کائنات کی تمام حقیقتوں کے بارے میں غور کرتا ہے، کائنات کی سب سے بڑی حقیقت اور کائنات کی سب سے بڑی سچائی، انسان خود اپنے بارے میں غور نہیں کرتا کہ ہماری تخلیق کیوں ہوئی ہے؟ ہمارا مقصد کیا ہے؟ ہمیں کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ ہمیں جانا کہاں ہے؟ سائنس اس کا جواب نہیں دے سکتی۔ اس لئے کہ وہ موجودات کو کریدتی ہے۔ لیکن موجودات کے بعد کے بارے میں وہ تو بالکل اندھی اور بہری ہے اس کا جواب دنیا کا کوئی علم نہیں دے سکتا ہے اس کا جواب تو وہ خالق کائنات ہی عطا فرمائے گا۔ جس نے ہمیں اور آپ کو پیدا کیا ہے۔

میرے عزیز! اس اعتبار سے آپ جائزہ لیں اور غور کریں کہ ایک انسان اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ جو اللہ کی تخلیق کا شاہکار ہے تو کیا پروردگار عالم نے اُسے بے مقصد پیدا کر دیا ہوگا؟ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جو بے مقصد پیدا کی گئی۔ زمین کے ذروں سے لے کے آسمان کے ستاروں تک کائنات کا ذرہ ذرہ کوئی نہ کوئی مقصد لئے ہوئے ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں وہ چیزیں جو بظاہر بے مقصد ہوا کرتی تھیں۔ آج ان کا مقصد بھی متعین ہو چکا ہے۔ سینکڑوں زہر جس سے انسان ڈرتا تھا آج اُس سے علاج کا کام لیا جا رہا ہے۔ سطح آب پہ جمی ہوئی کائی جو بڑی غلیظ معلوم ہوتی تھی اُس سے باضابطہ پنسلین ایجاد ہوتی ہے۔ اور نہ معلوم کتنی دوسری چیزیں ایجاد ہوتی ہے۔ جو امراض کے دفاع کا کام دیتی ہیں۔

میرے عزیزو! دنیا میں کوئی چیز بیکار نہیں پیدا کی گئی ہے۔ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے اور کائنات کی ہر چیز اپنا مقصد پورا کر رہی ہے اور جو چیز اپنا مقصد نہیں پورا کرتی وہ نقشہ سے ہٹادی جاتی ہے۔ انسان درخت لگاتا ہے تاکہ وہ پھل دے۔ لیکن اگر کبھی کوئی درخت پھل نہ دے تو جانتے ہیں کیا ہوتا ہے؟ لوگ درخت کو کاٹ دیا کرتے ہیں۔ درخت کو جلا دیا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنا مقصد پورا نہیں کر رہا ہے۔ ایک جانور اس لئے ہے تاکہ وہ ہل

میں چلے یا دودھ فراہم کرے۔ لیکن جب وہ اپنا مقصد پورا نہیں کرتا تو پھر اُسے بڑھاپے کی منزلوں میں یونہی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کی پرورش نہیں کرتے اور تربیت کرتے ہوئے نظر نہیں آتے ہیں۔ ایک مکان اس لئے بناتے ہیں تاکہ رہائش کے کام آئے لیکن جب ناقابل رہائش ہو تو اُسے ڈھا دیا جاتا ہے۔ ایک پودا اس لئے زمین میں لگایا جاتا ہے تاکہ وہ غذا بن سکے یا دوا بن سکے لیکن جب پودا یہ صلاحیت کھو دیتا ہے تو اُسے جلا دیا جاتا ہے وہ خود سوکھ جاتا ہے۔ ہر چیز جس مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ جب وہ اپنے مقصد کو نہ پورا کرے تو وہ ختم کر دی جاتی ہے۔ انسان اللہ کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے۔" وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون،، ہم نے انسان اور جن کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اب اگر عبادت الٰہی کرے گا تو زندہ رہے گا، توانا رہے گا، طاقتور رہے گا، غالب رہے گا۔ کارآمد رہے گا، قہرماں رہے گا۔

اور اگر عبادت الٰہی سے دور ہوگا تو ذلیل ہو جائے گا رسوا ہو جائے گا۔ ٹھوکروں میں ڈال دیا جائے گا۔ ختم کر دیا جائے گا۔ مٹا دیا جائے گا۔ ہمیں اللہ کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کوئی انسان یہ کہے کہ دنیا کی دوسری قومیں بھی تو اللہ کی عبادت ہی کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ اور جب وہ عبادت نہیں کرتی ہیں تو اُن پر کوئی مصیبت کیوں نہیں نازل ہوتی ہے؟ اول تو یہ دعویٰ ہی صحیح نہیں مصیبت نازل نہیں ہوتی، ہوتی ہے۔ لیکن ہم پر مصیبت زیادہ نازل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم کو عبادت کے لئے پیدا ہی کیا گیا اور ہمیں مقصد حیات کا شعور بھی دیا گیا۔ دنیا کی دوسری قومیں جانوروں کی طرح سے شعور حیات نہیں رکھتی ہیں مگر ہم میں نبی کو بھیجا گیا، پیغمبر اعظم کو بھیجا گیا، رحمۃ للعلمین کو بھیجا گیا، اُس ذات گرامی کو بھیجا گیا جس کے قدم عزت سے انسانی زندگی کی آبرو وابستہ ہے۔

ہم میں نبی کو بھیجا گیا۔ وہ قانون زندگی لے کر کے آئے۔ وہ دستورِ حیات لے کر آئے، وہ کتاب الٰہی لے کر کے آئے، ایک نظام حیات لے کر کے آئے۔ ہمیں حیات کا شعور دیا گیا، اس لئے پوچھا ہم سے جائے گا۔ معاہدہ ہم سے کیا جائے گا، سوال ہم سے کیا جائے گا۔

میرے عزیز اور میرے دوستوں، اور سزا بھی ہم کو ذرا جلدی دی جائے گی۔ کیا خیال ہے آپ کا؟ بازار میں دو بچے لڑ رہے ہیں ایک بچہ آپ کا ہے اور ایک بچہ اجنبی ہے۔ دونوں گھر پہ آئیں گے سزا آپ کسے دیں گے، یہ مولانا ہیں جو اُستاد ہیں۔ اپنے بچوں کی بہترین تربیت کرتے ہوں گے۔ انہوں نے یہ دیکھا کہ سڑک پہ دو بچے آپس میں لڑ رہے ہیں، ان کا ایک شاگرد ہے۔ اپنے شاگرد کو بلا کے اُسکا کان اینٹھتے اور کہتے ہیں کہ میں نے تجھے یہ تربیت تو نہیں دی تھی کہ سڑکوں پہ لڑنا شروع کر دے۔ پتہ یہ چلا سزا اُسے دی جاتی ہے جس سے اپنائیت کا ایک رشتہ ہوتا ہے اور تعلق ہوتا ہے۔ سزا اُسے جلدی دی جاتی ہے جو اپنا ہوا کرتا ہے۔

میرے عزیز! اگر آج ذرا سی بھی غلطی پہ مسلمانوں کو سزا دی جا رہی ہے تو اُس کی وجہ صرف یہ ہے کہ پروردگار عالم نے تمہیں اپنا بنایا ہے۔ پیغمبر تمہارے اندر بھیجا، نبی تمہارے اندر بھیجا اور جب بچہ غلطی سے باز آجائے تو باپ کی بے پناہ محبتوں اور شفقتوں کا مستحق بھی بن جاتا ہے، جو غلطیاں ہم کر رہے ہیں اگر ان غلطیوں سے باز آجائیں تو پھر ہم دنیا کی منتخب قوم ہوں گے، خیر امت کے منصب سے نوازے جائیں گے اور عظمتیں ہمارے ساتھ ہوں گی۔ ہمیں عبادت الٰہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور عبادت الٰہی کا یہ مفہوم بالکل نہیں ہے کہ صرف سجدہ کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ بڑا غلط تصور عبادت بٹھا دیا ہے کچھ لوگوں نے ہمارے ذہنوں میں، عبادت کا یہ مفہوم نہیں کہ نماز پڑھنے کے لئے صرف پیدا کیا گیا ہے، تسبیح لے کر کے صرف دانہ شمار کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ بلاشبہ وہ بھی عبادت کا ایک حسین انداز ہے ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے، مگر اسلام کا نظام عبادت اور تصور عبادت پوری زندگی پر چھایا ہوا ہے۔ زندگی کے ہر گوشہ پر چھایا ہوا ہے، زندگی کے ہر کروٹ پہ چھایا ہوا ہے۔ آپ اندازہ فرماؤ قرآن کہہ رہا ہے " **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون**،، میں نے جن اور انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ تو اب ذرا سوچو کہ پیدا وہ صرف عبادت کے لئے کیا گیا ہے اگر عبادت کا وہی محدود مفہوم ہے جو لوگ سمجھتے ہیں تو پھر اب کوئی انسان کاروبار کرے تو گویا کہ وہ پیدائش کے مقصد تخلیق سے بغاوت کر رہا ہے، کوئی انسان کاروبار زندگی

میں قدم رکھے تو اپنے مقصد تخلیق سے بغاوت کر رہا ہے۔ کوئی انسان بزنس کرے تو گویا مقصد تخلیق سے بغاوت کر رہا ہے، کوئی انسان علم حاصل کرے تو گویا مقصد تخلیق سے بغاوت کر رہا ہے، کوئی انسان انسانی معاشرے کی فلاح کے لئے کام کرے کوئی فلاحی سوسائٹی اور معاشرہ قائم کرنا چاہے تو گویا مقصد تخلیق سے بغاوت کر رہا ہے، نہیں! اسلام کا جو نظام عبادت ہے اس کا بنیادی مفہوم ہے یہ کہ جو بھی انسان سرور کائنات محمد رسول اللہ کے نظام زندگی کے مطابق زندگی کا جو بھی قدم اٹھائیگا اُسے عبادت کہا جائے گا۔ وہ چلے گا تو عبادت ہوگی، وہ بیٹھے گا تو عبادت ہوگی، وہ سر جھکائیگا تو عبادت ہوگی۔ وہ سر اٹھائیگا تو عبادت ہوگی، وہ کاروبار کرے گا تو عبادت ہوگی، وہ تجارت کرے گا تو عبادت ہوگی، وہ زندگی کے میدانوں میں حصہ لے گا تو عبادت ہوگی، وہ تعلیم حاصل کرے گا تو عبادت ہوگی، وہ جو بھی کام کرے گا تو عبادت ہوگی بشرطیکہ عبادت کے تقاضوں کو پورا کر رہا ہو، اس لئے کہ اسلام نے عادتوں کو بھی عبادت بنا دیا ہے۔

میرے ساتھیو! اور میرے دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انسان کو اس دنیا میں عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور ہر وہ کام جو رسول پاک کے نظام کے سانچہ میں کیا جائے گا اُسے عبادت ہی کہا جائے گا اُسے بندگی ہی کہا جائے گا، اُسے طاعت ہی کا نام دیا جائے گا۔ میرے عزیز! تو عبادت کس طرح کرے؟ وہ بندگی کس طرح کرے؟ اُس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ یہ جاننے کے لئے ہمیں اللہ کی کتاب پڑھنی ہوگی۔ دیکھو نا آج کا دور ٹکنالوجی کا دور ہے، آج کا دور نئی چیزوں کے ایجادات کا دور ہے، آج کے دور میں ہر روز کوئی نئی چیز ہمارے سامنے آتی ہے، کوئی نئی حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے، کوئی نئی مشین ہمارے سامنے آتی ہے، کوئی نئی سہولت ہمارے سامنے آتی ہے، اور جب بھی کوئی نئی مشین اور نئی چیز ہمارے سامنے آتی ہے تو اُس کے ساتھ ایک چھوٹا سا کتابچہ بھی ہوتا ہے۔ جس میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ اس مشین کو کیسے آپریٹ کیا جائے؟ اس مشین کو کیسے استعمال کیا جائے؟ اگر استعمال کرنے والے نے مشین کو اُسی مرضی کے مطابق استعمال کیا جو بنانے والے کی ہے۔ ایجاد کرنیوالے کی ہے۔ تب تو وہ مشین چلے گی۔ ورنہ یا تو چلے گی ہی نہیں یا پھر عمر طبعی نہیں پورا کر سکے گی۔ ہو گا یا ایسا نہیں ہو گا۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ذرا سوچو ایک بنانے والے نے کار بنائی اور پابند کر دیا کہ تم اس میں ہمیشہ پٹرول ڈالنا ڈیزل نہ ڈالنا۔ لیکن ڈرائیور نے کہا کار میری ہے، پیسہ میں نے لگایا ہے، میں جو چاہوں سو ڈالوں، کون ہوتا ہے یہ پابندی لگانے والا، اُس نے اُس میں ڈیزل ڈالنا شروع کر دیا وہ کار کتنے روز چلے گی، کتنے روز زندہ رہ سکے گی؟ کار ڈیزل کے لئے بنائی گئی اُس نے اس میں پٹرول ڈالنا شروع کر دیا، تو کیا عالم ہوگا اُسکا؟

میں عرض کرنا چاہتا ہوں مثال کو سامنے رکھو اور اپنی زندگی کے بارے میں جائزہ لوکہ ایک معمولی سی مشین کا بنانے والا جب یہ حق رکھتا ہے کہ وہ بتائے کہ یہ مشین کیسے چلائی جائے گی تو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے کیا اُس کا حق یہ نہیں ہے کہ تمہیں بتائے کہ تمہیں زندگی کیسے گزارنی ہے؟ تم اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارو۔ اور یاد رکھو مشین جتنی قیمتی ہوتی ہے اُسی قدر زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔ اگر معمولی مشین ہے تو معمولی ہدایات دیدی جاتی ہیں اور زیادہ قیمتی مشین ہے تو اس کے ساتھ کوئی کتابچہ ہوتا ہے۔ اور بہت قیمتی مشین ہے تو بیچنے والی کمپنیاں اور بنانے والی کمپنیاں اُس کے ساتھ ایک آپریٹر بھی بھیجتی ہیں کہ وہ مشین کو چلا کر کے بتائیگا۔ یہ مشین ایسے چلے گی۔ اس طریقہ سے چلے گی۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ کمپیوٹر کے زمانہ میں لوگ کمپیوٹر کے ساتھ ہیمرنگ کرنے لگیں اور اسے توڑ کے رکھدیں اس لئے کوئی آکے بتاتا ہے کہ یہ کیسے چلائے؟ پروردگار عالم نے انسان کی مشین کو بڑا حساس بنایا تھا، بڑا نازک بنایا، بڑا عظیم بنایا اس لئے اس مشین کو چلانے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن بھی عطا فرمایا اور پیغمبر کی زندگی بھی عطا فرمائی تا کہ تم قرآن پڑھو اور پیغمبر کی زندگی کو اُسوہ بنالو، ان کی ہدایات کے مطاق عمل کرو، اب اگر کوئی قرآن بھی نہ پڑھے اور پیغمبر کی زندگی پر بھی عمل نہ کرے تو ظاہر ہے اس کی زندگی خطرات سے دوچار ہوگی، اس کی زندگی موت سے ہمکنار ہوگی، اس کی زندگی تباہیوں سے ہمکنار ہوگی۔ بنانے والے نے پیدا کیا اور یہ بھی کہا کہ اس مشین کو کیا کھلاؤ۔ اور کیا نہ کھلاؤ اس مشین کے شکم میں کیا اُنڈیلو۔ اور کیا نہ اُنڈیلو۔ بڑی عجیب بات ہے کار خریدتے ہو تو بیس بار پوچھتے ہو۔ اس میں ڈیزل ڈالیں اور وہ بھی کونسا؟ پڑول ڈالیں تو کسی طرح کا؟

صاف ہو یا دوسرے طرح کا ہو؟ مگر عجیب بات ہے انسانی زندگی کی مشین کے بارے میں تم نے خالق مطلق سے کبھی نہیں پوچھا کہ اس میں کونسی غذا اُنڈیلیں گے اور کونسی نہیں اُنڈیلیں گے؟ ایسا تو نہیں کہ ہم کوئی غلط کام کر رہے۔ ہوں اُس نے کہا تھا کہ ہم پوری زمین کے سینے کو پھلوں سے بھر دیا ہے، تم انگور کا رس پیو، تم اناناس کو پیو تم دوسرے شربتوں کو پیو۔ اللہ کی طرح طرح کی نعمتیں کھاؤ۔ مگر خبردار تم اُس کے اندر شراب نہ انڈیل لینا، تم کوئی نشہ نہ کرنے لگنا، فنا ہو جاؤ گے، تباہ ہو جاؤ گے مٹ جاؤ گے۔ مگر انسان کتنا ظالم ہے کہ اپنے بنانے والے کی مرضی کے خلاف شربت پینے کے بجائے شراب پینے لگا اور حلال غذاؤں کے بجائے نشہ کرنے لگا، اب اگر وہ مرجائے اور فنا ہو جائے تو اُس نے اپنی موت کے محضر نامہ پہ خود ہی دستخط کی ہے۔ انسان کو اپنی زندگی اللہ کی مرضی کے مطابق گزارنی چاہیئے اپنے پروردگار کے قانون کے مطابق گزارنی چاہیئے؟ اپنے پروردگار کے احکامات کے مطابق گزارنی چاہیئے۔ اور جب انسان اپنی زندگی اپنے اللہ کے احکامات کے مطابق گزارتا ہے تو پوری کائنات انسان کی مؤید بن جاتی ہے۔ اس لئے کہ کائنات کا نظام بھی اللہ کی مرضی کے مطابق چلتا ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی مرضی کا پابند ہے، اللہ کے احکامات کا پابند ہے، اللہ کے قانون کا پابند ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی آپ کو عطا فرمایا، کتاب آپ کو عطا فرمائی اس اعلان کے ساتھ "**لقد من الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولاً**"، (پارہ:۴، سورۃ آل عمران آیت:۱۶۴) پروردگار عالم نے مسلمانوں پہ احسان عظیم فرمایا ہے کہ ان کے اندر رسول بھیجا ہے ان کے اندر نبی بھیجا ہے، ان کے اندر پیغمبر بھیجا ہے، جس کو انعام دیا جاتا ہے اسی پہ احسان بھی کیا جاتا ہے "**على المومنين**"، کہا گیا "**على الناس**"، نہیں کہا گیا، اللہ نے لوگوں پہ نہیں بلکہ مسلمانوں پہ احسان فرمایا۔ ہم میں نبی آئے، ہم میں رسول آئے، ہم میں قانون دینے والے آئے، آج دنیا میں اگر تباہی مچی ہوئی ہے تو دنیا اس کی ذمہ دار نہیں، اُس کے ذمہ دار ہم ہی ہیں کہ ہم نے دنیا کو رسول اللہ کا نظام نہیں پہونچایا۔ انیس بے کساں کی زندگی سے دنیا کو آشنا نہیں کیا۔ اگر آج ہم تباہیوں اور بربادیوں کی طرف جارہے ہیں تو رسول

اللہ کے نظام کو چھوڑنے کی بنیاد پہ جارہے ہیں۔ مستشرقین یورپ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی تباہی کا سبب اسلام ہے۔ اور میں کہتا ہوں غلط کہہ رہے ہو تم، تاریخ کو دھوکہ رہے رہے ہو۔ مسلمانوں کی بربادی کا سبب اسلام سے دوری ہے۔ اسلام کو چھوڑنا ہے۔ جب تک وہ مسلمان تھا۔ اُس وقت تک تو وہ دنیا بھر پر حکمراں تھا۔ دنیا کے 2/3 حصے پر اس کی حکومت چلتی تھی کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا احترام کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ لیکن جیسے جیسے وہ اسلام سے دور ہوتا چلا گیا ذلیل ہوتا چلا گیا، رُسوا ہوتا چلا گیا۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

اس پوری تمہید کے بعد اب ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ وہ صرف یہ ہے کہ ہم مسلمان بن جائیں۔

عزیزان ملت اسلامیہ! یہ دور اسلام کی بیداری کا دور ہے؟ یہ دور اسلام کے تعارف کا دور ہے۔ میں مایوسیوں کا منادی نہیں بلکہ ہمتوں اور حوصلوں کا مشیر ہوں اور اعلان کرنے والا ہوں۔ وہ قوم جو مایوسیوں کے دلدل میں ڈوب جاتی ہے مرجاتی ہے۔ اور دنیا تمہیں مایوس کر دینا چاہتی ہے۔ لیکن خبردار پوری دنیا میں اسلام اور کفر کی کشمکش کا جائزہ لو۔ تمہیں خوشی بھی ہوگی اور حیرت بھی کہ اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود مسلمان ایک غالب اور قہرماں قوت بن کے اُبھر رہا ہے۔ آج دنیا اگر اسلام کو مٹانا چاہتی ہے تو محض اس خوف کی بنیاد پر جو مسلمانوں کے سلسلے میں اس پر طاری ہو گیا ہے۔ کہ ہم انسے نہ مٹائیں گے تو یہ کہیں ہمیں نہ مٹادے۔ آج یورپ میں مخالفت ہو رہی ہے تو اسی لئے، آج امریکہ میں مخالفت ہو رہی ہے تو اسی لئے، آج افریقہ میں مخالفت ہو رہی ہے تو اسی لئے، آج دنیا کے کسی بھی گوشہ میں مخالفت ہو رہی ہے تو اسی لئے، اگر اسلام پستی کی طرف بڑھ رہا ہوتا تو الجزائر میں فرانسیی اثرات کا تختہ الٹ کر کے مسلمان ایک غالب قوت بن کے نہ اُبھرتا۔ اگر اسلام پستی کی طرف بڑھ رہا ہوتا تو ابھی کل مصطفیٰ کمال پاشاہ کی ذلیل اصلاحات کے مقابلے میں اسلام ایک غالب قوت بن کر کے ترکی میں اُبھرتا ہوا نظر نہ آتا۔ اگر اسلام پستی کی طرف جارہا ہوتا تو رشیا کی پانچ مسلم

جمہوریتیں جو تاشقند، سمرقند، بخارا، آرمینیہ، آذربائجان، وغیرہ کی عظمتوں کی امین ہیں۔ وہ آج باضابطہ دوبارہ مسلمان کی حیثیت سے دنیا کی نقشہ پہ نہ اُبھرتیں اگر مسلمان پستی کی طرف جارہا ہوتا تو ہزار زنجیروں میں جکڑا ہونے کے باوجود بوسنیا کا مسلمان ایک نئ مملکت کا تخلیق کنندہ نہ بن جاتا۔ اگر مسلمان پستی کی طرف جارہا ہوتا تو میں کہتا ہوں چیچنیا کا مسلمان آج بہت بڑی قوت اور طاقت کے خلاف جہاد کرتا ہوا اور اپنا حق منواتا ہوا نظر نہ آتا، میں نے یہ کل بھی کہا تھا اور آج بھی کہا ہے۔ بیدار ہو جاؤ زندہ ہو جاؤ مسلمان بن جاؤ۔ اکیسویں صدی ہماری صدی ہے، غلبہ کی صدی ہے، برتری کی صدی ہے۔ کس نے روح پھونک دی ہے ان نوجوانوں میں؟ جوانی تو دیوانی ہوا کرتی تھی، شہوتوں کی پیداوار ہوتی تھی، Bombay جیسے متمدن شہر میں جہاں غربت اور تمدن کی انتہائیں دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہیں وہاں یہ بچے چہروں پہ داڑھیاں اور سروں پہ عمامہ سجائے ہوئے اس بات کی علامت نہیں ہیں کہ اسلام دلوں میں گھر کر رہا ہے، روحوں میں اُتر رہا ہے؟ علماء تو اس سے پہلے بھی اس شہر میں تھے۔ مفکرین تو اس سے پہلے بھی اس شہر میں تھے۔ سرمایہ تو اس سے پہلے بھی اس شہر میں تھا۔ لیکن آج کس نے ان کی جوانیوں کو پاکیزہ بنادیا ہے؟ کیا پروردگار عالم نے انہیں نگاہ مشاہدہ نہیں بخشی ہے؟ کیا دنیا کی لذتیں ان کی نگاہوں کے سامنے نہیں ہیں؟ ع

مگر آہ کس کی جستجو آوارہ لگتی ہے تجھے

کس بات نے انہیں اس بات پہ آمادہ کر دیا ہے کہ یہ جئیں تو اسلام کے لئے، مریں تو اسلام کے لئے، دنیا کچھ بھی کہے جب ہم گزریں تو دنیا کہہ رہی ہو۔ یہ رسول اللہ کا دیوانہ چلا جارہا ہے۔ یہ محمد رسول اللہ کا دیوانہ جارہا ہے۔ یہ نگاہیں جھکائے جھکائے شرم وحیا کا پیکر، غیرت کا پتلا اور عزت اور آبرو کا امین اپنے سر پہ دستار سجائے اور چہرے پہ نور مصطفیٰ کی شعاعیں اُگائے ہوئے جو گذر رہا ہے یہ مسلمان ہے، یہ رسول اللہ کا دیوانہ ہے۔ یہ سچا ہے یہ نیک ہے، یہ بات نوجوانوں میں کیوں پیدا ہوگئی؟ اگر مولانا شاکر صاحب یہ سمجھیں کہ ان کی محنتوں سے پیدا ہوگئی تو میں ان کا مشکور ہوں گا۔ محنتیں ضرور کی ہیں مگر اسلام جو کروٹ لے رہا

ہے اس کا اندازہ بھی کرنا ہوگا۔ اسلام ایک غالب قوت بن کے جو اُبھر رہا ہے۔ اتفاق سے کام انہوں نے بہت مناسب موقع پہ شروع کیا، بہت مناسب موقع پر، یہ موقع تھا کہ بکھری ہوئی اسلامی فکر کو منظم کیا جاتا۔ یہی نہیں افریقہ میں چلے جاؤ! تمہیں جو لوگ عماموں کا مذاق اُڑاتے تھے وہ لوگ جن کے باپ اسلامی زندگی سے بغاوت کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ مصر میں اور افریقہ میں اور ترکی میں اور الجزائر میں اور فرانس میں اور جرمنی میں اور برطانیہ میں، وہ لوگ جو مذہب کو بیماری سمجھتے تھے، کمزوری سمجھتے تھے۔ آج انہیں کے بچے مغربی تہذیب کو اپنے قدموں کے نیچے روند کر کے رسول اللہ کے غلام بن رہے ہیں اور یوانے بن رہے ہیں۔ اگر کبھی اللہ توفیق دے تو برطانیہ اور فرانس اور جرمنی وغیرہ کا دورہ کرو۔ قسم خدا کی یہ میں کوئی مبالغہ نہیں بول رہا ہوں۔ میں جب جاتا ہوں اور دورے کرتا ہوں تو میرا سر اللہ کی حمد اور اللہ کے شکر کے سامنے جھک جاتا ہے کہ وہاں 90% مسلم نوجوان ہیں۔ جن سے مسجدیں آباد نظر آتی ہیں۔ جن سے درسگاہیں آباد نظر آتی ہیں۔ یونیورسٹیوں میں یہاں سے زیادہ نمازوں کا اہتمام ہے۔ کوئی ایسی یونیورسٹی نہیں جہاں جمعہ نہ پڑھا جارہا ہو۔ قرآن پاک کی تلاوت نہ ہورہی ہو۔ یہاں تم نے یونیورسٹیوں میں مسجدیں بہت کم بنوائی ہوں مگر یورپ کے ہر ملک میں ہر بڑی یونیورسٹی میں مسجد تمہیں ملے گی۔ اور یہ صرف نوجوان کر رہا ہے۔ یہ ایک بیداری ہے جو پیدا ہو چکی ہے اور یہ بیداری پوری دنیا کو لرزا رہی ہے۔ یہ تو سویا ہوا شیر جاگ رہا ہے۔ یہ تو اسلام کی قوت جاگ رہی ہے۔ اس لئے انہیں فنڈامنٹلسٹ کہو، انہیں ٹیررسٹ کہو، ان کو طرح طرح کے بُرے نام دو تاکہ دنیا ان سے بھاگ جائے مگر یاد رکھو تاریخ بتاتی ہے کہ جتنا ہم کو کچلنے کی کوشش کی گئی ہے اسی قدر زیادہ ہم اُبھرتے رہے ہیں۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دباؤ گے
جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

آفتاب فنا نہیں ہوتا ہے۔ بس کچھ حجاب آجاتا ہے اس کے چہرے پر زمین کا۔ اور وہ ڈوبا ہوا نظر آتا ہے مگر وہ کہیں نہ کہیں طلوع ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے آفتاب تازہ بن کے اُبھرو۔ مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ تعلیم حاصل کرو، جائز بنیادوں پہ سرمایہ حاصل کرو، نگاہیں جھکا کے نہیں نگاہیں اُٹھا کے زمین پر چلو، اس لئے کہ یہ زمین تمہاری ہے، تمہارے بزرگوں کی میراث ہے، تم ہر میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ یہ المیہ ہے کہ مسلمان تعلیمی اعتبار سے بہت پسماندہ ہے، اور اب تو مسلمان تو مسلمان غیر بھی طعنہ دینے لگے ہیں۔ دوسروں کے کیمپوں سے بھی آواز آرہی ہے کہ مسلمان بہت پسماندہ ہے، یہ پسماندگی ختم کردو۔ اصل میں پسماندہ وہ اس لئے کہتے ہیں کہ ہماری درسگاہوں میں علماء کی جو بہت بڑی تعداد پڑھائی جاتی ہے۔ اس کو وہ تعلیم یافتہ لوگوں میں شمار نہیں کرتے۔ یوپی اور بہار میں ہزاروں مسلم درسگاہیں قائم ہیں۔ وہ صرف انہیں تعلیم یافتہ شمار کرتے ہیں جنہیں انہوں نے انگریزی میں سوتک گنتا سکھا دیا ہے۔ بحر کیف یہ ایک علحدہ موضوع اور Subject ہے۔ لیکن بہر کیف جب ہوا مخالف ہو تو رفتار تیز کرنی پڑتی ہے۔ جب طوفان کے خلاف چلنا ہو تو رفتار تیز کرنی پڑتی ہے۔ ہمیں اور آپ کو رفتار تیز کرنی ہوگی۔ زندگی کے ہر میدان میں، یہ بچے جو دستار باندھے ہوئے ہیں یہ مت سمجھ لو کہ یہ دیہاتوں سے جہلاء آگئے ہیں۔ یہ ذہن میں نہ رہنے پائے۔ یہ ایک تصور ہے جو بڑا غلط قائم ہے۔ یہ بچے انگلش بولتے ہیں۔ یہ بچے عربی جانتے ہیں، یہ بچے گراجویٹ ان میں بعض انجینئر ہیں بعض سائنٹسٹ ہونے جارہے ہیں۔ بعض بہترین معلومات کے حامل ہیں مگر یہ چاہتے ہیں کہ ہم کہیں بھی ہوں، رسول اللہ کا دامن ہمارے ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ ہم جہاں بھی ہوں، ہماری فطرت حجازی ہو اور ہمارا امزاج مدنی ہو۔

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

اسلام کا تصورِ الٰہ اور حُبِّ نبوی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ اَقَامَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْھَالِکِیْنَ شَفِیْعاً، وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ ھُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَّدَیْہِ، صَلٰوۃً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ. اَمَّا بَعْدُ.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ – بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط
اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْماً. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ.

قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ. صدق النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

علماء باوقار، سنی دعوت اسلامی کے قابل قدر مبلغین، جملہ حاضرین، ! ہم اور آپ انتہائی احترام وعقیدت کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکز عقیدت آقائے دوعالم حضور تاجدار دوعالم رحمت عالم تاجدار مدینہ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارواحنا فداہ کی بارگاہ بیکس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں (درود شریف) یہ بڑی مسرت کی

بات ہے کہ سنی دعوت اسلامی کا یہ عظیم الشان اجتماع اپنی تمام تر کیفیتوں کے ساتھ منعقد ہے ہر فرد بیدار ہے سن رہا ہے اور ذاکر کے ساتھ مصروف ذکر ہے، ایسا لگتا ہے کہ یہ ایک اجتماعی محفل ذکر ہے جس میں ہر آدمی شریک ہے اور ذکر کے ایک ایک لفظ کو محسوس کر رہا ہے۔ بڑی زندگی پیدا کردی ہے اُن نوجوانوں نے جس راہ میں کام کیا ہے کہ جب بھی سرکار کا نام نامی آتا ہے تو بے ساختہ آپ کے لبوں پہ درود شریف کے کلمات جاری ہوجاتے ہیں اس لئے کہ سرکار نے فرمایا تھا کہ جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اگر وہ مجھ پر درود نہ پڑھے تو وہ مجھ پر ظلم کرتا ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم فداہ اَبی واُمی) اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمارے اوپر جتنے احسانات ہیں اور زندگی کی ہر سانس سے ان کا جتنا گہرا تعلق ہے اگر ہم ان کے نام نامی کو سننے کے بعد درود شریف نہ پڑھیں تو یہ احسان شناسی کے جذبہ کے خلاف بھی ہوگا اور ایمان کے تقاضہ کے منافی بھی ہوگا۔ آپ اگر اس پوری کائنات کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ رب العزت جو رب العالمین ہے، جو خالق کائنات ہے، جس نے کائنات کو پیدا بھی فرمایا ہے اور کائنات کے نظام کا مدبر حقیقی بھی ہے، وہ دنیا کے دوسرے مذاہب کے تصورات کی طرح سے معاذ اللہ تحقیق کائنات کے بعد معطل نہیں ہوگیا ہے بلکہ وہ کائنات کے ذرہ ذرہ کی پرورش کررہا ہے کائنات کے ذرہ ذرہ کا نگراں ہے کائنات کے ذرہ ذرہ میں اعتدال کا جمال اور تناسب کا حسن اُس نے پیدا کیا ہے۔ اگر یہ توازن اور یہ اعتدال وتناسب نہ ہوتا تو کائنات ایک لحہ کے لئے بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ سیاروں کا نظام ہو، ستاروں کی انجمن ہو، خلا کی وسعت ہو، زمین کی پنہائی ہو، سمندروں کی روانی ہو، موسموں کی آمد ورفت ہو، لیل ونہار کی گردش ہو، ہر جگہ اُس کا تدبر کارفرما ہے اور اس کی مشیئت کارفرما ہے، لوگ کہتے ہیں یہ سب اتفاقاً وجود میں آگیا ہے۔ میں یہ عرض کرنا چاہوں گا اتفاق اتنا حسین نہیں ہوتا۔ ایکسیڈنٹ (Accident) اتنا پرشکوہ اور پر جمال نہیں ہوتا۔ کائنات کا جمال کائنات کا توازن اور کائنات کا حسن یہ اس بات کا گواہ ہے کہ کوئی مدبر حقیقی ہے جو کائنات کو چلا رہا ہے اور وہی خدا ہے وہ خدا غیر مرئی بھی ہے اور غیر مشاہد بھی ہے، نہ اُسے دیکھا جاسکتا ہے نہ اُس کا مشاہد کہا

جا سکتا ہے، کیوں وہ غیر مرئی ہے اور غیر مشاہد ہے؟ اس لئے کہ ہماری نگاہ اور احاطہ نگاہ یہ دونوں محدود ہیں اور اللہ کی ذات لامحدود ہے ذات لامحدود نگاہِ محدود کے اندر نہیں آسکتی۔ پھر ہماری نگاہوں کی تاب اور توانائی آفتاب کو بے حجاب نہیں دیکھ سکتی۔ خالق آفتاب کو کیسے دیکھ سکتی ہے؟ پَر جل جائیں گے نظر کے اور دامن نظر کے، اگر ہم اپنے رب کو بے حجاب دیکھنے کی تمنا بھی کریں گے۔ اس لئے انسان دیکھ نہیں سکتا اور نہ دیکھنا بھی اس کے الہٰ ہونے کی دلیل ہے اسی لئے کسی نے کہا تھا کہ اسلام کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے تصور الٰہ کو مرئی اور مجسم نہ پیش کر کے ہمیشہ کے لئے ذلیل ہونے سے بچا لیا۔ جن قوموں نے عقیدہ الٰہ کو تصور الٰہ کو مرئی اور مجسم بنا کے پیش کیا ہے وہ کبھی سجدہ کرتے ہیں تو کبھی ٹھوکر بھی دیتے ہیں، کبھی تصویر کو سر پہ رکھتے ہیں تو کبھی تصویر بازاروں میں بکتی ہے اور پیروں میں ڈالی بھی جاتی ہے مگر وہ خدا کے تصورات جس کا احاطہ نہ کر سکیں، تصویریں جس کی نہ بنائی جا سکیں۔ **لا ضدله ولا ندله ولا شبيه له ولا مثل له** جس کی شان ہے وہ مدبر کائنات ہے، نفس نفس سے قریب ہے، لمحہ حیات سے قریب ہے، رگ گلو سے بھی زیادہ قریب ہے " **واذا سئلک عبادی عنی فانی قریب أُجیب دعوة الداع اذا دعان**، ، اے پیغمبر محبوب! جب میرے بندے آپ سے پوچھیں اور میرے بارے میں سوال کریں کہ میں کہاں ہوں تو کہدو کہ میں بہت قریب ہوں ہر دعا کرنے والے کی دعا کو سنتا ہوں۔ قرآن عظیم میں اطمینان دلایا ہے کہ وہ بہت قریب ہے وہ تمہارے رگ گلو سے بھی زیادہ قریب ہے وہ تمہارے اتنا قریب ہے کہ جتنے تم بھی اپنی ذات سے قریب نہیں ہو وہ قریب ہے لیکن تمہارا ادراک، تمہاری قوت مشاہدہ تمہاری احاطہ فکر اس کی ذت پاک تک نہیں پہنچ سکتی یہ سب محدود اور فانی ہے وہ لامحدود اور لافانی ہے۔

میرے عزیزو اور میرے دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی معرفت کے لئے کائنات پیدا فرمائی۔ تم کائنات کے ذرہ ذرہ کا تدبر کی اور غور و فکر کی نگاہ سے مشاہدہ کرو تو تمہیں اللہ کے جلوے کائنات کی ہر شئی سے نمایاں نظر آئیں گے کائنات کی ہر شئی خدائے وحدہ قدوس کی وحدانیت اور توحید کا اعلان کرتی ہوئی نظر آئیں گی۔

هر گیا ہے کی ازز میں روید — وحده لا شریک می گوید
جو سبزہ زمین سے اُگتا ہے — وحدہ لا شریک کہتا ہوا اُگتا ہے

و فی کل شئی له آیة تدل علی أنه واحد کائنات کی ہر چیز میں اس کے لئے نشانیاں ہیں جو اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ وہ ایک ہے۔ عجیب عالم ہے اس کی ذات پاک کا کہ ہر ذرہ اس کی ذات پاک کا اعلامیہ ہے۔ ہر ذرہ اس کا گواہ ہے، ہر ذرہ سے اس کے جلوہ کی نمود ہے، ہر ذرہ سے اس کی ذات کا اظہار ہوتا ہے مگر نگاہوں سے اتنا پوشیدہ اور احساسات سے اتنا دور ہے۔ کہ انسان نہ صرف یہ کہ اپنی نگاہوں سے اُسکا مشاہدہ نہیں کر سکتا مگر نگاہوں سے کروڑوں گنا طاقتور خیال کی جو طاقت ہے اس خیال کے ذریعہ سے بھی اپنے رب کے جلووں کا احاطہ نہیں کر سکتا ہے۔ عزیزان ملت اسلامیہ، ظاہر ہے کہ وہ غیر مرئی بھی ہے اور غیر محسوس بھی ہے اور محبت کرنے کے لئے مرئی ہونا بھی ضروری ہے اور محسوس ہونا بھی ضروری ہے۔ محبت کسی غیر مرئی شئی سے کیسی کی جائے؟ کسی غیر محسوس سے کیسے کی جائے؟ جسے دیکھا ہی نہ ہو اس سے محبت کیسے کریں گے؟ جسے دیکھا ہی نہ ہو اس کا قرب کیسے حاصل کریں گے؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کو مظہر صفات بنا کر کے بھیجا کہ مجھے تو نہیں دیکھ سکتے ہو مگر میرے محبوب کو دیکھ سکتے ہو ان سے محبت کرو مجھ سے محبت ہوگی ان کا عرفان حاصل کرو، میرا عرفان حاصل ہوگا ان کا قرب حاصل کرو میرا قرب حاصل ہوگا، ان کی زندگی کو اپناؤ میرے قانون کی اطاعت ہوگی، ان کی اتباع کرو میری اطاعت ہوگی۔ **من یطع الرسول فقد اطاع الله** جو رسول کی اطاعت کرے گا وہ اللہ کی اطاعت کرے گا۔ اور یہ بھی یاد رکھئے کہ جس سے محبت کی جائے گی اس کا قریب ہونا بھی ضروری ہے۔ بہت زیادہ فاصلہ محبتوں کے راستے میں حجاب بن جاتا ہے، دیوار بن جاتا ہے۔ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف یہ کہ ہمارا محبوب بنایا گیا مطاع بنایا گیا۔ بلکہ ہمارے قریب بھی فرما دیا گیا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! کائنات کے نظام کا جائزہ لیں انسان کو جس چیز کی جتنی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس چیز کو اس کے اتنے ہی زیادہ قریب کر دیا گیا۔ آپ یہ نظام کائنات ہے

اللہ کی تدبیر کی عظمتوں کا جائزہ لیں، آپ اس کی شان میں بے ساختہ سبحان اللہ کہیں ''سبحان اللہ،، کتنا عظیم ہے وہ پروردگار عالم کہ اس نے وہ تمام چیزیں جو انسان کی Nesesetiece میں سے ہے، لوازمات میں سے ہیں، ضرورتوں میں سے ہیں ان کو انسان سے بہت قریب کر دیا اور بغیر کسی محنت کے اُسے انسانی زندگی کا ایک حصہ بنا دیا۔ آپ ذرا دیکھئے زمین انسان کے لئے بے پناہ ضروری تھی زمین کے بغیر آپ ٹک نہیں سکتے تھے۔ ٹھہر نہیں سکتے تھے قدم نہیں رکھ سکتے تھے۔ گھر نہیں بنا سکتے تھے۔ زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے زمین کو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی بچھا دیا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! ہوتا یہ ہے کہ جب مقصد کائنات آنے والا ہوتا ہے تو کائنات کی تخلیق پہلے ہوتی۔ انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض بنایا جانے والا تھا۔ سمیع و بصیر مخلوق بنایا جانے والا تھا۔ اس لئے اللہ نے زمین بھی بنائی تو ہمارے لئے، آسمان بھی بنایا تو ہمارے لئے ستاروں اور سیاروں کو پیدا کیا تو ہمارے لئے۔

کائنات کی ہر چیز کو ہمارے لئے کام میں لگا دیا گیا۔ ''وسخر لکم الشمس و القمر،، اور پوری کائنات کا ایک مقصد متعین کر دیا گیا۔ کائنات جامی اور کائنات نامی پورے کے پورے طور پر اپنے مقصد کو پورا کر رہی ہے۔ زمین اپنا مقصد پورا کر رہی ہے۔ وقت پر بیج کی پرورش کرتی ہے اور غلہ دیتی ہے۔ آسمان اپنا مقصد پورا کر رہا ہے۔ ابر باراں اپنا مقصد پورا کر رہا ہے، ہوائیں اپنا مقصد پورا کر رہی ہیں، دریا اپنا مقصد پورا کر رہا ہے، درخت اپنا مقصد پورا کر رہا ہے، جانور اپنا مقصد پورا کر رہے ہیں، کائنات کی ہر چیز اپنے کام میں لگی ہوئی ہے اور جس مقصد کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے اسے وہ پورا کر رہی ہے اور یاد رکھئے کہ کائنات کی جو چیز اپنا مقصد پورا نہ کر سکے وہ کائنات سے ہٹا دی جاتی ہے وہ مہر کر دی جاتی ہے یہ فطرت کا قانون اور نظام ہے کہ ہر وہ چیز جو اپنے مقصد میں فیل ہو جائے اور جس کی ضرورت باقی نہ رہ جائے وہ ہٹ جاتی ہے۔ آج سے 50 سال پہلے بامبے کے بسنے والے گواہ ہوں گے کہ جب یہاں گھوڑے چلا کرتے تھے۔ ٹانگے چلا کرتے تھے۔ تو ہر جگہ اصطبل

قائم تھے۔ ہزاروں گھوڑے بامبے کی سڑکوں پہ دوڑتے ہوئے نظر آتے تھے مگر جب اُن کی ضرورت ختم ہو گئی ہے تو گھوڑے کہاں چلے گئے؟ آج کوئی نہیں جانتا۔ کاروں کے ذریعہ سے اب انسان کو اس سے بہتر اور تیز رفتار سواری مل گئی تو گھوڑوں کی نسل ہی غائب ہو گئی، نہ اصطبل رہ گئے اور نہ وہ لوگ رہ گئے جو باضابطہ ان کی نگرانی کرتے تھے نہ گھوڑوں کا وہ شوق رہ گیا، کچھ بھی نہیں رہ گیا اس طرح سے بے شمار چیزیں ہیں آپ جائزہ لیں وہ جانور جو دودھ دیتا ہے وہ تو پالا جاتا ہے لیکن جو دودھ نہیں دیتا اُسے صحرائے زندگی میں تنہا مرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ وہ درخت جو پھل دیتا اس کی حفاظت بھی کی جاتی ہے اور پالا بھی جاتا ہے مقصد پورا کر رہا ہے جو پھل نہ دے اُسے جلا دیا جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا نا ہر چیز اپنا مقصد پورا کرتی ہے اور جو چیز اپنا مقصد نہ پورا کرے اُسے پس منظر سے ہٹا دیا جاتا ہے اور پس منظر سے اور نقشہ سے اسے مٹا دیا جاتا ہے جب پوری کائنات کا یہی مزاج ہے تو بھائی ہم بھی کائنات کا ایک حصہ ہیں نا، ہمارا ابھی تو کوئی مقصد ہوگا، یا نہ ہوگا؟ ہم اپنا مقصد پورا کر کے ہی زندہ رہتے ہیں۔ مقصد پورا کر کے ہی کامیاب رہ سکتے ہیں مقصد پورا کر کے ہی زمین پر ہم اپنی عظمتوں کا لوہا منوا سکتے ہیں۔ ہمارا مقصد کیا ہے؟ جانوروں کا مقصد ہماری خدمت کرنا ہے۔ درختوں کا مقصد ہماری خدمت کرنا ہے۔ ہوائیں ہمارے لئے چلائی گئی ہیں۔ صبح و شام کے جلوے ہمارے لئے ہیں۔ شفق کا حسن ہمارے لئے ہے۔ افق کی تابندگی ہمارے لئے ہے کہکشاں کی شاہراہ ہمارے لئے ہے۔ ستاروں کی انجمن ہمارے لئے ہے۔ آفتاب کی شعاع ہمارے لئے ہے۔ ماہتاب کی چاندنی ہمارے لئے ہے۔ دریاؤں کی روانی ہمارے لئے ہے۔ نسیم سحر ہمارے لئے ہے۔ بادِ صبا ہمارے لئے ہے۔ گلوں کی رعنائیاں ہمارے لئے ہے۔ پھولوں کی نکہتیں ہمارے لئے ہے۔ بادِ بہاری ہمارے لئے ہے۔ ابر باراں ہمارے لئے ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے لئے ہے مگر ہم کس کے لئے ہیں؟ ہم اللہ کے لئے ہیں، قرآن عظیم اعلان فرماتا ہے ''وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون،، 'ہم نے انسانوں اور جنوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ ہر چیز کی تخلیق ہمارے لئے ہے، اور ہماری تخلیق اللہ

کی بندگی کے لئے ہے اللہ کی عبادت کے لئے ہے اللہ کی اطاعت کے لئے ہے۔ اگر چیز اپنا مقصد پورا نہ کرے۔ جانور اپنا مقصد پورا نہ کرے۔ درخت اپنا مقصد پورا نہ کرے تو پس منظر سے ہٹا دیئے جاتے ہیں ہم بھی اگر عبادت نہیں کریں گے تو ہمیں بھی کائنات کے منظر سے ہٹا دیا جائے گا ہم بھی اس قابل نہیں ہوں گے کہ دنیا میں زندہ رہ سکیں اور کامیاب رہ سکیں باوقار رہ سکیں اور باعزت رہ سکیں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ عبادت صرف اس لئے ضروری نہیں ہے کہ ہم اللہ کے قریب ہوسکیں عبادت اس لئے ضروری ہے کہ ہم موجود رہ سکیں۔ عبادت ہمارے وجود کا لازمہ ہے۔ ہمارے موجود رہنے کے لئے ضروری ہے آپ کہیں گے بیشمار لوگ ہیں جو عبادت نہیں کرتے اور موجود ہیں ان کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟ میرے عزیز! تم چلتے پھرتے مردوں کو موجود مت کہا کرو قرآن عظیم نے بار بار انہیں موتی کے نام سے یاد کیا ہے۔ مردوں کے نام سے یاد کیا ہے وہ جو ایمان سے خالی ہیں وہ جو عمل سے خالی ہیں مذاق بندگی سے خالی ہیں درد دل سے خالی ہیں سوز محبت سے خالی ہیں تم انہیں زندہ نہ کہو زندہ تو وہ ہیں جن کا دل زندہ ہے۔ اور دل زندہ ہوتا ہے یاد مصطفیٰ سے، ذکر رسول سے۔

ہمیں ہے خوفِ دل زندہ تو نہ مرجائے
کہ زندگانی عبادت ہے تیرے جینے سے

پیغمبر دلوں کو زندہ کرنے ہی کے لئے آئے تھے اس لئے ان کو دلوں کا زندہ کرنے والا بنا کے مبعوث کیا گیا" لما یحییکم،، پیغمبر تمہیں حیات دینے کے لئے آئے ہیں۔ قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا ہے میرے عزیزو! اور میرے دوستو! سنی دعوت اسلامی یہ صرف عبادت کی تحریک نہیں ہے بلکہ زندگی کی تحریک ہے۔ رگوں میں زندگی کی باعزت اور باوقار خون دوڑانے کی کوشش ہے۔ ایک قوم جو بدعملی اور بدکرداری کی بنیاد پر شراب نوشی اور زنا کاری کی وجہ سے غفلت شعاری کی بنیاد پر جہنم کی طرف بڑھ رہی ہے اسے کھینچ کے جنت کی طرف لانا ہے۔ یہ بڑی معزز اور بڑی باوقار و بڑی عظیم تحریک ہے۔ اس تحریک کی قدر کی جائے یہ تحریک زندگی کی تحریک ہے حیات کی تحریک ہے۔ زندگی کی توانائیوں کی تحریک ہے۔ اس تحریک کے پس منظر میں اللہ کی بندگی بھی

ہے اور اپنی بقاء اور اپنی عظمت کا اہتمام بھی ہے یہ دونوں باتیں ساتھ ساتھ ہیں۔
یہ تحریک دراصل ہماری تحریک ہے۔ دین کی تحریک ہے آپ اندازہ فرمائیں اور غور کریں کہ آج پوری امت مسلمہ پوری دنیا میں بے چہرگی کا شکار ہو رہی ہے اپنی شناخت کھو رہی ہے۔ اپنی پہچان کھو رہی ہے۔ ہم کون ہیں یہ تصور مٹ رہا ہے۔ اس کے لئے ایک بھیانک قسم کی ایک رنگی پیدا ہوگئی ہے اور اس کے لئے کوشش کی جا رہی ہے کہ ہم سے ہمارا چہرہ چھین لیا جائے۔ ہماری پہچان چھین لی جائے وہ چہرہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ وہ چہرہ جو خالق کا پسندیدہ چہرہ ہے۔ وہ چہرہ کہ جس چہرے کو اللہ تبارک وتعالیٰ اُسی طرح دیکھنا چاہتا ہے جس طرح سے کہ اسلام پسند کرتا ہے۔ وہ چہرہ ہم سے چھین لیا جائے اور یاد رکھو کہ دنیا اپنی شناخت کے حوالے سے، اپنی پہچان کے حوالے سے، اپنے تعارف کے حوالے سے زندہ رہتی ہے وہ تو انسانوں کے جنگل میں گم ہوجاتی ہے جو اپنی شناخت کھو بیٹھتی ہے۔ تمہیں زندہ رہنا ہے تو اپنی شناخت کے ساتھ زندہ رہنا ہے یہ سنتوں کی تعلیم صرف ایک اضافی عمل نہیں ثواب لوٹنے کا ایک ذریعہ نہیں ہے۔ سنتوں کی یہ تعلیم ہماری شناخت ہے ہماری پہچان ہے ہمارے وجود کا ذریعہ ہے اور ہمارا امیزہ (خصوصیت) ہے انسانوں کے جنگل میں جہاں انسانیت کے نام پہ وحشی بستے ہیں وہاں یہ شناخت ہم کو دوسروں سے ممتاز اور الگ کرتی ہے۔

یہ چہرہ بتاتا ہے کہ یہ رسول اللہ کے دیوانوں کی صورت ہے۔ جھکی ہوئی نگاہیں بتاتی ہیں کہ یہ حیا کی امانت دار نگاہیں ہیں پابند ہونٹ بتاتے ہیں کہ یہ لغو، عیب اور گناہوں سے پاک ہونٹ ہیں۔ متوازن قدم بتاتا ہے کہ یہ رسول اللہ کے راستے پہ چلنے والا قدم ہے۔ یعنی ہماری ہر ادا یہ بتاتی ہے کہ ایک مخصوص ادا ہے جو گنبد خضریٰ کے ماحول میں پروان چڑھی ہے جس کی تربیت رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے ماحول میں ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک نوجوان سنی دعوت اسلامی کی تحریک سے وابستہ ہو کر چلے گا تو آپ محسوس کریں یا نہ محسوس کریں دنیا یہ محسوس کریگی کہ اس کی رفتار دنیا کے دوسرے انسانوں کی رفتار سے مختلف ہوگی اور ایک وقت آئیگا ان شاء اللہ کہ جب آپ چلیں گے تو دنیا یہ کہے گی کہ دیکھو یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کا دیوانہ جا رہا ہے۔ نگاہیں جھکائے جھکائے جا رہا ہے۔ حیاء کا بوجھ اٹھائے جا رہا ہے۔ یہ امانت اور دیانت کا پیکر جا رہا ہے۔ سچائی کا مجسمہ جا رہا ہے۔ اس کا متوازن قدم اور اس کی رفتار بتا رہی ہے کہ یہ نبی کے راستے پہ چل رہا ہے خدا کرے وہ وقت آئے تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ہماری شناخت اور پہچان ہے اور یہ ہماری شناخت اور پہچان ایک عاشق رسول کی شناخت اور پہچان ہے، جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ تم میں کوئی آدمی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی ذات سے اپنے والدین سے اور اپنی اولاد سے اور اپنی تمام محبوب چیزوں سے اور کائنات سے زیادہ محبوب نہ رکھے مجھے، اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوسکتا "لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من والده و ولده والناس اجمعین، ، وہ مومن نہیں ہوسکتا ہے۔ پتہ چلا کہ محبت رسول بھی ایک اضافی عمل نہیں ہے کہ اپنے قلب کو جلا بخشنے کے لئے آپ نے یہ عمل شروع کر دیا بلکہ یہ ایمان کی بقاء اور ایمان کی علامت ہے اور یہاں محبت کا مطالبہ کیوں کیا گیا ہے شریعت میں وہ تو رسول بن کر کے آئے تھے نا؟!''فداہ ابی وامی،، وہ تو داعی بن کر کے آئے تھے نا وہ تو ہادی بن کر کے آئے تھے نا؟!۔ رسول سے محبت کیوں کی جائے؟ پیغام قبول کر لیا جائے، داعی سے محبت کیوں کی جائے؟ دعوت قبول کر لی جائے۔ ہادی سے محبت کرنا کیوں ضروری قرار دیا گیا ہے؟ ہدایت پر عمل کیا جائے۔

میرے عزیز! شاید آپ جان نہیں سکتے۔ محسوس نہیں کر سکتے۔ کسی فرض کی ادائیگی اگر محض ڈیوٹی سمجھ کر کیا جائے تو وہ فرض بوجھ ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی فرض کی ادائیگی کو محبت کا فریضہ سمجھ کے کیا جائے تو وہ فرض لذت بن جاتا ہے کیف بن جاتا ہے۔

میرے عزیز! گورنمنٹ نے آپ کی ایک ڈیوٹی لگا دی ہے کہ جاؤ فلاں آدمی کی خدمت کرو آپ طوعاً و کرہاً چلے گئے اور خدمت کر رہے ہیں کسی نے آپ سے کچھ نہیں کہا آپ کی ماں نے آواز دی بیٹے مجھے خدمت کی ضرورت ہے تو قسم خدا کی آپ اس کے قدموں میں بیٹھ کے لذت محسوس کریں گے۔ اس لئے کہ کسی اور کی خدمت آپ کریں گے تو وہاں فرض ہے لیکن جب ماں کی خدمت کریں گے تو یہاں فرض بھی ہے اور محبت بھی ہے۔ ذرا سمجھ رہے ہیں یا نہیں

سمجھ رہے ہیں؟ کسی اور کی خدمت میں تو صرف فرض ہوگا (ڈیوٹی)، ماں کی خدمت فرض بھی ہے۔ اور محبت بھی ہے آپ اس کی خدمت بھی کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کے دل کو ایک بے پناہ اطمینان میسر آئے گا۔ تو اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کے ساتھ ساتھ محبت کی شرط اسلئے لگائی گئی ہے کہ اتباع رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بوجھ نہ بننے پائے۔ اتباع رسول لذت بن جائے۔ اتباع رسول دھڑکن بن جائے۔ اتباع رسول پلکوں سے چھلکے۔ اتباع رسول پیمانہ حیات کے زر سے چھلکے۔ اتباع رسول آنے والی زندگی میں اس طرح سے رچ بس جائے کہ انسان شریعت رسول کو بوجھ نہ سمجھے محبت کی ضرورت تصور کرے۔

میرے عزیز اس بات کو اچھی طرح محسوس کریں کہ جو کام محبت کی بنیاد پر کیا جاتا ہے اس کا عالم ہی دوسرا ہوتا ہے ایک کرایہ کا فوجی اگر کسی محاذ سے بھیج دیا جائے دوسرے ملک میں لڑنے کے لئے تو ہر لمحہ جان بچانا چاہے گا! اس لئے کہ اُسے اس ملک سے محبت نہیں ہے وہ تو کرایہ کا فوجی ہے بھیج دیا گیا ہے لڑنے کے لئے، سومالیہ بھیج دیا گیا ہے یا جس طرح سے برطانیہ کی حکومت نے اپنے دور اقتدار میں دنیا بھر سے کرایہ کے فوجی مختلف محاذوں پر دوسری جنگ عظیم میں بھیجے تھے لوگ بھاگ کے آ رہے تھے یا نہیں آ رہے تھے؟ جبراً انہیں روکا جا رہا تھا کیوں اس لئے کہ وہ کرایہ کا فوجی ہے وہ تو صرف روٹی اور پیٹ کے لیئے گیا ہے اس زمین سے اُسے کوئی محبت نہیں ہے جس زمین پہ اُسے بھیجا گیا ہے جنگ کرنے کے لئے جس کو بچانے کے لئے۔ مگر جو اپنی زمین کے لئے لڑ رہا ہو تو وہ جب لڑے گا تو گولی بھی کھائیگا اور لذت بھی محسوس کرے گا تو مجھے بتاؤ کہ جب ایک زمین کے لئے لڑنے والا گولی کھا کے لذت محسوس کرتا ہے تو نبی کے لئے جان دینے والا کتنی لذت محسوس کرتا ہوگا؟ کس قدر کیف اسے میسر آتا ہوگا؟ کیا عالم ہوتا ہوگا؟ سنی دعوت اسلامی کی تحریک کی ضرورت اسی لئے پیش آئی۔ اور بھی تحریکیں ہیں جو نماز کی دعوت دیتی ہیں مگر وہ محبت سے خالی ہیں ان کے ہاں فرض ایک فرض ہے جس طرح سے ایک آدمی اپنا بوجھ جا کر کے پٹخ آتا ہے اس طرح سے وہ اپنے فرض کا بوجھ پٹختے ہیں مگر جب آپ عشق رسول میں ڈوب کے سجدہ کریں گے اور عشق رسول میں ڈوب کے

عبادت کریں گے تو ہر سجدہ میں ایک کیف دوام حاصل ہوگا۔ ایک لذت سرمدی حاصل ہوگی۔

میرے عزیز! یہ میں صرف جذبات کی زبان میں نہیں بول رہا ہوں۔ میں اس کا عادی نہیں ہوں۔ ہمیشہ حقائق کو پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں تا کہ وہ حقائق محسوس کئے جا سکیں اور جانے جا سکیں۔ دیکھو اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرض الوصال میں مبتلاء ہیں یہ وہ مرض ہے جس میں وہ اپنے رفیق اعلیٰ سے ملنے والے ہیں پیغام مکمل ہو چکا ہے۔ کائنات پہ اُن کے دین کی تکمیل ہو چکی ہے۔ تکمیل دین کا اعلامیہ اور اس کی جزا خدا کی طرف سے مل گئی ہے۔ "**الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً**،، اور جب پیغمبر اپنا کام مکمل فرما لیتے ہیں تو اسی ماحول نور میں چلے جاتے ہیں۔ جہاں سے آئے تھے۔ سرکار نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔ قرآن پاک کی آیت شریفہ نازل ہو چکی ہے۔ محفل میں بتا چکے ہیں صحابہ سے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا میں رہے یا آخرت کو قبول کرلے سیدنا صدیق اکبر کی حقیقت آگاہ نگاہوں میں آنسو آجاتے ہیں اور پھر بلک پڑتے ہیں

کچھ اس ادا سے اس نے میرا مدعا پوچھا
ڈھلک پڑا میری آنکھوں سے گوہر مقصود

کسی نے پوچھا حضور آپ رونے لگے؟ کہا کیا خیال ہے تمہارا؟ وہ بندہ کون ہوسکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اختیار عطا فرمائے۔ ارے یہ سرکار اپنے بارے میں فرما رہے ہیں۔ انہیں تو اپنے مولیٰ سے ملنے کی خوشی ہے مگر میں تو اس بات کا غم محسوس کر رہا ہوں کہ آج کے بعد ہماری جنت نگاہ، ہمارا خلد نظارہ، ہمارا شہر آرزو، ہمارا مرکز عقیدت، ہماری نگاہوں کے سامنے نہیں ہوگا اتنا سننا تھا کہ صحابہ کرام بھی تڑپ اُٹھے ان کی آنکھیں بھی ساون بھادوں برسانے لگیں۔ حضور سے جدائی کا احساس مگر ذرا سوچئے! یہ پیغمبر اعظم فرما رہے ہیں کیا اب دنیا میں کوئی اور بھی ایسی مخلوق ہے کہ جہاں جبرائیل بھی آیا ہو تو پر سمیٹے ہوئے آیا ہو، عزرائیل بھی آیا ہو تو اجازت لے کر کے آیا ہو۔ جہاں خالق کائنات نے، محی، ممیت نے یہ اجازت دی ہو، اختیار

دیا ہو کہ دنیا میں رہنا ہے محبوب تو رہو تمہاری مرضی کے بغیر نہ میں نے کائنات پیدا کی ہے اور نہ تمہاری مرضی کے بغیر تمہیں اپنے پاس بلاؤں گا۔ آپ اندازہ فرمائیں یہ حدیثِ صحیح ہے یا نہیں، کوئی انکار کر سکتا ہے اس سے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی مرض الوصال میں مبتلاء ہیں۔ آپ جناب صدیق اکبر کو حکم دیتے ہیں کہ آپ نماز پڑھایئے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عمر فاروق کو حکم دیجئے کہ وہ نماز پڑھائیں۔ میرے والد بہت رقیق القلب ہیں وہ آپ کے مصلی پہ کھڑے ہوں گے تو تاب خیال نہ لاسکیں گے تو آپ نے فرمایا نہیں میرا حکم ہے کہ وہی پڑھائیں مرضی یہ تھی کہ دنیا محسوس کر لے کہ نبی نے جس کو مصلی دیا ہے خلافت اسی کے لئے ہے کسی اور کے لئے نہیں ہو سکتی، یہ محسوس کرانا مقصد تھا اور یہ بتا دینا مقصد تھا کہ جو مصلی کا وارث ہوگا خلافت بنی کا وارث بھی وہی ہوگا۔ اس لئے آپ نے فرمایا نہیں انہیں کو بنایا جائے وہ نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ کئی وقت کی نماز پڑھائی۔ ایک وقت آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر ناز سے اُٹھ کر کے اپنے حجرہ پاک میں چلمن کے قریب آئے جو پردہ پڑا ہوا تھا اُسے ہٹایا۔ جماعت قائم تھی۔ نماز ہو رہی تھی۔ لوگ صف باندھے ہوئے کھڑے تھے۔ جب لوگوں نے محسوس کیا کہ سرکار حجرہ پہ آگئے ہیں پوری جماعت پلٹ کے سرکار کو دیکھنے لگی۔ یہ علماء کرام بیٹھے ہیں ان سے پوچھئے تو یہ آپ کو بتائیں گے کہ اگر یہ پورا سینہ آپ کا کسی اور طرف پلٹ جائے اور قبلہ سے ہٹ جائے تو آپ کی نماز نہیں ہوتی اور سرکار کے روضہ پہ جو لوگ حاضر ہیں وہی ان کا حجرہ ہے وہ ذرا وہاں حاضر ہو کر کے دیکھئے کہ جب لوگوں نے سرکار کو دیکھا ہوگا تو پورے وجود کو پلٹا کر کے دیکھا ہوگا یہ کیفیت ہوگی۔ سب سرکار کو دیکھ رہے ہیں اور کسی کی نماز نہیں ٹوٹتی۔ اس لئے کہ پہلے قبلہ کی طرف تھے اب جان قبلہ کی طرف ہیں، روح قبلہ کی طرف ہیں مرکز قبلہ کی طرف ہیں پہلے بھی قبلہ کی طرف تھے اب قبلہ کے قبلہ کی طرف ہیں اور کعبہ کے کعبہ کی طرف ہیں۔

عزیزان ملت اسلامیہ حدیث پاک میں الفاظ آتے ہیں کہ صحابہ کرام نے جب دیکھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے فرمایا نماز قائم رکھو۔ لوگ نماز کی حالت

مصروف ہو گئے۔ لوگ بیان کرتے تھے کہ ہم نے سرکار کے چہرے کو اس قدر تابناک دیکھا کہ گویا ان کا چہرہ قرآن پاک کا کھلا ہوا ورق تھا۔ اتنا ہمیں خوشی اور مسرور دیکھا اس قدر مسرتوں میں ڈوبا ہوا دیکھا تو ان کا چہرہ کتاب الٰہی کا ورق بنا ہوا تھا۔ اس میں دو باتیں معلوم ہوئیں ایک بات تو یہ کہ جس نماز کے جس ادارہ کو، جس نظام کو قائم کرنے کے لئے سرکار آئے تھے مرض الوصال میں اس نظام کو قائم کر کے قائم ہوتا دیکھ کر کے اب بے پناہ اطمینان محسوس کر رہے ہیں کہ یہ نظام صبح قیامت تک چلے گا۔ پتہ چلا کہ جب جماعت قائم ہوتی ہے جب نماز قائم ہوتی ہے تو رسول اللہ کے چہرہ پہ مسرتوں کا انتہائی اُجالا ہوتا ہے، مسرتوں کا سویرا ہوتا ہے آج بھی جب وہ ہماری نمازوں کو دیکھتے ہوں گے تو کیا وہ مسرور نہ ہوتے ہوں گے؟ اور جو لوگ نمازوں کے قیام کی کوشش کر رہے ہیں تو کیا وہ لوگ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسرتوں کا سامان نہیں کر رہے ہیں؟

میرے عزیز! اور دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کے جذبۂ محبت کا اندازہ ہوا کہ جب رسول سامنے آ گئے تو پلٹ گئے۔ محبت میں اُن کی طرف پلٹ گئے اور ایک لمحہ کے لئے بھی محسوس نہیں کیا کہ ہم قبلہ سے پلٹ رہے ہیں، کعبہ سے پلٹ رہے ہیں، ہمارا رُخ غیر اللہ کی طرف ہو رہا ہے، وہ غیر اللہ سمجھتے تب تو رُخ اس طرف نہ کرتے۔ وہ تو نبی اللہ سمجھتے تھے محبوب اللہ سمجھتے تھے۔ اللہ اکبر اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے ذہن میں یہ بات تھی کہ نماز ہے کیا؟ پورے قرآن عظیم کا مطالعہ کیجئے۔ سینکڑوں مقامات پر آپ کو نماز کو حکم دیا گیا ہے لیکن کہیں یہ بتایا گیا ہے کہ قیام میں کیا پڑھو اور رکوع میں کیا پڑھو اور سجدہ میں کیا پڑھو اور تشہد میں کیا پڑھو اور سلام کیسے پھیرو، کہیں کچھ بتایا گیا ہے۔ قرآن عظیم میں نہیں۔ قرآن عظیم نے صرف نماز کا حکم دیا ہے سرکار نے فرمایا ہے " صلو کما رئیتمونی اصلی،، نماز اس طرح سے پڑھو جیسے کہ تم مجھے پڑھتا ہوا دیکھ رہے ہو۔ پتہ چلا قرآن قانون دے رہا ہے اور تفصیل نبی کی زندگی عطا فرما رہی ہے نبی کی حیات عطا فرما رہی ہے۔ سنتوں کی تعلیم اسی لئے ضروری ہے کہ نبی کی زندگی کی تفصیلات ہمارے سامنے آ جائیں اور کوئی گوشہ حیات نبی صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہماری آنکھوں سے اوجھل نہ رہنے پائے اس لئے کہ جب سنتیں نہ ہوتیں تو نماز کے فرائض بھی ہمارے سامنے نہ آتے نماز کے واجبات بھی ہمارے سامنے نہ آتے۔ نماز کے ارکان بھی ہمارے سامنے نہ آتے۔ یہ سب سنتوں کے حوالے سے آئے ہیں۔ سنتوں کے دوش پہ سوار ہو کر کے آئے ہیں۔ سنتوں کے دامن سے لپٹے ہوئے آئے ہیں۔ سنتوں ہی نے ہمیں سب کچھ عطا فرمایا ہے۔ اسی کے ذریعہ سے ہمیں سب کچھ میسر آیا ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جیسے مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھو ویسے نماز پڑھو۔ یہ نہیں کہا جیسے قرآن میں دیکھو ویسے نماز پڑھو۔ یہ بھی نہیں کہا کہ جیسے میں پڑھوں ویسے نماز پڑھو۔ حالاں کہ یہ کہنے کا حق تھا انہیں بلکہ اپنے وجود ناز کو اللہ کی عبادت کے لئے معیار کامل بنایا؟ کہ پروردگار عالم نے مجھے اک معصوم عابد بنایا ہے۔ تم اپنی نمازوں کو خطاؤں سے بچانا چاہو گے تو میرے طریقہ کو اختیار کرنا پڑے گا۔ میرے طرز زندگی کو اختیار کرنا پڑے گا۔ میرے طرز حیات کو اختیار کرنا پڑے گا اور تا کہ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ صرف قول ہی قابل عمل نہیں ہے عمل بھی قابل عمل ہے۔ جیسے کہ ایک طبقہ ہے جو حدیث کی دو قسمیں کرتا ہے قولی احادیث کو قابل عمل سمجھتا ہے اور عملی احادیث کو قابل عمل نہیں سمجھتا۔ معاذ اللہ وہ کہتا ہے اس میں نبی انسانی اور بشری تقاضوں کے مطابق کچھ اپنے لئے بھی کر سکتا ہے۔ ایک ملعون طبقہ پیدا ہو چکا ہے مگر اللہ کے رسول نے سب سے بڑے فریضہ کے بارے میں سب سے اہم فریضہ نماز کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا کہ نماز اس طرح سے پڑھو جیسے میں کہوں بلکہ اس طرح سے فرمایا کہ نماز اس طرح سے پڑھو جیسے مجھے تم پڑھتا ہوا دیکھ رہے ہو " صلو کما رأیتمونی اصلی،، تا کہ معلوم ہو جائے کہ نبی کا قول بھی قانون ہے، نبی کا عمل بھی قانون ہے، نبی کی رفتار بھی قانون ہیں، نبی کی گفتار بھی قانون ہے، نبی کے چہرہ زیبا پہ اُبھرنے والے آثار بھی قانون ہے، نبی پاک کی ہر ادا قانون ہے ہر ادا سے قانون کا ایک شوشا پھوٹتا ہے قانون کا منبع جلوہ گر ہوتا ہے نبی سرتا پا قانون بن کے تشریف لائے پھر یہ بھی بتانا مقصود تھا کہ نماز تو اللہ کی پڑھو مگر ادائیں میری دیکھو، سجدہ تو اللہ کی بارگاہ میں کرو مگر قیام میرا دیکھو، رکوع

میرا دیکھو، سلام میرا دیکھو، اور جب ان کا قیام دیکھو گے تو ان کا خیال آئے گا ان کا رکوع دیکھو گے تو ان کا خیال آئے گا، ان کا سجدہ دیکھو گے تو ان کا خیال آئے گا۔ پیشانی اللہ کی بارگاہ میں جھکاؤ اور دل مصطفیٰ کے آستانہ پہ جھکاؤ۔ یہ شرک نہیں ہے۔ بلکہ عین عبادت ہے ”صلــوا کما رأیتمونی اصلی،، نماز اس طرح سے پڑھو جیسے تم مجھے پڑھتا ہوا دیکھ رہے ہو۔

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

عزیزان ملت اسلامیہ! اب یہ ایک اردو کا جملہ ہے اور شریعت کی رعایت بھی ہے نماز رسولوں کی اداؤں کا نام ہے۔ نماز رسول کی اداؤں کا محبوب نام ہے۔ اس اعتبار سے ان کی ادا طریقہ ادا انداز ادا ادا ہے، ادائیگی کا طریقہ ہے ادائیگی کے مفہوم میں ہے، رسول ہونے کی حیثیت سے ان کی ادا ادائیگی ہے اور محبوب ہونے کی حیثیت سے ان کی ادا محبوب کی ادا ہے، اس اعتبار سے نماز رسول کی اداؤں کا نام ہے ان کی اداؤں کی مطابق ادا کی گئی تو ادا ہوگی ورنہ قضا بھی نہ ہو سکے گی۔

عزیزان ملت اسلامیہ! تو نماز ہی رسول کی ادا بنا دی گئی۔ محبت کے بغیر محبوب کی اداؤں سے محبت نہیں کی جا سکتی محبوب کی اداؤں پہ وہی جان دیتا ہے۔ جو پہلے محبوب سے محبت کرتا ہے۔ یہ تو ممکن بھی نہیں کہ محبت نہ ہو اور ادائیں دیکھی جائیں۔ محبت نہ ہو اور نیت دیکھی جائے محبت نہ ہو لب و لہجہ دیکھا جائے۔ محبت نہ ہو انداز قیام دیکھا جائے۔ محبت نہ ہو انداز سجود دیکھا جائے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں ذرا سوچو ایک انسان صرف نماز پڑھتا ہے۔ اور ایک انسان نماز پڑھتے ہوئے یہ سوچتا ہے کہ میرے محبوب اس طرح نماز پڑھتے تھے۔ نماز میں لذت پیدا ہو جائے گی۔ نماز میں کیف پیدا ہو جائے گا، نماز میں سرور پیدا ہو جائیگا۔ یہی سرور یہ جماعت پیدا کرنا چاہتی ہے نبی سے قریب کر کے۔ تو آخری بات میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہماری ضرورت کے لئے تھیں وہ ہم سے قریب کر دی۔ زمین ہماری ضرورت کے لئے تھی تو زمین کو ہمارے پیروں کے نیچے فرما دیا۔ پانی زمین سے کم ضروری تھا اس لئے کہ زمین کے بغیر تو آدمی ایک سکنڈ نہیں ٹک سکتا آدمی لیکن

پانی کے بغیر 24 گھنٹے زندہ رہ سکتا ہے تو پانی کو اس کو پیروں کے نیچے زمین میں پیدا کیا۔ یہ ٹھیک ہے اس کی زمین سے کم ضرورت ہے کھودو۔ لو پیو تلاش کرو۔ غلہ کے بغیر آدمی ایک آدھ ہفتہ زندہ رہ سکتا ہے۔ تو غلہ کو موسموں کا پابند کیا گیا ہے بوو کاٹو اور پھر کھاؤ لیکن ایک چیز ایسی ہے کہ جس کے بغیر انسان زمین کے مقابلہ میں بھی ایک سکنڈ زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ زمین کے بغیر بھی اچھل کر کے شاید ایک سکنڈ زندہ رہ جائے لیکن اس چیز کے بغیر تو ایک سکنڈ زندہ نہیں رہ سکتا تھا جانتے ہو وہ چیز کیا ہے؟ ہوا ہے ہوا کے بغیر ایک سکنڈ زندہ نہیں رہ سکتا تھا تو پانی تو زمین کے نیچے پیدا کیا۔ زمین کو ہمارے پیروں کے نیچے پیدا کیا مگر ہوا کو ہماری ناک کے قریب کر دیا تا کہ جب بھی وہ سانس لے تو فوراً ہمیں زندگی میسر آ جائے اس لئے کہ جب ہوا بھی پیر کے نیچے ہوتی تو جب تک جھک کر کے سانس لیتے تب تک دم اُکھڑ جاتا اگر ہوا زمین کے نیچے ہوتو تو کوئی بھی زندہ نہ ہوتا مگر یہ مشیئت کا نظام ہے یہ مدبر حقیقی کے قوانین ہیں کہ جس چیز کی جتنی زیادہ ضرورت تھی اسی قدر مفت سہل الحصول بنا دی گئی ہے یعنی اگر ہوا پر انسانوں کا کنٹرول ہو جائے تو یہ ظالم کسی کو زندہ رہنے نہ دیں گے یہ ساری ہوائیں اپنے گھر میں اسٹور کر لیں گے اور لوگ مر جائیں گے اس لئے آسان کر دیا گیا۔ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہوا، مادی نعمتوں میں سے وہ ناک کے قریب کر دی گئی کہ جب بھی آپ چاہیں سانس لے سکیں۔ تو یاد رکھئے انسان کی جسمانی زندگی کے لئے ہوا کی ضرورت تھی تو ناک کے قریب کر دی گئی اور روحانی زندگی کے لئے نبی کی ضرورت تھی تو جان کے قریب کر دیئے گئے۔ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسهم، نبی مسلمانوں کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اب اگر ہوا ناک سے دور ہو جائے تو انسان بے جان ہو جاتا ہے۔ نبی جان سے دور ہو جائیں تو انسان بے ایمان ہو جاتا ہے۔ نبی ہماری جان سے قریب ہے یہ تحریک نبی کو محسوس کرا رہی ہے کہ تم انہیں جان سے قریب محسوس کرو۔

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

اعجازِ قرآن

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ أَقَامَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِكِیْنَ شَفِیْعاً، وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی كُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَدَیْهِ، صَلٰوةً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِكِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْكَ لَهُ وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ. أَمَّا بَعْدُ.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ – بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (پ:۱، سورۃ البقرۃ: آیت:۲۳)

علماء باوقار، عزیزانِ ملت اسلامیہ، قابل احترام بزرگو اور دوستو! ہم اور آپ انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکزِ عقیدت آقائے دوجہاں، حضور رحمت عالم، تاجدار مدینہ، سرور کائنات محمد رسول اللہ ارواحنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں درودِ پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَ اٰلِهِ الْكِرَامِ اَجْمَعِیْنَ.

ابھی ابھی امیر سنی دعوت اسلامی حضرت مولانا شاکر رضوی صاحب قرآن مجید سے

متعلق اپنے ملفوظات ہمیں عطاء فرمار ہے تھے۔ اور ہم ان کے دعوتی مزاج، اسلوبِ بیان اور اندازِ فکر سے متاثر ہو رہے تھے۔ خدا اس تاثر کو باقی رکھے۔ اور ہمارے قلوب کے انفعال کو پائیدار فرمادے۔ (آمین) مجھے جو عنوانِ خطاب عطا فرمایا گیا ہے۔ وہ قرآن کا اعجاز ہے۔ ظاہر ہے یہ خالص فکری عنوان ہے۔ میں آج کی اس محفل میں اس عنوان کا حق ادا کرسکوں گا یا نہیں؟ یہ تو آپ کے ذوقِ سماع پر منحصر ہے۔ لیکن انشاء اللہ تبارک وتعالیٰ کل اگر خطاب کا موقع ملا تو قرآن پاک کے دعوتی نظام پر اور ہماری زندگی سے قرآن کا جو تعلق ہے اس پر گفتگو ہوگی اور وہ آپ کے اپنے مزاج کے مطابق ہوگی۔ قرآن پاک صرف ایک موضوع نہیں ہے۔ بلکہ عناوین اور موضوعات کا ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ قرآن پاک کے تعلق سے اتنے عناوین اُبھرتے ہیں کہ اگر ہم انتخاب بھی کرنا چاہیں تو یقیناً بہت مشکل ہوگی کہ ہم کیا بیان کریں اور کیا نہ بیان کریں۔ قرآن مجید کے فضائل ومناقب اور قرآن پاک کے انداز دعوت وتبلیغ، قرآن پاک کے علمی تصور اور قرآن پاک کے کائناتی اور آفاقی پیغام کو سمجھنے کے لئے ایک زندگی چاہیے۔ قرآن پاک کے کسی ایک گوشے پہ کام کرتے ہوئے اور ارباب علم کی زندگیاں گذر گئیں ہیں۔ آج لاکھوں کی تعداد میں کروڑوں صفحات پر مشتمل قرآن پاک کی تفاسیر اور قرآن پاک کے اعجاز پر کتابوں کا ایک سمندر ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ ایک صاحبِ دل نے کسی باغ کی سیر کرتے ہوئے سوچا تھا۔ جب انہوں نے باغ میں قدم رکھا تھا تو سوچا تھا کہ میں اپنے دوستوں کے لئے کچھ پھول لے جاؤں گا۔ چند خوبصورت پھول انہوں نے اپنے دامن میں سجائے اور اس کے بعد وہ اپنا دامن بھرتے رہے یہاں تک کے باغ میں ایک ایسا مقام آیا کہ جب باغ کے حسن نے ان کے ہوش وحواس گم کردیئے اور وہ عالم جذب ومستی میں اپنے ہاتھ سے دامن چھوڑ بیٹھے۔ اور انہیں احساس بھی نہیں رہ گیا کہ میں دوستوں کے لئے کچھ پھول چن رہا تھا۔ قرآن پاک کے اعجاز کا یہی عالم ہے کہ آپ مطالعہ کیجئے تو جی یہ چاہتا ہے کہ قرآن پاک کے کچھ مفاہیم اپنے ذہن کے اندر منتقل کریں گے لیکن جب اس بحرِ ناپیدا کنار کے غواص کی حیثیت سے موتیوں کا انتخاب کرنا چاہیں تو دامن حیات تنگ نظر آتا ہے۔

دینے والے تجھے دنیا ہے تو اتنا دیدے
کہ مجھے شکوۂ کوتاہیٔ داماں ہوجائے

یہ کیفیت ہوگی قرآن پاک کے مطالعہ کرنے والے کی۔اور قرآن پاک کو سمجھنے والے کی۔آپ اندازہ فرمائیں کہ آج چودہ سو سال سے قرآن پاک کے مضامین میں کروڑوں کتابیں لکھی گئیں ہیں اور لکھی جارہی ہیں۔لیکن ہر لکھنے والا یہ دعویٰ کررہا ہے کہ ہم قرآن پاک کے مضامین کا حقیقی ادراک تو کیا کرسکیں گے۔ہم تو قرآن پاک کے سمندر کے کنارے سے سیپیاں چن رہے ہیں۔ساحل کے تماشائی ہیں۔موجوں میں اور سمندر میں غواصی کی تاب تو ہمارے اندر ہے ہی نہیں۔

میرے عزیزو اور میرے دوستو! یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ قرآن پاک کے نزول کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے۔مگر قرآن پاک کے مضامین کا نزول قلب انسانی پر صبح قیامت تک ہوتا رہے گا۔قرآن ہر دور کے لئے نظام زندگی ہے، ہر عصر کے لئے نظام زندگی ہے، ہر زمانے کے لئے نظام زندگی ہے، ہر قوم کے لئے نظام زندگی ہے، ہر طبقہ کے لئے نظام زندگی ہے۔زمانہ جو بھی مطالبہ کرے گا قرآن پاک اُسے عطا فرمائے گا۔اور زمانے کے مطالبات بدلتے رہتے ہیں۔اس لئے قرآن پاک کا فیضان بھی ہر دور میں اپنی نئی نئی شکل کے ساتھ جلوہ گر ہوتا رہے گا۔

میرے عزیزو! اور میرے بزرگو! یہ موضوع خود اتنا بڑا ہے کہ اس پر گھنٹوں گفتگو کی جاسکتی ہے۔مگر اعجاز قرآن کے حوالے سے میں ایک چھوٹی سی تمہید پیش کرنا چاہوں گا۔اگر کہیں گفتگو زیادہ بوجھل نظر آئے تو کم از کم مذاق سماع کے اعتبار سے میرا ساتھ دیجئے گا۔تاکہ میں اپنی گفتگو مکمل کرتے وقت یہ محسوس نہ کروں کہ میں اپنی بات اپنی کج مج بیانی کی بنیاد پر سمجھا نہیں پارہا ہوں۔

میرے عزیزو اور میرے دوستو! آپ اس بات کا جائزہ لیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانی تخلیق کے ساتھ ساتھ ہی انبیاء کرام کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا۔اگر پہلے انسان آیا ہوتا

اور بعد میں نبی جلوہ گر ہوا ہوتا تو یہ سوال پیدا ہوتا کہ کیا پروردگارِ عالم نے کم از کم ایک ہی انسان کو بغیر ہدایت کے دنیا میں بھیج دیا۔بغیر قانون کے دنیا میں بھیج دیا۔بغیر نظام کے دنیا میں بھیج دیا۔جب کہ پروردگارِ عالم نے تو انسانی تخلیق کا مقصد یہ اپنے محبوب کو بتایا تھا۔"کنت کنزاً مخفیاً فاجبت ان اعرف فخلقت الخلق،، میں تو ایک کنز مخفی تھا۔میں چاہتا تھا کہ مجھے پہنچانا جائے۔تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔یا جان کائنات محمد رسول اللہ کو پیدا کیا۔تو پتہ چلا کہ تخلیق کائنات کا بنیادی مقصد معرفت الٰہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے مقصد کا تعین کرنا چاہا ہے۔ان صوفیاء کرام نے "وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدو ن،، کی تفسیر میں یہ لکھا ہے "الا لیعرفون،، تاکہ وہ مجھے پہچانیں اور میری معرفت حاصل کریں،، پتہ چلا کہ معرفت الٰہی (اللہ کی پہچان) انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔اللہ کو جاننا انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔اللہ کو پہچاننا انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مقصد بعد میں آتا اور جس کے لئے مقصد بنایا گیا ہے اُسے پہلے بھیج دیا جاتا۔یہ کیسے ہوتا کہ مقصد کا عرفان تو بعد میں ہوتا اور جس مقصد کی بنیاد پر تخلیق کی گئی ہے اسے پہلے بھیج دیا جاتا اس لئے پروردگار عالم نے پہلے انسان کو پیغمبر بھی بنایا تاکہ انسان بھی جلوہ گر ہو۔اور مقصد بھی لے کر کے جلوہ گر ہو۔حضرت آدم انسان بھی تھے اور پیغمبر بھی تھے۔اسلام اس تصور کو ایک لمحہ کے لئے بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ انسان تدریجاً انسان بنا ہے۔انسان ارتقاء کے نتیجہ میں انسان بنا ہے۔انسان حوادث کی ٹھوکریں کھا کر انسان بنا ہے۔انسان سمندر میں ہونے والے پتھروں کی طرح سے باضابطہ موجوں کی تھپیڑوں کی بنیاد پر انسان بنا ہے۔انسان زمانے کی تعلیم کی بنیاد پر انسان بنا ہے۔انسان جانور تھا۔انسان بندر تھا۔انسان درندہ تھا۔انسان وحشی تھا۔اور اس کے بعد اس نے بولنا سیکھا تو شعور کی راہوں سے گذرا۔پھر اس نے تہذیب وتمدن کے راستے میں قدم رکھا۔معاشرے کی قدروں کو اس نے سیکھا اور اس کے بعد انسان بن گیا۔ایسا کوئی تصور اسلام کے اندر نہیں ہے۔اسلام انسانیت کی توہین کو برداشت نہیں کرسکتا۔اسلام انسانیت کو ذلیل نہیں کرنا چاہتا۔اسلام جو انسان کا تصور پیش کرتا ہے۔

قرآن جو انسان کا تصور پیش کرتا ہے کہ انسان اگر انسان ہے۔ اور صرف تصور قرآن کا جائزہ لیں تو قرآن کی بارگاہ میں سر جھکانے پر مجبور ہو جائے گا۔ قرآن نے انسان کو ذلیل نہیں کیا ہے۔ قرآن نے انسان کو رسواء نہیں کیا ہے۔ قرآن نے انسان کی توہین نہیں کی ہے۔ قرآن نے انسان کو بندروں کی اولاد نہیں کہا ہے، قرآن نے انسان کو وحشی نہیں کہا ہے۔ قرآن نے انسان کو غیر متمدن نہیں کہا ہے۔ قرآن نے انسان کو جانوروں سے پیدا ہونیوالا ایک عجوبہ نہیں کہا ہے۔ قرآن نے انسان کو شوشیل انیمل (Social Animal) نہیں کہا ہے۔ معاشرتی جانور نہیں کہا ہے۔ قرآن نے انسان کو خلیفۃ اللہ کہا ہے، قرآن نے انسان کو نائب کہا ہے، قرآن نے انسان کو صاحبِ شعور کہا ہے، قرآن نے انسان کو بلندیوں کی عظمتوں سے نوازا ہے، قرآن نے انسان کے سر پر تاجِ کرامت رکھا ہے، قرآن نے انسان کو عظمت کائنات سے نوازا ہے، قرآن نے انسان کو اس کائنات کا سب سے تابندہ ستارہ قرار دیا ہے، قرآن نے انسان کو شاہکار تخلیق کا عظیم حصہ قرار دیا ہے۔ قرآن نے "**لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم**،، سے نوازا ہے۔ قرآن نے "**لقد کرمنا بنی ادم**،، کے منصب سے نوازا ہے۔ اللہ نے انسان کو اللہ کی مقدس تخلیق کا اصلی شاہکار قرار دیا ہے۔ قرآن نے انسان کو جمال الٰہی کا پرتو قرار دیا ہے۔ قرآن نے انسان کی تخلیق بندگی کے لئے کی ہے۔ قرآن پاک نے انسان کو زمین پر سب سے باشعور بنایا ہے۔ سب سے محترم قرار دیا ہے۔ قرآن انسان کی توہین نہیں کرتا۔ قرآن انسان کو عظمتوں کی وادیاں دیتا ہے۔ عظمتوں کی معراج دیتا ہے۔ عظمتوں کا مقام بلند دیتا ہے۔ دنیا کا کوئی ایسا مذہب نہیں ہے۔ دنیا کا کوئی ایسا فلسفہ نہیں ہے جو وہ تصور دیتا ہوا انسان کو جو قرآن دیتا ہوا نظر آتا ہے اور جو قرآن پاک کے اندر موجود ہے۔ اس لئے کہ قرآن انسان کے لئے نازل ہوا ہے اور انسان قرآن کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے قرآن کا موضوع اور مخاطب انسان ہے اور انسان قرآن عظیم کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ انسان قرآن پاک کا مخاطب ہے۔ قرآن انسان کو مخاطب کرتا ہے۔ قرآن انسان کو دعوت دیتا ہے۔ اور انسان قرآن میں نظام زندگی تلاش کرتا ہے، قرآن میں اپنی منزل ڈھونڈتا

ہے، قرآن میں اپنا جادہ ڈھونڈتا ہے، قرآن کو معالم طریق تصور کرتا ہے۔ قرآن کی راہوں پر چلتا ہوا نظر آتا ہے، قرآن سے زندگی سنوارتا ہے، قرآن سے افکار کو نکھارتا ہے، قرآن سے جلوؤں کی وادی میں قدم رکھتا ہے، قرآن کے انوار سے زندگی معمور کرتا ہے، قرآن سے اپنی قبر منور کرتا ہے، قرآن سے اپنی حشر کو آراستہ کرتا ہے۔ قرآن سے اپنی صراط کو جگمگا لیتا ہے۔ قرآن سے اسے دخول فی الجنۃ کا منصب عطاء کیا جاتا ہے۔ قرآن کے ذریعہ سے خلافتِ عظمٰی کے منصب پر فائز ہوتا ہے "**واذ قال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ**،، جب پروردگار عالم نے فرشتوں سے کہا تھا۔ میں زمین میں اپنا نائب پیدا کرنا چاہتا ہوں تو فرشتوں نے کہا تھا مولیٰ کیا کوئی ایسی مخلوق پیدا فرمانا چاہتا ہے، جو زمین میں فساد برپا کردے، تو پروردگار عالم نے فرمایا تھا۔ فرشتو! جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے ہو۔" **وعلم آدم الاسماءَ کلھا**،، پھر آدم کو اسماء کی تعلیم دی گئی۔"ای المسمیات،، مسمیات کی تعلیم دی گئی، ابھی اسماء کا وجود نہیں ہوا ہے۔ ابھی اسماء علم الٰہی میں ہیں۔ ابھی اسماء لوح محفوظ میں ہیں۔ ابھی اسماء کا کوئی حسی وجود نہیں ہوا ہے۔ مگر قرآن کہہ رہا ہے۔ آدم کے لئے کائنات کی ایک تخلیق پہلے بھی کی جاچکی ہے۔"**ثم عرضھم علی الملئکۃ**،، انہیں فرشتوں کے اوپر پیش کیا گیا۔ جو چیز پیش کی گئی اس کا کوئی حسی وجود تو رہا ہوگا۔ اس کا کوئی تمثالی پیکر تو رہا ہوگا۔ مگر فرشتے اس کا جواب نہ دے سکے۔ آدم تھے جو اسماء کی حقیقتیں بھی بیان کررہے تھے۔ اور اسماء کے نام بھی بیان کررہے تھے۔

بدل ڈالا ہے اب تو اپنا انداز بیان ہم نے
نہیں تو بند کردی تھی فرشتوں کی زبان ہم نے

انسان مسجود ملائکہ بن چکا ہے۔ انسان کائنات کا سب سے عظیم و حسین شاہکار ہے۔ اللہ اکبر! انسان اللہ کی معرفت کی بنیاد پر اللہ کا محبوب ہے۔ اللہ کا منظور نظر ہے۔ قدرت کی حسین تخلیق ہے۔ انسان بہت بلند ہے۔ ڈارون کا انسان تو بڑا ذلیل انسان ہے۔ کرچینٹی کا انسان تو بڑا ٹھکرایا ہوا انسان ہے۔ جو صدیوں سے اپنے جسم کے اوپر اپنی پیٹھ پر گناہوں کے

پشتارے لے کر کے پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو اسلام کا انسان ہے جو معصوم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جو بے گناہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اور جس کی عظمت کو بلند کرنے کے لئے پیغمبر اعظم کا دامن دیا گیا ہے۔ ان کا جادہ دیا گیا ہے، ان کی صراط مستقیم عطا فرمائی گئی ہے۔ جس پر چلنے کے بعد انسان اس کائنات میں سب سے بلند ہوتا ہے۔ کائنات کا راکب ہوتا ہے کائنات کا مرکب نہیں ہوتا ہے۔ وہ ستاروں کا راکب ہوتا ہے۔ وہ ہواؤں کا راکب ہوتا ہے۔ اس پر کائنات سوار نہیں ہوتی۔ یہ کائنات پہ سوار ہوتا ہے۔

عروجِ آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہہ کامل نہ بن جائے

انسان کو مہہ کامل بنا کے بھیجا گیا ہے۔ بڑا عظیم ہے قرآن کا انسان۔ قرآن کے انسان سے بڑھ کے انسانیت کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ اب ظاہر ہے کہ جسے جہاں عزت ملتی ہے وہیں جھکتا ہے۔ جہاں عزت ملتی ہے وہیں سر جھکا تا ہے۔ قرآن عزت دیتا ہے۔ اس لئے قرآن کی بارگاہ میں جھکنا ہوگا۔ قرآن کا احترام کرنا ہوگا، قرآن عظیم کو معیار زندگی بنانا ہوگا۔ معیار حیات بنانا ہوگا۔ دلیل زندگی بنانا ہوگا۔ دستور زندگی بنانا ہوگا،

یہ تمہید اس لئے اٹھائی تھی تا کہ میں آپ کو بتا سکوں کہ پروردگار عالم نے جب انسان کو پیدا فرمایا تو تشنہ قانون نہیں پیدا فرمایا۔ اس لئے اُسے دنیا میں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اپنے قانون کے لئے تدریجاً ترقی کرے۔ وہ اپنے قانون کے لئے جنگلوں کا سہارا لے۔ وہ اپنے قانون کے لئے کمیونیٹی کا سہارا لے۔ وہ اپنے قانون کے لئے ماحول کا سہارا لے۔ وہ اپنے قانون کے لئے ضرورتوں کا سہارا لے۔ وہ اپنے قانون کے لئے داعیات کا سہارا لے۔ وہ اپنے قانون کے لئے فطرت کے تقاضوں کا سہارا لے۔ وہ اپنے قانون کے لئے حوادث کا سہارا لے۔ وہ اپنے قانون کے لئے ضروریات کا سہارا لے۔ وہ قانون بنانے کے لئے انسانی جماعتوں کا سہارا لے۔ انسانی طبقوں کا سہارا لے۔ نہیں۔ نہیں! قرآن ظن وتخمین کی راہوں کا مسافر تمہیں نہیں بنا تا۔ بلکہ پروردگارِ عالم نے تمہیں انسان بنا کر بھیجا تو کتاب الٰہی کے ذریعہ

ے نبوت کے ذریعہ سے زندگی کی راہوں میں روشن چراغ روشن کردیئے۔ تم ظن وتخمین کے مسافر نہیں۔ بلکہ یقین کے مسافر ہو۔ تمہیں پیغمبر بھی دیا جائے گا۔ اور کتاب بھی عطا فرمائی جائے گی۔ روز اول سے قانون دیکر بھیجا گیا۔ آئین دیکر بھیجا گیا۔ نظام دیکر بھیجا گیا۔ دستور دیکر بھیجا گیا۔ جو ظن وتخمین کی راہوں کے مسافر ہوتے ہیں۔ وہ ظن وتخمین کی صلیب پر چڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ رسواء ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تباہ ہوتے ہوئے نظر آئے ہیں، برباد ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور جب آنکھ کھلتی ہے تو نسلیں کٹ چکی ہوتی ہیں۔ صدیاں تباہ ہو چکی ہوتی ہیں۔ قومیں برباد ہو چکی ہوتی ہیں۔ میں بہت سی مثالیں دے سکتا ہوں۔ بہت ے حوادثِ کائنات کے ذریعہ سے اپنے دعویٰ پر استشہاد پیش کر سکتا ہوں۔ دلائل کے انبار لگا ر سکتا ہوں۔ لیکن ابھی ماضی قریب کا جائزہ لو رشیا کی سرزمین سے ایک انقلاب اُبھرا تھا۔ کمیونز م کا انقلاب اُبھرا تھا۔ اشتراکیت کا انقلاب اُبھرا تھا۔ مساوات کے دعویٰ کے ساتھ اُبھرا تھا۔ مگر انسانی فطرت سے متصادم تھا۔ انسانی افکار سے متصادم تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ (70) ستر سال تک کروڑوں انسانوں کی قربانی دینے کے بعد سائبیریا کے وحشت زدہ علاقوں میں اپنے قانون کی صلیب پر کروڑوں انسانوں کو چڑھانے کے بعد، ہزاروں سرمایہ داروں کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنے کے بعد، ہزاروں کو تباہ کرنے کے بعد، اور لاکھوں مخالفین کو کچلنے کے بعد، ستر سال میں ستر کروڑ افراد کو فناء کرنے کے بعد، جب آنکھ کھلی تو معلوم ہوا وہ نظام باطل تھا۔ اس نظام کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ لینن زندہ ہوتا تو پوچھا جاتا۔ ان بے قصوروں کے خون کا حساب کون دے گا؟ جس کو تم نے اپنے نظام کی صلیب پر چڑھایا ہے۔ اسٹالن زندہ ہوتا تو پوچھا جاتا۔ سائبیریا کے برف زدہ علاقوں میں تڑپنے والے جسموں کا حساب کون دے گا۔ آج خروس چوف ہوتا تو پوچھا جاتا کہ کمیونیزم کی دہلیز پر جن لوگوں کو تم نے قربان کیا ہے ان کی لاشوں کا حساب کون دے گا؟ ان کی سسکیوں کا حساب کون دے گا؟ ان کی آہوں کا حساب کون دے گا؟ ان کروڑوں جانوں کا حساب کون دے گا؟ جن کو تم نے اپنے نظام کے تجربے کے لئے قربان کیا ہے۔ پتہ چلا کہ انسان جب خود کوئی نظام تلاش کرے گا۔ تو اس پر قربانی

دے کر کے تباہ ہوگا۔ مگر ہمیں نظام تلاش کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہے۔ نظام کو فالو(Follow) کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ ہمارے ساتھ نظام خود نازل کردیا گیا ہے۔ ہمارے ساتھ آئین خود نازل کردیا گیا ہے۔ ہمارے ساتھ دستور خود نازل کردیا گیا ہے۔ ہمارے ساتھ ضابطہ دیکے بھیجا گیا ہے۔ تم میری بڑی محبوب مخلوق ہو میرے بندو میں تمہیں رسوا نہیں ہونے دوگا۔ لینن کے دروازے پرنہیں، اسٹالن کے دروازے پرنہیں، خروس چوف کے دروازے پرنہیں، ابراہام لنکن کے دروازے پرنہیں، کالماکس کے دروازے پرنہیں، بلکہ میں تجھے روز اول سے آدمیت کے دروازے پر، آدم کے آستانے پر، رسول اللہ کے دروازے پر عزت عطا فرماؤں گا۔ میں تمہیں تشنہ قانون نہیں بلکہ قانون دیکر بھیجوں گا

میرے عزیز و اور میرے دوستو! حضرتِ آدم سے لے کر کے سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک ہر دور میں انبیاء کرام تشریف لائے۔ ہر زمانے میں انبیاء کرام تشریف لائے۔ ہر عصر میں انبیاء کرام تشریف لائے۔ یہاں تک کہ سرور کائنات خاتم النبیین بن کرکے آئے۔ آخری رسول بن کے آئے۔ آخری نبی بن کے آئے۔ اب ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اب ان کے بعد کوئی رسول نہیں ہوگا۔ اب ان کے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہوگا۔ نہ ظلی نبی ہوگا نہ بروزی نبی ہوگا۔ نہ متبع نبی ہوگا۔ نہ مقلد نبی ہوگا۔ نہ پرتو نبی ہوگا۔ نہ عکس نبی ہوگا۔ کسی طرح کی کوئی نبوت نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ خاتم النبیین بنکر کے آئے ہیں۔ اور خود ارشاد فرماتے ہیں۔ "لا نبی بعدی،، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ یہ "بعد،، زمانہ ہے نا۔ یہ بعد جو ظرف زمان ہے۔ ظرفِ مکان نہیں ہے۔ سرکار کو اس قرآن پاک کی آیت کی زمانے سے تشریح کر رہے ہیں اور کچھ ظالم کہتے ہیں کہ یہاں وہ ختم نبوت زمانی مراد نہیں ہے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کم از کم اس آیت کریمہ کے پیش نظر نحو میر کے معمولی سے طالب علم کی حیثیت سے اگر یہ دیکھ لیتے کہ "ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین،، کی تشریح میں اور اس کی تفسیر میں میرے سرکار نے یہ فرمایا "لا نبی بعدی،، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ تو یہ "بعد،، ظرفِ زمان ہے۔ یا ظرفِ مکان ہے؟

رتبہ کی بات کی جارہی ہے۔ یا زمانے کی بات کی جارہی ہے۔ پیغمبر اور تشریح کریں اور تم اور تشریح کرو۔ کتنی نادانی ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ اس میں اجماع کی مخالفت کی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پیغمبر کی مخالفت کی گئی ہے، سرور کائنات کی مخالفت کی گئی ہے۔ رحمۃ اللعالمین کے متعین کردہ مفہوم کی مخالفت کی گئی ہے۔ ان کے زمانے کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا اور اگر ان سے پہلے کوئی پیدا ہو چکا ہے تو ان کے بعد ان کا امتی بن کر کے آئے گا۔ ان کے نظام کا فالور بن کے آئے گا۔ ان کے قانون کا داعی بن کے آئے گا۔ بہت بڑا اعتراض ہیکہ عیسیٰ بعد میں آئیں گے۔ وہ پہلے پیدا ہو چکے ہیں، بعد میں پیدا نہیں ہوں گے۔ مگر پھر پیغمبر بن کے نہیں آئیں گے۔ بلکہ محمد عربی کے امتی بن کے آئیں گے۔ رسول اللہ کے نظام کے فالور بن کر کے آئیں گے۔ قرآن پاک کو دستورِ حیات بنا کر کے آئیں گے۔ انجیل لے کر کے نہیں آئیں گے۔ صحف قدیم لے کر کے نہیں آئیں گے۔ اولڈ ٹسٹ منٹ اور نیو ٹسٹ منٹ لے کر کے نہیں آئیں گے۔ محمد عربی کے امتی ہوں گے۔ کتنا عظیم ہے وہ فرمان رسول گرامی وقار کہ اے میرے ساتھیو اور اے میرے صحابہ! وہ لمحہ کتنا عظیم ہوگا کہ جب تم امام ہوں گے اور عیسیٰ تمہاری امامت کی اقتداء کر رہے ہوں گے۔ پیغمبر تمہارے مقتدی ہوں گے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! انبیاء کرام کا یہ تسلسل رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک قائم رہا۔ پھر انہیں خاتم النبیین بنایا گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرور کائنات کے بعد انبیاء کرام کیوں تشریف نہیں لائیں گے؟ رسول گرامی وقار سے پہلے زمانے کا کونسا داعیہ تھا اور تقاضہ تھا؟ جس کی بنیاد پر مشیت پیغمبروں کو بھیجا کرتی تھی۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سرور کائنات سے پہلے جب بھی دنیا میں ظلم پھیلا جب بھی دنیا میں گناہ پھیلا۔ جب بھی دنیا میں بدکرداری پھیلی۔ جب بھی دنیا میں سرکشی پھیلی، جب بھی دنیا میں ناخدا پرستی پھیلی، جب بھی انسانیت رسواء ہوئی۔ جب بھی چہروں کا وقار لٹا۔ جب بھی نگاہوں کی حیاء ڈھلی، اور جب بھی انسانیت تباہ ہونے لگی۔ جب بھی بیواؤں کے نالے بلند ہوئے۔ جب بھی کمزوروں کی آہوں نے باب اجابت الٰہی کو کھٹکھٹایا۔ اور جب بھی مظلوموں کے سوزِ دروں اور ضمیر نے فریاد

کی۔اور جب بھی تڑپتی ہوئی آتماؤں نے ربِ عرش عظیم کی بارگاہ میں سر رکھا۔تو اللہ نے کسی پیغمبر کو مبعوث کیا۔اللہ نے کسی رسول کو مبعوث کیا۔اللہ نے کسی نبی کو مبعوث کیا۔یہاں تک کہ سرور کائنات محمد رسول اللہ آخری نبی بن کر کے آئے۔ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئیگا۔لوگ کہتے ہیں کہ کیا ظلم ختم ہو گیا ہے؟ کیا برائیاں ختم ہو گئیں ہیں؟ کیا بد کرداریاں ختم ہو گئیں ہیں؟ کیا آج انسان رسواء نہیں ہو رہا ہے؟ کیا آج انسان ذلیل نہیں ہو رہا ہے۔کیا آج بیواؤں کے نالے باب اجابت الٰہی کو نہیں کھٹکھٹا رہے ہیں؟ کیا آج کمزوروں کی آہیں کسی پیغمبر کا مطالبہ نہیں کر رہی ہیں؟ تو پیغمبر کیوں نہیں جلوہ گر ہوگا؟ رسول کیوں نہیں آئیگا؟ پیغمبر کیوں نہیں تشریف لائیگا؟ اس کا جواب اگر ملاحظہ کرنا ہو تو پیغمبر اعظم کی افضلیت مطلقہ کو دیکھنا ہوگا۔ان کی ہمہ گیری کو دیکھنا ہوگا۔پیغمبر اعظم اور دوسرے پیغمبروں کے درمیان فرق کو دیکھنا ہوگا۔قرآن پاک کے اعجاز کو دیکھنا ہوگا۔قرآن پاک کی اپنی خاتمیت کو دیکھنا ہوگا۔قرآن پاک کے ہر دور کے لئے قانون زندگی بننے کی صلاحیت کو دیکھنا ہوگا۔ہر دور کی رہنمائی کی استعداد کو دیکھنا ہوگا۔قرآن پاک کا مطالعہ کرنا ہوگا۔تب تم جواب دے سکو گے۔دیکھو میرے آقا سے پہلے جتنے بھی پیغمبران کرام تشریف لائے۔ان کو کتابیں ضرور دی گئیں۔مگر ان کی کتابوں کی حفاظت کا ذمہ پروردگارِ عالم نے نہیں لیا۔خدائے قدیر و جبار نے نہیں لیا۔رب العزت نے نہیں لیا۔ذوالجلال والاکرام نے نہیں لیا۔اس لئے کہ مشیت کے فیصلے میں یہ بات تھی۔علم قدرت میں یہ بات تھی کہ اس کے بعد کوئی اور نبی آنے والا ہے۔اس کے بعد کوئی اور رسول آنے والا ہے۔اگر توریت بدل دی گئی تو زبور آجائیگی۔اگر زبور بدل دی گئی تو انجیل آجائیگی۔اگر موسیٰ کا مذہب زندہ نہ رہا تو داؤد آجائیں گے۔اگر داؤد کا نظام زندہ نہ رہا تو عیسیٰ آجائیں گے۔اگر یہ بھی نہ مکمل رہا تو صحف کام دیتے ہوئے نظر آئیں گے۔اس لئے نہ نبی کی زندگی بچائی گئی اور نہ ہی نبی کی کتاب بچائی گئی۔بلکہ لوگوں نے اپنے اپنے مزاج کے مطابق، اپنے اپنے دور کے مطابق، اور زمانے کے مطابق، اپنے اپنے عصری رجحانات کے مطابق اپنی اپنی عقل ناکمل کے مطابق اور فکر ناتمام کے مطابق، اپنے اپنے دور کی کتابوں میں ترمیم کر لیں

اور تبدیلیاں کر لی۔مگر جب اللہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اب جو کتاب جائے گی اس کے بعد کوئی اور کتاب نہیں آئیگی۔اب جو پیغمبر جائے گا تو وہ اتنا عظیم ہوگا کہ اس کی تخلیق کے بعد میں یہ دوکان ہی بڑھا دوں گا۔

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری چشم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

جب مشیت نے یہ فیصلہ کیا کہ میں آخری نبی بھیجوں گا۔آخری رسول بھیجوں گا۔تو آخری نبی اور آخری رسول کی خاتمیت پہ مہر تصدیق ثبت کرنے کے لئے ذمہ لے لیا۔کہ اب تک کتابوں کو تم بچاتے رہے ہو۔مگر قرآن کو میں بچاؤں گا۔اور قرآن کو کس قدر پُر شکوہ انداز کے ساتھ بچاؤں گا۔

سنو! ”انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون،، ہم نے یقیناً ہم ہی نے نازل فرمایا ہے ”الذکر،، معرفہ کے ساتھ یقیناً ہم ہی بلاشبہ ہم ہی جمع کے ساتھ یقیناً اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ایک آیت کریمہ میں اتنی تاکیدات جمع کر دی گئیں ہیں۔اتنا شکوہ بیان جمع کر دیا گیا ہے۔اسلوب کی اتنی عظمتیں جمع کر دی گئیں ہیں۔کہ میں دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ دنیا کی کوئی زبان اس آیت کریمہ کا ترجمہ نہیں کریگی۔” انا نحن نزلنا الذکر و انا لـہ لـحـفـظـون،، ”انا،، بلاشبہ ہم نے اللہ اکبر۔جب کوئی پُر جلال بیان ہوتا ہے تو اِنا فرماتا ہے۔تاکید کے ساتھ فرماتا ہے۔اِنَّا نَحْنُ اور اس کے بعد نحن کی تاکید اس کے ساتھ ہے۔انا کے ساتھ نحن دوبارہ فرمایا گیا۔ہم نے اور بلاشبہ ہم ہی نے” نـزلـنـا،، ”باب تفعیل،، سے ہے جب ایک ساتھ نازل کیا جائے اللہ اکبر” نـزلـنـا الـذکـر،، قرآن کو نازل فرمایا ہے” الـذکـر،، یہاں پر معرفہ کر دیا گیا ہے۔تاکہ کوئی مجہول خبر شامل نہ ہو جائے۔کوئی غیر معروف حقیقت شامل نہ ہو جائے۔کامن ناؤن نہیں بلکہ پراپر ناؤن استعمال کیا گیا ہے۔تاکہ ذکر کی تاویل نہ کیجائے۔کوئی شبہ پیدا نہ کیا جا سکے۔اگر نکرہ ہوتا تو شبہات جنم لیتے۔اگر نکرہ ہوتا تو تعین میں بڑی دشواری ہوتی۔

اے محبوب تم تو معرفتوں کی جان ہو اس لئے تمہیں جو کتاب دیجائیگی۔ وہ بھی سرتاپا معرفہ ہوگی۔ تمہیں اور تمہاری امت کو نکارتوں کی وادیوں میں نہیں بلکہ معرفتوں کی سرحدوں سے گذارنے کا فیصلہ کیا ہے میں نے " انانحن نزلنا الذکر و انا، ، اور بلاشبہ ہم ہی "له،، لام کی تاکید کے ساتھ اور "ہ،، کا مرجع بھی متعین کردیا گیا ہے۔ لام پھر استعمال "لحفظون،، جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ اللہ اکبر حفاظت کا کتنا حسین وعدہ کیا گیا ہے۔ کتنا حسین وعدہ کیا گیا ہے؟ کتنی تنقیدیں کروگے تم قرآن پر؟ کتنے اعتراضات کروگے تم قرآن پر؟ قسم خدا کی! میں قرآن کا ایک معمولی طلب علم ہوں۔ مگر دنیا کی تمام باطل قوتوں کو چیلنج کرتا ہوں کہ لئے آؤ اپنے اعتراضات، میں تارِ عنکبوت کی طرح بکھیر دوں گا۔

اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ ہم نے زمانے کی نبض پہ ہاتھ رکھا ہے۔ ہم زمانے کے اندر پیدا ہونے والے تغیرات کو پہچان رہے ہیں۔ ہم زمانے کی رفتار کا جائزہ لے رہے ہیں۔ ہماری سنی دعوتِ اسلامی یا ورلڈ اسلامک مشن یہ کوئی ایسی تحریک نہیں ہے۔ جہاں ہم اخبار بھی پڑھنے سے منع کرتے ہوں۔ ہم خبریں بھی سننے سے منع کرتے ہوں ہم میڈیا سے استفادہ کو ضروری سمجھتے ہیں بلکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم میڈیا پہ غالب ہو کر رہیں گے جو زمانے کی معرفت نہ رکھتا ہو وہ قوموں کا امام نہیں ہوسکتا" من لم یعرف باحوال زمانه فلا یصلح ان یکون اماما،، .

جو اپنے زمانے کے حالات کا واقف نہ ہو وہ امام نہیں ہوسکتا ہے، وہ داعی نہیں ہوسکتا ہے، وہ قائد نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لئے میں اب سنی دعوت اسلامی کے مبلغین سے کہوں گا، کہ علم حاصل کرو اور اخبارات کا جائزہ لو، دنیا کے میڈیا کا مطالعہ کرو اسلام کے خلاف اُبھرنے والی سازشوں کا جائزہ لو، اور ہر دور کی طرح سے اس دور کو بھی اسلام کا دور بنادو۔ ۲۰ ویں صدی ختم ہورہی ہے۔ ۲۱ ویں صدی کا آغاز ہونے والا ہے۔ اے مبلغین آؤ ہم خدا کی بارگاہ میں دعا کریں اور تم عہد کرو کہ اکیسویں صدی کو ہم اسلام کی صدی بنائیں گے۔ آنے والی صدی ہماری صدی ہوگی۔

غریبو! بیکسو! مظلومو خستہ کام سہی
ہم ہی حیات کو دیں گے پیامِ آزادی

ہمارے موجودہ حالات کو نہ دیکھو، قرآن کی اثر انگیزی کو دیکھو، قرآن کی تاثیر کو دیکھو، آج بھی دنیا کے مفکرین قرآن کو قبول کررہے ہیں۔ ہماری دعوت سے قرآن نہیں پھیلا ہے۔ آج بھی نہ معلوم کتنے بڑے بڑے سائنسداں، نہ معلوم کتنے بڑے بڑے مفکرین قرآن کے سامنے سر جھکا رہے ہیں۔ اسلام قبول کررہے ہیں۔

دنیا کا سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب آج بھی اسلام ہے جب کہ ہر وادی پہ کچلنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس لئے کہ اسلام اپنی سچائیوں سے پھیلا ہے۔ اسلام قوت سے نہیں پھیلا ہے۔ بڑا غلط الزام ہے مستشرقین یورپ کا کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔ میں اُن جھوٹوں سے کہوں گا کہ تاریخ کے کسی دور میں نہیں دکھا سکتے ہو کہ اسلام نے اپنے نفاذ کے لئے تلوار اٹھائی ہو۔ اسلام تلوار سے پھیلا ہے مگر لوہے کی تلوار سے نہیں اخلاق کی تلوار سے پھیلا ہے۔ کردار کی تلوار سے پھیلا ہے۔ لوہے کی تلوار اُٹھتی ہے تو باطل پرست کٹا کرتا ہے مگر اخلاق کی تلوار اٹھتی ہے تو باطل کو ایمان کی زندگی مل جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ ہم شکست خاطر ہوں گئے ہوں۔ مگر ہمارا اخلاق زندہ ہے، ہمارا کردار زندہ ہے، ہم محبت کو فاتح عالم سمجھتے ہیں۔

یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

محبت اگر زندہ رہی، اخلاق اگر زندہ رہا، کردار اسلامی اگر زندہ رہا، قرآن کا آئین اگر زندہ رہا، ہماری آہ صبح گاہی زندہ رہی، نالہ نیم شبی زندہ رہا، تلاوت صبح زندہ رہی، وہ تلاوت جو مشہود ہے۔ خدا کی بارگاہ میں۔ اللہ اکبر اگر یہ زندگی رہی تو یقیناً اسلام ۲۱ ویں صدی میں غالب اور عظیم قوت بن کے اُبھریگا۔ اس لئے کہ یہ علم کی صدی ہے، یہ فکر کی صدی ہے جہالتوں اور تاریکیوں میں پلنے والے قرآن پاک کو خود پھیلانے کی کوشش کررہے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، سلمان رشدی کی تحریر کے بعد یورپ میں کم از کم یہی ہوا تھا کہ کئی لاکھ قرآن عظیم صرف اس لئے بک گئے تھے کہ سلمان رشدی کے اعتراضات کیا کیا حقیقت رکھتے ہیں؟ اُن لوگوں کی میز

پہ قرآن شریف دیکھا گیا تھا جو قرآن کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے اور ان کے بعد کتنے ہزار انسانوں نے اسلام قبول کیا ہے اس کا اندازہ کرنا ہو تو آؤ اور میں تمہیں دکھاؤں۔

جب بھی عدو شر بر انگیزد

کہ درو خیرے ماباشد

بیدار رہو قرآن عظیم کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ جب جب قرآن پاک پہ اعتراض کیا جائے گا۔ قرآن پاک اپنی عظمتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوگا۔ ماضی میں بھی اُسی وقت قرآن پاک نے انقلاب برپا کیا ہے۔ جب قرآن پاک پہ اعتراض کیا گیا ہے۔ عہد رسالت میں بھی یونہی ہوا ہے۔ لوگ اعتراض کر رہے تھے، قرآن دلوں کو فتح کر رہا تھا۔ لوگ اعتراض کر رہے قرآن نے ریویلیش برپا کر رہا تھا۔ لوگ اعتراض کر رہے تھے قرآن انقلاب برپا کر رہا تھا۔ لوگ قرآن پڑھنے سے منع کر رہے تھے قرآن روحوں کو Change کر رہا تھا۔ لوگ قرآن پاک کے لانے والے کو قتل کرنا چاہتے تھے قرآن انہیں زندگی دے رہا تھا۔ اس لئے گھبراؤ نہیں، قرآن ایک غالب قوت ہے۔ بس تم قرآن کو سینے سے لگانا سیکھ جاؤ۔ قرآن پاک کا ادب کرنا سیکھ جاؤ قرآن کی روشنی میں اپنی زندگی گذارنا سیکھ جاؤ۔ قرآن کے اسلوب کو اسلوب حیات بنالو اور پھر دیکھو کہ کتنا عظیم انقلاب برپا ہوتا ہے۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جب اللہ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ پیغمبر اعظم کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئیگا تو سب سے پہلا کام یہ تھا مشئیت کے لئے کہ اس کی کتاب کو تحفظ دیا جائے۔ اگر کوئی اور نبی آتا تو وہ نئی کتاب کو لے کر کے آتا۔ مگر چونکہ مشئیت کا فیصلہ تھا۔ اب کوئی اور نبی نہیں آئیگا۔ اب کوئی اور رسول نہیں آئیگا۔ اب کوئی پیغمبر نہیں آئیگا۔ مگر نظام کی ضرورت تو ہمیشہ رہیگی، رسول کی ضرورت تو ہمیشہ رہیگی، آئین کی ضرورت تو ہمیشہ رہیگی، قانون کی ضرورت تو ہمیشہ رہیگی، نبی کی کتاب اگر بدل دی جائے تو لوگ قانون تلاش کرنے کہاں جائیں۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کیا ہے کہ میں نے اپنے محبوب کو آخری نبی بنا کے بھیجا ہے تو میں یہ بھی اعلان کردوں کہ اس کتاب میں ترمیم نہ کی جاسکے گی کوئی آلٹریشن Altretion نہ ہوسکے گا، کوئی Change نہیں ہوسکے گا، کسی بھی اعتبار سے کسی بھی طریقے سے نہیں ہو سکے

گا۔ باطل نہ سامنے سے آسکے گا، نہ پیچھے سے آسکے گا۔ کتنا عظیم انداز ہے، اللہ اکبر! اور آپ نے دیکھا کہ آج تک قرآن پاک اُسی شکل میں موجود ہے۔ نہ کوئی حرف بدلا گیا ہے۔ نہ کوئی آیت بدلی گئی ہے، نہ کوئی سکون بدلا گیا ہے، نہ کوئی فتحہ بدلا گیا ہے، نہ کوئی ضمہ بدلا گیا ہے، نہ کوئی ساکن بدلا گیا ہے، نہ کوئی وقف بدلا گیا ہے۔ اور نہ وہ وقف بدلا گیا ہے جہاں سانس بھی نہیں ٹوٹتی اور وقف ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی ترمیم نہیں ہوئی ہے۔ کسی مقام پہ ترمیم جائز نہیں۔ نہ صرف یہ کہ قرآن محفوظ ہے۔ آداب تلاوت بھی محفوظ ہیں۔ آداب بیان بھی محفوظ ہیں۔ اور آداب قرأت بھی محفوظ ہیں جی جی جن جن لفظوں کو جس طرح سے پڑھا گیا ہے انہیں سات قرأتوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ میرے محبوب کی کوئی ادا بھی ایسی نہ ہو جو منتقل نہ ہو سکے نسلوں تک، اس لئے اُسے باضابطہ طور پر انتہائی حفاظت کے ساتھ پہونچایا گیا ہے۔ کوئی بھی ترمیم نہیں ممکن ہے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی بھی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ اور پھر ذرا سونچو، یہاں حفاظ کرام بیٹھے ہیں اور میں خوش ہوں کہ سنی دعوت اسلامی کے امیر بھی بہترین حافظ ہیں۔ بہترین تلاوت کرتے ہیں اُن سے پوچھو تو معلوم ہوگا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اشارۃ النص کے ذریعہ سے یہ بات واضح فرمادی ہے "انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون،، ہم ہی اس کو نازل کرنے والے ہیں اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ حفاظت کے لئے حافظ کی صفت کیوں استعمال فرمائی گئی؟ اس کے علاوہ کوئی اور صفت کیوں نہیں استعمال کی گئی؟ پتہ چلا کہ حفاظت کا سب سے بڑا اسٹومنٹ Stoment حافظ کا دل ہوگا۔ توریت چمڑے پر لکھی جائے گی، توریت تختیوں پہ لکھی جائے گی، انجیل پتھروں پہ لکھی جائے گی، اور مٹادی جائے گی، مگر میرے نبی کا قرآن سینوں پہ لکھا جائے گا، اس کو نہ مٹایا جاسکے گا، نہ بدلا جاسکے گا۔" انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون،،

عزیزان ملت اسلامیہ! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حفاظت الٰہی پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب کے ساتھ ہوئی کہ کتاب تو نہ بدلے مگر تفسیر بدل جائے، کتاب تو نہ بدلے مگر تعبیر بدل جائے، کتاب تو نہ بدلے مگر کتاب کا مفہوم بدل جائے، کتاب تو نہ بدلے مگر کتاب کا مقصد بدل جائے، کتاب تو نہ بدلے مگر کتاب کی تاویلات بدل جائیں، کتاب تو نہ بدلے

مگر اللہ اکبر کتاب کے معنی بدل دیئے جائیں، اس لئے محبوب میں آپ کی کتاب کو تشنۂ معانی نہیں چھوڑوں گا کتاب میں نازل کروں گا اور معانی کی تفسیر آپ کی زندگی کرے گی، آپ کی حیات مبارکہ کریگی، آپ بولیں گے تو تفسیر قرآن ہوگی، چلیں گے تو تفسیر قرآن ہوگی، اٹھیں گے تو تفسیر قرآن ہوگی، اور آپ کی تفسیر کو بھی میں اپنا کلام کہدوں گا۔" **وما ینطق عن الھوی،، ان ھو الا وحی یوحی،،** رسول اللہ اپنی جانب سے کچھ نہیں فرمایا کرتے بلکہ جو کچھ فرماتے ہیں فرمان الٰہی ہوتا ہے۔ یہ علماء کرام کا قافلہ یہاں جلوہ گر ہے۔ ذرا یہ تھوڑا سا غور کریں تو میری بات کی تائید کرنے پہ مجبور ہوں گے کہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ پروردگار عالم نے صرف قرآن نہیں نازل کیا، تفسیر قرآن بھی خود ہی نازل فرمادی، نبی کی زندگی کی شکل میں، نبی جو بھی بولیں وہ میرا ہی قول ہے۔ اسی منہ سے قرآن نکلے اور کہہ دے قرآن ہے تو قرآن ہے۔ اُسی منہ سے کوئی دوسرا لفظ نکلے اور کہہ دے حدیث ہے تو حدیث ہے۔ مگر تحفظ کی ذمہ داری دونوں کی ہے دونوں کلام الٰہی ہے۔ پتہ چلا! میں قرآن بھی نازل کروں گا اور میرے نبی کی زندگی جو مفہوم متعین کرے گی وہ میرا ہی مفہوم ہوگا۔ نبی کی زندگی قرآن پاک کا مفہوم متعین کریگی اور قرآن نبی کی زندگی محفوظ کردے گا۔ عجیب رشتہ ہے نبی کی زندگی اور قرآن میں "ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول پاک کا کردار کیا تھا۔ تو فرماتی ہیں اے سوال کرنے والے کیا تو نے قرآن عظیم کا مطالعہ نہیں کیا ہے؟ اگر تو نے قرآن عظیم کا مطالعہ کیا ہوتا تو الحمد کی "الف،، سے لے کر والناس کی "س،، تک ہر ہر آیت کریمہ پہ تمہیں تصویر کردار مصطفیٰ اُبھرتی نظر آتی، تصویر اخلاق مصطفیٰ اُبھرتی نظر آتی۔ ان کے الفاظ ہیں "**کان خلقہ القرآن**، ، میرے نبی کی زندگی تو دراصل قرآن ہے، نبی کی زندگی قرآن ہے۔ پتہ یہ چلا اور معلوم ہوا کہ اللہ فرماتا ہے " **انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون**،، ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے۔ ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ام المومنین کہتی ہیں نبی کی زندگی قرآن ہے۔ پتہ یہ چلا کہ نبی کی زندگی کی حفاظت کا ذمہ بھی پروردگار نے لے لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں سیرت النبی کی تمام کتابیں بھی اٹھالی جائیں تو ہم قرآن سے نئی سیرت النبی مرتب کرسکتے ہیں۔ نئی حیات النبی مرتب سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ

قرآن نبی کی زندگی ہے۔ اب حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کہہ رہی ہیں۔ رسول اللہ کے گھر کی سب سے عظیم راز داں کہہ رہی ہیں، خلوتوں کی راز داں کہہ رہی ہیں۔ جن کے بستر میں قرآن نازل ہوتا تھا وہ کہہ رہی ہیں، جن کے گھر میں جبرائیل آتے تھے وہ کہہ رہی ہیں۔ کیا کہہ رہی ہے؟ "**کان خلقہ القرآن**،، ان کا خلق قرآن ہے۔ یہ نہیں کہا کہ چالیس سال کے بعد کا خلق قرآن ہے۔ بلکہ پوری زندگی میں نبی کا خلق قرآن ہے۔ پیدائش سے لے کے وصال تک ہر ہر لمحہ قرآن ہے۔ پتہ چلا۔ اے نبی! چالیس سال کے بعد قرآن پڑھ کے سنا دو مگر چالیس سال پہلے قرآن بن کے بتادو۔ تاکہ تمہاری چالیس سالہ زندگی تمہاری نبوت کے اعلان کی زندگی کے لئے دلیل بن جائے اور تم چیلنج کرسکو، کیوں مانگتے ہو دلیل میری سچائیوں پر، "**فقد لبثت فیکم عمراً**، ، میں تم میں ایک طویل زندگی گذار چکا ہوں۔ ایک زمانہ تمہارے ساتھ رہ چکا ہوں۔ بڑے نادان ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ نبی کی چالیس سال کے بعد کی زندگی تو معیار ہے۔ مگر پہلے کی نہیں، میں عرض کرنا چاہتا ہوں یہ صحیح ہے کہ قرآن چالیس سال کے بعد نازل ہوا۔ مگر مجھے نبی کا ایک لمحہ ایسا دکھادو جو قرآن کے نزول سے پہلے کا ہے اور قرآن سے ہٹا ہوا ہے۔ اگر ایک لمحہ نہیں ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا۔ قرآن چالیس سال کے بعد نازل ہو رہا ہے مگر نبی تو آغوشِ مادر ہی میں قرآن لے کے اُترے ہوئے ہیں۔ چل رہے ہیں تو بہ انداز قرآن چل رہے ہیں، حلیمہ کی گلیوں میں بھی قرآن کے حامل بنکے چل رہے ہیں، مکہ کے بازاروں میں قرآن کے حامل بن کے چل رہے ہیں، اور شام کی منڈیوں میں بھی تجارت کررہے ہیں تو اصول قرآن کے مطابق کررہے ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا "**قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین**،، تمہارے پاس اللہ کی جانب سے پیغمبر کی شکل میں نور جلوہ گر ہوا اور اللہ کی کتاب جلوہ گر ہوئی۔ کتاب پڑھنے کے لئے نور کی ضرورت ہے، ہزار قیمتی کتاب ہوں، نہ نگاہوں کا نور ہو نہ دل کا نور ہو اور نہ ظاہری نور۔ ہم نے نور بھی نازل کیا ہے اور کتاب بھی، تا کہ تم قرآن کو حیات مصطفےٰ کی روشنی میں پڑھ سکو "نور مصطفیٰ کی روشنی میں پڑھ سکو،، نبی کی زندگی کے آئینے میں پڑھ سکو۔ یہی وجہ ہے کہ تفاسیر کی بہت سی قسمیں ہیں۔ تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالسنۃ والاحادیث، تفسیر القرآن بالرأی الماخوذ من السنۃ والاحادیث،

یہ تمام قسمیں ہیں تفسیروں کی، مگر ان میں سب سے اعلیٰ تفسیر وہ ہے جو نبی کی زندگی کر رہی ہو، جو نبی کی حیات کر رہی ہو، تفسیر القرآن بالقرآن بھی تفسیر کا ایک بہت اعلیٰ انداز ہے، مگر اُس میں کہیں بھی شبہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ دوسری آیت سمجھنے میں بھی انسان نے غلطی کر دی ہو۔ مگر جب نبی نے کسی آیت کی تفسیر کر دی ہے تو شبہ کا کوئی امکان باقی نہیں رہے گا۔

میرے عزیز و اور میرے دوستو! میں اب بتاؤں کہ نبی کے اوپر نازل ہونے والے قرآن کو بھی بچایا گیا اور نبی کی زندگی کو بھی۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہر نبی کی کتاب بدلی گئی تو نبی کی آنے کی ضرورت پیدا ہوئی، زمانے نے ایک نئے نبی کا تقاضہ کیا۔ مگر اب نہ کتاب بدلی جائے گی نہ نبی کی زندگی بدلی جائے گی۔ اس لئے اب نہ کوئی نبی آئیگا نہ کوئی کتاب آئیگی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ سنو اور کتابیں جو نازل ہوئی تھیں وہ اپنے مفہوم کے دروازوں پر دم توڑ گئیں ''الا ماشاء اللہ،، اس رعایت کے ساتھ۔ اگر کوئی کتاب اپنا مقصد نہ پورا کر رہی ہو، اگر کوئی لیٹریچر اپنے پیغام اور میسج کو پورا نہ کر پا رہا ہو تو اُسے زندہ لٹریچر نہیں کہا جاتا، اُس کتاب کو زندہ کتاب نہیں کہا جاتا۔ کسی نبی کی زندگی اگر معاشرے میں حرکت اور انقلاب نہ برپا کر سکے تو نبی کی زندگی یقیناً نبی کی زندگی ہے وہ زندہ زندگی ہے مگر آج کے دور میں اُسے زندہ نہیں کہا جائے گا۔ نبی زندہ ہیں۔ مگر نبی کا نظام نہیں۔ نبی کا آئین نہیں۔ تو اب ذرا سوچو تھوڑی دیر کے لئے کہ میرے آقا سے پہلے توریت بھی نازل ہوئی۔ آج یہودلوں کے ہاتھ میں جو توریت ہے۔ وہ ایک زندہ توریت نہیں ہے۔ میرے آقا سے پہلے ایک زندہ کتاب [illegible] نازل ہوئی مگر عیسائیوں کے ہاتھ میں جو انجیل ہے۔ وہ ایک زندہ انجیل نہیں ہے۔ میرے آقا سے پہلے ایک زندہ نبی حضرت موسیٰ جلوہ گر ہوئے آج بھی وہ زندہ ہیں حیاۃ النبی کے عقیدہ کے مطابق۔ مگر لوگوں کے ہاتھوں میں جو زندگی ہے وہ زندہ زندگی نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ تو سرتاپا زندہ ہے اُنہیں تو موت کا مزہ چکھنے کا بھی موقع نہیں ملا ہے مگر لوگوں کے ہاتھوں میں ان کی موجودہ زندگی مردہ زندگی ہے۔ پتہ یہ چلا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء کرام آئے ان کا زمانہ موت سے ہم کنار ہو گیا، ان کی کتاب ایک مردہ کتاب ہے۔ ان کی قوم کی

ہاتھوں میں جو نبی کی زندگی کا تصور ہے وہ ایک مردہ تصور ہے۔ اب آپ اندازہ کرو، مردہ تو میں اپنے نبی کی زندگیوں کے مردہ تصورات کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ مگر ہم زندہ، ہمارا نبی زندہ، ہمارا خدا زندہ، ہماری کتاب زندہ، اسکے باوجود ہم اس کو دستورِ حیات نہ بنائیں؟ بہت نازک انداز سے میں نے اس مضمون کو بچانے کی کوشش کی ہے۔ مفتی صاحب بیٹھے ہیں کل ہی فتویٰ نافذ ہو جاتا .... فتوی بہت ضروری ہے۔ مفتیان کرام کا وجود اللہ کی رحمت ہے مگر مصالح مرسلہ اور عرف عام وغیرہ کی اب رعایت ہونا چاہیے زمانہ بہت بدل رہا ہے۔ بالآخر یہ ابواب بند کیوں کر دیئے گئے ہیں؟ ان کی ضرورتیں کب ختم ہو گئیں؟ مجھے تو اندازہ نہیں ہے۔ مفتیان کرام کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ خدا نہ کرے اگر یہ اُٹھ گئے تو امان اُٹھ جائے گا۔ انارکی پھیل جائے گی۔ اسلام کی نظریاتی سرحدیں محفوظ نہیں رہینگی دین کے بنیادی تصورات میں دراڑیں پڑ جائینگی اس لئے فتوی بے پناہ ضروری ہے وہ بدبخت کیا جانے؟ جو یہ سمجھتا نہیں ہے کہ اسلام آج بھی زندہ ہے تو فتویٰ کے تحفظ کی بنیاد پہ زندہ ہے وہ لاکھ یہ کہتا ہوا نظر آئے کہ یہ World of Fatawa یقیناً ہمارے لئے نقصان دہ ہے مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ ہم نے اپنی سرحدوں کو انہی فتوؤں کے ذریعہ سے بچایا ہے۔ اس لئے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں یہ بہت ضروری ہے۔ مگر میرے بھائی کم از کم عصر جدید کے امام اعلیٰ حضرت کی رعایتوں کو تو ساتھ رکھ لیا کرو۔ انہوں نے کچھ کرنے سے پہلے کتنی تحقیق فرمائی ہے؟ کتنی کوششیں کی، میں صرف اس بات کا مطالبہ کروں گا اور کچھ بھی نہیں۔ میں خود بہت زیادہ کبیدہ خاطر ہوں۔ ایک حساس انسان کے لئے اختلافات کے ماحول مین جینا خاصہ مشکل ہے۔ احساس نہ ہو تو جیسا چاہیں آپ جی لیں۔ جیسا چاہیں آپ زندگی گذار لیں۔

روز ہی زیست کا انداز بدلتے رہیے
ورنہ احساس وہ دوزخ ہے کہ جلتے رہیے۔

ہم اس شعر کے پہلے حصہ پہ عمل نہیں کر سکتے کہ زیست کا انداز بدلیں تو احساس کی دوزح میں جل رہے ہیں۔ میرے عزیز و اور میرے دوستو! تو میں یہ عرض کر رہا تھا اور بتا رہا تھا

کہ آپ ذرا سوچو اور غور کرو کہ بڑی نزاکتوں کے ساتھ میں نے نبی کی زندگی کو زندہ بھی کیا ہے جو حقیقی طور پر ہے لیکن لوگوں کے ہاتھوں میں مردہ زندگی ہے۔ ان کی حقیقی زندگی نہیں۔ تو بڑی نزاکتوں کے ساتھ گذرا ہوں۔ مگر ہم ایک زندہ قوم ہیں ہمارے ہاتھ میں اللہ کے رسول کی زندہ کتاب ہے۔ خود نبی کی زندگی ایک زندہ زندگی ہے اور ہم ایک زندہ خدا کے اوپر یقین رکھتے ہیں وہ "حی قیوم،، ہے۔ پھر ہم پہ یہ موت کیوں طاری ہوگئی ہے؟ کیوں؟ بوسنیا میں ہم پہ موت کیوں طاری ہوئی؟ جس کی حیات کا سرچشمہ اتنی زندگی کے بحر ناپیدا کنار سے وابستہ ہو۔ جس کی حیات کے سوتے اس قدر عظمتوں سے پھوٹ رہے ہوں۔ وہ قوم مردہ کیسے ہوسکتی ہے؟ چیچنیا میں ہم موت سے کیوں ہمکنار ہو رہے تھے؟ ہم دنیا کہ اور وادیوں میں کیوں مر رہے ہیں؟ ہم ایک زندہ کتاب کے ماننے والے، ایک زندہ نبی کے ماننے والے، ایک حی قیوم خدا پہ یقین کامل رکھنے والے پھر ایسا کیوں ہے؟ ایسا لگتا ہے کہ زندہ کتاب سے بھی ہمارا تعلق کمزور ہوگیا ہے۔ زندہ نبی سے بھی کمزور ہوگیا ہے۔ اور زندہ خدا سے بھی کمزور ہوگیا ہے۔ جو نالیاں سمندروں سے اپنا رشتہ کمزور کرلیں گی وہ سوکھ جائینگی۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا

جو قطرہ آفتاب کی تمازتوں کی تاب نہ لاسکتا ہو اُس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے کو سمندر کے حوالے کردے۔ حیات کے سمندر کے حوالے کردے۔ زندگی کے سمندر کے حوالے کردے، پیغمبر اعظم ہماری حیات کا سمندر ہیں، ہم خطرے ہیں۔ ہم خود کو ان کی زندگی کے حوالے کردیں

نہ مٹ سکیں گے نہ فنا ہوسکیں گے

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا

میرے عزیزو! تو میں عرض کررہا تھا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب بھی باقی رکھی گئی اور ان کی حیات بھی ایک زندہ حیات کی حیثیت سے ہمارے سامنے ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس کے بعد جو زمانہ آنے والا تھا قیامت تک کوئی اور نبی آنے والا نہیں تھا۔ اُن سے پہلے جتنے انبیاء کرام تشریف لائے ان کا زمانہ بھی محدود تھا ان کی قوم بھی محدود تھی۔ وہ جب

مخاطب کرتے ہیں تو (O Children of Israil) اے اسرائیل کے بیٹو! کے نام سے مخاطب کرتے ہیں۔ مگر جب قرآن مخاطب کرتا ہے تو "یا یھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً،، اے کائنات کے تمام انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کے بھیجا گیا ہوں اور انبیاء کرام زمانے کو مخاطب کرتے ہیں۔ خاندان کو مخاطب کرتے ہیں اور قوم کو مخاطب کرتے ہیں مگر پیغمبر تمام عالمِ انسانی کو مخاطب کرتے ہیں۔ پتہ چلا ان کا زمانہ محدود تھا۔ ان کی نبوتیں محدود تھیں۔ مگر سرورِ کائنات کا زمانہ بھی لامحدود ہے۔ ہماری عقل کے اعتبار سے، اور نبوت کا دائرہ بھی ساری کائنات پہ پھیلا ہوا ہے۔ اس لئے ان کی کتاب بچالی گئی اور حضور کو کائنات کے ایک ایسے "نقطہ انقلاب،، پر بھیجا گیا یہ بڑی خاص بات ہے اس کو سمجھو گے تو سرکار کی نبوت سمجھنے میں بڑا مزا ملے گا۔ دیکھو میرے نبی سے پہلے حضرت آدم تک، زمانے کی رفتار بڑی Slow تھی۔ بہت ہی Slow Proses کے ساتھ دنیا آگے بڑھ رہی تھی۔ حضرت آدم سے لے کر سیدنا محمد رسول اللہ تک۔ جتنی بھی قومیں ترقی کررہی تھیں۔ بہت ہی دھیرے دھیرے ترقی کررہی تھیں۔ حضرت عیسیٰ اور موسیٰ کے درمیان جو زمانہ ہے وہ سینکڑوں سال کا ہے۔ مگر طرز زندگی اور اسلوب حیات بڑا ملتا جلتا ہے حضرت موسیٰ اور جناب ابراہیم کا جو زمانہ ہے وہ درمیان میں دو ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ مگر اتنا طویل فاصلہ ہونے کے باوجود بھی مذاق زندگی اور اُسلوب زندگی اور طرز زندگی بڑا یکساں نظر آتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں کئی ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ مگر زندگی اپنے تقاضوں کے ساتھ بڑی محدود نظر آتی ہے۔ میرے اللہ کی مشیئت نے یہ فیصلہ فرمالیا تھا کہ اب زمانہ بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھے گا۔ اگر ہر بدلتی ہوئی قدر پر نبی جلوہ گر ہوا تو ہر زمین پہ ہر روز نبی بھیجنا پڑے گا۔ اس لئے میں ایسا نبی بھیج دوں کہ زمانہ بدلتا رہے اور وہ قانون عطا فرماتا رہے۔ دستور عطا فرماتا رہے، نظام عطا فرماتا رہے۔ زمانہ اونٹوں کی وادیوں سے نکل کے کہکشاں پہ کمندیں ڈال رہا ہو، سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرنے لگے، زمانہ و مکان کی وسعتیں بھی سمٹی ہوئی نظر آرہی ہوں تو اونٹوں پہ سفر کرنے والا پیغمبر معراج کی شب میں کہکشاں کو

گر دِراہ بنا کے دوسروں کو تعلیم دے رہا ہو، میں اونٹوں کے دور کا بھی نبی ہوں، اور راکٹوں کے دور کا بھی نبی ہوں، میں ہر دور کا نبی ہوں، میں ہر عصر کا نبی ہوں میں ہر زمانہ کا نبی ہوں، میں ہر قوم کا نبی ہوں، میں ہر نسل کا نبی ہوں، میں ہر علاقہ کا نبی ہوں، میں ہر صدی کا نبی ہوں میں ہر انقلاب کا نبی ہوں، میں ہر دور میں اپنی بے پناہ آئینی قوت کے ساتھ دلوں میں بھی زندہ رہوں گا اور دھڑکنوں میں بھی زندہ رہوں گا۔ دھڑکنیں میرا نام لیں گی۔ آنکھیں میرے نام پہ چھلکیں گی۔ اور انسانوں کی زندگی میرے راستے کی گرد بن جائے گی تب جا کے ثریا کی منزل تک پہونچے گی سرکار ہر دور کے نبی ہیں۔ اس لئے ان کی کتاب کو ہر دور کے لئے کافی ہونا چاہیے تھا۔ اور ہے۔ ایک نیا رُخ ہے قرآن پاک کو سمجھانے کا۔ میں دراصل صرف اشارے دے رہا ہوں۔ عوام کے لئے گفتگو اور علماء کے لئے نئے نئے Topic's دے رہا ہوں آپ قرآن کے ہر کارنر کو دیکھیں۔ مانچسٹر میں 1974 سے اب تک ہر ہفتہ درس قرآن دے رہا ہوں۔ اور ابھی تک صرف ساڑھے چھ پارے مکمل کیے ہیں۔ مجھ جیسے کمزور بے علم اور اپنے علماء کے مقابلے میں ان پڑھ انسان ہوں میں۔ کیوں؟ اس لئے کہ جب بھی قرآن کھولئے تو مضامین کا ایسا وفور ہوتا ہے کہ دامن سمٹتا ہوا نظر آتا ہے۔

دینے والے تجھے دینا ہے تو اتنا دیدے
کہ مجھے شکوۂ کوتاہیٔ داماں ہو جائے

اور ایسا نہیں کہ وہاں صرف ان پڑھ آتے ہیں ڈاکٹرس، بیرسٹرس، قانون داں، پہلے ہی روز سے اس محفل کا میزہ رہا ہے۔ تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن عظیم ہر دور کے لئے مکمل صالح نظام زندگی پیش کر رہا ہے۔ اس لئے کہ قرآن عظیم ہر دور کے لئے اور ہر عصر کے لئے ہے۔ اب آیئے کہ میں بتاؤں کہ جتنے بھی انبیاء کرام اللہ تعالیٰ نے بھیجے اُن تمام انبیاء کرام کو تنہا بھیجا گیا، اکیلا بھیجا گیا۔ پورے زمانے کے خلاف اور پورے ماحول کے خلاف بھیجا گیا فراعنۂ وقت کے خلاف، اور طاغوت اور نماریدہ کے خلاف بھیجا گیا۔ اور تنہا بھیجا گیا۔ بظاہر بے سہارا بھیجا گیا۔ بظاہر غربتوں کے ماحول میں بھیجا گیا۔ بظاہر بکریاں

چراتے ہوئے بھیجا گیا بظاہر دشت غربت سے واپس کیا گیا۔ بظاہر مقام ہجرت سے واپس کیا گیا۔ بغیر کسی فوج کے بھیجا گیا۔ بغیر کسی قوت کے بھیجا گیا۔ میں اس پر زور دوں گا تاکہ یہ میرے نوجوان، دعوت کا کام کرنے والے۔ انڈر اسٹمنٹ Undere Stament نہ کر سکیں، اپنے کام کو، کسی بھی اعتبار سے کہیں بھی احساس کمتری کا شکار نہ ہونے پائیں۔ تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جتنے بھی پیغمبران کرام کو بھیجا گیا اُن تمام کو اپنے زمانے کے خلاف بھیجا گیا۔ رفتار زمانہ بدلنے کے لئے بھیجا گیا، ماحول بدلنے کے لئے بھیجا گیا، زمانے کی ہوا بدلنے کے لئے بھیجا گیا، زمانہ کا چہرہ بدلنے کے لئے بھیجا گیا، زمانہ کا اُسلوب حیات بدلنے کے لئے بھیجا گیا، زمانہ کا انداز فکر بدلنے کے لئے بھیجا گیا، زمانہ کا مزاج زندگی بدلنے کے لئے بھیجا گیا، زندگی میں انقلاب برپا کرنے کے لئے بھیجا گیا، طاغوت کا سر کچلنے کے لئے بھیجا گیا، نمرود کو فناہ کرنے کے لئے بھیجا گیا، فرعون کو ڈبو کر مارنے کے لئے بھیجا گیا، اور ابو جہل کو بے کسی کی موت مرنے پہ مجبور کرنے کے لئے بھیجا گیا، اور عتبہ اور شیبہ کو تڑپانے کے لئے بھیجا گیا، مگر تنہا بھیجا گیا، اکیلا بھیجا گیا، بغیر کسی فوج کے بھیجا گیا، بغیر کسی سرمایہ کے بھیجا گیا، بغیر کسی مادی وسیلہ کے بھیجا گیا، بغیر کسی مادی ذریعہ کے بھیجا گیا، بغیر کسی دنیاوی طاقت کے بھیجا گیا، بغیر اسباب کے بھیجا گیا، اسباب و طاقت پر ناز کرنے والے ہماری زندگی کے سرچشموں سے واقف نہیں ہیں ہماری زندگی کے مقاصد سے واقف نہیں ہیں ہماری زندگی کے پھوٹتے سوتوں سے واقف نہیں ہیں ہماری زندگی کے عنفوان سے واقف نہیں ہیں ہماری زندگی کے عروج سے واقف نہیں ہیں اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ دنیا اسباب پہ بھروسہ کرتی ہیں ہم بھی جانتے ہیں کہ دنیا اسباب پہ بھروسہ کرتی ہیں۔ مگر مومن اسباب پہ نہیں خالق اسباب پہ بھروسہ کرتا ہے۔ دنیا مادہ پہ بھروسہ کرتی ہے مگر مومن خالق مادہ و روح پہ بھروسہ کرتا ہے۔ دنیا رفتار زمانہ پہ بھروسہ کرتی ہے، مگر مومن خالق رفتار پہ بھروسہ کرتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

علم اور نوجوانوں کی ذمہ داریاں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ اَقَامَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعاً، وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ، صَلٰوةً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ. اَمَّا بَعْدُ.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ – بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

قَالَ اللّٰه تعالٰی فی القرآن الکریم :وعلم الانسان مالم یعلم صدق الله العلی العظیم.

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْماً. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِهِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ.

قابل احترام ساتھیو، عزیز نوجوانو! ہم اور آپ درود شریف پڑھ لیں۔

مجھے بے پناہ خوشی ہے کہ میں آج دو سال کے بعد پھر آپ کی اس بزم میں حاضر ہوں اور آپ سے گفتگو کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔ یقین مان لیجئے کہ اگر دو لاکھ کے عوامی مجمع میں مجھے خطاب کرنے کا موقع ملتا تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی جتنا کہ میں آپ سے خطاب کر کے محسوس

کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ آپ ملت اسلامیہ کا خلاصہ ہیں، انتخاب ہیں، چنے ہوئے لوگ ہیں۔ اور عمر کی اس منزل میں ہیں جس منزل میں آپ مستقبل کی قیادت کے لئے خود کو تیار کر رہے ہیں۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں

آپ اس عقابی روح کے حامل ہونے والے ہیں جو اپنا نشیمن کسی تاجدار کے آشیانہ میں نہیں بلکہ پہاڑوں کی بلندیوں میں بناتا ہے۔

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کی گنبد پر
تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

کسی بھی قوم کو اپنے نوجوانوں سے بڑی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ خاص کر طالب علموں (Students) سے، درسگاہ کے فرزندوں سے، اس لئے کہ وہ دو طبقوں کے درمیان میں رابطہ کا کام کرتے ہیں۔ کسی قوم کی جوان نسل سنور جائے، سدھر جائے تو بعد میں آنے والی نسل خود بخود سنور جاتی ہے۔ اس لئے کہ Generation Gap کی بنیاد پر بچے بوڑھوں کی اتباع نہیں کرتے بچے اپنے سے بڑوں کی اتباع کرتے ہیں، جو جوان ہوتے ہیں۔ اگر آپ بہتر بن جائیں تو آپ کے بعد کی نسل خود بخود آپ کی تقلید کرے گی۔ آپ کی روایات کو اپنائیگی۔ وہ ہمیں نہیں اپنائیگی۔ اس لئے کہ فطری طور پر وہ Gap موجود ہے۔ فطری طور پر بھی موجود ہے۔ بوڑھا اس لئے آپ کی بات مانے گا کہ جب یہ دیکھے گا کہ میرا بچہ اس قدر صاحبِ کردار ہے تو اُسے اپنی بدکرداری پر شرم آئیگی۔ اور خواہ مخواہ کے لئے وہ بہتر بن ہی جائے گا۔ کسی قوم کی ایک جوان نسل کو سنوار دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ صدیوں تک بعد میں آنیوالی نسلیں اس راستہ پر چلیں گی۔ ایک بوڑھی نسل سنور جائے تو اپنی صلاحیتوں کو لے کر قبر میں چلی جائے گی۔ لیکن اگر ایک جوان نسل سنور جائے تو بعد میں صدیاں اس کی تقلید کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس لئے آپ علم کے حوالہ سے ایک لائبریری میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور یہ

جاننا چاہتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟ ہمارے مسائل کیا ہیں؟ علم ہم سے کس بات کا مطالبہ کرتا ہے؟ اور کس راہ پر چل کر کے ہم دنیا میں قیادت کا منصب دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی قیادت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

مسلمان، کسی دوسری قوم کی اقتداء کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ مسلمان قیادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے، رہبری کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ مسلمان میر کارواں پیدا ہی ہوتا ہے۔ لیکن مدتوں سے ہم نے اپنا یہ منصب چھوڑ دیا ہے یا اس منصب کے اہل نہیں رہ گئے۔ اور ہم اقوام عالم کے مقلدِ جامد بن کر کے رہ گئے ہیں۔ بلائنڈلی Blindly ہم دنیا کو فالو کر رہے ہیں۔ یہ دیکھے بغیر کہ اس طرح فالو کرنا ہمارے لئے مفید ہے یا مفید نہیں ہے۔ مثلاً علم ہی کا مسئلہ لیجئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا داعی علم کوئی نہیں ہے۔ اسلام کا انقلاب خالص علمی اور فکری انقلاب تھا۔ اسلام پہلا مذہب ہے جس نے انسانی فکر کو، انسانی شعور کو، انسانی تدبیر کو، انسانی تجربہ کو اپنا مخاطب بنایا ہے قرآن عظیم کے اندر، اس اعتبار سے یہ صلاحیتیں اسلام کا مخاطب ہیں۔ اسلام ان کو مخاطب کر کے انہیں بڑھانا چاہتا ہے، اور ترقی دینا چاہتا ہے۔ انبیاء کرام میں پیغمبر اسلام وہ پہلے پیغمبر ہیں جنہوں نے پوری کائنات کو ایک کتاب کی طرف دعوت دی ہے۔ جن پر وحی پاک اقراء کے لفظ سے نازل ہوئی ہے۔ اقرأ یعنی پڑھیئے جن کا عالم یہ ہے کہ جب اعلان نبوت فرماتے ہیں تو پورے حجاز میں چند افراد لکھنا جانتے ہیں۔ لیکن جب پردہ فرماتے ہیں تو لاکھوں افراد کے ہاتھ میں قلم عطا فرما چکے ہوتے ہیں۔ علم سے محبت کا یہ عالم ہے کہ Preseres of war جو ہر دور میں ایک مسئلہ رہی اور (Genewa) کنونشن کے مطابق انہیں اب کچھ حقوق بھی دیئے گئے ہیں، یعنی پہلے جو وار کا قیدی ہوتا تھا وہ صرف Celevery کے لئے ہوتا تھا۔ غلامی کی زنجیروں میں ایکبار جکڑ دیا جاتا تھا تو نسلیں غلام پیدا ہوتی تھیں۔ عرب میں اور عجم میں جو غلاموں کی طویل فہرست نظر آتی ہے وہ اس لئے ہے کہ کسی وار میں، کسی جنگ میں وہ شکست خوردہ ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ

شکست کا داغ غلامی کی شکل میں زندگی بھر اپنی پیشانی پر سجائے ہوئے اپنی اولاد کو منتقل کرتے رہتے تھے۔ یہ موروثی Celevery تھی جسے غلام جھیلا کرتے تھے کسی میدان کے شکست کے نتیجہ میں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بدر کے قیدی قدیم روایات کے مطابق صبح قیامت تک کے لئے مسلمانوں میں غلام بنا دیئے جاتے۔ لیکن اللہ کے رسول جو غلاموں کو آقائی کا منصب دینے کے لئے آئے تھے۔ اللہ کے رسول جو غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کے لئے آئے تھے، اللہ کے رسول جو مساوات انسانی کا درس دینے کے لئے آئے تھے، اللہ کے رسول جنہوں نے اپنے معاشرہ کی بنیاد علم پر رکھی تھی۔ انہوں نے کسی کو غلام بنانا پسند نہیں فرمایا۔ بلکہ تاریخ انسانی میں پہلا اور آخری فیصلہ یہ تھا کہ تم میں جو پڑھا لکھا ہے وہ دس افراد کو پڑھنا اور لکھنا سکھادے۔ اس کے بعد تم آزاد ہو۔ ایک دشمن جان سے جو میدان جنگ میں مدِ مقابل رہا ہے اس سے بھی تعلیم حاصل کر لینے کا جذبہ! یہ پیغمبر ہی عطا فرماتے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ کے رسول کس طرح سے معاشرہ میں علم کا انقلاب لانا چاہتے تھے۔ اور انہی خطوط پر چل کر کے صرف ایک صدی کے اندر امت مسلمہ دنیا کے تین برّ اعظموں پر علمی اعتبار سے بھی، سیاسی اعتبار سے بھی معاشی اعتبار سے بھی، معاشرتی اور تمدنی اعتبار سے بھی غالب ہو گئی۔ ایک صدی کے اندر یورپ افریقہ اور ایشیا کے قابل قدر ممالک مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گئے۔ اس لئے کہ علم کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ علم مسلمانوں کے ذریعہ سے جانا اور پہنچانا جاتا تھا۔ علم اور مسلمان یہ دونوں لازم وملزوم تھے۔ یہ ممکن تھا نہیں کہ کوئی مسلمان ہو اور علم نہیں رکھتا ہو۔ اور علم اگر بھرپور اور مکمل کوئی رکھتا تھا تو وہ صرف مسلمان ہوتا تھا۔ ایک دور ایسا تھا۔ چودھویں صدی کے بعد تقریباً ایسا ہوا کہ علم کے زوال کے ساتھ ساتھ ہمارا سیاسی زوال شروع ہوا۔ اگر آپ اپنے سیاسی زوال اور علمی زوال کی تاریخ کو مرتب کریں تو دونوں ساتھ ساتھ نظر آئیں گے۔ اور جیسے جیسے علمی زوال آتا گیا ویسے ویسے سیاسی انحطاط بڑھتا گیا اور آج ہم دنیا میں انتہائی کمزور قوم اس لئے ہیں کہ دنیا میں ہم سے زیادہ جاہل کسی قوم کے اندر نہیں ہیں۔ سب سے بڑا چیلنج تو آپ کے سامنے تو یہ ہے کہ دنیا میں جہالت کا جو تمغہ ہمیں دنیا

عطا کر دیا ہے ہمیں اسے دنیا والوں کو واپس کرنا ہے۔ اور اپنی ملت کو علم کے تاج سے سرفراز کرنا ہے۔ علم کی مسند سے سرفراز کرنا ہے۔ اس کے لئے آپ کو بے پناہ محنت کرنی پڑے گی۔ یاد رکھیئے جب ہوا مخالف ہوتی ہے تو رفتار بڑھانی پڑتی ہے۔ ہوا موافق ہو تو سست رفتاری کے ساتھ بھی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن جب جگہ جگہ رکاوٹیں ہوں' جب علم کے دروازے شعوری طور پر مسلمانوں پہ بند کئے جا رہے ہوں۔ جب مسلمان اپنی کم ہمتی کی بنیاد پر Challengese کو Face کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ اس وقت چند اولوالعزم نوجوان، چند اولوالعزم ساتھی مل کر کے حالات کو بدل سکتے ہیں۔ تبدیلی کے لئے کسی بہت بڑی قوم کی ضرورت نہیں ہے۔ تبدیلی کے لئے، آپ جو یہاں موجود ہیں آپ کافی ہیں۔ اگر آپ عزم بالجزم کرلیں کہ ہمیں مسلمانوں سے جہالت کو دور کرنا ہے۔ تو سب سے پہلے آپ کو علم یقین کی منزل تک پہنچنا ہوگا۔ اور جب خود علم حاصل کرلیں گے تو آپ میں سے ہر نوجوان ایک پوری قوم کو علم کے زیور سے آراستہ کر سکتا ہے۔ آج کی محفل میں اگر کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں تو یہ فیصلہ کر لیجئے کہ ہم خود بھی علم حاصل کریں گے اور ہم ایک قوم کو علم کے زیور سے آراستہ کریں گے۔ ایک قوم کو علم کی دنیا میں لیجائیں گے۔ اور یاد رکھئے کہ یہ صرف آپ کا ایک مذہبی، ملی اور اسلامی فریضہ نہیں بلکہ یہ ایک انسانی فریضہ بھی ہے کہ آپ علم حاصل کریں۔ آج دنیا میں جتنی بھی تباہیاں ہوئی ہیں ان سب کے مجرم وہ نہیں ہیں جو تباہیاں پھیلا رہے ہیں۔ بلکہ ہم مجرم ہیں، آپ مجرم ہیں۔ اگر ہیروشیما اور ناگاساکی پہ بم برستا ہے تو اس کے بھی مجرم ہم ہیں۔ بوسنیا اور چیچنیا میں اگر مسلمانوں کو خاک وخون میں تڑپایا جاتا ہے تو اس کے بھی مجرم ہم ہیں۔ اور اگر دنیا کی کسی آبادی پر ظلم ہوتا ہے تو اس کے بھی مجرم ہم ہیں۔ آپ کو حیرت ہو رہی ہوگی کہ شاید میں ہوش میں نہیں ہوں۔ مظلوم ترین قوم کو مجرم قرار دینا یہ دنیا کا طریقہ ہے۔ ہم خود بھی اس کا اعتراف کر رہے ہیں۔ بھئی ناگاساکی اور ہیروشیما پہ ایک ایٹم بم گرانے سے ہمارا کیا تعلق؟ نہیں تعلق ہے ہمارا۔ اصل میں ہم نے علم کو دوسروں کے حوالے کر کے خود خاموشی اختیار کر لی ہے۔ علم چنگیزیوں کے اور درندوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اللہ کے رسول

صرف علم دینے کے لئے نہیں آئے تھے۔ بلکہ علم کے ساتھ تزکیہ کی تعلیم بھی ضروری تھی۔ ہم نے ایسا نہیں کیا، قرآن ہم پر نازل ہوا تھا، پیغمبر ہمارے رسول تھے، انہوں نے ہم کو علم کے راستہ پر ڈالا تھا۔ ہم نے علم کی شاہراہ چھوڑ دی۔ اس پر مغرب نے قبضہ کرلیا۔ اور یاد رکھئے کہ اخلاق، تزکیہ نفس اور دین کے بغیر جب علم حاصل ہوتا ہے تو وہ علم درندگی اور وحشت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس انسان سے بڑا درندہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ جو سائنس اور ٹکنالوجی پہ قدرت تو رکھتا ہو مگر انسانی اخلاق اور اقدار سے آشنا نہ ہو، انسانی روایات سے آشنا نہ ہو۔ اگر وہ پڑھا لکھا انسان ہے اور اللہ کا خوف نہیں ہے، انسانیت کی بے پایاں محبت نہیں ہے تو اس کی تعلیم انسانوں کے لئے عذاب بن سکتی ہے۔ چنانچہ یہی ہو رہا ہے۔ دنیا میں تباہیاں پھیلانے والے جاہل لوگ نہیں ہیں۔ ان پڑھ نہیں ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں؟ ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم برسانے والے جاہل لوگ تھے؟ کیا آپ سمجھتے ہیں افغان کو خاک وخون میں تڑپانے والے جاہل لوگ ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے خریطے اور نقشے پر خون کی لکیریں کھینچنے اور منصوبے بنانے والے جاہل لوگ ہیں؟

There are well educated people highly qualified people

یہ بہت تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ اس کے باوجود انسانیت کے دشمن کیوں ہیں؟ اس لئے کہ تعلیم تو ہے مگر انسانی احساس سے خالی ہو چکے ہیں۔ دینی اقدار نہیں ہیں۔ ان کے اندر، انسانیت نہیں ہے اور جب انسانیت نہیں ہوتی تو علم درندگی کی طرف لے جاتا ہے آپ کو معلوم نہیں ہے کہ

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساس ومروت کو کچل دیتے ہیں حالات

مشینوں پہ کنٹرول ہو اور دل زندہ نہ ہو تو دل کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ انہوں نے مقاتل اور غیر مقاتل میں فرق کئے بغیر انسانی توانائیوں کو مشینوں کے حوالے کر دیا ہے۔ اندھی، بے حس مشینوں کے حوالے اور جب وہ مشینیں برستی ہیں تو پھر مقاتل اور غیر مقاتل میں

فرق نہیں کرتیں، بچے اور بوڑھے میں فرق نہیں کرتیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ آبادیاں تباہ ہو رہی ہیں۔
اگر قرونِ اولیٰ کی طرح سے مسلمان نے بھی علم اور سائنس میں ساتھ ساتھ ترقی کی ہوتی اسلام کے ساتھ۔ اور جس طرح سے انہوں نے یورپ کی قیادت کی تھی۔ آپ کو معلوم ہے؟ کہ یورپ کو تجربہ کی راہ پہ ڈالنے والے ہم ہیں، سائنس کا شعور دینے والے ہم ہیں۔ ریاضی کا شعور دینے والے ہم ہیں۔ کیمسٹری Chemistry کی بنیادیں فراہم کرنے والے ہم ہیں۔ جراحت کا اعلیٰ شعور دینے والے ہم ہیں۔ مرکبات کی تعلیم دینے والے ہم ہیں، فلکیات کا احساس دینے والے ہم ہیں، ارضیات کی تحقیق کا شعور دینے والے ہم ہیں، خلاء کے علم کی طرف بڑھانے والے ہم ہیں۔ یہ سارے علوم ہیں جو مسلمانوں سے لے کر آگے بڑھائے گئیے ہیں۔ ہر علم اور سائنس کے پیچھے کوئی نہ کوئی مسلم دانشور اور کوئی نہ کوئی مسلم فلسفی یا سائنسداں آپ کو موجود دکھائی دے گا۔ آپ پڑھیں، ہم نے دنیا کو اس راہ پر ڈالا اور پھر سیاسی زوال کے ساتھ علمی زوال ہوا اور ہم خاموش ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا مذہب اور فکر سے رسول اللہ کے رحمۃ اللعالمینی کے احساس سے آزاد ہو کر کے خلاؤں میں پرواز کرنے لگی۔ نتیجہ کیا ہوا کہ خلاؤں سے آگ برس رہی ہے۔ خون کی بارش ہو رہی ہے۔ اگر ہم نے خلاؤں میں پرواز کیا ہوتا یا دنیا نے ہمارے تصورِ علم کو لے کر پرواز کیا ہوتا، تو آج خلاؤں سے پھول برستے آگ نہ برستی۔ یہ نقصان دنیا کو اس لئے ہوا کہ ہم نے علم سے اپنا دامن کھینچ لیا، اور آئندہ بھی اگر دنیا کو تباہی سے ہم بچا سکتے ہیں تو علمی قیادت کے ذریعہ سے بچا سکتے ہیں۔ ہم جب علم میں آگے بڑھیں گے تو علم کے ساتھ انسانیت کا احساس بھی ہمارے اندر ہوگا، محبت بھی ہمارے اندر ہوگی، ہم رسول اللہ کے نظامِ رحمت کے حامل بھی ہوں گے۔

میرے عزیز نوجوانو! اور مستقبل کی امانت کے امینو! اب یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اس خلاء کو کس طرح پُر کرتے ہیں کس طرح سے آپ علم کے ہر میدان میں دین کے ساتھ آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یاد رکھئے اگر دین نہ ہو تو آپ بھی وحشی ہو جائیں گے۔ آپ کی صلاحیتیں بھی درندگی میں تبدیل ہو جائیں گی۔ محض دین ہے جو آپ کی وحشت کو

انسانیت میں بدل سکتا ہے۔ اور آپ کی سائنٹیفک اور دوسری صلاحیتوں کو باضابطہ طور پر انسانیت کی فلاح کے لئے استعمال کراسکتا ہے، آج کا انسان خود غرض ہے۔ یعنی Selfish ہے۔ اس کی کئی Selfishness نے صرف اپنی زندگی کے بارے میں سوچنا اُسے سکھایا ہے۔ دنیا میں کچھ بھی ہو جائے اس کی اسے کوئی پروانہیں ہے۔ آج تو بہت ہی چیختا ہوا تقاضہ ہے، بہت ہی Clear Demand ہے انسانیت کی۔ کہ مسلمان علم کے زیور سے آراستہ ہو جائے۔ صرف مسلمان دنیا کو تباہی سے بچا سکتا ہے، صرف مسلمان علم اور اخلاق دونوں کے توازن کو باقی رکھ سکتا ہے، The both exitsite by site یہ دونوں ساتھ ساتھ اوپر اٹھتے ہیں۔ مگر آج اخلاق کی اقدار سے خالی ہونے کے بعد انسانیت وحشت میں تبدیل ہوگئی ہے۔

میرے نوجوان دوستو! تمہارے اوپر تمہاری ہی قوم کی ذمہ داری نہیں، بلکہ پورے عالم انسانیت کی ذمہ درای ہے اور اس سلسلہ میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم انسانی دنیا کی قیادت کیسے کرسکیں گے؟ قرآن عظیم ہر دور کے لئے ہے، ہر عصر کے لئے ہے۔ میں صرف یہ چاہوں گا کہ تم علم کے جن آفاق میں پرواز کرنا چاہو، جن خلاؤں میں جن آفاق کو چھونا چاہو، وہاں ضرور پہنچو، مگر تمہارے جیب اور تمہاری زندگی میں قرآن ہر جگہ ہونا چاہیے۔ بس قرآن کو اپنی زندگی میں شامل کرلو، اس کے بعد جو چاہو سو کرو۔ جتنا چاہو علم حاصل کرو، جس میدان میں چاہو آگے بڑھو۔ قرآن تمہیں انارٹی سے اور انحراف سے ہمیشہ بچائے رکھے گا۔ اور علم کے میدان میں تمہاری صحیح قیادت کرتا ہوا نظر آئے گا۔ دیکھو ایک سائنسداں جب کسی بات کی توجیہ نہیں کر پاتا تو اسے Nature کے حوالہ کر کے خاموش ہو جاتا ہے۔

تو میرے عزیز آپ تحقیق کریں، مسلمان کی حیثیت سے کریں، آپ سائنس پڑھیں مسلمان کی حیثیت سے، اور اگر آپ ایسا کرسکیں گے تو بہت جلد آپ سائنس کو مسلمان بنالیں گے۔ شاید آپ کو معلوم ہے کہ اس سے پہلے ہمارے اسلاف نے یونان کے فلسفہ کو مسلمان بنایا تھا۔ یعنی انسانوں کو مسلمان بنانے کی روایت تو ہر دور میں رہی ہے۔ لیکن فکر اور فلسفہ کو مسلمان

بنانا یہ بڑا مشکل کام ہے۔ یونان کے آخری دور میں جب سقراط کی فکر مضمحل ہو رہی تھی، ارسطو کا فلسفہ دم توڑ رہا تھا۔ جب ارسطا طالیس اپنی فکر کی قربان گاہ پہ خود چڑھ چکا تھا۔ اور جب ''بطلیموس،، تاریکیوں میں ڈوبا دیا گیا تھا، اُس وقت بغداد میں علم کا چرچا تھا۔ بغداد کے بادشاہ نے روم کے بادشاہ کو لکھا کہ تم یونانی علوم کی لائبریری کو ہمارے ہاں منتقل کر دو۔ تو روم کے عیسائی بادشاہ نے اپنے پادریوں کو بلایا اور کہا کہ اگر ہم اپنی فلسفہ کی کتابیں بغداد منتقل کر دیں تو ہمارا کوئی نقصان تو نہیں ہوگا؟ تو پادریوں نے چیخ کر کہا جلدی منتقل کرو۔ اس لئے کہ فلسفہ کی یہ کتابیں جس معاشرہ میں جائیں گی۔ اس معاشرہ کی ایمانی قدریں متزلزل ہو جائیں گی۔ ریب وتشکیک کا طوفان آئے گا اور انسان مومن نہیں رہ جائے گا۔ جیجوان کتابوں کو، اس کا تجربہ وہ اپنی زندگی میں کر چکے تھے۔ انہوں نے کہا منتقل کرواسے، کتابیں منتقل ہو گئیں، پھر ان فلسفوں کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا۔ بڑا مشکل کام ہے کہ ایک فلسفہ جو اجنبی ہو۔ ایک فکر جو اجنبی ہو، اُسے ایسے ملک میں پڑھایا جائے، جہاں اس کا کوئی مس نہ رہا ہو پہلے سے، لیکن بغداد کی درسگاہوں میں پڑھایا گیا انہیں، اور پڑھاتے پڑھاتے ایک ایسا مقام آیا کہ جب فلسفہ یونان نے فکر کی اور عقیدہ کی بنیادوں کو متزلزل کرنا شروع کر دیا۔ خدا کے بارے میں جوہر اورعرض کی بحث ہونے لگی۔ رسالت کی حیثیت متعین کرنے میں غلطیاں ہوئیں۔ قرآن کے کلام الٰہی اور مخلوق ہونے اور غیر مخلوق ہونے میں بحث ہونے لگی۔ جبر وقدر کے فتنے سامنے آئے۔ یہ سارے عقلی فتنے تھے۔ ان کی بنیاد عقل پر بھی تھی، فلسفہ پہ تھی، مگر قربان جائیے ایسے دور میں اللہ نے ''امام غزالیؒ اور امام رازیؒ،، کو پیدا کیا۔ جنہوں نے فلسفہ یونان کو فلسفہ اسلام بنا دیا، آج بھی ضرورت ہے کہ مسلمان محنت کرے اور Islamisation of Knowledge کی طرف آگے بڑھے۔ آج کے دور بھی میں سائنس کو Islamisation کے مرحلہ سے گذارنا ہوگا۔ اور یہ آپ یقیناً کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ کسی فلسفہ سے مرعوب ہونے والے لوگ نہیں ہیں۔ کرسچانکٹی شکست کھا گئی کہ اس نے اپنی تعلیم سے باہر قدم نکالنے والوں کو بعد میں کافر و مرتد قرار دیا کو کسی کو پھانسی کا حکم دیا گیا۔

کسی کو الٹا لٹکایا گیا۔ اس لئے کہ انہوں نے کوئی نیا نظریہ پیش کیا تھا۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ سائنس جتنے نئے نظریات پیش کرتی ہے۔ قرآن پاک میں اس کی اصل پہلے سے موجود ہے۔ اس لئے قرآن کا ماننے والا کبھی بھی کسی نظریہ سے شکست نہیں کھا سکتا۔ قرآن سب سے غالب قوت ہے۔ اور اس بات کو ہمارے دشمنوں نے بڑی شدت سے محسوس کر لیا ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ جس روز قرآنی نظریہ غالب ہو گیا، سامنے آیا، تمام نظریات هباء منثوراً بن جائیں گے۔ کمیونزیم Comunisum کی شکست کے بعد مغرب کے سامنے اب کوئی نظریاتی قوت نہیں رہ گئی ہے۔ مادہ پر بھی ان کا قبضہ ہے، مالیات پر بھی ان کا قبضہ ہے۔ پروپگنڈہ، پر بھی ان کا قبضہ ہے، خلاء (Sea) اور زمین سب پر ان کا قبضہ ہے۔ لیکن جہاں وہ لرزہ براندام ہیں وہاں وہ اسلام کی سچائی سے لرزہ براندام ہیں۔ اس لئے اپنی تمام قوتیں استعمال کر کے اسلام کے خلاف پروپگنڈہ کی ایک مہم چلائی جارہی ہے۔ یہ ٹریریسٹ ہیں۔ یہ Fundamentalist ہیں۔ یہ کئی سو سال پہلے کا نظام لانا چاہتے ہیں۔ یہ ''یہ،، کرنا چاہتے ہیں، یہ ''وہ،، کرنا چاہتے ہیں۔ یہ عورتوں کو پسماندگی کی قبر میں ڈھکیل دینا چاہتے ہیں۔ یعنی اس دیوانہ نے، جس نے حملہ کا حکم دیا اس نے یہ کہا تھا کہ ہم ایک ایسی قوم سے لڑنے جارہے ہیں جو زمین کو چپٹی مانتی ہے، حالانکہ یہ جنگ وہ پہلے چرچ کے حوالہ سے لڑ چکے ہیں۔ بار بار یہی بات کہی اس نے کہ جو لوگ اتنے جاہل ہیں کہ زمین کو چپٹا مانتے ہیں۔ ہم ان سے جنگ کرنے جارہے ہیں۔ یہ الگ بحث ہے کہ زمین کیسی ہے؟ لیکن وہ چرچ کے حوالہ سے مسلمانوں کو دیکھ رہا ہے۔ وہ چرچ جو شکست کھا چکا ہے جو عقل جدید کے سامنے سرنگوں ہو گیا۔ اسلام کی نظریاتی قوت اور طاقت سے۔ اس لئے کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ ہم نے دنیا کو ساری لذتیں عام کر دی ہیں جس کی دنیا طالب ہے۔ دنیا جنس چاہتی ہے۔ ہم نے جنس کی لذت سڑکوں اور شاہراہوں پر پھیلا دیئے۔ دنیا سیکس سے Dominate کی جا سکتی ہے ہم نے سیکس فری معاشرہ قائم کر دیا۔ دنیا شراب کے نشہ میں ڈوبنا چاہتی ہے۔ ہم نے شراب کو شیر مادر سے زیادہ قیمتی بنا دی ہے۔ دنیا آزادئ نسواں کی طرف مائل ہے ہم نے آزادئ

نسواں کو جانوروں سے بھی زیادہ آگے بڑھا دیا ہے۔ دنیا دولت اور عشرت کی پجاری ہے، ہم نے ہر گھر کو دولت اور عشرت میں ڈبو دیا ہے۔ دنیا چمچاتی ہوئی سڑکوں اور آراستہ شبستانوں کی عادی ہے، ہم نے وہ سب کچھ اسے دے دیا ہے۔ اتنا کچھ دیدینے کے بعد بھی جب شدہ شدہ ایوان اقتدار میں یہ خبر پہنچتی ہے کہ آج فلاں مفکر، فلاں شاعر، فلاں ادیب اور فلاں Writer رائٹر اور فلاں Teacher مسلمان ہو گیا تو حیرت ہوتی ہے یہ لوگ کیوں مسلمان ہو رہے ہیں؟ یہ اسلام کیوں قبول کر رہے ہیں؟ اور اسلام قبول کرنے والے وہ جاہل لوگ نہیں ہیں جو فاقہ کش ہیں۔ انہوں نے بھی عیسائی بنائے ہیں۔ مگر لوگوں کی مجبوریاں خریدی ہیں انہوں نے لوگوں کی بیکسی کا سودا کیا ہے، لوگوں کی غربتوں کا سودا کیا ہے انہوں نے۔ کہیں کھانا کھلا کر کے، کہیں کپڑا دیکر کے کہیں اسکول کھول کر کے۔ کہیں ہاسپٹل کھول کر کے عیسائی بنائے ہیں۔ لیکن ہم نے کسی کی مجبوری کا کبھی سودا نہیں کیا" لا اکراہ فی الدین ،، مجبوریوں کا سودا کرنا بھی اکراہ ہے۔ ہم نے کسی کی مجبوری کا سودا نہیں کیا، ہم نے کسی غریب سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا، ہم نے کسی کو روٹی دیکر کے یہ نہیں کہا کہ اسلام قبول کرلو۔ اب وہ یہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان روٹی بھی نہیں دے رہا ہے، کپڑا بھی نہیں دے پا رہا ہے۔ مسلمان ہاسپٹل بھی نہیں دیتا۔ Eduction کے سنٹر بھی نہیں قائم کرتا، اس کے باوجود اسلام پھیل رہا ہے؟ تب ان کے دانشوروں نے بتایا کہ اسلام ایک نظریاتی قوت ہے۔ ایک ایسی قوت ہے کہ جو ایک مرتبہ بھی پڑھ لے گا وہ اسلام کی طرف مائل ہو جائے گا۔ بالکل وہی صورت حال اس وقت ہے جو مکی زندگی میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی ہر چوراہے پر ابوجہل اور ابو الہب کے گماشتے بٹھائے گئے تھے۔

خبردار! باہر سے آنیوالوں کو نبی کی گلی کی طرف مت جانے دینا، کہنا وہ پاگل ہیں، دیوانے ہیں، وہ مجنون ہیں، ان پر جادو ہو گیا ہے، وہ شاعر ہیں، وہ ساحر ہیں، ہر طرح کے الزامات، پروپگنڈہ کی طاقت استعمال کی تھی عربوں نے، آج ہمارے خلاف استعمال ہو رہی ہیں۔ ہم ٹریریسٹ ہیں، ہم پسماندہ ہیں۔ ہم یہ ہیں، ہم وہ ہیں، یہ ساری صلاحیتیں کافردں

نے پیغمبر اسلام کے خلاف کیوں استعمال کی تھی؟ وہ ان کی نظریاتی قوتوں سے ڈرتے تھے۔ وہ قرآن کے کلام الٰہی اور قرآن کے انتہائی موثر انداز تخاطب سے ڈرتے تھے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت اور فصاحت سے ڈرتے تھے۔ وہ قرآن پاک کے نظم اور معانی سے ڈرتے تھے۔ وہ قرآن پاک کی ابلاغ کی تاثیر سے ڈرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ہر کارنر پر آدمیوں کو بٹھا رکھا تھا، اور پھر بھی کوئی بھولا بھٹکا بارگاہ رسول میں پہنچ جاتا تو بے ساختہ اسلام قبول کرلیتا تھا۔ طفیل بن عمرو دوسی قبیلہ دُوس کے بہت بڑے شاعر ہیں۔ ادب کے مزاج شناس ہیں۔ زبان کی پلکیں درست کرنے والے ہیں۔ غزل کے شاعر ہیں، بہاریہ مضامین کو نظم کرتے ہیں۔ ان کو بھی کہہ دیا گیا وہاں مت جانا، وہاں ایک جادوگر رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ کسی وجہ سے اس طرف سے گذر گئے۔ اللہ کے رسول کلام الٰہی کی تلاوت کر رہے تھے۔ قدم جم گئے، جیسے زمین نے پکڑ لیا ہو، احساس کی لطافت نے کلام کی عظمت کو محفوظ کیا ہو۔ اور بے ساختہ قدمان مصطفیٰ پر جھک کر کہا۔ اسے لوگ شاعری اور سحر کہتے ہیں۔ قسم خدا کی۔ بلاشبہ اللہ کے کلام ہے۔ آج کے بعد میں اپنے تغزل اور بہاریہ مضامین کو چھوڑ کر زندگی بھر آپ کے کلام کی تبلیغ کروں گا۔ یہ کیوں ہوا؟ یہ دراصل نظریہ کی وہی طاقت تھی جو اسلام کے اندر موجود ہے۔ آج اسی طاقت سے روکنے کے لئے کفر ایک بار پھر پروپگنڈہ کر رہا ہے۔ آج کے دور کا ابوجہل، آج کے دور کے عتبہ اور شیبہ آج کے دور کے ابولہب، اسلام کے ساتھ وہی کرنا چاہتے ہیں جو کفار مکہ نے کیا تھا۔ لیکن اگر آپ قرآن پاک کو سمجھتے ہیں۔ قرآن پاک کی نظریاتی قوت کے قائل ہیں۔ تو گھبرائیے نہیں اسلام بہت جلد غالب ہوگا۔ بشرطیکہ آپ اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ آپ قرآن پاک کو سمجھیں، آپ قرآن پاک کو سمجھائیں۔ آپ کلام الٰہی کے مبلغ بن جائیں، آپ روزانہ آٹھ نو گھنٹے کالج اور اسکول میں خرچ کرتے ہیں۔ صرف ایک گھنٹہ اللہ کا کلام سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ ہر روز۔ یقین مان لیجئے کہ ایک وقت ایسا آجائے گا کہ جب کلام الٰہی کے بحر ناپیدا کنار میں ڈوب کر کے آپ وہ موتیاں چن کر کے لائیں گے جس کا دنیا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ عجیب بات ہے، نزول قرآن کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ اب

کوئی کتاب نازل نہیں ہوگی۔اب کوئی نبی نہیں آئیگا۔اب کوئی رسول نہیں آئیگا۔اب جبرائیل وحی الٰہی لے کر کے کسی رسول کی بارگاہ میں نہیں آئیں گے۔آخری نبی جلوہ گر ہو چکے، آخری کتاب جلوہ گر ہو چکی۔نزول کا سلسلہ بند ہوا ہے۔مگر واللہ مضامین قرآن اور مفاہیم قرآن کے نزول کا سلسلہ قیامت تک جاری ہے۔آج بھی حالات اور ماحول کی ضروریات کے مطابق قرآن ہمیں قوانین دے رہا ہے۔قرآن ہمیں مضامین عطا فرما رہا ہے۔کیا آپ کو حیرت نہیں ہوتی ؟ کہ جو قانون کسی مخصوص زمانہ میں، مخصوص حالات کے پیش نظر بنایا گیا ہو، وہ قانون آنیوالے زمانے کے لئے مفید نہیں ہوتا۔قوانین میں تبدیلیاں اسی لئے ہوتی ہیں۔دنیا کے کسی بھی مقنّنہ یا دانش گاہ کا جائزہ لیں تو قوانین کی تبدیلیاں جس طرح ہوتی ہیں۔وہ ماحول کا تقاضہ ہوتی ہیں، اس لئے کہ انسان آج کو دیکھتا ہے مگر کل کو نہیں دیکھ سکتا، انسان آج کے بارے میں واضح پکچر رکھتا ہے۔Vision ہے اس کے پاس، مشاہدہ ہے، کل کے بارے میں کچھ Gess ہے۔کچھ اندازے ہیں۔کچھ قیاس ہیں، اس لئے آج جو قانون بناتا ہے کل کے بارے میں جو کچھ لکھتا ہے، سوچتا ہے وہ صرف اندازہ ہے کل ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں کہ اپنا قانون بدلنا پڑتا ہے۔تو دنیا حیرت زدہ ہے، کہ مسلمان بڑا دیوانہ واقع ہوا ہے۔چودہ سو سال پہلے جو قانون نازل کیا گیا تھا، اسے آج نافذ کرنا چاہتا ہے یہ تو وحشت ہے ایک مسلم ملک کے سربراہ نے کہا تھا۔معاذ اللہ کہ ہم اس دورِ وحشت کی طرف نہیں جا سکتے، جس طرف لوگ لے جانا چاہتے ہیں۔میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں شاید وہ کلام الٰہی کو بھی کسی انسان کے ذہن کی تخلیق سمجھتے ہیں۔

یاد رکھئے ! آپ جو قانون بنائیں گے وہ کل توڑ دیا جائے گا۔اس لئے کہ آپ آج کو دیکھتے ہیں، مگر کل کو نہیں دیکھتے۔مگر خدا نے جو قانون نازل کیا ہے وہ ہر دور کو دیکھنے والا ہے وہ ہر عصر کو دیکھنے والا ہے، وہ ہر زمانہ کو دیکھنے والا ہے، ماضی، حال، مستقبل دراصل یہ سب ہمارے اپنے عمر محدود کی پیمائش کے ذریعے ہیں۔وہ حی قیوم اس کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔وہ زمانہ کا خالق ہے۔زمانہ اس کے قانون کو Challenge نہیں کرسکتا۔یہی وجہ ہے کہ آج

چودہ سو سال کے بعد جو ضرورتیں جنم لے رہی ہیں۔قرآن میں قانون پہلے سے موجود ہے۔جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔قرآن میں جواب ہے، جو Challenges ہیں قرآن میں اسکا حل ہے'اشتراکیت آج کا فتنہ ہے جواب قرآن کے اندر دیکھو Sucialism (سوشلزم) آج کا فتنہ ہے جواب قرآن کے اندر دیکھو، Comunism (کمیونزم) آج کا فتنہ ہے، جواب قرآن کے اندر دیکھو، جنس پرستی آج کا فتنہ ہے، جواب قرآن کے اندر دیکھو، عریانیت آج کا فتنہ ہے جواب قرآن کے اندر دیکھو، فری سیکس کا تصور آج کا فتنہ ہے، جواب قرآن کے اندر دیکھو، معاشرتی نظم ونسق میں بگاڑ آج کے فتنے ہیں، جواب قرآن کے اندر دیکھو۔

معاشرہ کی Unity کو بکھر جانے کا تصور آج کا فتنہ ہے جواب قرآن کے اندر دیکھو، فتنہ چودھویں صدی میں پیدا ہو رہا ہے اور جواب چودہ سو سال پہلے موجود ہے، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے، یہ کتاب ہر دور کے لئے مکمل رہنما ہے۔ہر عصر کیلئے۔اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے عظیم کلام کے لئے ویسا ہی اسلوب بھی اختیار فرمایا۔

آپ اندازہ فرمائیں کوئی بھی زبان ہو۔اگر آپ زبان کے (Longuage) کے طالب علم ہیں۔ Litrature سے آپ کو تھوڑی بہت بھی ذہنی مس ہے، آپ کی وابستگی ہے تو اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ ایک زبان جو اپنے دور میں فصاحت و بلاغت کے نقطۂ انتہاء پر ہوتی ہے، وہی زبان With in hundred years تاریخ بن جاتی ہے۔اور اس کی گود سے ایک نئی زبان جنم لیتی ہے جو اس سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے۔ہر زبان کے ساتھ یہ معاملہ رہا ہے، نئی نئی چیزیں پیدا ہو رہی ہیں۔نئے نئے افکار و خیالات آ رہے ہیں، تعبیرات کے نئے نئے طریقہ پیدا ہو رہے ہیں۔زبان کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے۔یعنی آپ اندازہ کریں کہ بہت سے اچھے لکھنے والے جو انگلش زبان کے جو ابھی ماضی قریب میں گذرے ہیں۔آج ان کی زبان صرف تاریخ بن چکی ہے۔شیکسپئیر Shexpear آج تاریخ ہے۔وہ ایک زندہ زبان کی حیثیت ہے۔آج اُسے نہیں پڑھایا جا رہا ہے محض Classical انگلش کے لئے اس کو بطور حوالہ پڑھاتے ہیں۔اسی طرح سے عربی زبان میں جو ماقبل اسلام کی عربی ہے یا عہد

عباسی کی عربی ہے یا عہد اموی کی عربی ہے آج انہیں Classical Language کا شاہکار تو مانتے ہیں لیکن Modern عربی کے باب میں وہ ٹھہر نہیں سکتے۔ تو ہر زبان میں یہ تبدیلی ہوتی ہے۔ غالب کی اردو Classic کے لئے بلا شبہ معیار ہے۔ لیکن Modern اردو کے مقابلہ میں اگر چہ یہ اردو بہت دبائی اور کچلی گئی ہے غالب کی زبان محدود تعبیرات کے اعتبار سے محدود خیالات کو تو پیش کر سکتی ہے۔ مگر آج کے سائنس اور تمدنی خیالات کو تو پیش کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ ہر زبان جو اپنے زمانہ میں نقطۂ انتہاء پر ہوتی ہے۔ وہی زبان مستقبل میں تاریخ بن جاتی ہے۔ کیا یہ معاملہ عربی کے ساتھ نہیں ہوا ہوگا۔ یقیناً عربی کے ساتھ ہوا ہوگا۔ تو قرآن تو آج سے چودہ سو سال پہلے نازل ہوا تھا کیا وہ بھی صرف Classic کا ایک شاہکار رہے۔ کیا قرآن پاک بھی کسی بارے میں پرانی ہو چکی ہے۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں یہ حیرت انگیز بات ہے کہ قرآن جس طرح سے آج سے چودہ سو سال پہلے فصاحت و بلاغت کے نقطۂ انتہا پہ تھا آج بھی وہی ہے نہ اس زمانہ کا کوئی ادب اسے شکست دے سکتا تھا۔ نہ آج کے زمانہ کا ادب اس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ یہ قرآن کی زبان کی خصوصیت ہے۔ زبان دراصل مفاہیم کا لباس ہوتی ہے۔ تو جب لباس کا یہ عالم ہے تو مفہوم کی ہمہ گیری کا کیا عالم ہوگا؟ قرآن "ھو النظم و المعنی جمیعاً،، قرآن نظم و معنی دونوں کو کہتے ہیں۔ جب نظم کا یہ عالم ہے تو معنی کی عظمت کی کیا بات ہوگی؟ پھر آپ نے دیکھا ہوگا کہ آپ اگر Law کے Student ہیں تو آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ قانون کی زبان بڑی خشک، بڑی نپی تلی ہوتی ہے۔ ایک پلے پر مفہوم اور دوسرے پلے پر زبان کو تو کوئی پلہ جھکنا نہیں چاہیئے۔ اگر زبان میں ذرا سا بھی آپ نے مبالغہ سے، استعارہ سے، کنایہ سے، تشبیہ سے کام لیا تو وہ Law کی زبان نہیں، شاعری کی زبان بن جائے گی۔ اور جسے پھانسی نہیں ملنا ہے اسے پھانسی مل جائے گی۔ یہ ہوتا ہے Law کی زبان کا عالم، بہت ہی خشک Dry one ہوتی ہے۔ اور بہت ہی نپی تلی زبان ہوتی ہے۔ تب جا کر کے آپ قانون کا ایک Artical لکھتے ہیں۔ ایک "دفعہ،، لکھتے ہیں۔ قرآن بھی قانون کی کتاب ہے۔

مگر---قربان جایئے کتاب کی زبان ہوتے ہوئے بھی فصاحت کی تمام لذتیں، بلاغت کی تمام عظمتیں، اور استعارہ اور تشبیہ کی تمام رعنائیاں قرآن عظیم کے اندر سمٹی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جذالت اور عذوبت کو قرآن عظیم نے اس طرح جمع کر لیا ہے کہ کہیں سے بھی کلام کی خشکی نظر نہیں آتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ چودہ سو سال پہلے نازل ہونے والی مقدس کتاب آج بھی انسانوں کی اسی طرح رہنمائی کر رہی ہے۔ جیسے چودہ سو سال پہلے کر رہی تھی۔ کل میں کسی جگہ اسلامی معاشرہ کے حوالہ سے بات کر رہا تھا۔ معاشرہ "Family life" "Social life" وغیرہ کے Concept آج کے ہیں۔ معاشرہ آج کا پیدا کیا ہوا ایک لفظ ہے۔ لیکن یہ معاشرہ تشکیل کہاں سے پایا ہے؟ اور یہ لفظ کہاں سے ہے؟" وعاشروھن بالمعروف،، قرآن عظیم نے یہ لفظ دیا ہے۔ اشتراکیت آج کی اصطلاح ہے۔ لیکن آج اس کی اصل قرآن کے اندر تلاش کیجئے۔ آپ کو ملے گی۔ تو حیرت انگیز بات ہے کہ مسائل آج پیدا ہو رہے ہیں۔ اور زبان اور معنی چودہ سو سال پہلے عطا فرمائے گئے ہیں۔ تا کہ مسلمان کسی دور میں بھی اپنے کو تشنہ قانون محسوس نہ کرے۔ آپ اگر سائنس کے طالب علم ہیں تو سائنس کے مختلف شعبہ ہیں۔ سائنس کبھی زمین سے بحث کرتی ہے۔ کبھی خلاء سے بحث کرتی ہے کبھی ستاروں سے بحث کرتی ہے۔ کبھی انسانی نفسیات سے بحث کرتی ہے، کبھی انسان کے اپنے اندرونی اعضاء سے بحث کرتی ہے، کبھی ترکیب انسانی سے بحث کرتی ہے، کبھی ترکیب اجزاء سے بحث کرتی ہے۔ یہ سائنس کے مختلف شعبے ہیں۔

اگر آپ قرآن کا مطالعہ کریں تو وہ کہتا ہے، کبھی زمین پر دعوت دیتا ہے۔ زمین پہ غور کرو، کبھی خلاء کی دعوت دیتا ہے، اس پر غور کرو، اس کا مطلب یہ ہے Space کا علم حاصل کرو، کبھی سیاروں پر دعوت دیتا ہے، اس پر غور کرو، اس کا مطلب یہ ہے کہ سیاروں کا علم حاصل کرو، کبھی کہتا ہے کہ تم اپنے آفاق اور انفس پہ غور کرو۔ یعنی ماوراء ذات اور اندرون ذات پر غور کرو، یعنی اپنے ذات سے باہر جو دنیا ہے اس میں بھی غور کرو اور اپنی ذات کے اندر جو دنیا ہے اس پر بھی غور کرو۔ یہ تمام دعوتیں سائنس کے مختلف شعبوں کی دعوتیں نہیں ہیں؟ ہاں

ہیں، اس لئے اللہ کے کلام کو پڑھئے، اگر آپ طالب علم ہیں تو بے پناہ محنت کیجئے، اتنی محنت کیجئے کہ آپ وقت کے مرکب نہ بنیں، راکب بن جائیں۔ یہ زمانہ آپ پر سواری نہ کرے، آپ زمانہ پر سوار ہوجائیں۔ یہ بات اب ذہن میں رکھیں۔ مسلمان کونین کا مرکب نہیں راکب ہے۔ اوراس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سوچیں کہ ہمیں کس طرح سے قرآن پاک کے عظیم نظام کو دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔ اس کا خود بھی مطالعہ کریں اور دوسروں کو مطالعہ کی دعوت دیں۔ اور جس جمالِ عظیم کو اور جس حسنِ بے پناہ کو دنیا چھپانا چاہتی ہے۔ اُس حسن کو آپ Expose کریں۔ بے نقاب کریں۔ یعنی اسلام کے حسن کو، اسلام کے اخلاقی حسن کو، اسلام کے قانونی حسن کو، اسلام کے جمالیاتی کیفیتوں کو، اسلام کی نظریاتی طاقت کو آپ دنیا کے سامنے پیش کریں۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے، دنیا چھپانا چاہتی ہے آپ اُسے دکھائیں اور پھر آپ دیکھیں گے کہ"

اپنی ہستی کا حسن نمایاں ہوجائے،
آدمی کثرتِ انوار سے حیراں ہوجائے

آپ کی اپنی ذات یعنی مسلم ذات کا اگر حسن نمایاں ہوجائے تو دنیا آپ کے نور کی حیرتوں میں ڈوب جائے گی۔ آپ کی عظمتوں کا اندازہ نہیں کرسکے گی۔ آپ بہت عظیم ہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں اور اللہ کے بندے ہیں۔ اپنی اسی عظمت کے سہارے آگے بڑھئے اور پریشاں اور مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح کے حالات جو آج پیش آئے ہیں تاریخ میں کئی بار ہمارے اوپر پیش آچکے ہیں۔ لیکن اسلام اپنے نظریہ، اپنی اخلاقی قدرت کی بنیاد پر غالب رہا ہے اور آج بھی غالب رہے گا۔

"......وما علینا الا البلاغ......"

☆☆☆

شہید کی حیثیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَأَقَامَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعاً، وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ، صَلٰوۃً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ. اَمَّا بَعْدُ.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (پ:۲ سورہ البقرہ آیت: ۱۵۴)

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ. (پ:۳۰، سورہ العصر)

تیرے کشتوں کو موت آئی تو کتنی با مراد آئی
ادھر ہونٹوں پہ دم آیا صدائے زندہ باد آئی
کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است
میرے جنازے پہ رونے والو فریب میں ہو بغور دیکھو
مرا نہیں ہوں غم نبی میں لباس ہستی بدل دیا ہوں

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں دکھلا کے تجھے چہرۂ دوست
زندگی اور بھی تیرے لئے دشوار کرے

علماء باوقار، عزیزان ملت اسلامیہ، قابل احترام بزرگو اور دوستو! ہم اور آپ انتہائی عقیدت واحترام کے ساتھ اپنی اور ساری کائنات کے مرکز عقیدت آقائے دو جہاں، حضور رحمت، عالم تاجدار مدینہ، سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا ومولانا محمد معدن الجود والکرم، منبع العلم والحلم والحکم، واله بارک وسلم صلوة وسلاما علیک یارسول الله، صلوة وسلاما علیک یا حبیب الله

میرے عزیز! آج کا یہ اجلاس شہادت کے موضوع پر ہے۔ اور غالباً برصغیر کی سرزمین پر سب سے کم عمر شہید اور عظیم تر شہید حضرت غازی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ محفل منعقد کی گئی ہے۔

چپے چپے پہ مزارات شہیداں دیکھئے
دید کے قابل ہیں بہرائچ کے میداں دیکھئے

تیس سال کے بعد اس علاقہ میں حاضر ہوا ہوں اور اب لگتا ہے کہ بہرائچ شریف میں بیٹھا ہوا ہوں سرکار سیدنا مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات اور ان کے کارناموں کے حوالے سے یقیناً میں گفتگو کرتا اگر مجھے مولانا نے بتادیا ہوتا کہ تمہارا یہ ٹاپک (Topic) ہے۔ اور میں اس کے ساتھ وقت بھی لے کے حاضر ہوا ہوتا۔ میں ایک جلسہ سے تقریر کر کے آرہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کی حیات کا انتہائی حسین ذکر چھیڑوں اور نامکمل چھوڑ دوں۔ اس لئے انشاءاللہ وہ ذکر کسی اور موقع کے حوالے سے ہوگا۔ آج میں لفظ شہید کی فکری، لغوی، مشاہداتی

شعوری اور وجدانی تشریح کرنا چاہوں گا۔ مقصد صرف یہ ہوگا کہ یہ لفظ جو آپ بڑی کثرت سے بولتے ہیں۔

اس کی تشریح آپ سمجھیں بھی، اور جانیں بھی عجیب معاملہ ہے کہ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ لفظ اپنے مفہوم لغوی سے اگر مستعار لے لیا جائے تو بھی لغت کی اپنی حیثیت تو باقی رہتی ہے استعارہ اپنے مقام پر، ایجاب کی حیثیت اپنے مقام پر، مجازی مفہوم اپنی حیثیت ضرور رکھتا ہے۔ مگر لغت کا رشتہ قائم رہتا ہے۔ یہ لفظ شہید کیا ہے؟ کبھی آپ نے سوچا اور غور کیا؟ یہ اپنے مفہوم پر مطابق کیسے ہوتا ہے؟ اور شہید اپنی تمام تر کیفیات کے ساتھ اس لفظ کے پیراہن میں کس طرح پوشیدہ ہے؟ اسے جاننے کے لئے آیئے • لغت کے حوالے سے دیکھیں۔ شہید کے معنی حاضر کے ہوتے ہیں، شہید کے معنی گواہ کے ہوتے ہیں، شہید کے معنی موجود کے ہوتے ہیں، شہید کے معنی مشاہدہ کرنے والے کے ہوتے ہیں۔ حاضر، گواہ، موجود۔ عجیب بات ہے جو لوگ اللہ کے راستے میں جان دیتے ہیں۔ انہیں قتیل بھی کہا گیا اور شہید بھی کہا گیا ہے۔ قتیل تو سمجھ میں آتا ہے کہ انہوں نے اللہ کے راستے میں جان دی۔ اللہ کے راستے میں قربان کئے گئے۔ لیکن جو حضوری کی جسمانی استعداد کھو بیٹھا اُسے حاضر کیوں کہا گیا؟ جس نے مشاہدے کی نگاہیں بند کر لی اُسے مشاہدہ کرنے والا کیوں کہا گیا؟ جس نے موجود ہونے کے لئے تمام راستے خود اپنے اوپر مقفل کر دیئے ہوں اُسے موجود ہونے والا کیوں کہا گیا؟ اور جس نے دیدار کے لئے اپنی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند کر لی ہوں اُسے دیکھنے والا کیسے قرار دیا گیا؟ یہ عجیب بات ہے۔ یہ لفظ اپنے مفہوم کے دروازے پر اپنی حیثیتوں کو کسی اور انداز سے منوانا چاہتا ہے۔ کبھی آپ نے سونچا؟ کبھی آپ نے غور کیا؟ جو گواہی دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو اُسے شہید اور گواہ کیوں کہا گیا، جب کوئی زندہ ہوگا تب تو گواہی دے گا۔ جب کوئی زبان گویا رکھے گا تب تو گواہی دے گا۔ جب کوئی عندالواقعہ موجود ہونے کی صلاحیت رکھے گا تب تو گواہی دے گا۔ لیکن یہاں تو کوئی بھی بات پائی نہیں جاتی۔ اُس کی جان تو قفس عنصری سے پرواز کر گئی ہے۔ اس کے روح وجسم میں تو جدائی ہوگئی ہے۔

زندگی کیا ہے، عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے، انہی اجزاء کا پریشاں ہونا

اجزاء منتشر ہوگئے ہیں اور تم گواہ بھی کہہ رہے ہو، حاضر بھی کہہ رہے ہو۔ موجود بھی کہہ رہے ہو، مشاہد بھی کہہ رہے ہو، ایسا کیوں ہے؟ ایسا ہے، اسلام کی کوئی بھی تعبیر ایسی نہیں ہے جو اپنے مفہوم کے دروازے پہ دم توڑتی ہوئی نظر آئے۔ اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور اسلام کی ہر اصطلاح زندہ ہے، ہر لغت زندہ ہے، ہر مفہوم زندہ ہے، ہر تعبیر زندہ ہے، ہر ایجاز زندہ ہے ہر استعارہ زندہ ہے، اطناب کی کیفیتیں زندہ ہیں اور اجمال کا حسن زندہ ہے۔ ابھی آپ محسوس کریں گے اور جھومیں گے اس کا مفہوم سمجھنے کے بعد۔ اللہ کے راستے میں جان دینے والے کو شہید کہتے ہیں۔ شہید کے معنی گواہ کے ہوتے ہیں۔ میرے بھائی یہ کیسے شہید ہیں؟ اور کیسے گواہی دیں گے؟ اللہ اکبر! ہم سب تو گواہی دینے والے ہی ہیں۔ آج ہم خود کو مومن کہتے ہیں تو بر بنائے گواہی کہتے ہیں۔ مسلم کہتے ہیں تو بر بنائے گواہی کہتے ہیں۔ جب ہماری زبان نے گواہی دی اور ہمارے دل نے ہماری ہی گواہی کی تصدیق کی تو ہمیں مومن کہا گیا ہے، ہمیں مسلم کہا گیا ہے ہمیں مسلمان کہا گیا ہے۔ مگر عجیب معاملہ ہے ہم گواہی دیتے ہیں۔ لیکن جس کی گواہی دیتے ہیں۔ وہ ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔ ہم ایک صداقت ازلی کی گواہی دیتے ہیں ایک ابدی سچائی کی گواہی دیتے ہیں۔ ایک سب سے بڑے سچ اور سب سے عظیم حق کی گواہی دیتے ہیں۔ مگر ہم نے نہ اُس سچ کو دیکھا ہے نہ حق کے مشاہدے کی توفیق میسر آئی ہے۔ ہم کہتے ہیں اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ ہم اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، یہ گواہی دیتے ہیں۔ "**اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ**، ، ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن کیا ہم نے اللہ کو دیکھا ہے؟ جب نہیں دیکھا ہے تو گواہی کیسے دیتے ہیں؟ کیا ہم نے اس پورے یونیورس اور پوری کائنات کو دیکھا ہے؟ اگر نہیں دیکھا ہے تو پورے عالم امکان کے حوالے سے گواہی کیوں دے رہے ہیں؟ کہ

اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ نہ اس یونیورس میں ہے، نہ اُس زمین میں ہے، نہ تحت الثریٰ میں ہے نہ فوق العرش میں ہے، نہ یہاں ہے، اور نہ وہاں ہے، بلکہ فاصلہ اور سمتوں کے تعینات جہاں فنا ہوجاتے ہیں وہاں بھی نہیں ہے، جہاں امکان دم توڑ دیتا ہے وہاں بھی نہیں ہے، اور جہاں ممکنات کی سرحدیں ختم ہوتی ہیں وہاں بھی نہیں ہے، اور جہاں زمانہ موجود نہیں ہے وہاں بھی نہیں ہے اور جہاں Time اور Space کے تصورات فنا ہوجاتے ہیں وہاں بھی نہیں ہے۔ ہر جگہ صرف ایک خدا ہے۔ ہم گواہی دے رہے ہیں۔ حالانکہ ہم زمانے کے حدود و تعینات میں Time اور Space کے مختصر سے کینوس پر ایک نہ نظر آنے والا ایک نقطہ ہیں اس کے علاوہ ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لیکن گواہی دے رہے ہیں عربوں سال کھربوں سال کے متعلق، گواہی دے رہے ہیں کہ پوری کائنات کی وسعتوں کے بارے میں کہ خدا کہیں نہیں ہے۔ سوائے اللہ کے۔ کیوں ہم گواہی دے رہے ہیں؟ کہا یہ ہماری گواہی معتبر ہے؟ کہ نہ ہم نے کائنات کو دیکھا ہے، نہ کائنات کی وسعتوں کو دیکھا ہے، نہ کائنات کے ذرے ذرے کا مشاہدہ کیا اور نہ واجب الوجود کو دیکھا ہے، نہ ذات مطلق کو دیکھا ہے، اور دیکھ بھی کیسے سکتے ہیں؟

درایں ورده کشتی فروشد ہزار
که پیدا نه شد تخته بر کنار

(بوستان)

مشاہدے کے بحر ناپیدا کنار میں ہزاروں کشتیاں ڈوب گئی ہیں حیات کی، اور آج تک کوئی مشاہدے کی بنیاد پہ گواہی دینے والا سامنے تختہ آیا ہی نہ سکا ہے۔ عالم یہ ہے اُس کے جمال بیکراں کا، **وفی کل شئی له آیت تدل علی انه واحد**

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتر یست معرفت کردگار

(بوستان)

عالم یہ ہے کہ سعدی کہتے ہیں کہ میں گلستان معرفت سے پھول چننے کے لئے روانہ ہوا۔ خیال تھا کہ واپس آؤں گا تو اپنی بساط نظر کے حوالے سے اپنے مشاہدے کی گواہی دینے کے لئے اپنے دوستوں کے لئے کچھ پھول لے کر کے آؤں گا۔ لیکن جب گلستان میں داخل ہوا تو ہر لمحہ نیا برق تھا، نیا طور تھا، اور نئی تجلی تھی۔ عالم یہ تھا کہ کچھ پھول میں نے چنے لیکن جب میں اُس مقام پہ پہونچا جہاں سے حیرتوں کا دروازہ کھل جاتا ہے تو ہاتھ سے دامن چلا گیا، پھول بھی گر گئے اور میں تحیر کے دریا میں اس طرح ڈوبا کہ نہ بول سکا نہ کچھ لا سکا۔ یہی حال ارباب مشاہدہ کا ہے نا؟ جو دیکھ سکے ہیں وہ زبان نہیں کھولتے، جو زبان کھول رہے ہیں وہ دیکھ نہیں سکیں گے۔ عجیب عالم ہے، پھر بھی ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

میرے ساتھیو اور میرے دوستو! یہیں سے عظمت رسالت کا پتہ چلتا ہے، مقام نبوت کا پتہ چلتا ہے، ہم گواہی دیتے ہیں اور سچی گواہی دیتے ہیں، مگر ہماری گواہی براہ راست گواہی نہیں ہے، شہادت علی الشہادت ہے۔

بن دیکھے تھے ہم نے خدا مان لیا ہے
اس طرح سے یوں تجھ کو خدا مان لیا ہے

ہم نے نہیں دیکھا ہے مگر جس نے دیکھا ہے اس کی گواہی پہ گواہی دے رہے ہیں۔ تو ہماری شہادت تو ''شہادت علی الشہادت،، ہے مگر ایک روز یہی شہادت اللہ اکبر! ہمارا عین مشاہدہ ہوگی۔ اہلسنت والجماعت کا چودہ سو سال سے متوارث عقیدہ ہے کہ جنت میں دیدار الٰہی حق ہے۔ ہم یہاں شہادت علی الشہادت کر رہے ہیں اور جب جنت میں حجابات اُٹھیں گے تو ہم دیکھیں گے اور کہیں گے ''**اشهدان لا اله الا الله و اشهدان محمداً عبده ر رسولـه الله**،، کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی خطبہ قبہ خضری کے سامنے حاضرہ ہوتے ہیں، گنبدِ خضریٰ کے سامنے حاضر ہوتے ہیں تو دم واپسی اور دم رخصت یہ کہتے ہیں یا رسول اللہ! ہم آرہے ہیں۔ ہمارے سفر کو آخری سفر نہ بنایئے گا اور اگر آخری سفر ہو تو آپ کی شہادت کی تائید میں جو ہم نے شہادت دی

ہے ہم جو کلمہ پڑھتے ہیں اسے سنبھال لیجئے سرکار۔ اور اسے خدا کی بارگاہ میں پیش کر دیجئے گا، میرے عزیز و اور میرے دوستو! بلاشبہ ہماری شہادت بھی کامل شہادت ہے۔ اللہ اکبر، بہت مکمل شہادت ہے اپنے نبی کے حوالے سے اور ان کے قول کے مطابق، مگر ہماری شہادت محروم نظارہ ہے، ہماری شہادت محروم دید ہے، ہماری شہادت محروم تماشہ ہے، ہماری شہادت محروم تمنا ہے، ہماری شہادت محروم قرب ہے، ہماری شہادت محروم لذت وصال ہے، ہماری شہادت محروم رویت ہے۔ اللہ اکبر؟ **ولا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار** (پ: ۷، سورہ الانعام آیت: ۱۰۳) یہ کیفیت ہے ہماری، مگر قربان جایئے ادھر شہید جان دیتا ہے اور اس کی آنکھوں کی روح مشاہدۂ الٰہی میں مشغول ہوتی ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں تو حجابات کے پردے سے گواہی دیتے ہیں۔ شہید گواہی دے رہا ہے تو مشاہدہ کر کے گواہی دے رہا ہے۔ اسی لئے حقیقی گواہ تو وہی ہے جو جان دے رہا ہے اور گواہی دے رہا ہے۔

تیرے کشتوں کو موت آئی تو کتنی بامراد آئی
ادھر ہونٹوں پہ دم آیا صدائے زندہ باد آئی

اب اسی مفہوم کو پھیلانا چاہیں تو حدیث سے وہ سارے واقعات تلاش کر لیں، تاریخ کے وہ سارے واقعات تلاش کر لیں کہ شہید جان دے رہا ہے۔ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں لبوں پہ تبسم ہے، کسی کا مشاہدہ کر رہا ہے اور اپنی گواہی کو باضابطہ محسوس پیکر میں دیکھ رہا ہے، اپنی گواہی کی منزل دیکھ رہا ہے، اپنی گواہی کی سرحد آخری دیکھ رہا ہے، اپنی گواہی کے سامنے حجابات کو اٹھتا ہوا دیکھ رہا ہے، دوسرا مفہوم شہید کا جو ہے وہ آپ جانتے ہیں کہ شہید کے معنی مشاہدہ کرنے والے کے ہیں۔ ہم تشنگان مشاہدہ ہیں۔ ہم کیا کریں گے مشاہدہ؟ اور ہمارے مشاہدے کی حیثیت کیا ہے؟ یہ ہماری نظر جو گناہ آلود ہے، یہ ہماری نظر جس کی طہارت کے پردے پر ہزاروں گرد ہیں گناہوں کے، یہ تو گر تمنا بھی کرے مشاہدے کی تو یہ ہوس بے جا ہوگی، کہاں ہم اور کہاں مشاہدہ دیدار خداوندی؟ کہاں ہم اور کہاں مشاہدہ تجلیات؟ کہاں ہم اور کہاں برقِ تجلی، کہاں ہم اور کہاں صفات الٰہیہ؟ کہاں ہم اور کہاں اس کے جلوے؟ کہاں ہم اور کہاں اس کی تجلیات؟ ہماری نگاہیں کہاں؟ وہ لوگ جنہوں نے اپنی نگاہوں کو پوری دنیا

سے بند کرلیا تھا وہ دیکھ لیتے تھے، صفات کی صورت میں، تجلیات کی صورت میں، حقیقت میں تو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا سوائے پیغمبر اعظم کے اور انبیا اور رسول کے، لیکن کچھ پر مشاہدات کی تجلیات پڑی ہیں کچھ لوگوں نے مشاہدہ کیا ہے مگر ہماری نگاہیں جو ہر روز جھوٹے ٹکڑوں کی ریزہ کاری سے گندی اور متاثر ہوتی ہیں۔ بازاروں نے جن کی طہارت کو چھین لیا ہے اور آج کے دور کی متمدن زندگی نے جس کی تابناکی کو ختم کر دیا ہے۔ وہ کیا دیکھے گا؟ وہ کیا مشاہدہ کرے گا؟ ہاں مشاہدہ کرنے والوں نے اپنے اپنے اعتبار سے مشاہدہ کیا، مگر ہمارے پاس تو حسرتِ مشاہدہ اور تمنائے مشاہدہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے مگر اس حسرت کو بھی ہم نجات کا ذریعہ تو سمجھتے ہیں۔ میں ابھی نوجوانوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے حسرت کی ایک تعبیر پیش کر رہا تھا وقت آ گیا ہے تو میں آپ کو بتا دوں۔

میرے عزیز ''**انما الاعمال بالنیات**،، اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اللہ کی رحمت نے کائنات کا احاطہ کر رکھا ہے، '' **وسعت رحمتی کل شئی**، ، جس کی رحمت نے اس کے قدم کو ڈھانک رکھا ہے۔ وہ پروردگار عالم ہے۔ وہ معبود برحق ہے کہ جو اپنے بندے کے عمل کو بے پناہ بڑھا دیتا ہے۔ آپ کسی نیکی کا ارادہ کریں تو ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ ایک نیکی کو دس نیکیوں میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ ''**من جاء بالحسنة فله عشرا مثالها**، اور پھر وہ دس نیکیاں ہزاروں نیکیوں میں تبدیل کر لی جاتی ہیں، قدم اٹھائیں تو ایک نیکی اور لکھی جاتی ہے۔ عمل نیک کر لیں تو نیکی اور لکھی جاتی ہے۔ ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے۔ بُرائی کرنے کا ارادہ کریں تو ارادے پہ برائی نہیں لکھی جاتی۔ قدم اٹھائیں تو نیکی کا فرشتہ روک دیتا ہے مت لکھو۔ بُرائی کرلے تو صرف ایک بُرائی لکھی جاتی ہے۔ بُرائی کے لئے قدم اٹھایا اور رُک گئے تو پھر ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ بُرائی کے قریب پہنچ گئے اور نہیں کیا تو پھر ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ نیکیوں کے ہزاروں دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ اور بُرائیوں کے دروازے مسدود کر دیئے گئے ہیں۔ رحمت غفار کی طرف سے، پروردگار عالم کی طرف سے۔ مگر ایک مرحلہ بڑا نازک ہے، اللہ اکبر! جب سوچتے ہیں تو روح کانپ جاتی ہے اور وہ مرحلہ حسرت ناتمام کا ہے۔

ہزاروں حسرتیں ایسی کہ ہر حسرت پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

وہ ایسا انسان ہے جو گناہوں کی خواہش رکھتا ہے، حسرت رکھتا ہے مگر مجبوریوں سے گناہ نہیں کر سکتا، میکدوں سے گذرتا ہے، جام اور شیشے کے ٹکرانے کی آواز اُسے بے قرار کر دیتی ہے۔

کھنک جاتے ہیں جب ساگر تو پہروں کان بجتے ہیں

بڑی توبہ شکن آواز ہوتی ہے۔ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے۔

قرع القواریر بافواه العوارق

مجھے تباہ کر رکھا ہے صراحی اور جام کے ٹکرانے کی آواز نے۔ وہ میکدے سے گذرتا ہے، جام ٹکراتا ہے تو تڑپ اُٹھتا ہے کہتا ہے کاش! میرے پاس پیسہ ہوتا یہ عشرت حیات میسر ہوتی تو ایک جام میں بھی پی لیتا۔ اب وہ پی نہیں رہا ہے صرف حسرت کر رہا ہے۔ مگر گناہ پینے کا لکھا جا رہا ہے اس لئے کہ وہ مجبوری سے نہیں پی رہا ہے پینا چاہتا تھا۔ گناہ کرنا چاہتا تھا۔ بازاروں سے گذر رہا ہے، اس کا نفس بغاوت کر رہا ہے، انحراف کر رہا ہے، گناہ کرنے کی طاقت نہیں مگر ہر جائی نگاہ اُٹھتی ہے کہ کاش میں یہ بھی گناہ کر سکتا! جہاں جہاں حسرت ناتمام اُسے حکم بذنب دیتی ہے وہیں وہیں اس کے نامہ اعمال میں گناہ لکھا جاتا ہے تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بڑی تباہ کن حسرت ہے جسے شعراء نے خوب بڑھا دیا، اس حسرت ناتمام کو ہزاروں شوق دے دیئے ہیں۔ اور ہزاروں نام دے دیئے ہیں۔ خدا ایسے شعراء کو فکر صحیح عطا فرمائے (آمین) تو میں یہ عرض کر رہا تھا دیکھو انسان اپنے رب کو دیکھنے کی تمنا ضرور کرتا ہے یہ فطرت ہے اس کی کہ جسے پوج رہا ہے اُسے دیکھے، جس کی بارگاہ میں سر جھکا رہا ہے اُسے دیکھے، جس کے حضور میں سر رکھ رہا ہے اُسے دیکھے، آپ روز آنہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ اس کی کبریائی کا اعلان کرتے ہیں مگر آپ نے دیکھا نہیں ہے۔ '' **سبحان ربی العظیم، سبحان ربی العظیم**،، ہر صبح و شام آپ کے لبوں پہ جاری ہوتا ہے۔ مگر رب العظیم کو دیکھا نہیں ہے۔

''سبحان ربی الاعلیٰ سبحان ربی الاعلیٰ، ہر سجدے میں آپ پکارتے ہیں۔ مگر رب الاعلیٰ کو آپ نے دیکھا نہیں ہے، کبھی کبھی تڑپ کر کے ایک ہوس بیجا پالتے ہیں

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں

ظالم! حقیقت منتظر کو لباس مجاز میں دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ لباس مجاز حقیقتِ منتظر کی لا محدودیت کو سمیٹ کہاں سکتا ہے اور سما کیسے سکتا ہے؟ ممکن ہے، کہیں آپ ذرا سوچئے وہ حقیقت منتظر کی لامحدودیت کو مجاز کی تنگنائے میں دیکھنا چاہتا ہے۔ بڑا ظالم ہے یہ انسان، لیکن دیکھا ہے کوشش تو کی اس نے۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں

وہ اپنے رب کو بے حجاب دیکھ کر کے سجدہ کرنا چاہتا ہے، سامنے دیکھ کے سجدہ کرنا چاہتا ہے، یہ تمنا تو اسرئیلیوں نے کی تھی۔ جھرۂ دیکھنے کی، اور نگاہ واپس کر دی گئی، تمنا مردود قرار دیدی گئی، میں علامہ اقبال پہ کوئی اعتراض نہیں کر رہا ہوں، مقصد صرف یہ ہے کہ جہاں جہاں فکر نے ٹھوکر کھائی ہے اس کی اصلاح کرنی ضروری ہے۔

میرے عزیزو اور میرے دوستو! آپ ذرا سوچو اور غور کرو کہ اللہ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا، دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ مگر ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کہ جن کا یہ عالم ہے کہ رات کو سجدے میں سر ڈالتے ہیں اور صبح ہو جاتی ہے اور صبح کو جب پیروں میں ورم ہوتا قیام کی بنیاد پر، تو خدا کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کے اُمت کی نجات کی دعا کرتے ہیں۔ اُس مقدس خاتون باعظمت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ سیدۃ النساء کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جو رات بھر سجدہ کرنے کے بعد صبح کو ہاتھ اٹھا کے دعا کرتی ہیں کہ اے اللہ اپنی بندی فاطمہ کو ایک رات ایسی دیدے کہ تیرا جی بھر کے سجدہ کر لے، سجدے پیشانی میں تڑپتے رہ جاتے ہیں اور رات تمام ہو جاتی ہے۔ کیا خیال ہے؟ اُس امام زین العابدین کے بارے میں کہ جب بچوں نے شور کیا حالت نماز میں۔ تو لوگوں نے کہا بچوں کا شور بند کر دیا جائے۔ تو آپ نے کہا بچوں کا

شور مجھے کچھ نہیں نقصان پہونچائیگا۔ اجی شور قیامت بھی مجھے ہٹا نہیں سکتا۔ اس لئے کہ میں ہر نماز کو زندگی کی آخری نماز سمجھ کے پڑھتا ہوں۔ پتہ چلا کہ ہماری نگاہیں تو مشاہدہ نہیں کر سکتیں مگر مشاہدہ کرنے والوں کی نگاہیں تو ضرور کرتی رہی ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ سجدہ میں سر ڈال دیا تو رات کا خیال نہیں ہے۔ زمان کا خیال نہیں ہے۔ Time کا خیال نہیں، Space کا خیال نہیں ہے۔ رات گذر گئی ہے مگر ذوق مشاہدہ ہے کہ سر اٹھانے نہیں دیتا ہے۔ یہ عالم ہے۔ یقیناً لوگوں کو میسر تھا مگر ہم کہاں ہمارا مقام کہاں اب آپ اندازہ کیجئے ہم سجدہ کرتے ہیں تو بلا مشاہدہ سجدہ کرتے ہیں۔ اپنے نبی کے سجدہ کی نقل کا سجدہ کرتے ہیں۔ ان کی نگاہوں کے مشاہدے کی بھیک مانگ کے سجدہ کرتے ہیں۔ ہم بھی سجدہ کرتے ہیں۔ مگر ہمارا سجدہ مشاہدے والا سجدہ نہیں۔ مگر وہ امام حسین ہیں ان کے رفقاء ہیں جو کہ سجدے میں سر ڈالتے ہیں اور حالت نماز میں خدا کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ پتہ چلا شہید جب گردن کٹاتا ہے تو مشاہدہ الٰہی سے سرفراز ہو جاتا ہے۔ ہمارا تو تصورِ مشاہدہ ہے وہاں حقیقت مشاہدہ ہے۔ اس لئے گواہ بھی ہے تو وہی اور شہید بھی ہے تو وہی، اب رہا تو میرے عزیز! حاضری کا مقام بھی تو اُسی کو میسر ہے۔ ہم تو ہمیشہ غیر حاضر ہیں۔ حاضر ہو کے بھی غیر حاضر ہیں نماز میں غیر حاضر ہیں، مسجد میں غیر حاضر ہیں، سجدے میں غیر حاضر ہیں، رکوع میں غیر حاضر ہیں، قیام میں غیر حاضر ہیں، دعا میں غیر حاضر ہیں، تسبیح میں غیر حاضر ہیں، قنوت میں غیر حاضر ہیں، تشہد میں غیر حاضر ہیں، قعود میں غیر حاضر ہیں، سلام میں غیر حاضر ہیں۔ تلاوت میں غیر حاضر ہیں۔ یہاں تک کہ ہماری غیر حاضری کی غیر فطری روایت عین حاضری بن کے رہ گئی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے ہمارے دامن میں۔ یہی غیر حاضری ہمارا مزاج بن گئی۔ یہ غیر حاضری فطرت بن گئی ہے جب کہ اللہ کے رسول نے بار بار کہا تھا" **لا صلوٰۃ الا بحضور القلب**،، جب تک کہ حضور قلب میسر نہ ہو اس وقت تک نماز مکمل نہیں ہوتی۔ کمال حسن اور کمال ثواب حاصل نہیں کرتی، لیکن حضور قلب کہاں میسر ہو رہا ہے؟ آج کے دور میں؟ آج کے دور میں اور حضور قلب کی دولت؟ اس Dipraton کے دور میں؟ ذہنی دباؤ کے دور میں؟ قلب کے ٹکڑے ہونے کے دور میں؟ Tanction کے دور میں؟ مسابقت مادی کے دور میں؟ اُجالے کے دور میں؟

اندھیرے کے دور میں؟

وہ اندھیرا ہی بھلا تھا کہ قدم راہ پر تھے
روشنی لائی ہے منزل سے بہت دور مجھے

آج پوری دنیا برق سے اُجال دی گئی ہے۔ روشنی تو آرہی ہے مگر دل کا نور چلا گیا ہے۔ ایسے دور میں ہم کیا حاضر ہوسکیں گے۔ کیا مشاہدہ کرسکیں گے۔ مگر کیا خیال ہے؟ شہداء کے بارے میں کہ سجدے میں سر ڈالتے ہیں اللہ اکبر، ایک بادشاہ کے سامنے، ایک مجاہد کہتا ہے جب اُسے قتل کا حکم دیا جاتا ہے کہ شہید کردواسے اور کوئی تمنا ہے تمہاری تو کہو؟ تو اُس مجاہد نے کہا تھا بس اتنی تمنا ہے کہ مجھے اپنے رب کا دوسجدہ کرلینے دو، اور پھر وہ سجدے میں گرتا ہے۔ ابھی شہید نہیں ہوا، شہادت کے قریب ہے، مگر سر اٹھا کے کہتا ہے کہ بادشاہ آج سجدے میں اتنا مزہ آرہا تھا کہ سر جھکا تھا تو قیامت تک نہ اٹھتا، اس لئے کہ اب تو مشہود اور مشاہد کے درمیان چند لمحوں کا فاصلہ ہے زمانہ سمٹ گیا تھا اس لئے لذت مشاہدہ میسر تھی مگر سر اس لئے اٹھا دیا کہ کہیں تم یہ نہ سمجھو کہ مومن موت سے ڈرتا ہے۔ پتہ چلا کہ ابھی شہید نہیں ہوا ہے۔ مگر مشاہدہ کررہا ہے اور جب شہید ہوجائے گا تو کس طرح سے حاضر ہوا ہوگا۔ خدا کی بارگاہ میں، کیسا مشاہدہ ہوگا اس کا اور محبوب کی یہی لذتِ مشاہدہ ہے۔ ادھر شہید ہوا اُدھر مشاہدہ کرلیا۔ جس کے بارے میں میرے آقا فرماتے ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی آدمی دوبارہ واپس نہیں جانا چاہے گا، بڑا سے بڑا نمازی، بڑا سے بڑا پرہیزی، بڑا سے بڑا کج کلاہ، بڑا سے بڑا صاحبِ اقتدار، سمندروں اور صحراؤں پر حکومت کرنے والا، بر و بحر پر اپنی حکمرانی کے جھنڈے گاڑھنے والا، ایک مرتبہ آخرت کا چہرہ دیکھنے کے بعد دوبارہ دنیا میں واپس نہیں جانا چاہے گا۔ مگر وہ تنہا شہید ہے کہ جو خدا کی بارگاہ میں عرض کرے گا کہ اے اللہ مجھے بار بار بھیج، اور میں بار بار تیری راہ میں قتل کرکے لذت مشاہدہ حاصل کروں اور تیری بارگاہ میں حاضر ہوجاؤں۔ یہ شہید کا مقام ہے۔

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

فلسفۂ شہادت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ اَقَامَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعاً، فَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَدَیْهِ، صَلٰوةً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ.

اَمَّا بَعْدُ.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ – بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ ط

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ صدق اللہ العلی العظیم.

(پ ۳۰، سورۃ العصر)

علماء ملت اسلامیہ، سنی دعوت اسلامی کے فعال اور متحرک نوجوانو، حاضرین مجلس! آیئے ہم اور آپ انتہائی احترام وعقیدت کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکز عقیدت، آقائے دوجہاں، حضور رحمت عالم، تاجدار مدینہ، سرور کائنات محمد رسول اللہ ارواحنا فداہ ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں۔ اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد معدن الجود والکرم وآلہ الکرام اجمعین ۝

حضرات گرامی! اس وقت ہم اور آپ دسویں محرم الحرام کی تاریخ گذر جانے کے بعد

اس شب غم کی یاد منا رہے ہیں جو اہل بیت اطہار اور رفقائے حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آئی تھی۔ مجھ سے پہلے وقار عزیزی صاحب نے بڑی پر مغز اور حشو و زوائد سے پاک ایک بڑی ہی متوازن گفتگو کی۔ جس میں بہت سے گوشے کربلا کی تاریخ کے حوالے سے اور مقصد شہادت کے حوالے سے آپ کے سامنے یقیناً روشن ہوئے ہوں گے۔ ہم سب جس ذات گرامی کے خوانِ نعمت کے ریزہ خوار ہیں یعنی ''حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ''، یقیناً یہ بھی انہی کا کرم ہے۔ ان کی آغوش تربیت میں نہ معلوم کتنے افراد کی زبان گویا ہوئی ہے۔ اور خدا کرے کہ قیامت تک ان کے فیضان کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے۔ اور جاری رہے گا۔

میرے عزیز ساتھیو! واقعات کرب و بلا کی اگر واقعاتی اور تاریخی حیثیت کا اگر جائزہ لیا جائے تو کم و بیش چودہ سو سال کا زمانہ گزر گیا ہے۔ جب میدان کرب و بلا میں ایک المیہ پیش آیا تھا۔ ایک ٹریجڈی (Tragedy) ایک دردناک واقعہ جسے تاریخ حوادث میں حادثے کے نام سے یاد کرتی ہے۔ چودہ سو سال کا طویل زمانہ کسی واقعہ کو فراموش کر دینے کے لئے بہت کافی ہوتا ہے۔ اگر آپ دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دراصل تاریخ حوادث کے ریکارڈ کا نام ہے۔ جب بھی انسانی زندگی میں کوئی حادثہ رونما ہوتا ہے۔ کوئی بڑا واقعہ رونما ہوتا ہے۔ تو وہاں سے تاریخ کا ایک ورق مرتب کیا جاتا ہے اور وہ تاریخ بن جاتا ہے۔ تاریخ روزمرہ کی زندگی کو ریکارڈ نہیں کرتی۔ دریا بہتا ہے تو یہ تاریخ نہیں بنتی کہ دریا بہہ رہا ہے۔ ہاں اگر سمندر کی موجیں شعلہ بجا ہو جائیں، آگ لگ جائے تو یہ تاریخ بن جائے گی۔ تو دراصل دنیا میں بڑے واقعات اور حادثات کے رونما ہونے میں تاریخ مرتب ہوتی ہے۔ تاریخ وجود پذیر ہوتی ہے۔ اور پھر تاریخ ہی کی قبر دراصل ان واقعات کو نگل لیتی ہے۔ اپنے اندر مدفون کر دیتی ہے۔

جیسے جیسے واقعہ کا تعلق زمانے کے ساتھ ٹوٹتا جاتا ہے یا زمانہ واقعہ کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے ویسے ہی واقعہ محض تاریخ کی زینت بن جاتا ہے کتابوں میں محفوظ رہ جاتا ہے اور کبھی کبھی ریسرچ کرنے والے، تحقیق کرنے والے ان واقعات کا مطالعہ کر کے اپنی آئندہ نسلوں کو بطور

کہانی انہیں سنایا کرتے ہیں۔ دنیا کی تمام تاریخوں کا معاملہ یہی ہے اسلام کی تاریخ میں کربلا کے علاوہ بھی بہت سے حادثے ہیں جو بڑے دردناک تھے، بڑے لرزہ خیز تھے۔ لیکن دھیرے دھیرے دنیا انہیں بھول گئی۔ بغداد کی تباہی کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ بیک وقت ایک پوری قوم کو پہلے ٹیپ کیا گیا تھا شرفاء کی لاشوں کی بے حرمتی کی گئی تھی ہلاکو اور چنگیز کی بے رحم فوجوں نے انسانوں کے جسموں کے پل بنا دیئے تھے، بغداد کے در و دیوار پر خون کے چھینٹے نہیں بلکہ اس کی گلیوں سے خون کی نہریں بہہ رہی تھیں، دریائے دجلہ کئی روز تک خونین بنکے بہتا رہا۔

لیکن جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا گیا لوگ بغداد کا زوال بھول گئے، خون آلود لاشیں بھول گئے، شرفاء کے تڑپتے ہوئے بچوں کی لاشیں بھول گئے۔ تاریخ کا یہ واقعہ جس نے مسلمانوں کو علمی اور فکری زوال کی راہ پر ڈالا، مسلمان اسے فراموش کر گئے اور بہت کم ذہنوں میں وہ واقعہ موجود ہے۔ پتہ یہ چلا کہ یہ تاریخ کا ایک حادثہ تھا جسے تاریخ نگل گئی، جسے زمانے کی قبر میں مدفون کر دیا گیا۔ عزیزان ملت اسلامیہ! اسپین کا زوال بھی کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا وہ ملک جس پر صدیوں تک ہم نے اپنی عظمت و سطوت کے پرچم لہرائے تھے، وہ ملک جہاں سے بیٹھ کر ہم نے یورپ کو بیداری کا شعور دیا تھا، پیغام دیا تھا۔ جہاں سے ہم نے علم اور تجربہ کی بنیادیں استوار کی تھیں، جہاں پر بیٹھ کر ہم نے پوری دنیا کو ایک نیا انداز مطالعہ اور ایک نیا انداز تجربہ دیا تھا، جن دانش گاہوں میں لوگ اپنے طلبہ کو داخل کرنے کے لئے بیقرار رہتے تھے، برطانیہ کے سلاطین درخواست لیکے کھڑے رہتے تھے کہ ہمارے بچوں کو طلیطلہ اور غرناطہ کے مدرسوں میں داخل کر لیا جائے لیکن جب زوال آیا تو وہاں سے مسلمان ہمیشہ کے لئے مٹا دیئے گئے۔ ابوعبداللہ اپنے ملک کو چھوڑ کر کے روپوش ہوتا ہے تو دوسری صبح ایک انتہائی عیار قوم اپنے تمام وعدوں کو فراموش کر کے غرناطہ کے میدان میں چار ہزار بچوں کو جمع کرتی ہے اور ان پر گھوڑے دوڑا دیئے جاتے ہیں۔

یہ اتنا دردناک واقعہ تھا کہ دنیا کی ہر ماں نے کلیجہ تھام لیا ہوگا، دنیا کا ہر باپ تڑپا ہوگا،

تاریخ نے باضابطہ طور پر آنسوؤں کے انبار لگائے ہونگے بہت دنوں تک لوگ ماتم کرتے رہے ہونگے مگر جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا یہ واقعہ بھی تاریخ بن گیا۔

میرے عزیز ساتھیو! اس کے بعد ایک تسلسل آپ کو نظر آئے گا واقعات کا جہاں خاک وخون میں تڑپایا جاتا ہے کسی مظلوم قوم کو، نیزوں پہ اٹھایا جاتا ہے ان کے بچوں کو، دیواروں سے پٹخا جاتا ہے ان کے سروں کو، اور پھر اس کے بعد تاریخ فراموش کر دیتی ہے، لوگ اسے بھول جاتے ہیں اور کسی نئے واقعہ اور حادثہ کے منتظر ہو جاتے ہیں۔ حوادث کے اس ریکارڈ میں، حوادث کے اس ماحول میں حوادث کے ریکارڈ کی تاریخ میں واقعہ کرب وبلا وہ تنہا واقعہ ہے کہ جب بھی محرم الحرام کا مہینہ آتا ہے تو ہزاروں آنکھیں روتی ہوئی نظر آتی ہیں ہزاروں دل بے قرار نظر آتے ہیں ہزاروں قلب مضطرب نظر آتے ہیں، پوری دنیا میں اس واقعہ کی یاد تازہ کی جاتی ہے، اس واقعہ سے درس لیا جاتا ہے اور اس واقعہ کو عنوان حیات سمجھا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ ہمیں سوچنا ہے اور اس کا فیصلہ کرنا ہے۔ جب واقعات کا بھول جانا واقعات کا مقدر ہے، جب واقعات وجود میں آتے ہیں بھول جانے کے لئے تو واقعہ کرب وبلا کو کیوں نہیں فراموش کیا گیا؟ اس واقعہ کو لوگ کیوں نہیں بھولے؟ وہ لوگ جو سب کچھ بھول جانا چاہتے ہیں میں ان کی بات نہیں کرتا ہوں میں ان کی بات کرتا ہوں جو بھولنے کی راویت کے بجائے یاد کی راویت پر اپنے مذہب کو باقی رکھنا چاہتے ہیں جو Celebrative مزاج رکھتے ہیں، وہ اپنی تاریخ کو بھلایا نہیں کرتے منایا کرتے ہیں۔ میں اس قوم کی بات کررہا ہوں، تاریخ کے بہت سے واقعات آپ بھول گئے ہیں مگر واقعہ کرب وبلا آپ کیوں نہیں بھولے ہیں؟ آج چودہ سوسال کے بعد کیا موقعہ تھا کہ آپ اس واقعہ کی یاد کیلئے یہاں جمع ہوتے؟ خود بھی پریشان ہوتے اور اتنی بڑی قوم کو بھی پریشان کرتے؟

میرے عزیز ساتھیو! سنو واقعات کی دو نوعیتیں ہوتی ہیں (۱) ایک واقعہ محض واقعہ ہوتا ہے جسے اتفاق کا نتیجہ کہدیا جائے، کسی کے ظلم کی داستان کہہ دی جائے کسی غالب اور قہرمان قوت کے دست تطاول کی تاریخ کہدی جائے، ایسے واقعات یقیناً فراموش کر دیئے جاتے

ہیں مگر وہ واقعہ جن کے پیچھے کسی زندہ نظام کی تحریک موجود ہو وہ واقعہ اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک وہ نظام زندہ رہتا ہے، جب تک وہ آئین زندہ رہتا ہے، حسین نے اسلام کے لئے جان دی ہے جب تک اسلام زندہ رہیگا حسین زندہ رہینگے ان کا واقعہ زندہ رہیگا، یہ تاریخ زندہ رہیگی۔

جس نظام کو تحفظ دینے کے لئے جس آئین کے پروٹیکشن (Protection) کے لئے جس قانون کو بچانے کے لئے اور جس نظام کو مٹنے سے بچانے کے لئے جس کی آئینی حیثیت کو صبح قیامت تک باقی رکھنے کے لئے حسین نے اپنا خون دیا ہے اپنے بچوں کی قربانی دی ہے جب تک وہ نظام زندہ رہیگا وہ قربانی بھی یاد رہیگی وہ واقعہ بھی یاد کیا جائیگا۔

میرے عزیز! اس واقعہ کو ایک اور نقطۂ نظر سے آپ دیکھیں۔ آپ جانتے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ انبیاء کرام دنیا میں تشریف لاتے رہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب عیسی علیہ السلام تک ہر دور میں انبیاء کرام موجود رہے کبھی کبھی تو انبیاء کرام کی جماعت موجود رہی اس دنیا میں۔ لیکن ہم نے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا کہ انبیاء کرام کی مقدس زندگیاں، ان کی کتابیں، ان کا پیغام ایک صدی کے اندر اندر ہی بدل دیا گیا، نہ زندگیاں محفوظ رہیں، نہ پیغام محفوظ رہا، نہ کتابیں محفوظ رہیں، اب اگر بائیبل کی تبدیلی سے لے کر کے اور دوسرے انبیاء کرام کے صحیفوں کے تبدیلی کا جائزہ لیں اگر وہ آلٹریشن (Altration) اور چینجنگ (changing) جو کتابوں کے اندر پیدا ہوئی ہے۔ اگر آپ اس کا تحقیقی مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر تغیر کے پیچھے، ہر تبدیلی کے پیچھے کسی نہ کسی طاقتور بادشاہ یا طاقتور انسان کی خواہشات کا دخل رہا ہے جب بھی کوئی نظام بدلا گیا ہے اس کی تبدیلی میں کسی بادشاہ کی خواہشات کسی (Dictators) کی خواہشات، کسی حکمران کی خواہشات، کسی فرعون کی تمنائیں، کسی نمرود کا مزاج، کسی قسطنطینِ اعظم کی اپنی خواہشات رہی ہیں جن کی بنیاد پہ کتابیں بدل دی گئی ہیں۔ جب بھی نبی ﷺ کی زندگی سے زمانے کا فاصلہ بڑھا اور سوسال تک کا زمانہ گذرا تو کسی بھی ڈیکٹر نے اللہ کی مقدس کتاب کو اور نبی کی زندگی کو اپنی خواہشات کے

راستے میں سدِراہ سمجھتے ہوئے اپنے دور کے علماء اور حکمرانوں سے کہا کہ اس کتاب کو بدل دو اور اس کی جگہ پہ نیا قانون لاؤ، نیا دستور لاؤ، نیا آئین، لاؤ۔ جناب عیسیٰ کی کتاب کے ساتھ یہی ہوا عہد نامۂ قدیم(Old Testament) کے ساتھ۔ کہ کوئی نہ کوئی بادشاہ تھا، کوئی نہ کوئی طاقتور تھا، کوئی نہ کوئی جبروت تھا، کوئی نہ کوئی فرعون تھا، کوئی نہ کوئی نمرود تھا، کوئی نہ کوئی قسطنطین تھا، جس نے کتابوں کو بدلنے کی کوشش کی اور اس کے نتیجے میں آسمانی صحائف تغیر اور تبدل کا شکار ہو گئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے جب کتابیں نازل فرمائی تو بندوں نے کیسے بدل دی؟ میں عرض کرنا چاہتا ہوں اس لئے کے مشیت الٰہی کے علم پاک میں یہ بات تھی اس کا ارادہ یہ تھا کہ یہ آخری نبی نہیں ہے۔ موسیٰ آخری نبی نہیں۔ عیسیٰ آخری نبی نہیں ہیں۔ بدلنے دو دنیا والوں کو اگر ایک کتاب بدل گئی تو دوسری کتاب نازل کر دونگا اگر ایک پیغمبر کا نظام بدلا گیا دوسرا پیغمبر جلوگر ہوگا۔ لیکن جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو مبعوث فرمانے کا فیصلہ کرلیا اور انہیں خاتم النبیین بنا کے بھیجا تو یہ بھی اعلان فرمادیا کہ آج کے بعد محبوب تمہاری کتاب نہیں بدلی جائے گی۔ اسکے حفاظت کا ذمہ میں لے رہا ہوں تمہاری سیرت کا ذمہ میں لے رہا ہوں۔ نہ تمہاری کتاب بدلی جائے گی، نہ تمہاری سیرت بدلی جائے گی، نہ تمہارا آئین بدلا جائیگا، نہ تمہارا نظام بدلا جائیگا، کلیات تو کلیات ہیں نظام کی جزئیات بھی نہیں بدلی جائینگی، متفرعات بھی نہیں بدلی جائینگی، نظام قیامت تک اپنی اصلی حالت پہ باقی رہیگا، اپنی اصلی صورت میں باقی رہے گا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! یہ ممکن تو نہیں تھا کہ کتاب بدلی جائے مگر یہ ممکن تھا کہ نظام کے مختلف گوشوں کو باضابطہ تاویلات کے ذریعہ سے نئی شکلیں دے دی جائیں، نئی صورتیں دی جائیں، حلت وحرمت کے ضابطے بدل دیئے جائیں، اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے جواز کی نئی نئی راہیں ڈھونڈی جائیں، یہ ممکن تھا، اس لئے اس امکان کا دروازہ بند کرنے کے لئے اللہ نے حسین رضی اللہ عنہ کو پیدا فرمادیا۔ حسین رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا، جب ایک صدی کے اندر اندر دنیا کے دوسرے بادشاہوں کی طرح سے یزید نے حلت وحرمت کا ضابطہ بدلنا چاہا، حلت

وحرمت کا قانون بدلنا چاہا، جب حرمات شرعیہ کو توڑنا چاہا، جب حرمات کی حدود کو پھاندنا چاہا، اس نے جب گناہوں کو معاشرے میں داخل کرنا چاہا، تو حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی گردن دے کر کے، اپنا خون دیکر کے ایک روایت قائم کردی کہ قیامت تک جب بھی اسلام کا نظام بدلا جائے تو کربلا کی طرح سے تم اپنی گردن بھی دو اور اپنی قربانیاں بھی دو، تم جانتے ہو کہ آج دنیا میں جہاں کہیں بھی اسلامی نظام کو بدلنے کی کوئی طاغوت کوشش کرتا ہے تو مسلمان کیوں مضطرب ہو جاتا ہے؟ اس لئے کہ فکر حسین رضی اللہ عنہ اس کے دماغ میں موجود ہے، جذبہ حسین اس کے دل میں موجود ہے۔ اور خون حسین کی حرارت اس کے رگوں میں موجود ہے۔ اسلام کی زندگی اس لئے حسین کی زندگی بن گئی، اسی لئے سرکار نے فرمایا تھا الحسین منی وانا من الحسین۔ حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں بظاہر یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے کہ حسین مجھ سے ہیں یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ وہ نواسے ہیں، فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لخت جگر ہیں، علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کے نور نظر ہیں، آغوش رسول کے پروردہ ہیں، آغوش غیرت رسول کے پروردہ ہیں یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن میں حسین سے ہوں یہ بات بظاہر سمجھ میں نہیں آتی۔ بلا شبہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے تمہیں، مگر اگر غور کرو تو سمجھ میں آئے گی۔ جسمانی اعتبار سے حسین مجھ سے ہیں، میرے جگر گوشہ ہیں، میرے لخت جگر ہیں، میرے نور نظر ہیں، مگر اس اعتبار سے کہ انہوں نے میرے دین کو بچایا ہے، میرے مذہب کے لئے قربانی دی ہیں، میرا دین میرا مقصد حیات ہے، میرے مقصد حیات کو بچانے کے وجہ سے حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔

میرے عزیز ساتھیو! میدان کرب وبلا میں جو واقعات پیش آئے تھے وہ حادثات نہیں تھے جس طرح کسی مصری ادیب نے لکھا ہے "لعنۃ اللہ علیہ"، اللہ اس پر لعنتیں نازل فرمائے اس نے لکھا ہے کہ میدان کرب وبلا میں جو واقعات پیش آئے تھے یہ دو عربوں کے خون کی گرمی کا نتیجہ تھے یہ دو عربوں کے خون کی گرمی کا نتیجہ ہے۔ بلکہ یہ مشیت کا ایک ایسا فیصلہ تھے جنہیں پیش آنا ہی تھا اور وہ پیش آئے۔

میرے ساتھیو! اسلام ایک مقدس نظام زندگی ہے۔ یہ کوئی واقعہ یا کوئی حادثہ نہیں تھے جیسا کہ بعض لوگوں نے دیکھنے کی کوشش کی ہے اصل میں نگاہ کی خارجیت کبھی کبھی قلم کی سیاہی بنکے صفحۂ قرطاس پر، ٹپک پڑتی ہے اور لوگ اسے پڑھ کے گمراہ ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں، یاد رکھئے۔ ہم اہل سنت والجماعت کا مزاج ہمیشہ رہا ہے اور خدا کرے کہ صبح قیام تک رہے کہ ہم اہل بیت پاک سے بھی محبت کرتے ہیں اور اصحاب رسول سے بھی محبت کرتے ہیں یہی ہمارا میزہ ہے اور یہی ہمارا طرۂ امتیاز ہے۔ اللہ کے رسول تاجدار دوعالم سرور کائنات محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔ " اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم،، میرے صحابہ ستاروں کی طرح سے ہیں تم جن کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ اصحابی جمع کا صیغہ ہے اللہ کے رسول ﷺ یہ فرما دیتے کہ اصحابی کالنجوم میرے صحابی ستاروں کی طرح سے ہیں لیکن بائی میں ائی کی انفرادیت شامل کر کے اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کوئی بھی صحابی ہو وہ معیار کامل ہے تمہارے لئے، دستور زندگی ہے اور معیار عدل ہے تمہارے لئے، "بأیھم اقتدیتم اھتد یتم، ، ایک مقام پر اور ارشاد فرماتے ہیں صحابہ سب کے سب عادل ہیں، صحابہ فرمایا اور کلھم کی تاکید اس لئے فرمائی گئی تا کہ ایک فرد بھی جو صحابی ہے اس میں سے نکلنے نہ پائے سب کے سب عادل ہیں تم جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ اللہ کے رسول فرماتے ہیں دوسرے مقام پر "اصحابی کالنجوم،، میرے صحابہ آسمان کے ستاروں کی طرح سے ہیں جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ اہل بیت کے بارے میں فرمایا کہ میرے اہل بیت سفینہ نوح کی طرح سے ہیں جو سوار ہوگا نجات پا جائیگا اور جو اتریگا ڈوب جائیگا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! ستارے اور کشتی کے درمیان جو نسبت ہے اسے آپ محسوس کریں اور جاننے کی کوشش کریں۔ آپ کو معلوم ہے کہ انتہائی بڑے سمندروں میں، انتہائی وسیع وعریض سمندروں میں جب بھی کوئی سفینہ منزل مقصود کی طرف چلتا ہے تو اس کی رہنمائی آسمان کے ستارے کرتے ہیں، صدیوں سے کرتے رہے ہیں، ہر دور میں کرتے رہے ہیں،

ہر عصر میں کرتے رہے ہیں، جب ایک مسافر سفینے میں بیٹھتا ہے اور اپنی نگاہ آسمان کے ستاروں کی طرف رکھتا ہے تب منزل تک پہنچتا ہے، تب ساحل تک پہنچتا ہے، پتہ یہ چلا کشتی اہل بیت پہ بیٹھو اور صحابہ کے ستاروں پر نگاہ رکھو منزل تک پہنچو گے۔ اگر دونوں میں سے ایک بھی چھوڑ دو گے تو منزل تک کبھی نہیں پہنچو گے۔ اس لئے ہم دونوں سے محبت کا رشتہ رکھتے ہیں، دونوں سے تعلق کا رشتہ رکھتے ہیں، دونوں سے احترام کا رشتہ رکھتے ہیں، دونوں سے عقیدت کا رشتہ رکھتے ہیں اور ہمارا یہی وہ توازن عقیدہ ہے یہی ہمارا عملی مزاج ہے جو ہمیں دنیا کے ان فرقوں سے ممتاز کرتا ہے جو گمراہ ہو گئے ہیں، جنہوں نے الگ راہیں بنالی ہیں۔ کچھ لوگوں نے صحابہ کو سب وشتم کا نشانہ بنایا ہے اور کچھ لوگوں نے اہل بیت اطہار سے اپنا رشتہ مکمل طور پر توڑ لیا ہے یہ دو طبقے ہیں ایک کو خارجیت کے اور دوسرے کو ایک اور نام سے یاد کیا جاتا ہے خدا ہمیں دونوں سے محفوظ رکھے اور ہمیں مزاج عدل کے ساتھ قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میدان کرب وبلا میں جو بھی واقعہ پیش آیا دراصل وہ مشیت کا ایک ایسا فیصلہ تھا ایک ایسی آنی حقیقت تھی کہ جس کو ٹالا نہیں جا سکتا تھا، میں نے بتایا تھا اور میں نے عرض کیا کہ امام حسین نے جو یہ قربانی دی تھی اس انحراف کے نقطۂ آغاز پہ دی تھی۔ کہ اگر وہاں نہ دی گئی ہوتی تو انحراف کے کتنے دروازے کھل جاتے۔ کبھی چھوٹی باتوں سے انحراف کیا جاتا ہے پھر بڑی باتوں سے انحراف کیا جاتا ہے۔ جیسے ہی اسلام میں انحراف اور تبدیلی وتغیر کا نقطۂ آغاز ہوا ہے، وہی امام حسین نے اپنے اہل بیت اور اپنی لاج کا باضابطہ حصار تعمیر کر دیا ہے جان تو دی جا سکتی ہے مگر انحراف کے راستے پر چلنا ایک انسان کے لئے ممکن نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ہزاروں بار اسلام کا نقشہ بگاڑنے کی کوشش کی گئی، اسلامی ممالک پر قبضے کئے گئے، انہیں کالونیوں میں تبدیل کیا گیا آج تم مایوسیوں کے سمندر میں ڈوبے نظر آتے ہو، کبھی کبھی سوچتے رہتے ہو یہ معاملہ ہمارے ساتھ کیوں ہو رہا ہے؟ کبھی سوچتے ہو اسلام کا مستقبل کیا ہوگا؟ کبھی سوچتے ہو مسلمانوں کا مستقبل کیا ہوگا؟

میدان کرب وبلا میں حسین نے اپنا سب کچھ دیا مگر کیا اسلام مٹ گیا؟ حالانکہ اس

وقت اسلام کے نمائندے وہی تھے۔ اسلام کے حقیقی نمائندے وہی تھے۔ ان کی قربانی کے بعد بھی اسلام مٹا نہیں بلکہ آج اسلام کے عقیدے میں، اسلام کے تشخص میں، اسلام کے اخلاق میں اسلام کے کردار میں، اسلام کے نظام میں، اسلام کے آئین میں، ان کے خون کی سرخی بھی موجود ہے اور ان کی حیات کی تابندگی بھی موجود ہے۔ میرے عزیز ساتھیو! جب مشن زندہ ہوتا ہے تو قومیں زندہ ہوتی ہیں جب مشن زندہ رہتا ہے تو قومیں باقی رہتی ہیں، تم بحیثیت قوم مسلمان ہو تمہیں اسلام پر زندہ بھی رہنا ہے اور اسلامی روایات کو باقی رکھنے کے لئے حسین کی سیرت پر عمل بھی کرنا ہے۔ میرے ساتھیو! میں عرض کرنا چاہتا ہوں امام حسین نے ایک قربانی دی۔ آیئے میں بتاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کا برپا کیا ہوا انقلاب کیا تھا؟ ایک بہت مشہور رباعی ہے جسکے شاعر کے بارے میں اختلافات ہیں۔ لیکن رباعی بہرکیف اپنے اندر بڑے عظیم مفاہیم رکھتی ہے۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین   دین است حسین دین پناہ است حسین
سردادنہ داد دست در دست یزید   حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

حسین دین ہیں اور دین کی پناہ ہیں، حسین شاہ ہیں شاہوں کے بادشاہ ہیں، کہ سر دیا نہ دیا ہاتھ میں یزید کے ہاتھ۔ یہ بات سچ ہے کہ بنیاد لا الہ ہیں حسین۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں اساس لا الہ کہنا بظاہر مبالغہ نظر آتا ہے اور غالباً لوگوں نے اسی بات پر اعتراض کرنے کی کوشش کی ہے مگر آیئے میں سمجھاؤں کہ بعد میں وہ اساس لا الہ کیسے بن گئے ہیں؟ کیسے بنیاد بن گئے ہیں وہ کلمے کی؟ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم سرور کائنات محمد رسول اللہ ﷺ ایک مکمل نظام زندگی لے کر کے آئے تھے، ایک مکمل نظام حیات لیکر کے آئے تھے، ایک مکمل قانون زندگی لے کر آئے تھے اور اس نظام حیات سے وفاداری کے لئے جو رسول نے کلمہ عطا فرمایا تھا وہ کلمہ **لا اله الا الله محمد رسول الله** ہے۔ آپ نے دنیا میں دیکھا ہو گا کہ جب بھی کسی ملک کے سربراہ سے یا ملک کی عوام سے اس ملک کے قوانین کے لئے وفاداری کا کلمہ استعمال کرایا جاتا ہے تو چند جملے ہوتے ہیں۔ پورے دستور کے ایک ایک دفعات پڑھ کے نہیں سنائی جاتی۔

نہ ایک ایک دفعات سے وفاداری کی حلف لی جاتی ہے۔ **لا اله الا الله محمد رسول الله** پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ کے لائے ہوئے پورے دین کو ہم مانیں گے۔ "**الایمان التصدیق بکل ما جاء به النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم**"۔ ایمان کہتے ہیں سرور کائنات محمد رسول اللہ ﷺ جو کچھ لیکر کے آئے ہر ایک کی تصدیق کرنا اور ہر ایک کو ماننا۔ کلمہ پڑھنے کا مطلب پورے نظام اسلامی کو مانیں گے۔ سرور کائنات کی پوری سیرت کو مانیں گے اور پورے قرآن کو مانیں گے، یہ ہے کلمہ پڑھنے کا مطلب اب آپ اندازہ فرمائیں کہ جب اللہ کے رسول نے یہ کلمہ پڑھوایا اس کلمہ کی تصدیق کی اور لوگوں سے تصدیق کا مطالبہ کیا تو پھر انہیں کن راہوں سے گزرنا پڑا؟ کن دشواریوں سے گزرنا پڑا؟ کتنی مشقتیں انہوں نے اٹھائیں؟ کتنی تکلیفیں اٹھائیں؟ آج دین کے راستے میں دعوت کا کام کرنے والا ذرا سی تکلیف میں مبتلا ہو جائے تو شکوہ بہ لب ہو جاتا ہے۔ یہ اخلاص کی کمی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے یاد رکھو یہ بڑی اہم ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری اگر قبول کی ہے تو درد کی ان راہوں سے گزرنے کے لئے تیار ہو جاؤ جس سے مصطفےٰ گزرے ہیں۔

انہیں پتھروں پر چل کر اگر آسکو تو آؤ
میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

پتھروں کے انہیں راستوں سے چل کے گزرنا ہوگا، مشقتیں برداشت کرنی ہوگی، تکلیفیں گوارا کرنی ہوگی تمہیں۔ اس لئے کہ اللہ کے رسول کی سنت یہی ہے۔ سرور کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کا مزاج یہی ہے۔ آج تم حالات کا شکوہ کرتے ہو؟ رسول کی مکی زندگی تمہارے سامنے نہیں ہے؟ شعب ابی طالب کی تنہائیاں تمہارے سامنے نہیں ہیں؟ اس دور کے دشمنان اسلام کی سازشیں تمہارے سامنے نہیں ہیں؟ مسلمان کسی وقت بھی مکی زندگی سے دوچار ہو سکتا ہے۔ مسلمان کسی وقت بھی ایسے حالات سے دوچار ہو سکتا ہے۔ نبی کا صبر، نبی کا عزم، نبی کا حوصلہ، نبی کی پیغمبرانہ قیادت ہر وقت مسلمان کو حوصلہ دیتی ہے کہ اگر میرے ہاتھ پہ چاند لا کر رکھ دیا جائے اور دوسرے ہاتھ پہ سورج لا کر رکھ دیا جائے تو بھی میں وہی کہوں گا جو میرے اللہ

نے کہنے کا حکم دیا ہے میرے عزیز! یہ پیغمبر کا عزم ہے اسی عزم کے ساتھ ہر داعی کو دنیا میں آگے بڑھنا ہوگا اور کام کرنا ہوگا۔ اللہ کے رسول نے اتنی زحمتیں برداشت کیں۔ اسی دین کے لئے حضرت امیر حمزہ کا کلیجہ چبایا گیا۔ اسی دین کے لئے بلال حبشی کو تپتی ہوئی ریت پر کھینچا گیا تا کہ اسلامی نظام مکمل طور پر قائم رہ سکے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! حضرت سیدنا ابوبکر صدیق نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد بغیر کسی ترمیم کے دین کو اسی حالت پر باقی رکھا، جناب عمر فاروق نے اسی حالت پر باقی رکھا، عثمان غنی نے اسی حالت پر باقی رکھا، علی مرتضی نے اسی حالت پر باقی رکھا، حسن مجتبی نے اسی حالت پر باقی رکھا اور جناب حسن نے اس اعتماد کے ساتھ جناب امیر معاویہ سے مصالحت کرلی کہ وہ بھی صحابی ہیں کچھ بھی ہوسکتا ہے مگر دین میں ترمیم کوئی گوارہ نہیں کریں گے۔ ورنہ کیا وہ حضرت حسین سے کمزور تھے؟ کہ انہوں نے مصالحت کرلی اور حضرت حسین نے مصالحت نہیں کی۔ اگر باپ اور بیٹے دونوں کو ایک ہی پلے میں رکھتے ہو تو حسن کے بارے میں تم کیا کہو گے؟ ان کے فیصلے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہوگی؟ حسن رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ امیر معاویہ صحابی ہیں۔ وہ اسلام کے نظام میں کوئی ترمیم برداشت نہیں کریں گے۔ عزیزان ملت اسلامیہ! لیکن جب یزید کا دور آیا تو پہلی بار یہ خطرہ امام حسین نے محسوس کیا کہ یزید کا اپنا کردار، یزید کی تنہائیاں، یزید کی عیاشی، یزید کی تفریح طبع طبیعت، یزید کا انتہائی بے نیازی ماحول سے، یزید کا شریعت کا مذاق اڑانا، اور شرعی قوانین سے انحراف، کہیں ایسا نہ ہو کہ انحراف کے دروازے کھول دے اور وہ نظام جس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے قربانیاں دیں، وہ نظام جس کے لئے امیر حمزہ کا کلیجہ چبایا گیا، وہ نظام جس کے لئے بدر و حنین پیش آیا، وہ نظام جس کے لئے خیبر و خندق پیش آیا، وہ نظام جس کے لئے صحابہ کو تپتی ہوئی ریت پر کھینچا گیا، وہ نظام اپنی پہلی ہی صدی میں تحریف کا شکار ہوجائے، تبدیل کا شکار ہوجائے، اس لئے حسین نے فیصلہ کیا ہم گردن تو دے سکتے ہیں مگر ہاتھ نہیں دے سکتے۔ اس لئے کہ ہاتھ تو اس نظام کا نمائندہ ہے، میرا ہاتھ رسول کا نمائندہ ہاتھ ہے، ان کا ہاتھ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا

نمائندہ ہاتھ ہے، ان کا ہاتھ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نمائندہ ہاتھ ہے۔ ان کا ہاتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نمائندہ ہاتھ ہے، ان کا ہاتھ علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا نمائندہ ہاتھ ہے، ان کا ہاتھ حسن مجتبی رضی اللہ عنہ کا نمائندہ ہاتھ ہے، ان کا ہاتھ پورے اسلام کا نمائندہ ہاتھ ہے۔ گردن تو دی جاسکتی ہے مگر رسول کی غیرت نہیں دی جاسکتی۔ ان کی نمائندگی نہیں دی جاسکتی ہے۔ اس بات کو یزید بھی سمجھتا تھا۔ اس بات کو وہ بھی جانتا تھا کہ پوری دنیا میرے ہاتھ پر بیعت کرلے لیکن حسین بیعت نہ کریں تو مجھے کوئی خلیفۃ المسلمین ماننے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ امیر تو مان لیگا۔ بادشاہ تو مان لیگا۔ لیکن خلافت کے اہم منصب پر فائز ہونے کے لئے مجھے حسین سے بیعت لینی ضروری ہے۔ اسی لئے تو اس نے مدینہ کے گورنر کو حکم دیا تھا، اسی لئے تو اس نے سازش کی تھی، اسی لئے تو اس نے نینوا (عراق) میں کربلا منعقد کیا۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ حسین بیعت کریں اور حسین جانتے تھے کہ میری بیعت پوری ملت اسلامیہ کو ظلم کے حوالے کردینا ہے۔ انحراف کے حوالے کردینا ہے۔ بغاوت کے حوالے کردینا ہے۔ ان کا معاملہ تنہا ایک شخصیت کا معاملہ نہیں تھا۔ ان کا معاملہ ایک ذات کا معاملہ نہیں تھا کبھی کبھی ایک انسان پورے پورے نظام کا نمائندہ ہوتا ہے وہ تو پورے اسلام کے نمائندہ ہیں۔

عزیزان ملت اسلامیہ! آپ اندازہ فرمائیں! وہ امامت کے جس مصلی پر کھڑے ہیں وہ کتنا اہم مصلی ہے۔ کہ اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں، سرکار دو عالم کھڑے ہیں، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں، عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں، علی مرتضی رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں حسن مجتبی رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں، یہ وہ پاکیزہ شخصیتیں ہیں جن کے کردار کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔ اور جن کی عظیم طہارتوں پر ملکوتیتیں قربان ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ قدسیتیں باضابطہ سجدہ ریز ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ وہ عظیم شخصیتیں ہیں یہ وہ عظیم ذات ہے حسین یہ کیسے گوارہ کرلیتے کہ امامت و قیادت کے جس مصلی پر رسول اللہ ﷺ سے لے کے حسن مجتبی رضی اللہ عنہ تک کھڑے ہوئے ہیں اس مصلی پر یزید جیسا شرابی کھڑا ہوجائے۔ بدکردار کھڑا ہوجائے، جس کا دن آوارگی کی نذر ہوتا ہے اور جس کی راتیں ناشائستہ حرکات کی مرتکب ہوتی

ہیں۔انہوں نے مصلی کی طہارت اور تقدس کو باقی رکھنے کے لئے اپنی قربانی دی۔اپنا سب کچھ اللہ کے راستے میں قربان کرنے کی کوشش کی۔لوگ کہتے ہیں کہ امام حسین اقتدار کے لئے گئے تھے۔میں عرض کرنا چاہتا ہوں کتنے نادان ہیں وہ لوگ۔تاریخ سے اتنے بے خبر ہیں کہ حسین کے انداز سفر کو اقتدار کا سفر کہتے ہیں۔میرے عزیز! حسین نے جس انداز سے سفر کیا ہے وہ خود بتا رہا ہے کہ یہ حصول اقتدار کا سفر نہیں ہے۔اقتدار کے لئے سفر کرنا ہوتا ہے تو انسان فوج کے ساتھ سفر کرتا ہے۔اعوان و انصار کی بھیڑ اکٹھا کرتا ہے، پہلے اپنی طاقت وقوت کو آزماتا اور جمع کرتا ہے۔منتشر قوتوں کو جمع کرنے کے بعد پھر کسی طاقت کے مقابلے میں جاتا ہے۔اور یہ بات حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں کہی تھی۔بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی انتہائی مخلصانہ مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا حسین نہ جاؤ۔اگر تمہیں یزید کے اقتدار کو چیلنج ہی کرنا ہو تو کعبہ کی دیواروں سے بڑھ کے کوئی اور مقام نہیں ہوگا۔یہاں کھڑے ہو کر کے امت مسلمہ کو آواز دو۔اور جب مصر کی وادیوں سے لیکے ساحل دجلہ تک کے سارے مسلمان تمہارے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں تو حملہ کرو اور یزید کو تباہ کر دو۔لیکن امام حسین نے اسے پسند نہیں فرمایا۔دو طرفہ خون بہے، کعبۃ اللہ کی دیواریں خون سے رنگین ہوں، حرم مقدس کا تقدس برباد ہو۔یہ حسین کو گوارہ نہیں تھا حسین تو ایک نیا انداز اقتدار پسندی دنیا کو دینا چاہتے تھے وہ بتانا چاہتے تھے کہ دنیا کا ہر بسنے والا اپنے ماننے والوں کی لاشوں کے اوپر اپنے اقتدار کی عمارت تعمیر کرتا ہے مگر میں حسین ابن علی ہوں جو اپنی لاش اور اپنے بچوں کی لاش پر مذہب کی عمارت تعمیر کرنا چاہتا ہوں۔شریعت کی عمارت تعمیر کرنا چاہتا ہوں۔میں بتانا چاہتا ہوں کہ زندگی بچالینا ہی زندگی نہیں ہے کبھی زندگی دیدینا بھی زندگی ہے۔

برتر از اندیشۂ سود وزیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانۂ امروز وفردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

میں صرف شذرات بول رہا ہوں۔واقعات تو آپ سنتے رہتے ہیں۔اور مجھ سے بہتر بیان کرنے والے آپ کے اسٹیج پر آتے ہوں گے۔یہ شذرات اس لئے ہیں تا کہ آپ کربلا کو محسوس کر سکیں اور جان سکیں، کہ صرف واقعات کا ایک تسلسل نہیں ہے۔میں عرض کرنا چاہتا ہوں ذرا سوچیں اور غور فرمائیں، کہ اگر ابتدائے اسلام کے غلبہ کی تاریخ میں اگر صرف فتوحات ہوتیں، صرف کامیابیاں ہوتیں تو ایک مرتبہ بھی کوئی بظاہر ناکامی ہوتی تو امت مسلمہ ہمیشہ کے لئے بیٹھ جاتی۔اگر صرف بدر کی تاریخ ہوتی، صرف حنین کی تاریخ ہوتی، صرف خیبر وخندق کی تاریخ ہوتی، صرف غلبہ کی تاریخ ہوتی، صرف کامیابی کی تاریخ ہوتی، تو ایک مرتبہ بھی ناکامی کو لوگ اسلام کی ناکامی سمجھ کر کے دل شکستہ ہو جاتے، ہوش کھو بیٹھتے، مایوسیوں کے سمندر میں ڈوب جاتے، مگر حسین اعظم کا سفر، حسین اعظم کی جنگ، اور حسین اعظم کا باضابطہ مقابلہ یزید سے۔یہ بھی دراصل بدر وحنین ہی کی ایک کڑی ہے مگر فرق یہ ہے کہ بدر وحنین میں بظاہر کامیابی ملتی ہے۔یہاں سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔تا کہ دنیا قیامت تک یہ اطمنان رکھے کہ عارضی طور پر گھر کا جلایا جانا خیمے کا اجاڑ دینا، بچوں کا قتل کر دینا، اور خواتین کی چادریں چھین لینا، ماحول کو رسوائی کے ماحول میں ڈبو دینا، عارضی طور پر تو ممکن ہے مگر اس سے نہ ماحول کا خاتمہ ہوتا ہے نہ نظام کا خاتمہ ہوتا ہے۔حسین امت مسلمہ کو حوصلہ دے رہے ہیں، حسین جرأت دے رہے ہیں۔حسین مایوسیوں کے ماحول میں ایک ابھرتا ہوا آفتاب یقین ہیں۔حسین ہمارے لئے ایک صبح امید ہیں کہ مصیبتیں جتنی بھی آئیں، تکلیفیں جتنی بھی آئے، غم جتنے بھی آئیں، باطل جس قدر چاہے تمہیں مادی اعتبار سے تباہ کرنے کی کوشش کرے مگر تم حسینی ہو تو یاد رکھو تمہارا نظام زندہ ہے، تم ابھرتے رہو گے، بلند ہوتے رہو گے۔

میری تشکیل میں سورج کا لہو تھا شامل
مرتے بڑھتے بڑی مشکل سے مرا ہوں یارو

یہ کیفیت ہے کہ جب تشکیل میں سورج کا لہو شامل ہو تو وہ ڈوبتا نہیں ہے۔چھپ جاتا ہے تھوڑی دیر کیلئے۔رات کا چہرہ اسے پوشیدہ کر دیتا ہے۔زمین تمہارے اور اس کے درمیان

حائل ہو جاتا ہے۔ اسلام ایک ابدی سورج ہے۔ ایک تابندہ آفتاب ہے۔ وہ کبھی ڈوبے گا نہیں۔ چند لمحوں کے لئے کبھی چھپ جائے تو ایک نئی صبح کا انتظار کرو۔ ایک نئے انقلاب کا انتظار کرو۔ حسین اعظم نے قربانی دے کر کے مسلمانوں کو حوصلہ دیا ہے، مسلمانوں کو جرأت دی ہے، مسلمانوں کو پیغام دیا ہے کہ یاد رکھو! مسلمان جب شہید ہوتا ہے تو اس کی شہادت اس کی فنا کا نام نہیں ہے۔ شہادت موت کا نام نہیں ہے۔

تیرے کشتوں کو موت آئی تو کتنی بامراد آئی
ادھر ہونٹوں پہ دم آیا صدائے زندہ باد آئی
کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

حسین یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مومن کی موت فنا کا نام نہیں ہے۔ بلکہ مومن زندہ رہتا ہے تو پیغام زندگی دیتا ہے۔ اور مرتا ہے تو اس کی خاک سے ایک جہان تازہ پیدا ہوتا ہے، ایک انقلاب تازہ نمودار ہوتا ہے، ایک نئی دنیا اور ایک نئی حیات کروٹیں لیتی ہوئی نظر آتی ہے، تم مومن ہو اپنے ایمان پر بھروسہ رکھو، اپنے ایمان پر کامل یقین رکھو، میرے عزیز! جب کوئی قوم مایوسیوں کے دلدل میں پھنس جاتی ہے یا مایوسیوں کے سمندر میں ڈوب جاتی ہے تو بحیثیت قوم فنا ہو جاتی ہے۔ اس وقت تمہارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہیکہ تمہیں مایوسیوں سے نکال کے یقین کی اعلیٰ ترین سطحوں پر پہونچایا جائے۔ اور یہ ضروری اس لئے بھی ہے کہ تم نے نہ اپنی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے نہ اسلام کے عروج و زوال کا مطالعہ کیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کبھی مایوسی نہ ہوتی۔ یاد رکھو! امام حسین میدان کرب وبلا میں بظاہر شکست کھا گئے اور ایسی شکست کہ سر نیزے پر بلند کیا گیا۔ ایسی شکست کہ اہل بیت اطہار کے سروں سے چادریں کھینچی گئیں۔ وہ جن کے چہرے کو کبھی آفتاب نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ ان کے چہروں کو بے حجاب کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایسی شکست کہ جس میں نعش پر گھوڑوں کو دوڑایا گیا مگر کیا یہ شکست، شکست ہے؟ حسین شہید ہونے کے بعد بھی زندہ ہیں۔ ہماری محفلوں میں زندہ ہیں، ہمارے دلو

ں میں زندہ ہیں، ہمارے نظام میں زندہ ہیں، ہمارے آئین میں زندہ ہیں، ہماری دھڑکنوں میں زندہ ہیں، ہماری سانسوں میں زندہ ہیں، ہمارے نعروں میں زندہ ہیں، ہماری آہوں میں زندہ ہیں، ہمارے اشکوں میں زندہ ہیں، ہمارے سوز دروں میں زندہ ہیں، ہماری آہ صبح گاہی میں زندہ ہیں، ہمارے نالۂ نیم شبی میں زندہ ہیں، ہمارے عزم میں زندہ ہیں، ہمارے حوصلے میں زندہ ہیں، ہمارے ایثار میں زندہ ہیں، ہماری قربانی میں زندہ ہیں، حسین زندہ ہیں اور یزید ہمیشہ کے لئے مر گیا ہے۔

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

میرے عزیز! اسلام ظلم کے خلاف سب سے طاقتور آواز ہے، اور جب بھی دنیا میں ظلم پھیلے گا تو اسلام ہی اسے روکنے کی کوشش کرے گا، اور مسلمان ہی قربانی دینگے، میرے عزیز! اس لئے کہ تم اسلام کے علمبردار ہو، اسلام کے نمائندے ہو، اسلام تمہاری طاقت وقوت بھی ہے، تمہارا امتیاز کامل بھی ہے، اور خیر امت کہلانے کا واحد ذریعہ بھی ہے۔ امام حسین تشریف لے جاتے ہیں میدان کرب وبلا کی طرف، یاد رکھو کہ جب کوئی انسان جنگ کے لئے جاتا ہے تو جنگ کا سامان کر کے جاتا ہے، لیکن جب قربانیوں کے لئے جاتا ہے تو قربانیوں کا سامان ساتھ لیکے جاتا ہے، امام حسین جن لوگوں کو ساتھ لے کر جا رہے ہیں وہ شرکاء سفر بتا رہے ہیں کہ حسین قربانی دینے جا رہے ہیں جنگ کرنے نہیں جا رہے ہیں۔

وہ لوگ کہ کل راحتِ دل راحتِ جاں تھے
وہ لوگ ہی تپتی ہوئی راہوں پہ رواں تھے

آج قافلہ میں اصغر بیمار شامل ہیں، آج قافلہ میں ننھے بچے شامل ہیں، آج قافلہ میں مخدراتِ خاندان شامل ہیں، آج قافلہ میں کچھ بوڑھے شامل ہیں، آج قافلہ میں جوان ہیں تو اپنے ہی لختِ جگر ہیں، آج قافلہ میں کچھ رفقاء شامل ہیں، یہ قافلہ اور انداز سفر بتا رہا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ جنگ کرنے کے لئے نہیں حسین رضی اللہ عنہ قربانی دینے کے لئے جا رہے

ہیں، انہیں معلوم ہے کہ وہ کس راستے پر چل رہے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ ان کے ساتھ کیا کچھ پیش آنے والا ہے۔ احادیث کا ایک سلسلہ ہے جو باضابطہ وضاحت کرتا ہے کہ حسین ہی نہیں بلکہ اہل بیت اطہار اور بہت سے صحابہ رضوان اللہ عنہم کو ان کی شہادت کے بارے میں معلوم تھا۔ میرے عزیز ساتھیو! جب معلوم تھا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دعا کیوں نہیں کردی؟ جب معلوم تھا تو رسول اللہ نے اس مصیبت کے ٹالنے کے لئے ہاتھ کیوں نہیں اٹھایا؟ میں عرض کرنا چاہتا ہوں اگر رسول پاک دعا کرتے تو ان کے باب معجزات میں ایک معجزے کا اضافہ ہو جاتا۔ اگر فاطمہ دعا کرتیں تو ان کے باب کرامات میں ایک کرامت کا اضافہ ہو جاتا۔ مگر دنیا کو صبر اور حوصلے کا وہ سبق تو نہ ملتا جو میدان کرب وبلا سے حسین دنیا کو دینا چاہتے تھے۔ انہیں تو اسی کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ جب اللہ کا رسول اپنے نواسے کو اللہ کے راستے میں قربان کرسکتا ہے۔ تاکہ اس کا دین محفوظ رہے۔ اس کی شریعت محفوظ رہے۔ تو آنے والی تمام نسلیں اپنے گود کے پروردہ افراد کو قربانی کے لئے تیار رکھیں۔ قربانی کی یہ روایت قیامت تک باقی رکھنا تھی۔

عزیزان ملت اسلامیہ! وہ اقتدار کے لئے نہیں بلکہ اقتدار کو ایک نیا مزاج دینے کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ وہ اپنے اہلبیت کی لاشوں کے اوپر، کٹے ہوئے سروں کے اوپر مذہب کی عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ شریعت کے بقا کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں، کلمہ کے نظام کے لئے حصار اور تحفظ فراہم کرنا چاہتے ہیں، اس لئے وہ میدان کرب وبلا کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام حسین نے قربانی دی۔ اور جناب فاطمہ زہرا اور ام سلمہ نے جانتے ہوئے دعا نہیں کی۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں میرے عزیز ساتھیو! ایک مثال ذہن کے سامنے رکھو۔ آج کل امتحانات کا زمانہ ہے، ایک استاذ جو اپنے طالبعلموں سے بے پناہ محبت رکھتا ہے، اپنے طالبعلموں کو کامیاب بنانا چاہتا ہے، آج کا دور تو خالص (Materialistic) دور ہو چکا ہے۔ سرمایہ داری کا دور ہو چکا ہے، تعلیم بھی دراصل باضابطہ بزنس بن گئی ہے، کوئی بھی اپنے طلبہ کے ساتھ وہ محنت نہیں کرتا، جو ہمارے اساتذہ نے ہمارے ساتھ کی، وہ شفقت

نہیں کرتا، جو شفقت ملنی چاہئے۔ آج تو عالم یہ ہیکہ تنخواہ ملتی ہے پڑھاتے ہیں چلے جاتے ہیں، طالبعلم جہنم میں جائے اس کی انہیں کوئی پرواہ نہیں ہے، لیکن ایک شفیق استاذ ہر دور میں اپنے طالبعلموں کو اپنے بچوں سے زیادہ محبوب سمجھتا ہے، وہ اسے پڑھاتا ہے، اس کے ذہن کو سنوارتا ہے، اس کی روح کو آراستہ کرتا ہے، اس کو اخلاق کی پاکیزگی دیتا ہے، مستقبل کی راہیں ہموار کرتا ہے اور کامیابیوں کے امکانات کی وضاحت کرتا ہے، یہ سب کچھ استاذ کا کام ہوتا ہے، حضور حافظ ملت انہی اساتذہ میں سے ایک استاذ الاساتذہ اور استاذ العلماء تھے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں ہر استاذ کا یہ مزاج ہوتا ہے کہ ایک طالبعلم اپنے استاذ سے ہر طرح کی مدد لے رہا ہے۔ استاذ آرام کرنا چاہتا ہے، ایک طالبعلم کتاب لے کر پہونچ گیا وہ پڑھانا شروع کردیتا ہے۔ مشکل مسائل حل کرنا شروع کردیتا ہے، دشواریوں کی وضاحت کرنا شروع کردیتا ہے، تاکہ طالبعلم کا نقصان نہ ہونے پائے میرے آرام میں خلل آئے تو کوئی بات نہیں طالبعلم کا نقصان نہ ہونے پائے یہ ہمارا مستقبل ہے، یہ کل کی قوم ہے، کل قوم اس کے کاندھے پر اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالنے والی ہے، کاندھا کمزور ہوا تو یہ بوجھ پٹخ دیگا۔ قوم ڈوب جائے گی۔ اس لئے بڑی محنت کرتے تھے پرانے اساتذہ۔ عزیزان ملت اسلامیہ! ایک ایسا ہی استاذ جس نے اپنی راتیں اپنا دن اپنا سب کچھ اپنے اسٹوڈنٹ کے لئے قربان کئے ہوں۔ اور جب اسٹوڈنٹ امتحان ہال میں جارہا ہو تو استاذ نے سینے سے لگا کہ کہا ہو، کہ جاؤ خدا تمہیں کامیاب کرے۔ امتحان ہال میں بیٹھنے کے بعد اگر وہ پرچہ سامنے آتا ہے اور وہ استاذ کو آواز دے کہ حضور یہ مسئلہ بتادیجئے۔ جب کہ دس سال تک آپ نے تمام مسائل بتائے ہیں یہ دشواری پیش آگئی ہے۔ استاذ نگرانی کررہا ہے۔ طالبعلم کہے مجھے بتادیجئے تو استاذ کی غضب ناک نگاہیں اس کے اوپر اٹھیں گی۔ ظالم! اس لئے میں نے نہیں پڑھایا تھا کہ امتحان ہال میں میری توہین کرو، میری تدریس کا مذاق اڑاؤ، اور دنیا کے سامنے مجھے ذلیل کرو، یہاں تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ تم کو اسی امتحان کے لئے ہم نے دس سال تیار کیا ہے، انتہائی محنت کی ہے، امام حسین کاندھے پر بٹھالئے جاتے ہیں، گود میں اٹھائے جاتے ہیں،

محبتوں کے حصار میں پالے جاتے ہیں، آغوش غیرت میں پروان چڑھائے جاتے ہیں، اسی امتحان کے لئے جو کربلا میں ہونے والا تھا، اب اگر اس امتحان کی منزل میں وہ رسول پاک ﷺ سے مدد مانگتے، یا حضرت فاطمہ دعا کر دیں تو یہ فاطمہ کے دودھ کا قصور ہوتا یا رسول اللہ ﷺ کی تربیت کا قصور ہوتا، امتحان گاہ میں اترنے کے لئے طالبعلم مکمل ہو چکا ہے۔ اب امتحان گاہ میں اترا ہے تو نہ مدد کی جائیگی اور نہ سہارا دیا جائیگا۔ اس لئے میں کہنا چاہتا ہوں کہ بعض خارجی ذہن کے لوگ آج بھی کہتے ہیں، جو رسول ﷺ اپنے حسین کو نہ بچا سکے وہ ہمیں کیا بچاسکیں گے؟ وہ تمہیں کیا بچاسکیں گے؟ میں عرض کرنا چاہتا ہوں رسول پاک نہ بچاسکے۔ تمہارے نزدیک وہ مجبور تھے۔ لیکن ہمارا خدا تو مجبور نہیں ہے۔ تمہارا معبود تو مجبور نہیں ہے۔ وہ رسول اللہ کے نواسے تھے وہ ان کے لخت جگر تھے۔ کیا خدا کو حسین سے محبت نہ ہوگی؟ رسول پاک کی آنکھوں کی ٹھنڈک سے محبت نہ ہوگی؟ خدا نے کیوں نہیں بچالیا؟ یاد رکھو! مشیت کے اپنے فیصلے ہوتے ہیں۔ اسی لئے کبھی کبھی جب امت مسلمہ پر کوئی مصیبت ٹوٹے تو یہ مت سوچو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اگر قادر ہے تو اس نے بچا کیوں نہیں لیا؟ وہ قادر بھی ہے، غنی بھی ہے، بے نیاز بھی ہے اس کی اپنی مصلحتیں ہیں، وہ مدبر بھی ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ ہمارے لئے کیا بہتر ہے، اور ہمارے لئے کیا بہتر نہیں ہے۔ ایک مثال دوں؟ بڑی آسانی سے آج کے ماحول میں تم اسے سمجھ جاؤ گے۔ میرے عزیز! تم نے ایک باغ لگایا۔ بہت لمبا چوڑا اور طویل وعریض باغ۔ اس کی زمین ہموار کرنے میں تم نے اپنی بے پناہ محنت صرف کی، اسے پانی دینے میں اسے سیراب کرنے میں، اسے آفاتِ ارضی وسماوی سے بچانے میں، تم نے اسے پروان چڑھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ لیکن جب وہ باغ ذرا تناور ہوا جب شاخیں پھیلیں، اس کے دست وبازو پھیلے اور پورا گارڈن بھر گیا، تو تم نے ایک بڑا سا قینچہ اٹھایا اور اسے تراشنا شروع کر دیا، تم نے اسے کاٹنا شروع کر دیا۔ اگر پودوں کے اندر جان ہوتی، تو چیخ چیخ کے کہتے کہ بڑا ظالم ہے میرا باغبان! بڑا عجیب ہے میرا باغبان۔ اب جب شباب کے قریب ہم پہنچ چکے ہیں، اب جب ہم پہ پھول آنے والا ہے، جب ہماری نکہتوں سے پوری

فضا معطر ہونے والی ہے، جب مشام جان کو ہم معطر کرنے والے ہیں۔ تو یہ بڑے بڑے قینچوں سے ہمیں تراش رہا ہے؟ اگر تراشنا ہی تھا تو پانی کیوں دیا تھا؟ اگر تراشنا تھا تو زمین میں گاڑا کیوں تھا؟ اگر تراشنا تھا تو ہمیں آفات ارضی وسماوی سے بچایا کیوں تھا؟ اگر تراشنا تھا تو ہر روز ہم پر کیڑوں کے مارنے کی اسپرے کیوں کئے تھے؟ اگر تراشنا تھا تو ہمارے لئے اتنی زحمتیں کیوں اٹھائی تھیں؟ اتنے مہینہ تک اتنی زحمتیں اٹھائی، اور جب ہم شباب کے مرحلوں میں داخل ہونے لگے تو اتنے بڑے قینچے سے کتنی بے دردی سے ہمارا باغبان ہمیں تراش رہا ہے، ہر پودا زبان رکھتا تو بولتا، ہر پودا زبان رکھتا تو شکایت کرتا، مگر مجھے بتاؤ کہ باغبان کا یہ عمل بہتر تھا یا بہتر نہیں تھا، باغ کے حسن کے لئے باغ کے جمال کے لئے، پودوں کی شادابی کے لئے پھولوں کی نکہت کے لئے باغبان کا یہ عمل یقیناً بہتر تھا، اگر اس کو یوں ہی چھوڑ دیتا تو وہ جنگل بن جاتا۔ یوں ہی چھوڑ دیتا تو باغ نہ رہ جاتا، یوں ہی چھوڑ دیتا تو وحشیوں کی آماجگاہ بن جاتا یوں ہی چھوڑ دیتا تو کہا جاتا کہ اس کا کوئی مالک نہیں ہے، اس کا کوئی باغبان نہیں ہے، اس لئے اس نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا، پودوں کو تراشا، شاخوں کو کاٹا، تاکہ پورے باغ کا حسن باقی رہ جائے، اللہ باغبان بھی ہے اور خالق بھی ہے، وہ جب چاہتا ہے پانی دیتا ہے، جب چاہتا ہے تراش دیتا ہے۔

ہمیں اس کی مرضی کے سامنے سر بسجود رہنا چاہئے۔ اس سے شکوہ پیدا نہیں ہونا چاہئے۔ وہ جانتا ہے کہ ہمارے لئے بہتر کیا ہے؟ ہم جنگل کے جھاڑ وجھنکار کی طرح سے زندگی گزار رہے ہیں، ہم نے اللہ کا قانون چھوڑ دیا ہے، تھوڑی سی دولت میسر آگئی ہے تو عشرتوں میں ڈوب کر کے ہم نے اللہ کی نافرمانی کر دی ہے، زنا کاریاں بڑھ رہی ہیں، شراب نوشی بڑھ رہی ہے، بدکرداری بڑھ رہی ہے، مغربی طرزِ زندگی ہمارے گھروں پر مسلط ہو رہا ہے، پیشانیوں سے بندگی کا مزاج رخصت ہو رہا ہے، ہماری پیشانیاں خدا کی بارگاہ میں جھکنے کے بجائے غیروں کے آستانے پر جھک رہی ہیں، ہمیں ٹھوکر اسی لئے دی گئی ہے کہ سنبھل جاؤ اور اپنی غیر مہذب زندگی کو اسلام کا مہذب رخ عطا کرو۔ جس روز ایسا کرو گے کامیابیاں تمہارا

مقدر بن جائیگی، سرمایہ پر مت پھولو، چندلحوں کے بعد نقشے سے غائب ہوجاتا ہے، اپنی دنیاوی عشرتوں کوسب کچھ مت سمجھو، مشیت نہیں چاہے گی تو ان عشرتوں سے فائدہ نہیں اٹھاسکو گے، اپنے اللہ پر بھروسہ کرو، اپنے اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہوجاؤ، اپنے اللہ سے مدد مانگو، جس کوخدائے واحداورخدائے اکبر کہہ کہ تم نے مانا ہے، اسی کی بارگاہ سے مدد طلب کرو، مدد آئیگی اور ضرور آئے گی، مگراپنے کومدد کا مستحق بناؤ۔ ثابت کروکہ تم اللہ کی رحمت کے مستحق ہو۔

میرے ساتھیو! امام حسین اللہ کے راستے میں قربانی دیتے ہیں، ان کی یہ قربانی دراصل صبح قیامت تک ہمارے لئے صبر اور تسلی کا سامان ہے۔ کس کے بچے امام حسین کے بچوں سے زیادہ پیارے ہوں گے؟ کس کا خاندان حسین کے خاندان سے زیادہ پیارا ہوگا؟ اگر اس وقت کا یزید، حسین کے خاندان کولوٹ کرکے خوش ہے اور حسین صبر کرتے ہیں، تو ہر دور کے یزید کے مقابلہ میں ہمیں صبر ہی کرنا ہے، برداشت کی روایت کو باقی رکھنا ہے اور اللہ کی رحمت کا انتظار کرنا ہے۔

میرے عزیز ساتھیو! امام حسین میدان کرب وبلا میں اس لئے نہیں گئے تھے کہ وہ اقتدار حاصل کریں، اقتدار حاصل کرنا چاہتے تو انہیں اقتدار مل چکا ہوتا، جنہیں رسول اللہ نے جنت کے نوجوانوں کا سردار بنایا ہے، کیا انہیں دنیا کے نوجوان کا سردار نہیں بنا سکتے تھے؟ وہ تو دراصل ایک قربان گاہ محبت پر اتر رہے تھے، آیئے میں چند روایتوں کا منطقی اور فکری تجزیہ کروں، ان روایتوں کو آپ نے بارہا سنا ہوگا، ان روایتوں کوصرف دہرادوں تو آپ کوئی لذت محسوس نہیں کریں گے، کوئی کیف محسوس نہیں کریں گے۔ آپ نے بڑی مشہور روایت سنی ہوگی، کہ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم ﷺ جمعۃ المبارکہ کا خطبہ دے رہے ہیں، حضرت امام حسین ننھے سے بچے ہیں، اور وہ اپنے حجرۂ فاطمہ سے نکل کر کے تپتی ہوئی زمین پر مسجد کی طرف آرہے ہیں، یاد رکھئے مسجد کچی تھی اور اس پر ریت کا فرش بچھا ہوا تھا، اللہ کے رسول خطبہ دے رہے ہیں، ریت پر حسین کے ننھے ننھے قدموں کو پڑتا ہوا دیکھ کر کے دل بے قرار ہوجاتا ہے، خطبہ چھوڑ دیتے ہیں، خود آگے بڑھتے ہیں، حسین کو سینے سے لگاتے ہیں، اور کائنات کا

سب سے بڑا امام خطبہ دے رہا ہے اور حسین سینے سے لگے ہوئے ہیں، سنا ہے نا یہ روایت آپ نے؟ ایسا کیوں کیا تھا اللہ کے رسول نے؟ کیا ضرورت تھی وہ ایسا کرتے؟ کسی کو کہہ دیتے حسین کو اٹھالو۔ کسی بھی صحابی کو حکم دیتے حسین کو فاطمہ کے ہاں پہونچادو (رضی اللہ عنہما فداہما آباءنا واجدادنا) وہ کسی کو بھی حکم دے سکتے تھے۔ لیکن خود اللہ کے رسول حالت خطبہ میں کیوں جاتے ہیں؟ اور حسین کو سینے سے کیوں لگاتے ہیں؟ جانتے ہو اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ سنو گے تو کیف محسوس کروگے۔ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم ﷺ دیکھ رہے ہیں حسین ننگے پیر خیمے سے نکل کرکے آرہے ہیں، جلتی ہوئی ریت پر نازک نازک قدم رکھ رہے ہیں، دل مصطفے بے قرار ہوجاتا ہے، آپ تڑپ جاتے ہیں، انہیں ایک دم یاد آگیا ہوگا کہ آج یہ حسین فاطمہ کے گھر سے آرہے ہیں اور کل یہ حسین میدان کرب وبلا میں اسی وقت اپنے خیمے سے نکل کے قتل گاہ کی طرف جارہے ہوں گے، یقیناً یہ خیال آیا ہوگا، جب واقعی ذہن میں کوئی بات ہوتی ہے جب کوئی واقعہ ہوتا ہے، تو مثال جب بھی سامنے آتی ہے تو واقعہ اپنی پوری کیفیت کے ساتھ آجاتا ہے، اس کے بعد انہوں نے یہ بھی محسوس کیا ہوگا کہ آج یہ حسین مسجد کے ذروں پر، مسجد کے ریگزار پر قدم رکھ رہا ہے، وہ وقت وہ ہوگا کہ جب میں بھی نہیں ہوں گا، علی مرتضی بھی نہیں ہوں گے، صحابہ بھی نہیں ہوں گے، فاطمۃ الزہرا بھی نہیں ہونگی، کوئی نہیں ہوگا جو حسین کو اپنے سینے کی ٹھنڈک دے سکے، اپنے سینے کا کیف دے سکے، اس لئے اٹھ کے سینے سے لگالیتے ہیں، کل تو میں موجود نہیں رہونگا، مگر آج تو موجود ہوں، آج تو حسین کا جلتا ہوا قدم نہ ہو، آج تو حسین کو تپتے ہوئے ماحول میں کوئی تکلیف نہ ہو، آج تو وہ نبی کے سینے کی ٹھنڈک کومحسوس کرسکیں، اور دنیا بھی یہ دیکھ لے کہ جو رسول اپنے حسین کو مسجد کی تپتی ہوئی زمین پر نہ دیکھ سکیں، اس کو انہوں نے کربلا میں گرتے ہوئے کیسے دیکھا ہوگا؟ شہید ہوتے ہوئے کیسے دیکھا ہوگا؟ وہاں تو باضابطہ کربلا کی ریت پر پیاسا اور بھوکا رکھا گیا تھا۔

سجدہ طویل فرمادیا

ایک دوسری روایت آپ لوگوں نے سنی ہوگی، میں روایات کو محسوس کرا رہا ہوں اللہ کے رسول تاجدار دوعالم ﷺ سجدے میں سر رکھے ہوئے ہیں، امام حسین ننھے سے بچے ہیں، پشت انور پہ بیٹھ جاتے ہیں، میں بتاؤں کہ رسول پاک کے جسم ناز سے تعلق کا رشتہ کیا ہوتا ہے؟ پشت انور پر بیٹھ کے کیا محسوس کیا ہوگا حسین نے؟ فتح مکہ کا موقع ہے، اللہ کے رسول ﷺ بتان کعبہ کو اپنی چھڑی سے گرا رہے ہیں، کچھ بہت اونچے رکھے ہوئے ہیں، تو آپ نے حضرت علی سے کہا کہ اے علی! میرے شانے پر بیٹھ جاؤ اور انہیں گرادو، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کہ میں آپ کے شانے پر بیٹھ جاؤں، حضور آپ میرے شانے پر بیٹھ جائیں اور گرادیں، تو اللہ کے رسول نے فرمایا علی! بارِ نبوت تم برداشت نہیں کرسکتے میں تنہا ایک انسان نہیں، نبی بھی تو ہوں، اللہ کا انتخاب بھی تو ہوں، یہ تم برداشت نہیں کرسکتے، وہ کرو جو میں کہہ رہا ہوں، مولائے کائنات شانے پر کھڑے ہوئے اور بلندی سے بتوں کو اور اصنام باطل کو نیچے گرادیا، جب وہ یہ عمل کرچکے تو لوگوں نے پوچھا حضور! جب آپ رسول پاک کے شانے پر کھڑے تھے تو آپنے کیا محسوس کیا تھا؟ ۔ کہا تم یہ کہتے ہو کہ کیا محسوس کیا تھا؟ میں نے ان کے شانے پر کھڑے ہو کر یہ محسوس کیا کہ عرش کی بلندیاں بھی میرے قدموں سے نیچے ہیں، میں اتنا بلند تھا اور یہ بلندی میرا مشاہدہ بن گئی تھی۔ تو بتائیے کہ لمحہ لمحہ امام حسین نے آغوشِ رسول میں کیا محسوس کیا ہوگا؟ پشت انور پہ کیا محسوس کیا ہوگا؟ پشت انور پر بیٹھ گئے ہیں، اللہ کے رسول سجدہ لمبا کردیتے ہیں، یہ رسول ہیں۔ عبدیت کے مزاج سے سب سے زیادہ آشنا ہیں، عبد نہیں بلکہ عبدہٗ، ہیں، بڑا اونچا مقام ہے ان کی عبدیت کا، مگر اپنے لخت جگر و نواسے کے لئے سجدہ لمبا کررہے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ اس وقت یہ خیال آیا ہوگا کہ میں تو ابھی سجدہ کررہا ہوں، اور سجدے سے سر اٹھاؤں گا، حسین پشت سے اتریں گے اور سر اٹھالوں گا، لیکن یہ شہزادہ جو آج میری پیٹھ پر بیٹھا ہوا ہے، کل ایک

ایسا سجدہ کریگا کہ اپنا سر قیامت تک نہ اٹھا سکے گا، اس لئے آپ نے سجدے کو لمبا کردیا، تاکہ دنیا دیکھ لے کہ جو رسول اپنے پشت سے گرتا ہوا نہ دیکھ سکیں، وہ گھوڑے کی پشت سے گرتا ہوا کیسے دیکھ سکے ہوں گے؟

میرے عزیز ساتھیو! حضرت امام حسین کی عظیم شہادت ہمارے لئے ہزاروں عبرتیں رکھتی ہے، ابھی میرے ایک عزیز بتا رہے تھے، کہ امام حسین اپنے باب کرامات میں سے کسی باب کا اضافہ کرنا چاہتے تو وہاں ہزاروں دروازے کھلے ہوئے تھے، تم یہ کہتے ہو کہ امام حسین پیاسے مرے ہیں یہ ان کی مجبوری تھی، بھوکے شہید ہوئے ہیں یہ ان کی مجبوری تھی، مجبوریوں کا اتنا ماتم کرتے ہو کہ تم نے حوصلے، عزم اور جرأت کی تاریخ کو ماتم میں بدل کر کے قوم کو غمگسار اور مایوس کردیا ہے۔ ایسا مت کرو حسین کہیں مجبور نہیں تھے، کسی لمحہ میں مجبور نہیں تھے، حسین تو حسین ہیں، حسین کا غلام صدیوں کے بعد اپنے غلاموں کے پیاس کی شدت دیکھ کر کے ایک پیالے میں اتنا ساگر کو سمیٹ سکتا ہے تو حسین کیا نہیں کرسکتے تھے، وہ چاہتے تو نہر فرات ان کے خیمے سے بہتا، وہ چاہتے تو ان کی ٹھوکروں سے زم زم کی ایک نئی تاریخ مرتب ہوتی۔

ایمان کے جہاں پڑتے ہیں قدم
پیدا وہیں زم زم ہوتا ہے

اگر ایسا کرتے تو حسین کے باب کرامات میں ایک کرامت کا اضافہ ہوجاتا، دنیا کو فرات کے کنارے تڑپنے کا مزہ تو نہ ملتا، دنیا کو اللہ کے راستے میں جان دینے کا حوصلہ اور جرأت تو نہ ملتی، حسین کرامت نہیں استقامت دکھانے کے لئے آئے تھے، تاکہ صبح قیامت تک انسان استقامت کے راستے پر چل سکے۔ یہ حسین کا اپنا انداز تھا۔

پیاس کی شدت

میرے عزیز ساتھیو! تم یہ کہتے ہو حسین اعظم نے مجبوری کے ساتھ جان دی ہے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ایسا کوئی معاملہ نہیں۔ بلاشبہ پیاس کی شدت تھی۔ مگر یاد رکھو پیاس جتنی شدید ہوتی ہے پانی بھی اتنا ہی ٹھنڈا چاہئے، معمولی پیاس ہو تو نارمل پانی پیاس بجھا دیا کرتا

ہے، بہت زیادہ پیاس ہو تو تم برف ڈالا کرتے ہو، میں عرض کرنا چاہتا ہوں، حسین کی پیاس اتنی شدید ہو چکی تھی کہ پورا فرات بھی حسین کی پیاس نہیں بجھا سکتا تھا۔ وہ تو کوثر بجھا سکتا تھا، ساقی کوثر کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے حسین اپنی پیاس لے کر کے جا رہے ہیں، امام حسین نے میدان کرب وبلا سے جو پیغام دیا ہے وہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے، تم اپنی گردن تو دیدو، اپنی اولاد کو قربان تو کر دو، اپنا سب کچھ لٹا دو مگر خبردار! اپنے دین کو انحراف اور تبدیلی کے راستے پر نہ آنے دو، ظلم کو قبول نہ کرو۔

شاہ ہست حسین، بادشاہ ہست حسین
دین ہست حسین، دین پناہ ہست حسین
سرداد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لاالہ ہست حسین
کرتی رہیگی پیش شہادت حسین کی
آزادیٔ حیات کا یہ سرمدی اصول
چڑھ جائے کٹ کے سر تیرا نیزے کی نوک پر
لیکن تو فاسقوں کی اطاعت نہ کر قبول

حضرات! کربلا کے واقعاتی پہلو پر ان شاء اللہ پھر کبھی۔

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

20

اسلام کا نظامِ عبادت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ أَقَامَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعاً، وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَدَیْهِ، صَلٰوةً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهُ وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ. أَمَّا بَعْدَ.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ – بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ،، (پارہ: ۲۷، سورہ الذاریات آیت: ۵۶) صدق الله العلی العظیم

علماء باوقار، عزیزان ملت اسلامیہ، قابل احترام بزرگو، عزیز بچو! ہم اور آپ انتہائی عقیدت واحترام کے ساتھ اپنی اور ساری کائنات کے مرکز، عقیدت آقائے دو جہاں، حضور رحمت عالم، تاجدار مدینہ، سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں درود شریف کی نذریں پیش کرلیں،

أللّٰهم صل علی سیدنا ومولانا محمد معدن الجود والکرم، منبع العلم والحلم والحکم، واله بارک وسلم صلوة وسلاما علیک یارسول الله، صلوة وسلاما علیک یا حبیب الله.

حضرات گرامی! آج کی اس بزم میں میری گفتگو کا عنوان ہے '' اسلام کا نظام عبادت،، میں نے یہ عنوان اس لئے اختیار کیا ہے کہ میں عبادت کے اس عالمگیر تصور کو پیش کرسکوں جو اسلام کا حقیقی تصور ہے۔ وقت کا المیہ یہ ہے کہ وہ مذہب جو زندگی کے تمام گوشوں کی رہنمائی کرنے کے لئے آیا تھا اُسے چند باتوں کے اندر محدود کر کے رکھ دیا گیا ہے اور صرف انہی پر زور دیا جارہا ہے۔ اگر اسلام کے مکمل نظام حیات کو پیش نہیں کیا گیا تو دھیرے دھیرے رسم ورواج کے یہ پجاری اسلام کے مکمل نظام حیات سے انحراف کر کے چند باتوں کو کامل دین سمجھیں گے اور دین اپنی اصلی روح کھو بیٹھے گا۔

میرے عزیز! یہ ایک ضرورت ہے جس کے پیش نظر یہ عنوان اختیار کر رہا ہوں کہیں کہیں لب ولہجہ کی تلخی اگر آپ کو ناگوار محسوس ہو تو معاف کر دیجئے گا۔ مگر یہ ممکن نہیں ہے کہ اسلام کے حقیقی تصور عبادت کو مٹایا جارہا ہو اور اللہ کے بندے خاموش رہیں آپ کو یاد ہوگا کہ حضور سید عالم تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب مانعین زکوٰۃ نے زکوٰۃ کا انکار کیا اور انحراف کا ایک راستہ پیدا ہوا تو بیک وقت کتنے فتنے اسلام کے اوپر حملہ آور تھے؟ مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ ارتداد کا ایک طوفان آیا ہوا تھا۔ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک لشکر آراستہ فرمایا تھا۔ اُسے بھی اپنے محاذ پر جانا تھا ایسے موقع پر بعض صحابہ نے کہا تھا بلکہ جناب عمر فاروق نے کہا تھا کہ اے ابوبکر صدیق! اگر ابھی مانعین زکوٰۃ کا احتساب نہ فرمائیں اور ان سے جنگ نہ فرمائیں تو یہ بہتر ہے اس لئے کہ بیک وقت مدینے کے آس پاس کئی قوتیں حملہ آور ہیں، زکوٰۃ نہ دینے والے روزے کا اقرار تو کر رہے ہیں، حج کو تو مان رہے ہیں، کلمہ کو تو مان رہے ہیں، نماز کو تو تسلیم کر رہے ہیں، صرف، زکوٰۃ کے منکر ہیں، بعد میں یہ زکوٰۃ بھی دیں گے اور تسلیم بھی کریں گے۔ ابھی آپ انہیں چھوڑ دیں، آپ ان سے جنگ نہ فرمائیں تو جناب صدیق اکبر نے کہا تھا کہ قسم خدا کی، میرے آقا نے جو دین مکمل کر دیا تھا اس دین کی تکمیل میں جب بھی کوئی حرف آئیگا تو میں جہاد کروں گا۔ میں اس وقت تک جہاد کروں گا جب تک کہ اونٹ کی ایک نکیل بھی بمدّ زکوٰۃ کسی کے پاس رہ

جائے گی۔ آپ اس سے اندازہ فرمائیں کہ وہ کتنے حساس تھے؟ دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو اپنے بانی کے وصال کے سو سال کے اندر اندر بدل نہ دیا گیا ہو۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانوں نے اسلام کو آج تک اپنی اصلی حالت پر اسی لئے رکھا ہے کہ وہ اس کی تبدیلی کو نہ گوارا کر سکتے ہیں اور نہ برداشت کر سکتے ہیں اسلام ایک معاشی نظام ہے۔، اسلام ایک سیاسی نظام ہے۔ اسلام ایک تمدنی نظام ہے۔ اسلام ایک فکری نظام ہے، اسلام ایک آئینی نظام ہے، اسلام ایک ایسا نظام ہے جو دنیا کے تمام نظاموں سے بڑھ کر بہتر نظام ہے۔ مگر آج لاکھوں افراد کے مجمع میں صرف چند ایسی باتیں بتائی جاتی ہیں اور اسی کو پورا اسلام کہا جاتا ہے۔ اس طرح سے اسلام کے دوسرے Institutions اور دوسرے نظام نہ صرف یہ کہ مضمحل ہو رہے ہیں بلکہ نگاہوں سے اوجھل ہو رہے ہیں۔ یہ ایک خطرہ ہے جس کو محسوس کرنا آپ کی ذمہ داری بھی ہے اور دین کا تقاضہ بھی ہے۔ عبادت کا نام سننے کے بعد یقیناً آپ کے ذہن میں یہ بات آگئی ہوگی کہ آج نماز کے موضوع پر گفتگو ہوگی، آج روزے کے موضوع پر گفتگو ہوگی۔ آج حج کو عنوان گفتگو بنایا جائے گا، آج زکوٰۃ کے بارے میں گفتگو ہوگی، بلاشبہ نماز اہم عبادت ہے، نماز جان عبادات ہے، نماز روح عبادات ہے، نماز افتخار عبدیت ہے، نماز ناز بندگی ہے، نماز معراج مومن ہے، نماز قلب رسول کی ٹھنڈک ہے، نماز نگاہ مصطفیٰ کا قرار ہے، نماز فارق حق و باطل ہے، نماز بہت بڑی عبادت ہے، مگر نماز ہی سب کچھ نہیں ہے۔ میرے عزیز و اور دوستو! روزہ بڑی اہم عبادت ہے اتنی اہم عبادت ہے کہ دنیا کی تمام قوموں نے جب وحشت سے مدنیت کی طرف قدم رکھا تو انہوں نے اس بات کی کوشش کی کہ دنیا سے بھوک کا خاتمہ کر دیں، دنیا سے معاشی پریشانیوں کا خاتمہ کر دیں۔ دنیا سے نابرابری کا خاتمہ کر دیں۔ یہ بہت بُری بات ہے کہ ایک انسان کے کتے بھی آسودہ ہوں اور اس کے پڑوس میں انسان بھوکا رہے۔ میرے سرکار نے فرمایا تھا اس انسان کے اوپر فرشتے رات بھر لعنت بھیجتے ہیں۔ جو خود پیٹ بھر کے سوتا ہے۔ مگر اس کے پڑوس میں کوئی بھوکا ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو نظام زندگی ہمیں عطا فرمایا اس میں روزے کو

ایک رکن قرار دیا گیا۔ جانتے ہیں کیوں؟ دنیا کی تمام قومیں دنیا سے بھوک مٹانا چاہتی ہیں۔ نابرابری مٹانا چاہتی ہیں، عدم مساوات مٹانا چاہتی ہیں، روٹی اور پیٹ کا نعرہ لگاتی ہیں، مگر آج تک اس میں کامیابی نہیں ہوسکی ہیں، اس لئے کہ اگر انسان بھوک مٹانا چاہتا ہے تو وہ طریقہ اختیار نہیں کررہا ہے جس بنیاد پہ بھوک مٹ سکے۔ پہلے افراد بھوکے تھے آج قومیں بھوکی ہیں۔ پہلے قبائل بھوکے تھے آج پورے کے پورے براعظم بھوکے ہیں۔ دیکھنا ہو تو افریقہ کی سرزمین جا کے دیکھو، ایتھوپیا کا فاقہ جا کے دیکھو، سوڈان کے تڑپتے ہوئے انسانوں کو دیکھو، سومالیہ میں ایک ایک بوٹی اور ایک ایک روٹی کے لئے جان دینے والے اور غیرت بیچنے والے انسانوں کو دیکھو، آج پوری دنیا بھوکی ہے۔ ان چند علاقوں کے علاوہ جنہوں نے پوری دنیا کا سرمایہ سمیٹ لیا ہے۔ کیا وجہ ہے؟ کہ کارل مارکس سے لے کر ابراہام لنکن تک ہر دور کے انسانوں نے کوشش کی ہے کہ بھوک کا علاج کیا جائے۔ مگر بھوک بڑھتی جارہی ہے۔ اس لئے کہ بھوک کے مسائل کو حل وہ لوگ کرنا چاہتے ہیں جو خود نہیں جانتے کہ بھوک کیا ہے؟ جنہیں کبھی بھوک کا احساس بھی نہیں ہوا ہے۔ جو کبھی بھوکے نہیں رہے ہیں مگر اسلام نے سال میں ایک مرتبہ ایک مہینہ کا روزہ فرض قرار دیا تا کہ غریب بھی بھوکا رہے، سرمایہ دار بھی بھوکا رہے، بوریہ نشین بھی بھوکا رہے کج کلاہ بھی بھوکا رہے، فقیر بھی بھوکا رہے دولت مند بھی بھوکا رہے۔ اور دنیا یہ محسوس کرسکے کہ جب ہماری ایک مہینے کی اختیاری بھوک کا یہ عالم ہے تو پوری دنیا کی اضطراری بھوک کا کیا عالم ہوگا؟ اس لئے روزہ بھی بہترین عبادت ہے۔ مگر پھر میں کہوں گا کہ روزہ ہی سب کچھ نہیں ہے۔

حج بڑی اہم عبادت ہے آج لاکھوں انسان کعبۃ اللہ کی زیارت کے لئے جاتے ہیں؟ آج طواف حرم کے لئے جاتے ہیں، اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے لئے جاتے ہیں، سرور کائنات کے روضۂ اقدس پر احترام وعقیدت کی نذر پیش کرنے کے لئے جاتے ہیں، آج پوری دنیا طوافِ خانہ کعبہ میں مصروف ہے۔ ذرا میری طرف دیکھیں، آپ نے کعبۂ مقدس کو زمین پر دیکھا ہے، کعبۂ مقدس کا جائزہ لیا ہے پوری دنیا کا انسان کعبہ کی طرف رُخ کرکے

نماز پڑھتا یا نہیں پڑھتا ہے؟ وہ مشرق کا انسان ہو یا مغرب کا انسان ہو، شرق کا انسان ہو یا غرب کا انسان ہو، جنوب کا انسان ہو یا شمال کا انسان ہو، دیکھئے یہ پورا گروہ ہے، شرق یہ پوری دنیا ہے۔ اس پوری دنیا کے بیچ میں کعبہ ہے۔ کعبہ کی پہلی جماعت کعبہ کی چاروں طرف ہے، دوسری جماعت اس کے بعد ہے۔ تیسری جماعت اس کے بعد ہے۔ چوتھی جماعت اس کے بعد ہے۔ وہ دائرہ پھیلتے جاتا ہے۔ تو ہم بھی کعبہ کے اسی دائرے میں شامل ہیں۔ وہ پوری کائنات بن جاتا ہے۔ ساری کائنات کعبہ کے اردگرد گھوم رہی ہے، طواف کررہی ہے، اور سجدہ کررہی ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں، کیا آپ دنیا میں کوئی ایسا نظام عمل دکھا سکتے ہیں کہ جہاں ایک مقدس سمت میں پوری کائنات گھوم رہی ہو، ایسا کوئی نظام آپ کو دنیا میں نہیں ملے گا۔ اجتماع، یہ انسانی فطرت کا لازمہ ہے، انسان انس سے مشق ہے، انسان محبت سے مشتق ہے، انسان اخلاص سے مشتق ہے اور یہی انس اور یہی محبت، یہی اخلاص اسے جماعتی زندگی گذارنے پہ مجبور کرتا ہے۔ وحشت کی زندگی سے دور کردیتا ہے، وہ جانور ہے جو جنگل میں تنہا تنہا رہتا ہے، وہ انسان ہے جو آبادیوں میں مل کرکے رہتا ہے، جماعتی زندگی گذارتا ہے، جماعت کے نظام کو اپنائے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دنیا میں ارسطو کے دور سے لیکر آج تک تمدن کے ماہرین کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سب نے اپنے اپنے دور میں کوئی نہ کوئی نظام اجتماع پیش کیا ہے۔ سب نے اپنے اپنے دور میں جمعیت کا کوئی نظام پیش کیا ہے۔ مگر قسم خدا کی آپ اگر دنیا کا جائزہ لیں تو کسی کے پاس کوئی ایسا نظام نہیں ہے جو تفریق سے خالی ہو، جو انتشار سے خالی ہو، جو طبقاتیت سے خالی ہو، جو تقسیم سے خالی ہو، جو بٹوارے سے خالی ہو۔ انسان بٹا ہوا ہے رنگ ونسل کی بنیاد پر، انسان بٹا ہوا ہے علاقے کی بنیاد پر، انسان بٹا ہوا ہے طبقہ کی بنیاد پر، انسان بٹا ہوا ہے ویلوس کی بنیاد پر، انسان بٹا ہوا ہے، روایات کی بنیاد پر، انسان بٹا ہوا ہے قد وقامت کی بنیاد پر انسان بٹا ہوا ہے چہرے مہرے کی بنیاد پر، انسان بٹا ہوا ہے سرمایہ کی بنیاد پر، انسان بٹا ہوا ہے علم کی بنیاد پر انسان بٹا ہوا ہے۔ طبقاتی استحصال کی بنیاد پر، انسان پوری دنیا میں بٹا ہوا ہے انسان پوری دنیا میں تقسیم کردیا گیا

ہے، مگر قربان جایئے زندگی میں ایک مرتبہ رب الکعبہ نے کعبہ کا حج ضروری قرار دیا تا کہ دنیا کا ہر مسلمان ایک ہی رنگ میں، ایک ہی لباس میں، ایک ہی کلمہ کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہا ہو، نہ غریب کا فرق رہ جائے، نہ امیر کا فرق رہ جائے نہ عجمی کا فرق رہ جائے نہ عربی کا فرق رہ جائے، نہ چھوٹے کا فرق رہ جائے نہ بڑے کا فرق رہ جائے، نہ سرمایہ دار کا فرق رہ جائے نہ کسی اور کا فرق رہ جائے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

جانتے ہو احرام کیوں پہنایا جاتا ہے؟ احرام ایک تو اس لئے بھی پہنایا جاتا ہے کہ تمام مادی کثافتوں سے اپنے کو الگ کر لیا جائے، تمام اعتبارات باطلہ سے اپنے وجود کو دور کر لیا جائے، تمام مناہج حیات سے اپنے کو الگ کر لیا جائے اور دوسری وجہ یہ بھی احرام پہنانے کی ہے کہ پوری دنیا ایک ہی لباس میں آجائے، پوری دنیا ایک ہی رنگ میں آجائے، پوری دنیا ایک ہی شکل میں آجائے۔ "صبغة الله و من احسن من الله صبغة،، یہ اللہ کا رنگ ہے اور اللہ کے رنگ سے بہتر کسی اور کا رنگ کیا ہو سکتا ہے، ہر رنگ بدل سکتا ہے، ہر رنگ اُتر سکتا ہے مگر اللہ کا رنگ نہ بدل سکتا ہے۔ نہ اتر سکتا ہے اس لئے حج بھی بہت بہترین عبادت ہے۔ کون نہیں جانتا؟ مگر میرے عزیز! حج ہی سب کچھ نہیں ہے۔

زکوٰۃ کی اہمیت کا کون قائل نہیں ہے؟ زکوٰۃ کی عظمت کو کون قائل نہیں ہے؟ آپ ذرا سوچو! آج پوری دنیا ایک بہت بڑے مسئلہ کے حل میں لگی ہوئی ہے اور وہ ہے، سرمایہ کا ایک مقام پر جمع ہو جانا۔ حضرات گرامی میں یہ عرض کر رہا تھا اور بتا رہا تھا کہ زکوٰۃ بھی ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ آج دنیا کی تمام قومیں اس بات کی کوشش کر رہی ہیں کہ سرمایہ ہاتھوں میں منجمد نہ ہونے پائے، دولت کسی ایک مقام پر رُکنے نہ پائے، اس لئے کہ سرمایہ اگر بہتے ہوئے پانی کی طرح سے ہے تو زندہ رہتا ہے۔ اور اگر سرمایہ کسی ایک مقام پر رُک جائے تو مر جاتا ہے۔ اس لئے آج سرمایہ کو بہاؤ دینے کے لئے Banking کا نظام ہے۔ شیئرس کا نظام ہے،

کاروبار کا نظام ہے، تجارتوں کا نظام ہے۔ یہ سارا نظام اس لئے ہے کہ گھر کا سرمایہ بازار میں آسکے، مٹھیوں کا سرمایہ محفلوں میں آسکے، بازار رونق پذیر ہوں، سرمایہ زندگی دے سکے، اور انسانی عشرتوں میں شریک ہو سکے، لیکن ایک بات آج دنیا محسوس کر رہی ہے، ایک بات آج دنیا جان رہی ہے کہ جتنا اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ سرمایہ میں بہاؤ پیدا ہو اتنا ہی سرمایہ چند سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں جمع ہوتا جا رہا ہے۔ بہاؤ پیدا ہوتا ہے مگر غریبوں کے ہاتھوں سے نکل کے سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں، کمزوروں کے ہاتھوں سے نکل کے طاقتوروں کے ہاتھوں میں، حتیٰ کہ کمزور قوموں کے ہاتھوں سے نکل کے طاقتور قوموں کے ہاتھوں میں، غریب ملکوں کے ہاتھوں سے نکل کر کے سرمایہ دار ملکوں کے ہاتھوں میں، سرمایہ کا بہاؤ غلط سمت ہے، سرمایہ کا بہاؤ صحیح سمت میں نہیں ہے، دولت کا بہاؤ صحیح سمت پہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غریب، غریب ہوتا جا رہا ہے۔ سرمایہ دار سرمایہ دار ہوتا رہا ہے۔ مگر اسلام نے نظام زکوٰۃ فرض کر کے سرمایہ کے بہاؤ کا صحیح رُخ متعین فرما دیا کہ تم اپنی آمدنی کا ڈھائی فیصد غریبوں میں تقسیم کرو تا کہ تمہارے گھر کا سرمایہ سرمایہ داروں کی جھولیوں میں نہیں، غریبوں کے گھروں میں جائے، ان کی زندگیوں میں شامل ہو، اب ظاہر ہے کہ ایک آدمی جو دولت رکھتا ہے یا تو اپنا سرمایہ بازار میں لانے پہ مجبور ہو گا ورنہ پچاس سال کے اندر اندر ڈھائی فیصد دیتے دیتے اس کا سرمایہ خود بخود غریبوں کے گھر میں چلا جائے گا۔ غریبوں کی جھولیوں میں چلا جائے گا اور یہی نہیں۔ اگر کچھ بچ رہا تو نظام ورثہ کی بنیاد پہ تقسیم کر دینا پڑے گا۔

میرے عزیز و اور میرے دوستو! اسلام کا یہ نظام زکوٰۃ بھی انسانی فلاح و بہبود کے لئے بہت اہم ہے۔ مگر نماز ہو، روزہ ہو، حج ہو زکوٰۃ ہو ان ارکانوں کی عظمت کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ارکان اسلام ہیں مگر یہی سب کچھ نہیں۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ مرد مومن کا میدان زندگی میں اٹھنے والا ہر قدم عبادت ہے مومن چلتا ہے تو عبادت ہوتی ہے، مومن بیٹھتا ہے تو عبادت ہوتی ہے، مومن سر جھکاتا ہے تو عبادت ہوتی ہے، مومن سر اٹھاتا ہے تو عبادت ہوتی ہے، مومن تبسم ریز ہوتا ہے تو عبادت ہوتی ہے، مومن تکلم زاں ہوتا ہے تو عبادت ہوتی ہے، مومن کی زندگی کا

ہر لمحہ عبادت ہے، مومن کی زندگی کی ہر سانس عبادت ہے، مومن کی زندگی کی ہر کروٹ عبادت ہے، مومن کی زندگی کا ہر گوشہ عبادت ہے، مومن کے محسوسات عبادت ہیں، مومن کی تمنائیں عبادت ہے، مومن کے ارادے عبادت ہے، مومن کی نیت عبادت ہے، مومن کا کسب عبادت ہے، مومن کی منزل عبادت ہے، مومن کی صبح عبادت ہے، مومن کی شام عبادت ہے، مومن ایک لمحے بھی عبادت سے خالی نہیں ہوتا، ایک سانس کے لئے بھی عبادت سے خالی نہیں ہوتا، یہ نہیں کہ آپ نے کوئی اجتماع کرلیا اور عبادت کا کوئی جشن منالیا۔ مومن کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر لمحہ عبادت کرتا ہے، ہر ساعت عبادت کرتا ہے ہر سانس عبادت کرتا ہے میں اسے بتاؤں، آقائے دوجہاں نے فرمایا" **الدنیا سجن للمومن و جنة للکافر**،، دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافروں کے لئے جنت ہے۔ بعض نے اس کا یہ مطلب سمجھا تھا کہ دنیا مومن کے لئے مصیبتوں کا گھر ہے اور غیر مومن کے لئے راحتوں کا" اگر یہ مفہوم ہوتا تو قرآن پاک کی اس آیت کریمہ سے مطابقت کیسے پیدا کروگے؟ کہ اللہ نے فرمایا" **و انتم الاعلون ان کنتم مومنین**،، تم ہی سربلند ہو اگر تم مومن ہو۔ تمہیں تو سربلندی کا حکم دے، رسول اللہ ذلت ونکبت کی بات فرمائیں، قرآن تو علوء وارتقاء کا حکم دے اور رسول پاک اسے قید کا نام دیں؟ ایسا نہیں ہوسکتا۔ اصل میں میرے آقائے نے ایک مومن کی زندگی کی تشبیہہ دی ہے، ایک استعارتی اور کنایتی انداز تکلم ہے۔ میرے آقا ارشاد فرمارہے ہیں" **الدنیا سجن للمومن وجنة للکافر**،، دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔ آپ نے قیدی کی زندگی دیکھی ہوگی نا، ایک قیدی کی زندگی کے چاروں طرف قید خانہ کی اونچی اونچی دیواریں ہوتی ہیں، ایک قیدی کے ہاتھوں میں قید خانے کی زنجیریں ہوتی ہیں، ایک قیدی کے پیر میں قید خانے کی بیڑیاں ہوتی ہیں، ایک قیدی کے جسم پر قید خانے کا لباس ہوتا ہے، ایک قیدی کے شکم میں قید خانے کی غذا ہوتی ہے، اور ایک قیدی کا دائرۂ عمل قید خانہ کی چار دیواری کے اندر محدود ہوتا ہے۔ یہی ہوتی ہے قیدی کی زندگی نا؟ ایسے ہی ہوتا ہے قیدی نا؟ اب سنو، تم بھی قیدی ہو ہم بھی قیدی ہیں، مگر حالات کے قیدی نہیں، رسول اللہ کے قانون کے

قیدی ہیں، نظام مصطفی کے قیدی ہیں، ان کے آئین کرم کے قیدی ہیں، ان کی طرزِ حیات کے قیدی ہیں، ان کی ادائے جاں نواز کے قیدی ہیں، ان کی مقدس زلفوں کے قیدی ہیں، ان کی محبت کے قیدی ہیں، ان کی اداؤں کے قیدی ہیں، ان کی الطاف خسروانہ کے قیدی ہیں، ان کی عنایات بے پناہ کے قیدی ہیں، ان کے وعدوں کے قیدی ہیں، ہم قیدی ہیں رسول اللہ کے، ہماری زندگی کے چاروں طرف رسول اللہ کی قید کی اونچی اونچی دیواریں ہیں۔ ہمارے ہاتھوں میں رسول کی زنجیریں ہیں، ہمارے پیروں میں رسول کی غلامی کا طوق ہے۔ ہمارے گلے میں رسول کی غلامی کی زنجیریں ہیں۔ ہمارے جسم پر رسول اللہ کا جائز فرمودہ لباس ہے۔ اور ہمارے شکم میں ان کی عطا والی غذا ہے۔ پوری زندگی قیدی ہے رسول اللہ کی، پابند قانون ہے رسول اللہ کی۔ اور جب اسی قید کو زندگی پہ نافذ کرلیا جائے تو ہر لمحہ عبادت بن جاتا ہے، ہر سانس عبادت بن جاتی ہے۔ آپ کہیں گے قمر الزماں تم نے قید کی بات کی ہے۔ ہم بھی کہا کرتے تھے کہ مذہب دراصل قید و بند کا نام ہے، مذہب دراصل اسیری کا نام ہے، مذہب دراصل قوت پرواز کو سلب کرلیتا ہے، مذہب آفاق وانفس کو مقید کردیتا ہے، مذہب انسان کی توانائیاں سلب کرلیتا ہے مذہب قنوطیت دیتا ہے، مذہب پسماندگی دیتا ہے، مذہب رجعت دیتا ہے، مذہب آزاد فضاؤں میں پرواز کی صلاحیت نہیں دیتا ہے، بال و پر توڑ دیتا ہے۔ اور تم نے بھی کہا کہ مذہب قید ہے، میں عرض کرنا چاہوں گا لفظوں سے دھوکہ مت کھاؤ، لفظوں کا انتساب جس سے ہوگا، لفظ کی تقسیم اسی کے اعتبار سے سنورتی اور بنتی ہوئی ہوتی ہے، لفظ اپنے منسوب الیہ کے اعتبار سے جانا جاتا ہے، لفظ اپنے منتسب الیہ کے اعتبار سے جانا جاتا ہے۔ تم قید کی بات کررہے ہو دنیا کا قیدی وہ ہوتا ہے جس کے بال و پر ٹوٹ چکے ہوتے ہیں مگر رسول اللہ کا قیدی وہ ہوتا ہے جو آفاق وانفس کا حکمراں ہوتا ہے۔

کافر کی یہ پہچان ہے آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان ہے گم اس میں ہے آفاق

تم جانتے ہو رسول اللہ کا قیدی کیسا ہوتا ہے؟ دیکھو ایک لفظ ہے" دیوانہ،، تم نے

سینکڑوں دیوانے دیکھے ہوں گے، ہزاروں دیوانے دیکھے ہوں گے، پتھر کھاتے ہوئے دیوانے دیکھے ہوں گے، راستہ بھولے ہوئے دیوانے دیکھے ہوں گے منزل نا آشنا دیوانے دیکھے ہوں گے، مقصد سے بے نیاز دیوانے دیکھے ہوں گے، ہوش وخرد کھونے والے دیوانے دیکھے ہوں گے۔تم نے دیوانے دیکھے ہوں گے، دنیا کا دیوانہ چلا کرتا ہے تو دنیا والے اسے پتھر مارا کرتے ہیں۔مگر رسول اللہ کا دیوانہ چلا کرتا ہے تو حوادثاتِ زمانہ کترایا جایا کرتے ہیں۔ دنیا کا دیوانہ چلا کرتا ہے تو راستہ بھول جایا کرتا ہے مگر رسول اللہ کا دیوانہ چلا کرتا ہے تو جہاں بیٹھ جاتا ہے منزل بن جایا کرتی ہے، جن راہوں سے گذرتا ہے وہ راہیں شاہراہ حیات بن جایا کرتی ہیں۔

دیوانگان عشق محمد کو دیکھ کر
گھبرا گئی ہے گردش دوراں کبھی کبھی
گردن میں ہار ڈالے ہیں ماہ و نجوم نے
گذرا ہے اُن حدوں سے مسلماں کبھی کبھی

اس لئے لفظ قید سے دھوکہ بھی نہ کھانا! آج اسلام کی قید کو سمجھنے کی کوشش کرو۔آج اسلام کی پابندیوں کو سمجھنے کی کوشش کرو، دیکھو نا، جب تک ہم قید مصطفےٰ کے پابند نہیں تھے۔ قانونِ مصطفےٰ کے پابند نہیں تھے، ہماری ایک مجبور پیشانی تھی اور ہزاروں سجدہ گاہیں تھیں۔ہم اقتدار کی پوجا کرتے تھے، ہم ہر توانائی کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم ہر نفع کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم ہر نقصان کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم ہر خواہش کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم ہر ارادے کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم ہر لذت کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم ہر بے لذتی کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم ہر حسن کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم ہر بے جمالی کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم خوف کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم ہر رجا کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم ہر طاقت کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم مرض کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم بہاروں کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم دریاؤں کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم ہر چیز کے

سامنے جھکے ہوئے تھے، ہماری ایک مجبور پیشانی تھی مگر ہزار مراکز سجدہ تھے مگر قربان جایئے جس روز سے رسول اللہ نے ہماری پیشانی کو پابند سجدہ خدا بنا دیا ہے تو اب دنیا کی کوئی طاقت ہم سے سجدہ نہیں مانگ سکتی ہے۔بندگی نہیں مانگ سکتی ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے آدمی کو دیتا ہے نجات
وہ سجدہ روح زمین جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب
محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

تو جو خدا کے دامن توحید میں آباد ہوگا کیا اس کی رسم گاہ کی وسعتوں کا جائزہ لے سکتے ہو؟ کیا اس کے میدان عمل کی وسعتوں کا جائزہ لے سکتے ہو؟ اس لئے جو رسول کا غلام ہوگا، وہ ساری کائنات کا حکمراں ہوگا وہ ساری کائنات کا آقا ہوگا، وہ ساری کائنات کا مولیٰ ہوگا اور میں یہ اپنی جانب سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہ بھی کائنات کا اعتراف ہے۔

تم اگر نظام کائنات کا جائزہ لو، کائنات میں سیاروں کے نظام کا جائزہ لو، گریویٹی کا جائزہ لو، کشش ثقل کا جائزہ لو، تو حیرت واستعجاب کے کروڑوں سجدے تمہاری پیشانی میں تڑپتے ہوئے نظر آئیں گے۔اس لئے کہ قادر مطلق نے اس نظام کو جس Balence اور توازن کے ساتھ قائم کر رکھا ہے یہ قادر مطلق کے علاوہ کسی اور کا کام ہو ہی نہیں سکتا ہے۔اب تک مفسرین کرام نے میزان کا صرف ایک تخیل پیش کیا ہے کہ میزان وہ پیمانہ ہے، جس سے اعمال کو ناپا جاتا ہے۔مگر پورا قرآن عظیم پڑھو جگہ جگہ وزن کا تذکرہ کیا گیا ہے، میزان کا تذکرہ کیا گیا ہے، میزان اُس Balence کا نام ہے جس پر نظام کائنات قائم ہے جس پہ نظام فطرت قائم ہے، میزان اسی توازن کا نام ہے جس پر ہم بھی قائم ہیں اور تم بھی قائم ہو" ولا تخسروا المیزان،، میزان میں کوئی کمی نہ کرو۔جہاں نظام کائنات میں فرق آئیگا، توازن

میں فرق آئیگا، نظام کائنات تباہ ہوجائے گا، نظام کائنات برباد ہوجائے گا اور جہاں عناصر کے توازن میں فرق آئیگا موت واقع ہوجائے گی۔

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب.

موت کیا ہے ان ہی اجزاء کا پریشاں ہونا

آپ اندازہ کریں! ایک فرد سے لے کر قوم تک، ذرے سے لے کر آسمان کے ستارے تک، یہ سب کے سب نظام کے قائل ہیں، توازن کے قائل ہیں، میزان کے قائل ہیں، یہی توازن حسن ہے، یہی توازن حیات ہے، یہی توازن جمال ہے، یہی توازن خوبی ہے، یہی توازن عظمت ہے، یہی توازن عدل ہے، یہی توازن انصاف ہے، یہی توازن زندگی کا تقاضہ ہے، یہی توازن زندگی ہے اور زندگی کے معمولات ہیں، توازن بہت ضروری ہے، جب کسی قوم کے اندر توازن باقی نہیں رہ جاتا Balence باقی نہیں رہ جاتا۔ جب کوئی قوم اپنا ذہنی توازن کھودیتی ہے، اپنا فکری توازن کھودیتی ہے، اپنا اجتماعی توازن کھودیتی ہے، اپنا جماعتی توازن کھودیتی ہے تو وہ قوم مرجاتی ہے وہ قوم فنا ہوجاتی ہے، یہ توازن بے پناہ ضروری ہے۔ پوری کائنات کے اس نظام کو اسی توازن نے سنبھال رکھا ہے۔

میرے عزیز میرے دوست! اس نظام کائنات کے توازن کا جائزہ لوگے، کروڑ ہا سال اس زمین کے اوپر گذر گئے ہیں۔ مگر آج کی تاریخ کو سورج اسی وقت نکلا ہے کہ آج سے کروڑوں سال پہلے نکلا تھا۔ ارب ہا سال زمین پر گذر چکے ہیں۔ مگر آج کی تاریخ میں سورج اس سیکنڈ میں ڈوبا ہے جس سیکنڈ میں ایک ارب سال پہلے ڈوبا تھا۔ جس نے لمحوں کا اتنا شدید کنٹرول رکھا ہو، جس نے کائنات کے نظام کو اس قدر سنبھال رکھا ہو، اور پھر یہ کائنات اور اس کی وسعتوں کا جائزہ لوگے۔ کبھی تم نے دیکھا؟ قرآن شریف فرماتا ہے ''**والعصر ان الانسان لفی خسر**،، قسم ہے زمانہ کی! انسان بہت بڑے گھاٹے میں ہے۔ ان مفسرین کی عظمتوں کے سامنے ہمارے سر جھکے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے عصر سے مراد عصر رسالت لیا ہے، عصر نبوت لیا ہے، خیر القرون لیا ہے، رسول اللہ کا زمانہ لیا ہے، اس زمانے کے مقابلے میں ہر زمانے کا انسان خسارے میں ہے۔ لیکن اگر عصر کو اپنے عموم پر بھی رکھا جائے تو عجیب قسم

کے معنی سامنے آتے ہیں۔ عجیب کیفیت سامنے آتی ہے، یہ عصر جسے تم زمانہ کہتے ہو، جسے تم Time کہتے ہو، اس زمانے کا کبھی تم نے اپنی زندگی میں جائزہ لیا؟ بڑا غرور ہے تمہیں اپنی حیات پر، بڑا غرور ہے تمہیں اپنی طاقت پر، بڑا غرور ہے تمہیں اپنی دولت پر، بڑا غرور ہے تمہیں اپنے اقتدار پر، بڑا غرور ہے تمہیں اپنے سرمایہ پر، بڑے کج کلاہ بنے بیٹھے ہو، اکڑتے ہوئے زمین پہ چلتے ہوئے، نظر آتے ہو مگر زمانے کے نقشہ میں اپنے وجود کے نقطہ کو تلاش کر کے دکھاؤ، تو جانوں، ڈھونڈ کر کے دیکھاؤ تو جانوں، تم کہاں ہو، یاد رکھو اللہ وہ ہے جو حی وقیوم ہے پہلے بھی تھا، آج بھی ہے، کل بھی ہوگا، یہ تھا، یہ ہے، یہ کل، ہماری ناقص تعبیریں ہیں۔ وہ تو ہے اور صرف ہے، وہ ازلی اور ابدی ہے۔ مگر ہمارا وجود دو نفی کے درمیان میں اثبات کا ایک بڑا ذلیل سا نقطہ ہے۔ ہم کل نہیں تھے آج ہیں۔ اور کل نہیں ہوں گے۔ اس آج کو حاضر کہتے ہیں آپ، مجھے افسوس ہے کہ میں اس موضوع کا حق ادا نہ کرسکوں گا۔ مجھے اپنے تمام ساتھیوں کے لئے کچھ نہ کچھ دینا ہے۔ لیکن میں گذر رہا ہوں ذرا سونچو، یہ آج جسے تم حاضر کہتے ہو، اس آج کو ذرا تلاش کرو، زمانے کے نقطہ پر، کہیں آج؟ ملتا ہی نہیں۔ آج تلاش نہیں کرسکتے ہو زمانہ حال کو، تم نے لفظ کل کہا ''ک، زبان سے نکلا ماضی ہوگا، لام،، ابھی ادا نہیں ہے۔ مستقبل ہے ذرا حال ڈھونڈو، حال تلاش کرو، اپنے وجود کے نقطہ کو ڈھونڈو کہاں پائے جاتے ہو تم؟ عجیب عالم ہے، تم نے اس کائنات کی وسعتوں کا جائزہ لیا ہے؟ زمانے کی وسعتوں کا؟ ایک سال وہ ہے جو تم کیلنڈر کے اعتبار سے متعین کرتے ہو اور ایک سال وہ ہے جسے سائنس نے نوری سال کا نام دیا ہے۔ یہ نوری سال جانتے ہو کیا ہوتا ہے؟ یہ نوری سال وہ ہوتا ہے۔ جس میں روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ کی رفتار سے آگے بڑھتی ہے

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں بتانا چاہتا ہوں کہ ذرا سونچو اور ذرا غور کرو کہ یہ نوری سال کیا ہے؟ روشنی کا سال ہے۔ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکندر کی رفتار سے روشنی کا سال چلتا ہے۔ ایک سکنڈ میں یک لاکھ چھیاسی ہزار میل چلتا ہے یہ نوری سال۔ اسی رفتار سے کروڑوں سیارے روز ازل سے چل رہے ہیں۔ مگر اب تک ان کی روشنی ہم تک نہیں پہنچی۔ یہ خلاء کتنا وسیع ہوگا جائزہ لے سکتے ہو؟ اندازہ کرسکتے ہو؟ اس خلاء کی وسعت کا، اس خلاء سے

بڑے کہیں سبع سمٰوٰت ہیں۔اس خلاء سے بڑے کہیں معراج کی منزل ہے۔اس خلاء سے اوپر کہیں رسول اللہ کا قدم ہے۔اور اس کے اوپر ان کا سفر ہے۔یہ خلاء تو ایک قدم ہے رسول پاک کا،اس سے آپ اندازہ کرو یہ خلاء کتنا وسیع ہے ہم اپنی عمر Space اور Time کے نقطہ سے ناپیں۔وہ تو میر تھا جو کہہ گیا تھا۔

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

ہم تو کہیں نہ پاسکیں گے،ہمارا وجود ہم کو خود بھی نظر نہ آئے،ہم تو نہ اپنے کو حباب میں تلاش کرسکیں گے اور نہ سراپ میں تلاش کرسکیں گے۔اگر ہم تلاش کرنا چاہیں،ہم جاننا چاہیں اگر ہم اپنے کو محسوس کرنا چاہیں۔یہ ہمارے وجود کی کیفیت ہے۔والعصر اس زمانے کی قسم کہ جس کی وسعتوں کو انسان نہیں ناپ سکتا،انسان بہت بڑے گھاٹے میں ہے۔ہاں،جو اپنا رشتہ خالق زمانہ سے قائم کرلئے،عمل صالح کرے اور ایمان پر قائم ہو وہ لافانی ہوجاتا ہے،وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے،وہ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ورنہ ہم اپنے وجود کو تلاش کرسکتے ہیں۔اور کہنے والوں نے کہا ہے۔تمہارا وجود تو تمہارا وجود ہے قدرت کی توحید کے مقابلہ میں یہ Space اور Time بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

خرد ہوئی ہے زماں ومکاں کی زُناری
نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ

کتنا عظیم ہے یہ زمانہ؟ کتنے عظیم ہیں یہ سیارے؟جب آسمان کا سینہ ستاروں سے بھرا ہوا ہوتا ہے تو تم ایک شاہراہ کا تذکرہ کرتے ہو۔جسے Milky way کہا جاتا ہے،دودھ کی شاہراہ،جسے تم کہکشاں کہتے ہو جس کو خدائی کہکشاں کہتی ہے وہ مسلمان کا خرام رائیگاں ہے۔کاش وہ ظالم جانتا کہ یہ کہکشاں کسی کا خرام رائیگاں نہیں ہے یہ کہکشاں تو اتنا عظیم نظام ہے کہ اس کے ایک ننھے سے ستارے کے اوپر ہماری کروڑوں زمینیں اٹھا کے رکھی جاسکتی ہیں۔مگر قربان جایئے اللہ نے اس پورے نظام کو سنبھال رکھا ہے۔مدبر عالم نے،پروردگار عالم نے اس پورے نظام کو کنٹرول کررکھا ہے،اس پورے نظام کو سنبھال رکھا ہے۔یہ پورا نظام اس کے

دست قدرت کا پابند ہے،یہی توازن جو اللہ عطا فرماتا ہے،جس کے ذریعہ سے پورا نظام چلتا ہے،جب ہماری زندگی میں پیدا ہوجائے،جب ہماری حیات میں پیدا ہوجائے،تو وہ توازن دراصل مصطفیٰ کی رفتار کا صدقہ ہے،مصطفےٰ کی گفتار کا صدقہ ہے،مصطفےٰ کی عطا کا صدقہ ہے،قادر مطلق نے انسانی نظام اور توازن کو قائم کرنے کے لئے اپنے نائب اعظم کو بھیجا،خلیفۃ اللہ الاعظم کو بھیجا تا کہ انسانی رفتار میں توازن پیدا ہوجائے،انسانی گفتار میں توازن پیدا ہوجائے،انسانی حیات میں توازن پیدا ہوجائے،روح وجسم میں توازن پیدا ہوجائے،انسانی کیفیات میں توازن پیدا ہوجائے،مشاعر ومحسوسات میں توازن پیدا ہوجائے،غضب اور شہوت میں توازن پیدا ہوجائے،عدل اور ظلم میں توازن پیدا ہوجائے،یہی توازن عبادت ہے،یہی توازن بندگی ہے،بیوی بچوں کو چھوڑ کر کے چلہ دینے چلے جاؤ،یہ توازن کو بگاڑنا ہے۔تعلیم چھوڑ کر کے گم ہوجاؤ۔یہ توازن کو خراب کرنا ہے،دولت کو کس کھاری میں ہمیشہ کے لئے دفن کردو یہ توازن کو برباد کرنا ہے۔اسلام اک نظام توازن ہے۔جس توازن کو باقی رکھنا بے پناہ ضروری ہے۔تمہیں تعلیم بھی حاصل کرنی ہے،تمہیں محنت بھی کرنی ہے،تمہیں سرمایہ بھی کمانا ہے،تمہیں اقتدار بھی حاصل کرنا ہے،تمہیں قوموں کی نگاہوں میں باعزت بھی بننا ہے،صاحب وقار بھی بننا ہے،جب یہ ساری باتیں تمہاری زندگی میں ہوں گی تب توازن پیدا ہوگا،کسی ایک گوشے پر عمل کی دعوت دینا یہ توازن نہیں اسلام سے انحراف ہے،میں عرض کررہا تھا آپ اللہ کے رسول کی مقدس زندگی دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کتنی عظیم زندگی تھی؟ کتنی بزرگ زندگی تھی؟ کتنی محترم زندگی تھی؟ کتنی کامل زندگی تھی؟ کاملیت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ آپ غور کریں تو حیرت واستعجاب میں ڈوبتے چلے جائیں گے۔ایک فرد ہے ایک ذات بے مثال ہے مگر پوری کائنات کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔پوری کائنات کے لئے نمونہ زندگی ہے،اگرچہ بظاہر یہ ممکن نہیں مگر یہ بھی اعجاز ہے مصطفےٰ کا،یہ بھی عظمت ہے مصطفیٰ کی،ایک غریب کسی سرمایہ دار کے لئے نمونہ نہیں ہوتا ایک سرمایہ دار کسی غریب کے لئے نمونہ نہیں ہوتا ہے،ایک عربی کسی عجمی کے لئے نمونہ نہیں ہوسکتا ہے۔ایک کاشتکار کسی تاجر کے لئے نمونہ نہیں ہوسکتا ہے،ایک تاجر کسی کاشتکار کے لئے نمونہ نہیں ہوسکتا

ہے، ایک گورا کسی کالے کے لئے نمونہ نہیں ہوتا، ایک کالا کسی گورے کے لئے نمونہ نہیں ہوسکتا ہے، ایک فاتح کسی بادشاہ کے لئے نمونہ نہیں ہوسکتا، ایک بادشاہ کسی کمانڈر کے لئے نمونہ نہیں ہوسکتا ہے، ایک عسکری کسی Cheaf of Army کا نمونہ نہیں ہوسکتا، ایک Cheaf of Army کسی معمولی عسکری کے لئے نمونہ حیات نہیں بن سکتا ہے، یک غریب کسی مالدار کے لئے نمونہ نہیں ہوتا، ایک مالدار کسی غریب کے لئے نمونہ نہیں ہوتا ہے۔ مگر قربان جائیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ہیں مگر اگر کوئی غریب قانون لینا چاہیے۔ تو نبی کی مکی زندگی میں آکر کے ان کے بارگاہ میں حاضر ہو مکمل قانون ملے گا ایک سرمایہ دار قانون اپنا چاہے تو قیصر و کسریٰ کے فاتح کی مقدس زندگی دیکھیں یقیناً ان کی زندگی میں سرمایہ بھی ہے اور دولت بھی ہے، مگر شام ہوتی ہے تو اپنا سب کچھ قربان کرکے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ اگر ایک مزدور قانون لینا چاہے تو مکہ کے اس عظیم پیغمبر کو دیکھے جو اپنے ہاتھ سے محنت کرتا ہوا نظر آتا ہے، ایک کاشتکار قانون لینا چاہے تو اس نبی کو دیکھے جو کھجور کا درخت لگاتے ہیں اور دلوں میں ایمان کا بیج بوتے ہوئے نظر آتے ہیں، اگر ایک فاتح قانون لینا چاہیے۔ تو اس فاتح کو کو دیکھئے جس کی پیشانی اونٹ کے کوہان پہ جھکی ہوئی ہے اور ساری کائنات اس کے قدموں میں جھکی ہوئی نظر آتی ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں ایک سپہ سالار اگر قانون لینا چاہے تو اس پیغمبر کو دیکھے جو بدر و حنین میں جنگ مرتب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ یہاں ابوجہل مارا جائے گا، یہاں عتبہ مارا جائے گا، یہاں شیبہ مارا جائے گا اور جب جنگ کا غبار چھٹتا ہے تو موت کا اضطراب بھی عتبہ اور شیبہ کی لاشوں کو اس دائرے سے کھینچ کے باہر نہیں لاسکتا جس کو رسول اللہ کی انگلیوں نے کھینچ دیا ہے، جسے انیس بیکساں نے کھینچ دیا ہے۔

میرے عزیزو اور میرے دوستو! اسی طرح سے اگر ایک گھر کا ذمہ دار قانون لینا چاہے تو حسین کے نانا کی حیثیت سے دیکھے فاطمہ کے والد گرامی کی حیثیت سے دیکھے۔ اُم المومنین حضرت عائشہ کے شوہر کی حیثیت سے دیکھے عزیزان ملت اسلامیہ اگر ایک انسان عربی انسان کے لئے قانون لینا چاہے تو محمد عربی کو دیکھے اور اگر کوئی مغربی قانون لینا چاہے تو ان کی بارگاہ میں سلمان فارسی کو دیکھئے صہیب رومی کو دیکھے ایک ذات ہے مگر زندگی کا ہر طبقہ سکون پارہا ہے

ایک ساتھ ذات ہے مگر زندگی کے ہر گوشہ کے لئے قانون ہے۔ ایک ذات ہے مگر زندگی کے ہر طبقہ کے لئے مکمل رہنمائی ہے اور صرف زندگی ہی کے لئے نہیں بلکہ زمانے کے لئے بھی، دیکھو، دنیا میں جب کوئی قانون بنتا ہے تو یہ قانون کی مجبوری ہے کہ وہ قانون حالات کے سایہ میں بنتا ہے، ماحول کے سایہ میں بنتا ہے، حال کے سایہ میں بنتا ہے، جیسا زمانہ ہوتا ہوے ویسا قانون بنتا ہے، قانون کل کو نہیں دیکھ سکتا، کل کے بارے میں قانون اندھا ہوتا ہے، آنے والے حالات کو نہیں دیکھ سکتا، قانون داں کچھ Gase کرسکتا ہے، کچھ اندازہ کرسکتا ہے، کچھ قیاس کرسکتا ہے کچھ ظن پیش کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ قانون داں کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ ایک قانون بنانے والا حال کو دیکھتا ہے، مگر مستقبل اُس کے سامنے نہیں ہوتا، آنے والا زمانہ اس کے سامنے نہیں ہوتا۔ آنے والا دور اُس کے سامنے نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ آج جو قانون بنتا ہے کل وہ قانون ٹوٹ جاتا ہے۔

مگر یا رسول اللہ! ہم آپ کے نظام پر قربان! آپ جو نظام لائے ہیں، آپ کا خدا حال کو بھی دیکھ رہا ہے، مستقبل کو بھی دیکھ رہا ہے آنے والے زمانے کو بھی دیکھ رہا ہے۔ اس کو کوئی دور چیلنج نہیں کرسکتا، اس کو کوئی زمانہ چیلنج نہیں کرسکتا اس اللہ نے آپ کو بھی نگاہ عطا فرمادی ہے کہ جب چاہیں حال کو دیکھیں اور مستقبل کو بھی دیکھیں، زمانے کی قدروں کا جائزہ لیں اور زمانے کے اعتبار سے دنیا کو قانون عطا فرمائیں، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ کے قانون کو نہ چیلنج کیا جاسکتا ہے اور نہ اُسے پارینہ کہا جاسکتا ہے، نہ اُسے بوسیدہ کہا جاسکتا ہے نہ اُس پہ الزام لگایا جاسکتا ہے اور نہ اُس پہ قدامت کا الزام لگایا جاسکتا ہے۔ وہ ہر دور میں جدید ہے، وہ ہر دور میں تازہ ہے، وہ ہر دور میں اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ زندہ ہے اور اپنی تمام عظمتوں کے ساتھ زندہ رہے گا۔ تم اس نظام کے ماننے والے ہو جب اسی نظام پر عمل کروگے تو تمہیں عابد کہا جائے گا، عبادت گذار کہا جائے گا، میں نظام کی گہرائیوں اور نظام کے اُن گوشوں پہ اگر نظر ڈالوں جن کا تعلق قانون کی پیچیدگیوں سے ہے تو یقیناً یہ محفل اس کی محتمل نہیں ہوسکتی مگر میں معمولات پہ تو گفتگو کرسکتا ہوں۔ دیکھو، سونا انسان کی فطرت ہے، وہ سونا نہیں جس پہ کنٹرول کیا جاچکا ہے۔ بلکہ وہ سونا جس پہ کنٹرول ہی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ تم سونا چاہو تو بھی نیند آئے

گی اور نہ سونا چاہو گے تو بھی نیند آئیگی، لیکن اگر سونے سے پہلے تم صرف اتنا سوچ لو، کہ اس طرح سے سوؤ جیسے رول اللہ سوتے تھے تو تم سو بھی رہے ہوگے اور عبادت الٰہی بھی ہو رہی ہوگی، سو بھی رہے ہوگے اللہ کی بندگی بھی ہوگی، سو بھی رہے ہوگے اور اللہ کی رحمت تم پہ سایہ بھی ڈالے ہوگی، سو بھی رہے ہوگے اور اللہ کا کرم تمہاری حفاظت بھی کر رہا ہوگا، سو بھی رہے ہوگے اور اللہ کے حفظان تمہارے اردگرد تمہاری پاسبانی کر رہے ہوں گے، تم جانتے ہو یہ سونے کی ادا تمہیں کس نے دی ہے رسول اللہ نے دی ہے، جو سونے کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ کائنات کو جگانے کے لئے آئے تھے جو خود نہیں سوتے تھے بلکہ کائنات کو جگا دیتے، جو ہر لحہ جاگتے تھے جن کا سونا بھی جاگنا تھا۔

وہ سوجائیں تو معراج منامی
وہ جاگیں تو خدا سے ہم کلامی

ہم سوتے ہیں تو غافل ہو جاتے ہیں مگر وہ سوتے تھے تو قرب خداوندی میں سوتے تھے، اس لئے ان کا سونا ہمارے سونے کی طرح سے نہیں تھا" ابیت عند ربی ،، میں تو اپنی راتیں اپنے رب کے حضور میں گذارا کرتا ہوں۔

عزیزان ملت اسلامیہ! آپ ذرا سوچو، پھر بھی وہ سوئے کیوں تھے؟ قرآن کریم نے ان کے سونے کا تذکرہ بھی کس قدر خوبصورت انداز میں کیا ہے " **یایھا المزمل قم اللیل الا قلیلاً نصفه او انقص منه قلیلاً اوزد علیه و رتل القرآن ترتیلاً انا سنلقی علیک قولاً ثقیلا ان ناشئة اللیل ھی اشد وطأ و اقوم قیلاً ان لک فی النھار سبحاً طویلاً** ،،

عزیز ملت اسلامیہ! جن کی ادائے نوم کو قرآن عظیم نے محسوس کرلیا ہو، جن کی نیند کے طریقہ کا تذکرہ قرآن عظیم نے کیا ہو، ان کی نیند کتنی عظیم ہوگی؟ اگر نیند نہ ہوتی تو قرآن اس کا تذکرہ کیوں کرتا؟ حدیثوں میں اس کا تذکرہ کیوں کیا جاتا؟ صحابہ ان کی خواب کی کیفیات کی روایات کرتے ہوئے کیوں نظر آتے؟ ان کی بیداری کی کیفیات کی روایات کرتے ہوئے کیوں نظر آتے؟ تو ہمارا سونا ان کے سونے کی طرح سے نہیں ہے؟ ہم سوتے ہیں تو غافل

ہو جاتے ہیں ہم سوتے ہیں تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، ام المومنین سے پوچھو، راز دانِ حجرہ رسول سے پوچھو کہ کتنے بار اللہ کے رسول نے نیند فرمائی ہے اور اٹھ کے نماز ادا کی ہے۔ اس لئے کہ ہم غافل ہوتے ہیں وہ غافل نہیں ہوتے۔ ان کا سونا بھی ہماری طرح سے نہیں تھا۔ پھر بھی اس لئے سوئے تھے تاکہ ہم کو سونے کا سلیقہ آجائے، ہم کو سونے کا طریقہ آجائے، ہم کو سونے کا اندازہ مل جائے۔

عزیزان ملت اسلامیہ، قابل احترام بزرگو اور دوستو! اللہ کے رسول کیسے سوتے تھے؟ آؤ میں ان کی بارگاہ میں لے جاؤں، ایک صحابی حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ، دعا فرمایئے، کہ میں جب بھی مروں تو شہید ہو کر کے مروں، یا رسول اللہ میں عام انسانوں کی طرح سے نہیں مرنا چاہتا، تو آپ نے فرمایا کہ باوضو سویا کرو مروگے تو شہید ہو کر کے مروگے۔ آپ اندازہ فرمائیں اور غور کریں کہ کتنا آسان سانسخہ ہے۔ اللہ کے رسول نے دعا کیوں نہ فرمادی شہادت کی، کتنے لوگوں نے دعائیں چاہی تھیں، اور حضور نے دعا فرمادی تھی، مگر ان کے لئے دعائے شہادت کیوں نہیں فرمائی؟ اس لئے کہ رسول کی نگاہ غیب داں دیکھ رہی تھی کہ اُن کی زندگی میں جو موت ہے وہ شہادت کی موت نہیں ہے۔ اس لئے آپ نے اک آسان سانسخہ عطا فرمایا اور کہا باوضو سویا کرو، مروگے تو شہید ہو کے مروگے، ایک صحابی کو شہادت کا منصب دینے کے لئے آقا ہم سب کی زندگی کو سنوار گئے، نکھار گئے، اگر ہم بھی باوضو سویا کریں تو شہادت کی موت ہوگی۔

میرے عزیز، ہم روزآنہ سوتے ہیں، پوری پوری رات سوتے ہیں، مگر نبی کی ادائیں ہمارے سامنے نہیں ہیں، وہ کبھی پوری رات نہیں سویا کرتے تھے، رات کے ایک حصہ میں اُٹھ کر کے اپنے اللہ کی بارگاہ میں سر جھکایا کرتے تھے، اپنے خدا کے حضور میں سجدہ کرتے تھے، اُمت کے غم میں روتے تھے۔ سیدنا ابو ہریرہ کہتے ہیں ایک رات میں نے محسوس کیا کہ میرے آقا کی پلکوں میں نیند ہے۔ غالباً خندق کا زمانہ تھا دن بھر سرکار نے پتھروں کا سینہ توڑا تھا اور قیصر و کسریٰ کے فتح کی بشارت دی تھی۔ شام ہوئی عشاء کی نماز ادا کر لی گئی تو ہم ان کی بارگاہ سے اُٹھ آئے کہ آقا آرام فرمالیں، لیکن ابھی تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ہم نے مسجد نبوی میں

بیقرار اُمت کو روتے ہوئے محسوس کیا ہم صفہ کے چبوترے سے بے تابانہ اندر گئے تو دیکھا کہ حضور بستر سے سر اٹھا کر کے سجدے میں سر رکھے ہوئے ہیں اور رو رو کر کے عرض کر رہے ہیں "**وان تعذبهم فانهم عبادك**،، اے پروردگار عالم اگر تو اپنے گنہگاروں کو عذاب دے گا تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر معاف فرمادے گا تو تجھے غفور کہتے ہیں۔ تجھے رحیم کہتے ہیں۔ جناب ابو ہریرہ کہتے ہیں میری حسرتِ عرض میرے سینے میں دبی رہ گئی کہ میرے آقا سجدے سے سر اٹھائیں تو میں اُن سے کہوں "یارسول اللہ! آپ اتنی تکلیفیں کیوں برداشت کرتے ہیں؟ اللہ نے آپ کو شفیع المذنبین بنایا ہے۔ آپ کی اُمت کے لئے شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے، بلکہ آپ کی اُمت کو اس نے آپ کو ہبہ فرمادی ہے آپ اس کے مالک ہیں وہ امت آپ کو ہبہ کی گئی ہے۔ آپ اس قدر غم کیوں فرماتے ہیں؟ مگر جب صبح کے موذن نے کہا "**الصلاة خير من النوم**، ، تو اللہ کے رسول نے سجدے سے سر اٹھایا، داڑھی بھیگی تھی، سجدہ گاہ تر تھی، رات بھر رسول اللہ اُمت کو بخشوانے کے لئے اُمت کے غم میں روتے رہے ہیں۔ اس لئے اعلحضرت نے کہا تھا۔

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفٰے نے دریا بہادیئے ہیں

میرے عزیزو اور میرے دوستو! میں کہنا چاہتا ہوں، ذرا سوچو! اور غور کرو! وہ آقا ہیں، شفیع المذنبین ہیں، رحمۃ للعالمین ہیں، انیس بیکساں ہیں، تاجدار کونین ہیں۔ یہ وہ ذات گرامی ہے جس کے قدم عزت سے کائنات انسانی کی آبرو وابستہ ہے، مگر وہ ہمارے لئے روئیں تو رات رات بھر روئیں اور خود ہمیں اپنے گناہوں کا کبھی خیال نہ آئے؟ خود ہمیں اپنی غلطیوں کا کبھی خیال نہ آئے؟ خود ہمیں اپنے اعمال پہ کبھی ندامت نہ ہو؟ ہم رات رات بھر پیر پھیلا کے سوتے ہیں۔ رات رات بھر غافلوں کی طرح سوتے ہیں، یہ غفلت کی نیند موت کی نیند ہوتی ہے۔ سنو! مرجانے والے اور سوجانے والے میں یہ فرق ہوتا ہے کہ سوجانے والے کو جگایا جائے تو جاگ جاتا ہے۔ مگر مرجانے والے کو جگایا جائے تو نہیں جاگتا، دیکھو ٹھوکریں تمہیں

جگارہی ہیں، قیامتیں جگارہی ہیں، مسائل تمہیں جگارہے ہیں، حوادث تمہیں جگارہے ہیں، سازشیں تمہیں جگارہی ہیں، مشرق و مغرب کے طوفان تمہیں جگارہے ہیں، مغربیت تمہیں جگارہی ہے، بوسینا آواز دے رہا ہے، چیچنیا کی سسکتی ہوئی لاشیں تمہیں آواز دے رہی ہیں، وہ تمہیں جگارہی ہیں اگر جاگ گئے تو زندہ کہلاؤ گے نہیں جاگو گے تو مردہ کہلاؤ گے، آج پورا ماحول اور پوری دنیا تمہیں جگارہی ہے، میرے آقا نے فرمایا تھا کہ اک زمانہ ایسا آئیگا کہ جب مسلمان ایسے ہوجائیں گے کہ جس طرح سے بھوکے دستر خوان پہ ٹوٹتے ہیں۔ ویسے ہی دنیا کی قومیں مسلمانوں پر ٹوٹیں گی۔ ایک دوسرے کو بلاتی ہوئی، صحابہ نے کہا یارسول اللہ! کیا ہم بہت کم ہوں گے۔ کہا نہیں! تم سمندر کی جھاگ کی طرح سے ہوگے مگر سمندر کے جھاگ کو موجیں جس طرف چاہتی ہیں، بہالے جاتی ہیں۔ تمہارا بھی یہی حال ہوگا تم پر کسل، جبن اور سستی غالب آجائیگی دنیا کی محبت تمہیں بے بس اور مجبور کردے گی، آج یہ ہماری کیفیت ہے یا نہیں ہے؟ کبھی ہم نے جائزہ لیا، کبھی ہم نے محسوس کیا، ہم آج اپنے سارے مسائل کو دعاؤں سے حل کرنا چاہتے ہیں، ہم دعاؤں کا نشہ دینا چاہتے ہیں، ہم دعاؤں کی ہیروئن پلانا چاہتے ہیں، ہم دعاؤں میں غرقاب کردینا چاہتے ہیں، اے اللہ! اسرائیل کی توپوں میں کیڑے پڑجائیں، یہ زنانہ دعائیں تمہارے مسائل کا حل نہیں ہے۔

میرے عزیز! روز آنہ آپ سوتے ہیں مگر آپ کی نیند غفلت کی نیند ہے۔ بڑے ظالم ہیں ہم علی انفسنا، کہ ہم صدیوں سے سوئے ہوئے ہیں قومیں آئیں اور گذر گئیں۔ زمانہ آیا اور آگے بڑھ گیا، مگر ہم سوئے ہوئے ہیں، ہم پر غفلت طاری ہے، موت کی نیند طاری ہے، ہم چند خوشیوں کے سہارے زندہ رہنے کے عادی ہوچکے ہیں۔ نہیں میرے عزیز نہیں، یاد رکھو آج کے دور میں صرف عبادت ہی ضروری نہیں ہے۔ تعلیم بھی ضروری ہے۔ کیا تم تعلیم حاصل کررہے ہو؟ کیا تمہارے بچے تعلیم حاصل کررہے ہیں کیا تم اس رزمگاہ حیات میں اور میدان مسابقت میں دنیا سے آگے بڑھنے کا حوصلہ رکھتے ہو؟ آج تو تمہارا یہ عالم ہے کہ تمہاری تعلیمی پوزیشن کمزور قوموں سے بھی 60% فیصد نیچے ہے۔ دنیا چاند پہ کمندیں ڈال رہی ہے تمہیں

زمین پہ بیٹھنے کا سلیقہ تک نہیں آتا، دنیا سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر رہی ہے اور تم ابھی حالات سے آنکھ مچولیاں کھیل رہے ہو، کب تک یہ کیفیت طاری رہے گی؟ کب تک ان راہوں سے گذرتے رہو گے؟ اور نہیں تو تم یونیورسٹی سے بچوں کو اٹھاتے تھے۔ زمانہ امتحان کا قریب ہے، ایک چلہ دیدو، حضور امتحان ہونے والا ہے۔ تو تم کہتے ہو کہ پاس ہو جاؤ گے۔ اللہ پاس کرادیگا، کاروبار سے تاجروں کو اٹھاتے اور لے جاتے ہو واپس آتا ہے بچہ ختم ہو جاتا ہے، واپس آتا ہے تاجر مرجاتا ہے۔ کیا قوم مسلم کو سرمایہ کی ضرورت نہیں تھی؟ یہ غریب اور مفلس قوم فاقہ کش قوم جس کی بچیاں سڑکوں پہ بھیک مانگتی ہیں، اے Bombay کے بسنے والے مسلمانو! آج سے دس سال پہلے بھی کسی مسلم عورت کو برقعہ میں بھیک مانگتے ہوئے دیکھے تھا تم نے؟ لیکن آج Bombay کی سڑکوں پر تمہاری بہنیں بھیک نہیں مانگ رہی ہیں، تم نے پچاس کروڑ روپئے ایک گھاری کے اندر ڈال دیئے! اس پچاس کروڑ روپے سے لاکھوں بیواؤں کے سر پہ آنچل ڈالا جاسکتا تھا، پچاس یونیورسٹیاں قائم کی جاسکتی تھیں ہزاروں ٹیکنیکل کالجس قائم کئے جاسکتے تھے، لاکھوں ادارے قائم کئے جاسکتے تھے قوم مسلم کی غریبی کو سنوار دیا جاسکتا تھا، بیواؤں کو آنچل دیا جاسکتا تھا، بیٹیوں کو عزت دی جاسکتی تھی۔ اس پچاس کروڑ میں تم ہزاروں انسانوں کو باضابطہ طور پر بازار کدوں میں سرویس دے سکتے تھے۔ بیروزگاروں کو روزی دے سکتے تھے۔ مگر تم نے چند دعاؤں کے حوالے اتنی بڑی رقم ضائع کردی۔ کب آنکھ کھلے۔ تمہاری، تم نے وہ زمینیں نہیں دیکھی ہیں۔ میں نے ایتھوپیا دیکھا ہے، میں نے سوڈان دیکھا ہے، میں نے سومالیہ دیکھا ہے، جہاں کے بچے گھوروں پہ روٹیاں تلاش کرتے پھرتے ہیں اور تم، تم یہ مذہبی عیاشی کر رہے، ہو اور اس میں فخر کر رہے ہو؟ مت کرو یہ مذہبی عیاشی، مٹنے والی قوم ایسی ہی ہوتی ہے کہ نہ اس کو اپنے سرمایہ کی پرواہ ہوتی ہے نہ اپنی عزت کی پرواہ ہوتی ہے۔ اور نمود و نمائش کا بھی کیا عالم ہے تمہارا، تم نے اتنا خرچ کرنے کے بعد بھی جتنے افراد جمع کئے ہیں قسم خدا کی جس روز ہم فیصلہ کریں گے ایک آواز میں پورا ہندوستان Bomba میں جمع ہو جائے گا، پوری دنیا جمع ہو جائے گی مگر ہم یہ مذہبی عیاشی گوارا نہیں

کر سکتے، ہم اپنے سرمایہ کی قدر و قیمت کو محسوس کرتے ہیں۔ میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ ایک فقہی جزیہ سناؤں، ایک انسان رات بھر عبادت کرتا ہے اور ایک انسان رات بھر محنت کرتا ہے۔ تا کہ کسی بھوکے کو کھلائے تو رسول کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کی عبادت سے اس کی محنت زیادہ قیمتی ہے وسائل سے آنکھیں بند کرنے کی تعلیم دے رہے ہو، تم اخبارات پڑھنے سے روکتے ہو، تم میڈیا کے مطالعہ سے روکتے ہو، تم حالات کی خطرناکیوں سے روکتے ہو تا کہ مسلمان آنکھیں بند کر کے سوتا رہے اور قیامتیں اس کے دروازے پہ دستک دیتی رہیں، یہ کمزوری جو تم پیدا کر رہے ہو اس کا حساب تمہیں خدا کی بارگاہ میں دینا ہوگا۔ میں عقائد کے اختلاف کی بات نہ کروں گا وہ سب جانتے ہیں۔ کم از کم بمبئی کا باشعور مسلمان جانتا ہے۔ میں تو دراصل اس خطرے کا احساس دلانا چاہتا ہوں کہ وہ غریب اور بیکس قوم، چلو ٹھیک ہے تم نمازی ہی بنانا چاہتے ہو نا، پچاس کروڑ میں پچاس فیکٹریاں قائم کرو، دس ہزار مزدور کو اس میں نوکری دو، اور یہ کہہ کر دو کہ تمہیں نماز پڑھنی ہوگی، پچاس کروڑ سے پچاس فیکٹریاں قائم کرو، کم از کم دس ہزار مزدوروں کو نوکری دو اور یہ کہو بھائی اگر تمہیں نوکری لینی ہے تو اللہ کا سجدہ کرنا پڑے گا۔ قسم خدا کی پیٹ بھی بھرے گا اور سجدہ بھی ہوگا، مدتوں تک تم میری نصیحتیں یاد رکھو گے اور شاید وہ لوگ بھی جنہوں نے جوش محبت میں اور جوش عبادت میں خرچ کر ڈالا ہے۔ وہ بھی شاید کچھ دنوں تک انشاءاللہ اس موضوع پر سوچیں گے۔

میرے عزیز و اور میرے دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا ذرا سونچو اور غور کرو کہ میں ضرور سنتوں کی باتیں کر رہا ہوں لیکن جہاں جہاں مجھ سے ہو سکے گا میں ضرور ٹھوکر دوں گا۔ ضرب لگاؤں گا خود بھی تڑپوں گا، تمہیں بھی تڑپاؤں گا، خود بھی روؤں گا، تمہیں بھی رُلاؤں گا۔ تو تمہیں گھر سے قدم باہر نکالنا ضروری ہے نا، روزی کے لئے معاش کے لئے، صرف تبلیغ ہی کے لئے نکالنا ضروری نہیں ہے روزی اور معاش بھی فریضہ ہے۔ تبلیغ تو فرض کفایہ ہے لیکن بوقت ضرورت روٹی کا حاصل کرنا ہے جانتے ہو؟ تم اس فرق کو پوچھو فقہاء سے، جاننے کی کوشش کرو، روٹی حاصل کرنا اور محنت کرنا ضروری ہے، تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ سنوا!

اسرائیلیوں کو یہ کہا گیا تھا کہ ہفتہ کے دن کوئی کام نہ کریں، دن بھر روزہ رکھیں، لیکن مسلمانوں کے خدا نے یہ بھی پسند نہیں فرمایا کہ مسلمان ایک دن بھی چھٹی کریں۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ '' **واذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع**،، جب جمعہ کی اذان دی جائے تب اللہ کے ذکر کے لئے دوڑو اور کاروبار چھوڑ دو، اور اس کے بعد ''**فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض و ابتغوا من فضل اللہ**،، اور جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور روزی تلاش کرو، جمعہ کا دن سب سے مقدس دن ہے۔ مگر اس روز جمعہ سے پہلے بھی روزی کماؤ اور جمعہ کے بعد بھی روزی کماؤ، روزی اتنی ضروری چیز ہے، روزی اتنی اہم چیز ہے۔ میرے دوستو! اس لئے روزی کے لئے تمہیں گھر سے قدم باہر نکالنا بہت ضروری ہے۔ محنت کرنا ضروری ہے۔ میرے نوجوانو! تمہارے اوپر تمہاری بہنوں کا بوجھ ہے، ماؤں کے آنسوؤں کا بوجھ ہے، قوم کی غیرتوں کا بوجھ ہے، ملت کے جنازوں کا بوجھ ہے، تم اپنے لئے بھی کماؤ اور اپنی قوم کے لئے بھی کماؤ، میں بتا چکا ہوں کہ نفل پڑھ کر کے رات گذارنے کے مقابلہ میں محنت کر کے رات گذارنے والا زیادہ ثواب حاصل کرتا ہے بشرطیکہ نیت ہو، کہ اس سے دوسروں کی مدد کرے گا۔ محنت کرنا بہت ضروری ہے۔ میں نے سنی دعوت اسلامی کے جوانوں کو سمجھا رکھا ہے کہ خبردار روزی روٹی کے مسئلہ سے خود کو جدا مت کرنا، محنت کرنا، مشقت کرنا، عمامہ بھی باندھنا اور مزدوری بھی کرنا تا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ تمہارا ذوق عبادت تمہیں سست اور کاہل کردے، اب آپ اندازہ کرو اور سونچو کہ ہم بھی گھر سے باہر قدم نکالتے ہیں اور سرکار بھی نکالتے تھے، سرکار بھی چلتے تھے، سرکار جب چلتے تھے تو کافر طعنہ دیتے تھے ''**مالھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق**،، یہ کیسے رسول ہیں جو کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے ہیں۔ گویا وہ سمجھتے تھے کہ جو کھانا کھائے اور بازاروں میں چلے وہ رسول نہیں ہو سکتا ہے۔ مگر انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان ظالموں نے میرے نبی کو مکہ میں چلتے ہوئے دیکھا تھا مدینے میں چلتے ہوئے دیکھا تھا، میرے نبی کے نشانات قدم کو پتھر کے سینے پہ دیکھا تھا۔ مگر عرش کے زینے پہ

نہیں دیکھا تھا، وہ تو حریم نور کے چلنے والے تھے، وہ تو جلوت کدہ محبوب کے چلنے والے تھے۔ مگر ہم کمینوں میں اس لئے چلے تھے تاکہ ہم کو چلنے کا سلیقہ آجائے۔ ہم کو چلنے کا شعور مل جائے، ہم کو چلنے کی ادا مل جائے، ورنہ ہم کہاں مصطفےٰ کہاں؟ ہم کہاں ان کا مقام بلند کہاں؟ ہم کہاں اور کہکشاؤں سے گذرنے والا کہاں؟ ہم کہاں اور بساط ملائکہ پہ پرواز کرنے والا کہاں؟ ہم کہاں اور حدود و قیود کی بلند سرحدوں سے جانے والا کہاں؟ وجود ذرہ کہاں، روئے آفتاب کہاں؟ ہمارے سرکار کائنات کا جواب کہاں؟

لگائے رہنے دو سینے سے داغ عشق نبی
کسے خبر ہے کہ چمکے یہ ماہتاب کہاں

تم اس طرح چلو جس طرح رسول اللہ چلا کرتے تھے، تم چل بھی رہے ہو گے عبادت الٰہی بھی ہو رہی ہو گی۔ بھائیو! اگر تم نے حلال اور جائز روزی کمائی ہے تو کھانا بھی کھاؤ گے مگر ناجائز مت کمانا، کسی بھی حالت میں مت کمانا اور جن گھروں میں ناجائز کمایا جاتا ہے۔ ان گھروں سے کھانے کی بھی کوشش مت کرنا، اس غیرت کو پالو اپنے اندر، اس غیرت کو سنبھالو اپنے اندر۔ خدارا تمہیں معلوم ہے کہ سرکار نے فرمایا تھا کہ ایک لقمہ حرام کھانے والے کی دعائیں چالیس روز تک قبول نہیں ہوتیں۔ جانتے ہو اسکی وجہ کیا ہے؟ پتہ ہے اس کی وجہ کیا ہے اگر تم کسی سائنٹسٹ سے پوچھو، کسی بہترین ماہر سے پوچھو تو وہ بتائیگا کہ ایک قطرے خون سے خلیہ بنتے ہیں جسم کے۔ اور وہ حیاتیاتی خلیہ چالیس روز تک زندہ رہتے ہیں اس لئے 40 چالیس روز تک وہ خون حرام جسم کے اندر موجود ہوتا ہے اس لئے دعا قبول نہیں ہوتی۔ چالیس روز کے بعد جب نئے اور تازہ خلیہ بنتے ہیں۔ حلال خون سے۔ تب دعا قبول ہوتی ہے۔ آج تمہاری دعائیں اس لئے قبول نہیں ہو رہی ہیں کہ حلال غذا نہیں کھا رہے ہو، تو اگر تم نے محنت کی ہے۔ مشقت کی ہے تو حلال روٹی بھی کھاؤ گے لیکن کھانے سے پہلے صرف اتنا سونچ لو کہ اس طرح سے کھاؤ جس طرح رسول تناول فرمایا کرتے تھے۔ تم کھا بھی کھا رہے ہو گے اور عبادت الٰہی بھی ہو رہی ہو گی۔ کیا تم سمجھتے ہو رسول کھانے کے محتاج ہیں؟ طعنہ دیتے

ہونا وہ تو ہماری طرح سے تھے، وہ بھی کھاتے تھے اور ہم بھی کھاتے ہیں، وہ بھی چلتے اور ہم بھی چلتے ہیں، مت اختیار کرو یہ انداز گفتگو، ہم کھاتے ہیں تو ہم کھانے کے محتاج ہیں مگر کھانا رسول کا محتاج تھا۔ ہم نہ کھائیں تو ہم مرجائیں مگر رسول نہ کھائے تو کھانا مرجائے، سمجھ میں آئی بات؟ مبالغہ تو نہیں کر رہا ہوں، نہیں! دیکھو جس کھانے کو رسول نے کھالیا ہے وہ قیامت تک کے لئے حلال ہوگیا ہے۔ اور جس سے نگاہیں پھیر لی ہیں وہ قیامت تک کے لئے حرام ہوگیا ہے۔ پتہ چلا کہ کھانا اپنی حلت کے معاملے میں رسول کی نگاہ کرم کا محتاج ہے اور شریعت میں کھانا اسی کو کہتے ہیں جو حلال ہو، ورنہ وہ کھانے کے محتاج نہیں تھے۔ تم نے صوم وصال کا منظر دیکھا ہوگا؟ کہ میرے آقا رات کو بھی روزہ رکھتے ہیں اور دن کو بھی روزہ رکھتے ہیں صحابہ نے دیکھا کہ یہ رات کو بھی روزہ رکھتے ہیں اور دن کو بھی روزہ رکھتے ہیں تو خیال آیا کہ ہم بھی ایسے ہی روزہ رکھیں وہ تو اپنے محبوب کی اداؤں پہ مرجانے والے لوگ تھے نا، صحابہ نے بھی یہی روزہ رکھنا شروع کردیا۔

میرے دوستو اور ساتھیو! ذرا سونچو اور غور کرو کہ حضور کھانے کے محتاج نہیں تھے پھر بھی اس لئے کھانا کھایا تاکہ دنیا کو کھانے کا سلیقہ آجائے، کس طرح سے کھانا تناول فرمایا اللہ کے رسول نے؟ فرمایا اگر تم پیٹ بھر کے سوتے ہو اور تمہارے پڑوس میں کوئی بھوکا سوتا ہے تو فرشتے رات بھر تم پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اللہ کے رسول نے لفظ پڑوس استعمال کیا ہے تم پیٹ بھر کے سوؤ اور اگر تمہارے پڑوس میں کوئی بھوکا سوتا ہے تو فرشتے رات بھر تمہارے اوپر لعنت بھیجتے ہیں۔ کیا مطلب ہے اس میں؟ حضور نے پوری دنیا کا سکون پوشیدہ کردیا ہے۔ گھر کے پڑوسی محلے والے، محلے کے پڑوسی شہر والے، شہر کے پڑوسی صوبہ والے، صوبہ کے پڑوسی ملک والے، ملک کے پڑوسی براعظم والے، براعظم کے پڑوسی پوری دنیا والے، اگر ہر پڑوسی اپنے دوسرے پڑوسی کی بھوک کا خیال رکھے تو دنیا سے بھوک کا خاتمہ ہوجائے، بیچارگی کا خاتمہ ہوجائے، مصیبت کا خاتمہ ہوجائے۔ ایک صحابی بارگاہ رسول میں حاضر ہیں کوئی سوال کرنا چاہتے ہیں اللہ کے رسول نے دیکھا کہ ان کے چہرے پہ بھوک کے آثار ہیں۔ آپ نے پوچھا

تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں کچھ مسئلہ لے کر کے آیا ہوں۔ آپ نے ایک صحابی سے کہا لے جاؤ انہیں میری بچی فاطمہ کے پاس اور ان سے کہو رسول کا مہمان آیا ہے۔ وہ لے کے جناب فاطمہ کے ہاں گئے اور آواز دی اے بنت رسول، آپ کے دروازے پہ رسول کا مہمان حاضر ہے۔ جناب فاطمہ نے گھر کا جائزہ لیا تو آج تین روز سے چولھا نہیں جلایا۔ سرکار حسن بھوکے ہیں۔ اور جناب حسین بھی بھوکے ہیں، علی مرتضیٰ بھی بھوکے ہیں مگر جب رسول کے مہمان کا خیال آتا ہے تو اپنی چادر کرم اُتارتی ہیں۔ اپنے شہزادے کے حوالے کر کے کہتی ہیں۔ لے جاؤ اسے فلاں یہودی کے پاس گروی رکھ دو، غلہ لاؤ، میں اس بھوکے کو واپس نہیں بھیجوں گی، کھانا ضرور کھلاؤں گی، سنو یہ کسی اور کی چادر نہیں، یہ چادر زہرہ ہے، یہ فاطمہ کی چادر ہے، دنیا کے تمام مردوں کے لئے جس طرح سے ہمارے رسول آخری سہارا ہیں دنیا کی تمام عورتوں کے لئے فاطمہ کی چادر آخری سہارا ہے۔ چادر زہراء آخری سہارا ہے۔

صحابی وہ چادر لے کر جاتے ہیں، یہودی دیکھتا ہے تو کھڑا ہوجاتا اور کہتا ہے اے آنے والے! کونین بھی اس کے ایک تار کی قیمت نہیں ہوسکتی ہے۔ لے جاؤ! میں نے توریت میں پڑھا تھا کہ محمد عربی ایک ایسا معاشی انقلاب برپا کریں گے کہ دوسروں کی بھوک کا خیال رکھیں گے۔ چاہے خود بھوکے ہوں۔ آج میں نے دیکھ لیا ہے اور میں پڑھ لیتا ہوں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"، میں اور میرا سب کچھ رسول کے قدموں میں ہے، میرے عزیز! اب آؤ میں عبادت کی آخری بات کروں۔ پوری زندگی عبادت ہے، مگر کسی غریب کو سہارا دینا بھی، بہت بڑی عبادت ہے۔ عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ بڑے مشہور تابعی سفر حج میں جارہے ہیں، یہ آج کے زمانے کا حج نہیں ہے کہ انسان ہوائی جہاز پہ سوار ہو کے جاتا ہے، سطح آب پہ چلا کرتا ہے۔ یہ اس زمانہ کا حج ہے جس زمانہ کا انسان باد سموم کے تیز وتند جھونکوں کو برداشت کرتے ہوئے بارگاہ رسول تک پہنچا کرتا تھا۔ حیات کا سرمایہ اپنے ہاتھوں میں لے کر پہنچتا تھا۔

کشاں کشاں لئے جاتی ہے آرزوئے وصال
ہر ایک قدم تیرے نزدیک آئے جاتے ہیں

ابھی تو دور ہے صبح بہار کی منزل
ابھی سے کیسے نظر کو قرار آجائے
وہاں سے دیکھنا عالم میری محبت کا
جہاں سے ملنے لگیں گے کھجور کے سایہ

دیوانہ اس طرح جاتا تھا، متاعِ زندگی لے کر کے، حضرت عبداللہ ابن مبارک جا رہے ہیں اور پھر جب حجاز کا سفر شروع ہوا تو آپ نے ایک نخلستان میں قدم ڈالا کھجوروں کے باغ میں، آپ نے دیکھا کہ نخلستان میں ایک تنہا جھونپڑی ہے اس جھونپڑی سے ایک بچی نکلی ہے، اُس نے گھور سے کوئی چیز اٹھایا، دامن میں چھپایا اور لے کر چلی، آپ کو اشتیاق ہوا، بچی نے گھور سے کیا اُٹھایا ہے گندگی کے بھیس؟'' دوڑے ہوئے گئے، کہا بیٹی تم نے گھور سے کیا اُٹھایا ہے؟ دامن میں کیا چھپایا ہے؟ اُس نے کہا سرکار، زندگی کے بہت سے راز چھپائے جاتے ہیں دکھائے نہیں جاتے، مت پوچھئے کہ میں نے گھور سے کیا اٹھایا ہے۔ مت پوچھئے کہ میں نے دامن میں کیا چھپایا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بیٹی، میں رازوں کا امین ہوں، مجھے بتادو کہ تمہارے دامن میں کیا ہے؟ بچی نے دامن کھولا تو اس میں ایک مری ہوئی چڑیا تھی آپ نے پوچھا بیٹی یہ مردہ چڑیا تجھے کچھ نہ دے گی، یہ زندہ نہیں کہ تو دل بہلائے اور کھیلے، پھینک دے اسے تیرا دامن گندہ ہو رہا ہے۔ تو بچی کے آنکھوں میں آنسو آگئے اور کہا سرکار، کھیلا اس وقت جاتا ہے جب انسان مطمئن ہوتا ہے۔ کھیلا اس وقت جاتا ہے جب انسان آسودہ حال ہوتا ہے۔ واقعہ کو چھوڑو، واقعہ میں مکمل کروں گا۔ لیکن مجھے ایک ضرب اور لگانے دو اپنے کو بھی اور آپ کو بھی، میں کہتا ہوں بچی کہہ رہی ہے کھیلا اُس وقت جاتا ہے جب انسان آسودہ ہوتا ہے۔ اے مسلمانو! تم کیوں کھیل رہے ہو؟ کیا تم بہت آسودہ حال ہو گئے؟ کیا تم بہت مطمئن ہو؟ تمہاری بھیڑ سینما کے دروازوں پہ کیوں ہے؟ تمہاری بھیڑ جوا کے آڈوں پہ کیوں ہے؟ تمہاری بھیڑ شراب خانوں کے سامنے کیوں ہے؟ کیا تم بہت آسودہ حال ہو؟ کیا تم نے کسی ایسے باپ کو کھیلتے ہوئے دیکھا ہے جس کے بیٹے کا جنازہ سامنے رکھا ہو؟ کیا تم نے کسی ایسے بیٹے کو کھیلتے

ہوئے دیکھا ہے جس کے باپ کا جنازہ سامنے رکھا ہو؟ آج ملت اسلامیہ کی غیرتوں کا جنازہ پوری دنیا نے ہمارے سامنے رکھا ہے۔ اور پھر ہم کھیل رہے ہیں۔ ہم سینما بازی کر رہے ہیں، ہم عیاشی کر رہے ہیں، بچی کہتی ہے سرکار کھیلا اس وقت جاتا ہے جب انسان آسودہ حال ہوتا ہے۔ میں یہ پرندہ اس لئے لے جا رہی ہوں کہ آج میرے گھر میں تین روز سے فاقہ ہو رہا ہے میرا چھوٹا بھائی دم توڑنے کے قریب ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ایسے موقع پر حرام بھی حلال ہو جاتا ہے۔ میں یہ چڑیا اس لئے لے جا رہی ہوں کہ تاکہ بھون کر اپنے بھائی کو موت سے بچا سکوں، حضرت عبداللہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے آپ نے تمام ساتھیوں کو بلایا اور کہا گنبد خضریٰ قریب ہے، عرب کی سرزمین قریب ہے، بہارستان مدینہ قریب ہے، مرکز نگاہ قریب ہے، قبلہ اطاعت قریب ہے، کعبہ اتقیا دقریب ہے، جنت نظارہ قریب ہے، خلد نظارہ قریب ہے، شہر آرزو قریب ہے، یہ ساری جنتیں قریب ہیں، یہ ساری نعمتیں قریب ہیں، مگر پڑوس میں ایک جھونپڑی بھی ہے، ایک مفلس کی جھونپڑی بھی ہے، ایک مقام یہ بھی ہے جو ہمارے ٹھہرنے کا ہے بتاؤ! ہمارے پاس کتنے دینار ہیں؟ لوگوں نے کہا حضور ہمارے پاس چالیس ہزار دینار ہیں؟ کہا گھر تک واپس ہونے کے لئے کتنے دینار کافی ہیں کہا؟ حضور ایک ہزار دینار کافی ہیں کہا ایک ہزار دینار روک لو، اور اُنچالیس ہزار دینار اس بچی کی جھولی میں ڈالدو، اور کعبۃ اللہ کی دیواروں کے نیچے نہیں ایک مفلس کی جھونپڑی کے نیچے اپنے رب کا سجدہ شکر ادا کرو کہ پروردگار عالم نے تمہارا حج کعبہ کی دیواروں کے نیچے نہیں ایک غریب کی جھونپری کے نیچے قبول فرمالیا، اللہ کی بارگاہ میں سر جھکانا بھی عبادت ہے اور اللہ کے بندوں سے پیار کرنا بھی عبادت ہے اور جب ان دونوں میں توازن ہوگا تب جنت ملے گی غریبوں کا حق اپنی مذہبی تفریحات کے حوالے مت کرو۔

و ما علینا الا البلاغ

☆☆☆

نماز کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ اَقَامَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعاً، فَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَدَیْهِ، صَلٰوةً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهُ وَ نَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ.
اَمَّا بَعْدُ.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط
"اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ۔،، صدق الله العلی العظیم.

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا
ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے آدمی کو دیتا ہے نجات

علماء باوقار، عزیزان ملت اسلامیہ، قابل احترام بزرگو! ہم اور آپ انتہائی احترام و عقیدت کے ساتھ اپنی اور ساری کائنات کے مرکز عقیدت، آقائے دو جہاں، رحمت عالم، تاجدار مدینہ، سرور کائنات، محمد رسول اللہ ارواحنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں۔ (درود شریف)

آپ اگر سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس حیات طیبہ کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے افراد میں سے ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا کہ جس نے ایک وقت کی بھی نماز قضاء کی ہو۔ وہ لوگ بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے پر مجبور تھے۔ جنہوں نے کلمہ کے عقائد کو تسلیم نہیں کیا تھا اور جو نفاق کے راستے پر تھے مگر نماز اتنی اہم تھی کہ اس معاشرے میں زندہ رہنے کے لئے انہیں یونہی رسول اللہ کے دیوانوں کے ساتھ کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ اس کے باوجود آپ احادیث پاک کے پورے ذخیرہ کا مطالعہ کریں اور تاریخ اسلامی کو پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو نمازی کہہ کر مخاطب نہیں فرمایا۔ اس لیئے کہ نمازی کہہ کر مخاطب کرنے کا مطلب یہ تھا کہ گویا یہ شخص نماز کی ادائیگی میں ممتاز ہے اور دوسرے افراد ممتاز نہیں ہیں۔ وہاں نماز پڑھنا کسی امتیاز کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ نماز ہر انسان کی ایسی ڈیوٹی تھی جس کے چھوڑنے کا انسان تصور ہی نہیں کرسکتا تھا، اس لئے نمازی تو سب تھے، نماز کی بنیاد پر کسی کو نمازی نہیں کہا گیا البتہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جن صحابہ کرام میں جو صفت سب سے زیادہ نمایاں تھی اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی صفت کے اعتبار سے انہیں یاد کیا۔ کسی کو صدیق کہا اس لئے کہ تصدیق کی صفت سب سے زیادہ نمایاں تھی، کسی کو فاروق کہا اس لئے کہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے اور فرق کرنے کی صفت سب سے زیادہ نمایاں تھی، کسی کو غنی کہا اس لئے کہ ان کے غناء نے اسلام کو سہارا دیا اور تعاون کیا اور مصیبتوں میں اسلام کو مکمل طور پر امداد فراہم کی۔ کسی کو کرار کہا اس لئے کہ اُن کی جرأتوں نے باطل کی صفیں اُلٹ دیں، کسی کو سیف اللہ کہا کہ جن کی تلوار نے باطل کے میدان میں ہر کامیابی حاصل کی اور کسی کے بارے میں یہ کہا "ارم یا سعد فداک ابی و اُمی"، اے اسعد! تیر چلاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! اللہ کے رسول نے اگر نام دیئے ہیں تو اس طرح کے نام دیئے ہیں، کسی کو سیف اللہ کہا گیا ہے، کسی کو اُسد اللہ کہا گیا ہے۔ پتہ یہ چلا کہ نماز تو اک ایسی صفت ہے جو ہر مومن کے اندر ہوتی ہی ہے مگر اسی نماز پڑھ لینے سے، اسی سجدہ کر لینے سے اسی زندگی کے ذریعہ سے جو جو ہر سب سے زیادہ نکھر کے آئیگا، رسول کی بارگاہ میں وہ لقب بن جائے گا، وہ امتیاز بن جائے گا، وہ میزہ بن جائے گا کسی صحابی کا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی بتادوں کہ نماز ہر فرد کے لئے ہے اور نماز ہی انسان کی خفیہ صلاحیتوں کو اور ان جواہر کو نکھارتی ہے کہ جو انسانی زندگی میں پوشیدہ ہیں اسی لئے فرمایا گیا "**ھم باللیل رُھبان وبالنھار فرسان**،، وہ توارت کے عبادت گذار ہیں اور دن کے گھوڑ سوار ہیں۔ عجیب عالم ہے اُن کی زندگی کا۔

آج کے دور میں نماز کی تحریک اس لئے بہت زیادہ ضروری ہے کہ نماز کی افادیت کو قرآن عظیم نے پوری دنیا کے سامنے ایک عظیم چیلنج کی صورت میں پیش کیا ہے۔ ہم اس آیت کو پڑھ کے گذر جاتے ہیں مگر ہم نے کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی اور کبھی ہم نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ قرآن عظیم نے دنیا کے سامنے کتنی عظیم بات فرمادی ہے اور کتنا عظیم چیلنج پیش کیا ہے۔ آج کی دنیا کا سب سے بڑا المیہ آج کی دنیا کی سب سے بڑی ٹریجڈی، آج کے دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ، آج کی دنیا کو لرزہ براندام کر دینے والی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ بُرائیاں پھیلتی جارہی ہیں اور بُرائیاں بڑھتی جارہی ہیں منکرات بڑھتے جارہے ہیں۔ فحشاء کی زیادتی ہوتی جارہی ہے۔ عالم یہ ہے کہ کوئی سوسائٹی ایسی نہیں ہے دنیا میں، کوئی معاشرہ ایسا نہیں ہے دنیا میں، کوئی ملک ایسا نہیں ہے دنیا میں، کوئی سرزمین ایسی نہیں ہے دنیا میں، کوئی تمدن ایسا نہیں ہے دنیا میں، کوئی تہذیب ایسی نہیں ہے دنیا میں، جو اس بات کا دعویٰ کر سکے کہ ہم نے بُرائیوں پر کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔ بُرائیاں آج کے دور کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ بُرائیاں پھیلتی جارہی ہیں اور معاشرے تباہ ہو رہے ہیں۔ سوسائٹیاں برباد ہو رہی ہیں۔ بُرائیاں پہلے بھی تھیں اور بُرائیاں آج بھی ہیں مگر پہلے انسان جتنا طاقتور تھا اسی دائرے میں

برائیاں بھی کرتا تھا اور آج کا انسان ایٹمی توانائیوں کا مالک ہو گیا ہے اس لئے اسی اعتبار سے اس کی بُرائیوں کا دائرہ بھی وسیع ہوتا چلا جارہا ہے۔ پہلے قبائل، قبائل سے لڑتے تھے۔ افراد افراد سے لڑتے تھے اور آج تو چند لمحوں میں پوری کی پوری قوم زمین بوس کردی جاتی ہے، پورے کے پورے شہر تباہ کر دیئے جاتے ہیں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آج بُرائیوں کے لئے جو ہتھیار استعمال کئے جارہے ہیں اس سے پہلے وہ نہیں تھے، انسان کی عقل نے خدا کے مقدس نظام سے اکتساب فیض کرنے کے بجائے جب آزاد طور پر خود اپنی زندگی کے لئے کامیابیوں کے راستے تلاش کرنے شروع کر دیئے تو کامیابی کا ہر راستہ برائیوں پہ جا کے منتہی ہوا اور بُرائیوں پہ جا کے ختم ہوا۔ آج پوری دنیا لرزہ براندام ہے۔ ہر صاحب ہوش سوچ رہا ہے، ہر دانشور سوچ رہا ہے، ہر انسانیت دوست سوچ رہا ہے، انسان سے محبت کرنے والا ہر فرد سوچ رہا ہے، کہ اگر برائیاں اسی طرح بڑھتی رہیں تو اک وقت وہ آئیگا کہ جب انسانیت کا مفہوم بھی معدوم ہو جائے گا۔ آج پوری دنیا کا ہر صاحب اقتدار دوسروں کی لاشوں کے اوپر اپنے اقتدار کی عمارت تعمیر کرنا اپنی کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتا ہے۔ مجبوروں کی لاشوں کے اوپر، بیکسوں کی لاشوں کے اوپر، کمزوروں کی لاشوں کے اوپر، پسماندہ افراد کی لاشوں کے اوپر، اپنے اقتدار کی عمارت تعمیر کرنا آج کی سیاست کا سب سے نمایاں حصہ ہے۔ آپ پوری دنیا میں دیکھئے جو قوم اپنے کو زیادہ متمدن کہہ رہی ہے وہی قوم آج کی دنیا میں اور آج کے معاشرے میں سب سے زیادہ لٹیری ہے، آپ دیکھیں۔ کہ لوگ قوموں کی پسماندگی سے فائدہ اٹھانے کے لئے لوٹ کھسوٹ کے ہاتھ کو کتنا دراز تر کر چکے ہیں۔ آج اس سرزمین پر پورے کے پورے ملک موجود ہیں جو مقروض ہیں ان قوموں کے جن کے ہاتھوں میں اقتدار ہے اور جو غریبوں کے خون کی سرخی اپنے چہروں پہ نمایاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ تو اجتماعی برائیاں ہیں مگر، انفرادی بُرائیوں کا یہ عالم ہے کہ آج کوئی بازار ایسا نہیں ہے، کوئی سوسائٹی ایسی نہیں ہے، کوئی محلّہ ایسا نہیں ہے، کوئی ٹاؤن ایسا نہیں، کوئی گاؤں ایسا نہیں ہے، جہاں شرابی نہ پائے جاتے ہوں جہاں زانی نہ پائے جاتے ہوں، جہاں بدکردار نہ پائے

جاتے ہوں، ڈرگ استعمال کرنے والے نہ پائے جاتے ہوں، جہاں نشہ کے متوالے نہ پائے جاتے ہوں۔ جہاں جنونی نہ پائے جاتے ہوں، جہاں حالات کے ستائے ہوئے افراد نہ پائے جاتے ہوں، دنیا ڈوبی ہوئی ہے بُرائیوں میں، دنیا ڈوبی ہوئی بدکرداریوں میں، دنیا ڈوبی ہوئی ہے گناہوں میں، اور آج کا یہ عالم ہے کہ کچھ گناہ تو ایسے ہیں جو بہت سجا کے پیش کئے جاتے ہیں۔ بہت آراستہ طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔ جب برائیوں کو بُرائیاں کہنا آسان تھا تو انسان بُرائیوں سے بچا کرتا تھا لیکن جب بُرائیوں کو فن بنا کے پیش کیا جائے، بُرائیوں کو آرٹ بنا کے پیش کیا جائے بُرائیوں کو، تہذیب بنا کے پیش کیا جائے، بُرائیوں کو تمدن بنا کے پیش کیا جائے۔ بُرائیوں کے اظہار کے لئے مختلف سیمبولک ایکسپریشن Symbolic Expression اختیار کئے جائیں اور بُرائیوں کو خوبصورت لبادہ میں پیش کیا جائے، بُرائیوں کو جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری کی شکل میں پیش کیا جائے تو بُرائیوں سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے، بُرائیوں سے پرہیز کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، بُرائیوں سے اجتناب کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، مثال کے طور پر ناچ ہر زمانے میں بُرائی تھا۔ کون نہیں جانتا ہے کہ ناچ جسے دنیا آج آرٹ کا نام دیتی ہے، اعضاء کی موسیقی کا نام دیتی ہے۔ انسانی زندگی کا یہ بہت پرانا شغل ہے۔ جب سے انسان کی تاریخ پائی جاتی ہے۔ اس وقت سے ناچ کی تاریخ بھی پائی جاتی ہے۔ یہ عمل بہت پرانا ہے مگر ہر دور میں ناچنے والے کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا تھا آج سے پہلے ناچنے والے کو نچنیا کہا جاتا تھا، نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کے برابر بیٹھنا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا اس کو معاشرے کا کوئی سنجیدہ فرد قرار نہیں دیا جا سکتا تھا، اس کو سوسائٹی کا کوئی معزز انسان نہیں سمجھا جاتا تھا، لوگ تفریح کے طور پر شریک ضرور ہوتے تھے مگر ناچنے والا کبھی بھی کوئی اچھا نام حاصل نہ کر سکا تھا، آج ناچنے والے کو فنکار کہا جاتا ہے، اداکار کہا جاتا ہے، آرٹسٹ کہا جاتا ہے، تہذیب وتمدن کا نمائندہ کہا جاتا ہے، کسی قوم میں جتنے زیادہ ناچنے والے ہیں اسی قدر اسے زیادہ شائستہ اور مہذب قوم کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں بچنا آسان تھا جب بُرائی کو بُرائی کہا جاتا تھا مگر آج کے زمانے میں بچنا کتنا مشکل ہے کہ بُرائی کو آرٹ کہا جا رہا ہے

برائی کو فن کا نام دیا جا رہا ہے، بدکرداری کو کردار کا نام دیا جا رہا ہے، بدتہذیبی کو تہذیب کہا جا رہا ہے۔ آج کے دور میں ان نوجوانوں کو کیسے بچایا جا سکتا ہے کہ جوان جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری میں اپنی فروغ نظر کو اور اپنے متاع نظر کو قربان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ زنا، کاری کسی دور میں بھی پسندیدہ عمل نہیں رہی ہے اور یہ بھی مسلمہ ہے کہ انسان نے جب بھی فطرت سے انحراف کیا ہے۔ تو زنا کرتا ہوا نظر آیا ہے، ماضی میں بھی یہ عمل ہوتا رہا ہے، آنے والے دور میں بھی یہ ہوگا، مگر ماضی میں ہر قوم نے اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے، ہر طبقہ نے اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے، مشرق نے بھی اسے ناپسند کیا ہے: مغرب نے بھی اسے ناپسند کیا ہے مگر آج زنا کو تمدن کی علامت سمجھا جاتا ہے، ترقی یافتگی کی علامت سمجھا جاتا ہے، بے غیرتی کو تہذیب سمجھا جاتا ہے، آزادیٔ فکر وخیال کا نام دیا جاتا ہے اور چہروں کی رسوائی اور نگاہوں کی فروخت کو متمدن دنیا کا لازمہ سمجھا جاتا ہے۔ آج بڑے دھڑلے کے ساتھ دنیا کی ہر سوسائٹی میں ناچ کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں اور وہ سارے لوگ جو اپنے کو مہذب کہتے ہیں، وہاں جاتے ہیں اور باہر نکلنے کے بعد ان کے چہروں پر شرمندگی نہیں ہوتی ہے۔ وہ تھرکتے ہوئے جسموں کو دیکھتے ہیں، وہ تھرکتے ہوئے بدن کو دیکھتے ہیں، وہ عریاں جسموں کو دیکھتے ہیں، وہ اپنے ہی گھر کی بہو، بیٹیوں کو رقص کرتا ہوا دیکھتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کے شانے سے شانہ ملا کر تھرکتا ہوا دیکھتے ہیں مگر ان کی غیرت مردہ ہو چکی ہے، ان کا احساس مردہ ہو چکا ہے، اُن کا ضمیر مردہ ہو چکا ہے۔ اپنی بہن کو تھرکتا ہوا دیکھ کر کے بھائی تالی بجاتا ہوا نظر آتا ہے، بیٹی کو تھرکتا ہوا دیکھ کر کے باپ واہ واہ کہتا ہوا نظر آتا ہے، معاشرہ کتنا بدل گیا ہے، سوسائٹی کتنی بھیانک ہو گئی ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کبھی ناچ بہت بُری چیز تھی بہت خطرناک چیز تھی۔ ناچنے والا یقیناً معاشرے کا اچھا فرد نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ہر سوسائٹی میں ناچنے والے موجود تھے مگر کوئی بھی انسان اُسے اپنے برابر بیٹھنے کا مقام نہیں دے سکتا تھا۔ مگر آج ناچ آرٹ بن چکا ہے، بُرائیاں آرٹ بن چکی ہیں، زنا عام ہو چکا ہے، بے حیائی عام ہو چکی ہے، بے غیرتی کردار بن چکی

ہے اور آوارگیٔ فکر ونظر دراصل تہذیب اور Freedom of Expreassion کے نام کی بنیاد پر دنیا میں پہچانی جارہی ہے۔ جب بُرائیوں کو اس قدر ملمع کاریوں کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے تو آج فریب کھانا آسان ہوگیا ہے، پہلے شرم سے انسان بُرائیاں نہیں کرتا تھا اور آج شرم کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اس لئے کہ بے شرموں کی ایک دنیا پیدا ہوگئی ہے۔ بے غیرتوں کا ایک معاشرہ پیدا ہوگیا ہے۔ جو انہیں اپنی طرف Apreaciate کرتا ہوا آتا ہے۔ انہیں پسند کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ جو بُرائیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جو لوگ برائیوں کے خلاف جمے ہوئے ہیں انہیں Fundamentalist کہا جاتا ہے، جو لوگ برائیوں کے خلاف جہاد کررہے ہیں، انہیں نئے نئے نام دیئے جارہے ہیں، بنیاد پرست کہا جاتا ہے، اور جو لوگ بُرائیوں کے خلاف نہیں بلکہ بُرائیوں میں ڈوبنے کی دعوت دے رہے ہیں، بدکرداریوں میں ڈوبنے کی دعوت دے رہے ہیں، خود اپنے جرائم کا اقرار اپنی کتابوں میں کررہے ہیں انہیں دنیا کا سوکالڈ اور ہر مہذب معاشرہ پناہ دینے کے لئے تیار ہے، اپنی بیٹی بنانے کے لئے تیار ہے اپنی بہو کی طرح سے اپنے گھروں میں بٹھالنے کے لئے تیار ہے۔ اس کی کتابوں کا پرچار کرنے کے لئے تیار ہے۔ آج برائیوں کو کتنا اچھا نام دیدیا گیا ہے، برائیوں کو کس قدر پناہ دی جارہی ہے۔ اور برائیوں کو کس قدر تحفظ دیا جارہا ہے۔

جہاد ہر دور میں بُرائیوں کے خلاف کیا جاتا رہا ہے، مگر آج کے دور میں جہاد اس لئے زیادہ اہم ہوچکا ہے کہ بُرائیاں برائیوں کی شکل میں نہیں آرہی ہیں، بدکرداریاں بدکرداریوں کی شکل میں نہیں آرہی ہیں، گناہ گناہ کے شکل میں نہیں آرہے ہیں، ہر بُرائی کو کوئی اچھا نام دیدیا گیا ہے، ہر بدکرداری کو کوئی اچھا نام دیدیا گیا ہے۔ کبھی آپ نے سونچا؟ کہ کل بُرائیوں کے حصول کے لئے کہیں جانا پڑتا تھا، کل بُرائیاں کرنے کے لئے کہیں باہر نکلنا پڑتا تھا، کل بُرائیاں کرنے کے لئے کسی گوشہ کی تلاش کرنی پڑتی تھی، کل برائیوں کے کرنے کے لئے کسی کارنر کو ڈھونڈنا پڑتا تھا کسی بلیک کارنر کو اور کسی ڈارک کارنر کو ڈھونڈنا پڑتا تھا، کسی اندھیرے گوشہ کو تلاش کرنا پڑتا تھا جہاں بُرائی کی جاسکے، جہاں جرم کیا جاسکے، بیٹا سینما دیکھنے کے لئے

نکلتا تھا تو باپ سے ڈرتا ہوا نکلتا تھا گھر سے ڈرتا ہوا نکلتا تھا، معاشرے سے ڈرتا ہوا نکلتا تھا، بیٹا جب کسی صنم کدے میں قدم رکھتا تھا تو یقیناً ان محافظین سے ڈرتا تھا جو اس کے ہر قدم کی نگرانی کررہے ہوتے تھے، مگر آج یہ عالم ہے کہ جو بُرائیاں باہر کی جارہی ہیں وہ بُرائیاں ہم نے ٹی وی اور ویڈیو کے شکل میں اپنے گھروں کے اندر خود موجود کرلی ہیں، آج ہر گھر سینما حال بن چکا ہے، بے غیرتی کا مرکز بن چکا ہے، بُرائیوں کا اڈہ بن چکا ہے۔ وہ گھر جو تہذیب کا مرکز ہوتا تھا۔ وہ گھر جہاں حیاء ہوتی تھی، وہ گھر جہاں حیا کی پرورش ہوتی تھی، وہ گھر جہاں انسانی نگاہ کو نگاہ اعتبار دیا جاتا تھا، حد اعتبار دی جاتی تھی، مقام اعتبار دیا جاتا تھا آج وہ گھر بھی محفوظ نہیں رہ گیا ہے۔ کبھی آپ نے سوچا کہ آج ہماری نوجوان نسل کتنی مجبور اور بیکس ہے''

درمیان دریا تختہ بندم کا روائی
بازی گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

سمندر کے بیچ میں ایک تختہ پہ لٹادینے کے بعد یہ تمنا کررہے ہو کہ دامن بھی تر نہ ہونے پائے اور ہوشیار ہوں ہم، اور ہمارا دامن بھیگنے بھی نہ پائے۔ نادانی کا یہ انداز بڑا عجیب ہے۔ آپ نے اپنے ماحول کا جائزہ لیا آپ نے اپنے گھر کا جائزہ لیا؟

عزیزان ملت اسلامیہ! کبھی آپ نے سوچا کہ آج ماحول ہمیں کہاں لے جارہا ہے؟ آج ہمیں گھر کہاں لے جارہا ہے؟ کبھی ایک زمانہ، وہ تھا کہ جب ہماری درسگاہوں میں۔ جب اسکولوں اور کالجوں میں اخلاق کی تعلیم دی جاتی تھی۔ کردار کی تعلیم دی جاتی تھی، انسانیت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ منوشیتا کی تعلیم دی جاتی تھی، Homanity کی تعلیم دی جاتی تھی، انسانی اقدار کی تعلیم دی جاتی تھی، حیاء کی تعلیم دی جاتی تھی، ادب کی تعلیم دی جاتی تھی، معاشرے کے اقدار کے احترام کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مگر تعلیم گاہوں کو آزاد کردینے کے بعد، اخلاقی قدروں سے آزاد کردینے کے بعد، اخلاقی نظام سے آزاد کردینے کے بعد، آج ہماری درسگاہوں میں پرزہ تو ڈھلتا ہے مگر انسان نہیں ڈھلتا ہے، کوئی اسٹیچو تو ڈھلتا ہے مگر انسان نہیں ڈھلتا ہے، کوئی مجسمہ تو ڈھلتا ہے مگر انسان نہیں ڈھلتا ہے۔

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت

احساس ومروت کو کچل دیتے ہیں حالات

آج کا دور بھی مشینوں کے ڈھلنے کا دور ہے۔ انسان بھی درسگاہوں میں اور یونیورسٹیوں میں کالجوں میں اوراداروں میں مشینوں کی طرح ڈھلتا ہوانظر آرہا ہے۔احساس سے عاری،ضرورتوں سے عاری،ورنہ کیا۔یہ ممکن تھا کہ ایک انسان گرایجویٹ ہونے کے بعد بھی چوری کرتا ہوانظر آئے؟ کیا یہ ممکن تھا کہ ایک انسان Ph.d کرنے کے بعد بھی جرم کرتا نظر آئے؟ کیا یہ ممکن تھا؟ کہ ایک انسان سائنٹسٹ ہونے کے بعد بھی آگ برساتا ہوانظر آتا۔کیا یہ ممکن تھا۔کہ ایک انسان بڑی سے بڑی ڈگری لینے کے بعد بھی بڑا سا بڑا جرم کرتا ہوا نظر آئے،مگر آج جرم کو بڑے پالش کردئے گئے ہیں۔عقلی بنیادوں پہ بہت زیادہ جرم کیا جارہا ہے۔جو جتنا زیادہ پڑھا لکھا ہے وہ اتنا ہی بڑا مجرم نظر آرہا ہے۔ بلکہ آج جرم کی قیادت پڑھے لکھے لوگ کررہے ہیں۔ جرم کا ساتھ پڑھے لکھے لوگ دے رہے ہیں،جرم کی رہنمائی پڑھے لکھے لوگ کررہے ہیں، یونیورسٹیوں سے نکلے ہوئے لوگ کالجوں سے نکلے ہوئے،لوگ، آگ برسارہے ہیں، خاک وخون کی بات کررہے ہیں،موت کی نمائندگی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں،اس لئے کہ یونیورسٹیوں میں سب کچھ پڑھایا جاتا ہے مگر انسانیت نہیں پڑھائی جاتی،کالجوں میں انسان کو دراصل احساس سے عاری کردیا جاتا ہے،شعور سے عاری کردیا جاتا ہے،محبت سے عاری کردیا جاتا ہے۔Selfeshnes پڑھائی جاتی ہے،یسر بہت پہلے کا انسان تھا۔اس سے کسی نے پوچھا تھا تم پولیٹیشین کی بات بتاؤ!ایک سیاستداں کو کس طرح کی کالیفیکیشن کا مالک ہونا چاہئے؟ تو اس نے مسکرا کے کہا تھا۔میں تمہیں بتاؤں۔اس نے کوئی تعلیم حاصل کی ہو یا نہ کی ہو،مگر اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اسے خودغرض ہونا چاہیے۔ اپنی اناؤں پر دوسروں کی خواہشات کو قربان کرنے والا ہونا چاہیے،آج دنیا کے بڑے بڑے ایوانوں میں تمہیں یہی مسائل ملیں گے۔امریکہ دنیا کا سب سے بڑا متمدن ملک ہے،مگر دنیا میں بھی جہاں غریب اور کمزور افراد کو دیکھتا ہے تو اپنے اقتدار کی مسند بچھانے کے لئے وہ وہاں

پہنچ جاتا ہے،وہ سومالیہ کی سرزمین ہو یا عرب کی دھرتی ہو ہر جگہ وہ اپنے پنجے گاڑتا ہوانظر آتا ہے۔دوسروں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسروں کو خاک وخون میں تڑپاتا ہوانظر آتا ہے،پہلے قاتل اور غیر قاتل کا فرق ہوا کرتا تھا۔لیکن آج یہ عالم ہے کہ لوگ بڑی قوت اور بڑی طاقت کے ساتھ پوری کی پوری قوم کو تباہ کردیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔کیا آپ سمجھتے ہیں؟ کیا امریکہ جاہلوں کی بستی ہے؟ نہیں نہیں! بہت پڑھے لکھے لوگ ہیں،مگر انسانیت سے عاری ہیں،محبت سے عاری ہیں،کسی بیوہ کی چیخ کو محسوس نہیں کرسکتے،کسی کمزور کے نالے کو محسوس نہیں کرسکتے،کسی یتیم کے درد کو محسوس نہیں کرسکتے،کسی غریب کی آہ کو محسوس نہیں کرسکتے، عراق کے سسکتے ہوئے بچوں کی موت کو محسوس نہیں کرسکتے،انہیں تو اپنے ہی شبستانوں کو سجانا ہے،انہیں تو اپنے شبستانوں کو آراستہ کرنا ہے،انہیں تو اپنی زمینوں کو سجانا ہے،انہیں تو اپنے ملک کو آراستہ کرنا ہے،انہیں تو اپنی دھرتی کو سجانا ہے،تیسری دنیا کا انسان کٹ کرکے مرجائے اس سے آج کی دنیا کی متمدن قوتوں کو کوئی سروکار نہیں ہے۔انہیں تو دراصل اپنے چہرے کی سرخی کو برقرار رکھنے کے لئے غریبوں اور مظلوموں کا خون چوسنا ہے۔اس لئے کہ اس کے بغیر ان کی سرخی باقی نہیں رہ سکتی۔

میرے عزیزو اور میرے دوستو! پتہ چلا یونیورسٹیاں آج انسان تعمیر نہیں کررہی ہیں بلکہ دراصل احساس سے عاری کچھ اسٹیچو اور کچھ شکلیں بنارہی ہیں جوان یونیورسٹیوں سے نکلتے ہیں۔وہ انسانوں کی موت کا سامان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"درسگاہیں"، جہاں انسان ڈھلتا تھا،درسگاہیں جہاں کردار ڈھلتا تھا،درسگاہیں جہاں تمدن ڈھلتا تھا،درسگاہیں جہاں تہذیب ملتی تھی،درسگاہیں جہاں انسان ذہنی آوارگی اور فکری آوارگی سے بچتا تھا،آج وہ تمام برائیوں کا مرکز بن چکی ہیں،بازار تو سب سے بری جگہ ہے ایسا پہلے بھی تھا۔اللہ کے رسول، تاجدار دو عالم،سرور کائنات،محمد رسول اللہ روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے فرمایا تھا۔" **خیر بقاع الارض مسجد ھا و شر بقاع الارض اسواقھا**"، زمین کے سب سے اچھے حصہ مسجدیں ہیں اور سب سے برے حصہ بازار ہیں۔ بازار تو

ہمیشہ برا تھا؟ لے دے کر کے ہمارے، بچوں کے لئے جو ایک محفوظ جگہ ہو سکتی تھی، وہ ہمارا گھر ہو سکتا تھا۔ وہ ہمارا اپنا کاشانۂ عافیت ہو سکتا تھا، وہ ہمارا اپنا ماحول ہو سکتا تھا، مگر افسوس کہ آج کے دور کی بُرائیوں نے، ٹی وی نے اور اس کی بدکرداریوں نے، ویڈیو نے اور اس کے جرائم نے ہمارے گھر کو بھی سینما حال بنا دیا ہے، رقص گاہ بنا دیا ہے۔ پہلے ہمارے بچے اٹھتے تھے۔ تو ماں تلاوت کر رہی ہوتی تھی، باپ تسبیح پڑھ رہا ہوتا تھا، مسجد سے اذاں کی آواز آ رہی ہوتی تھی، بھائی وضو کر رہا ہوتا تھا، روحانیت کا اک ماحول تھا، جہاں ہمارا وجدان پلتا تھا، جہاں ہمارا شعور پلتا تھا، جہاں ہمارا احساس پلتا تھا، جہاں ہماری زندگی پلتی تھی، مگر آج جب ہمارا بچہ اٹھتا ہے تو فلمی گانے سنائی دیتے ہیں، فلمی نغمے سنائی دیتے ہیں، اگر گھر میں نہ سنائی دیتے ہوں تو پڑوس کی کھڑکی سے سنائی دیتے ہیں، بازار سے سنائی دیتے ہیں۔ جنس زدہ گانے سنائی دیتے ہیں، جنسی محرکات کو پیدا کرنے والے گانے سنائی دیتے ہیں، جنسی تحریک کرنے والے گانے سنائی دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہو جاتا ہے کہ ہمارا بچہ۔ بُرائیوں میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔ اس کی پرورش کسی کردار کے ماحول میں نہیں ہوتی، اس کی پرورش کسی تمدن کے ماحول میں نہیں ہوتی، اس کی پرورش حیاء کے ماحول میں نہیں ہوتی۔ ”**الحیا شعبة من الایمان**، ، حیاء ایمان کا ایک حصہ ہے مگر اس کی پرورش بے حیائی کے ماحول میں ہوتی ہے۔ پہلے وہ ماں کی حیاء دیکھتا تھا، باپ کی غیرت دیکھتا تھا، بہن کا آنچل دیکھتا تھا اور اسی ماحول میں وہ پروان چڑھتا تھا مگر آج آنچل اُتر چکا ہے۔ بہنیں حیاؤں سے خالی ہو چکی ہیں، باپ اپنی غیرت کو کسی بازار میں بیچ چکا ہے، تو پھر بیٹے سے یہ توقع کرنا کہ وہ ایک غیرت مند بیٹا بن سکے گا؟ یہ بڑا عجیب سا معاملہ ہے، یہ بڑا عجیب سا مسئلہ ہے۔

میرے عزیزو! اور دوستو! ان حالات میں بھی آج بُرائیاں بڑھتی چلی جا رہی ہیں، بُرائیوں نے اپنے پنجے بہت مضبوطی سے گاڑ رکھے ہیں، بُرائیاں ہر ماحول میں ہیں، جو ماحول جتنا متمدن نظر آتا ہے اسی قدر زیادہ بُرائیاں ہیں۔ آج اگر یورپ کی سرزمین پر جاؤ تو تمہیں 40 اور 50 فیصد بچے حرامی میں ملیں گے۔ جن کا کوئی باپ نہیں ہوگا۔ انہوں نے اپنی

عدالتوں کے دستاویز سے باپ کا نام ہی خارج کر دیا ہے، سرنیم (Sur Name) سے کام چلاتے ہیں۔ اس لئے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے باپ کو بتا ہی نہیں سکتے ہیں۔ یہ صورت حال ہوگئی ہے آج متمدن دور کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ان لاوارث بچوں کو جو اپنے باپ کا نام بتا نہ سکیں۔ اُن کو کیسے پالا جائے؟ ان کو کیسے پروان چڑھایا جائے؟ انہیں زندگی کیسے دی جائے؟ اور ان کا سامان کیسے کیا جائے؟ یہی حال اور بھی جگہوں کا ہے۔ ان حالات میں برائیاں کتنی عام ہوتی جا رہی ہیں؟ برائیاں کتنی پھیلتی جا رہی ہیں؟ برائیاں کتنی بڑھتی جا رہی ہیں؟ اور کیا تم سمجھتے ہو؟ کہ ان بُرائیوں کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی جا رہی ہے۔ **یقیناً** کی جا رہی ہوگی۔ معروف کیا ہے اور منکر کیا ہے؟ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے۔ کیا ہماری عقل معروف اور منکر کا پیمانہ بن سکتی ہے؟ کیا ہم **اپنی** عقل کے ذریعہ سے اچھائی اور بُرائی کو پہچان سکتے ہیں؟ نہیں! ہماری عقل اس کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ حسن و قبح کا جو شعور پیدا ہوتا ہے۔ ماحول کی دین ہوتا ہے، ماحول کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے، جیسا ماحول ہوگا اسی کے اعتبار سے انسان اچھائی اور بُرائی کا شعور لے سکے گا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ ایک ایسا مقدس کلام نازل ہو، جو ماحول سے بلند ہو، جو انسان کے طبقاتی کشمکشوں سے بلند ہو، جو جغرافیائی حد بندیوں سے بلند ہو، جو تہذیبی عناصر کی محدود قدروں سے بلند ہو اور یقیناً وہ قرآن ہے۔ قرآن نے جسے معروف کہدیا ہے۔ معروف ہے، قرآن نے جسے منکر کہدیا ہے۔ منکر ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! آج عالم یہ ہے کہ پوری دنیا بُرائیوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ رات دن انسان بُرائیاں کر رہا ہے۔ جو قوم جسے بُرائی سمجھتی ہے اُسے دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ مثال کے طور پر شراب نوشی ہے۔ زنا کاری ہے، ڈرگ کا استعمال ہے، لوٹ کھسوٹ ہے، غریبوں کو مارنا ہے، بیکسوں پہ حملہ کرنا ہے ان برائیوں کو دور کرنے کے لئے دنیا کی مختلف قومیں کوشش کر رہی ہیں اور اپنے تمام متمدن ذرائع سے کوشش کر رہی ہیں آپ کو معلوم ہے کہ آج کی دنیا جس طرح سے بھی کوشش کر رہی ہے وہ آپ کے نگاہوں کے سامنے

ہے۔آج سے چودہ سو سال پہلے جرائم کا پتہ لگانے کے لئے اتنے حساس آلات نہیں تھے، سائنس ساتھ نہیں دیتی تھی، انسان کے لئے باضابطہ محسوسات کے ذرائع موجود نہیں تھے، ہر مقام پر نگرانی کا انتظام نہیں تھا، عدالتیں موجود نہیں تھیں، کورٹ موجود نہیں تھے اور پولیس کا نظام موجود نہیں تھا، فوج کا نظام موجود نہیں تھا، اس زمانے میں کچھ بھی موجود نہیں تھا، مگر آج کے زمانے میں برائیوں کو دور کرنے کے لئے فوج موجود ہے، برائیوں کو دور کرنے کے لئے پولیس موجود ہے، بُرائیوں کو دور کرنے کے لئے مادی وسائل و ذرائع موجود ہیں جن کا زور جسم پہ چلتا ہے مگر گناہ انسان جسم سے نہیں کرتا بلکہ اپنے دل سے کرتا ہے، اپنے احساسات سے کرتا ہے، اپنے خواہشات سے کرتا ہے، دل کو پابند کرنے کا دنیا کے پاس کوئی آلہ نہیں ہے۔ دل کو کنٹرول کرنے کا دنیا کے پاس کوئی آلہ نہیں ہے، دل کو پابند سلاسل کرنے کا دنیا کے پاس کوئی آلہ نہیں ہے، دل کو قابو میں کرنے کا دنیا کے پاس کوئی آلہ نہیں ہے اور نماز انسان کے دل کو بدل دیتی ہے۔ نماز انسان کے ضمیر کو بدل دیتی ہے نماز انسان کے شعور کو بدل دیتی ہے۔ نماز انسان کے احساس کو بدل دیتی ہے نماز انسان کے انداز فکر کو بدل دیتی ہے، نماز انسان کے مشاعر کو بدل دیتی ہے، نماز انسان کے محسوسات کو بدل دیتی ہے، نماز اللہ کے لئے پڑھی جاتی ہے مگر نماز کائنات کا درد سمیٹے ہوئے ہے، نماز اللہ کے لئے پڑھی جاتی ہے، مگر نماز محبت انسانی کی امین ہے، نماز اللہ کے لئے پڑھی جاتی ہے مگر نماز پڑھنے والا کسی دوسرے کے درد کو محسوس کرسکتا ہے، نماز اللہ کے لئے پڑھی جاتی ہے مگر نماز پڑھنے والا نا انصافی نہیں کرسکتا، نماز اللہ کے لئے پڑھی جاتی ہے، مگر نماز پڑھنے والا ظلم نہیں کرسکتا، نماز اللہ کے لئے پڑھی جاتی ہے، مگر نماز پڑھنے والا کسی پہ زیادتی نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ ظلم کرنے والا بزدل ہوتا ہے۔ اور نماز پڑھنے والا خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ دنیا میں تم ظلم کی نفسیات کا مطالعہ کرو۔ دنیا کی سائیکالوجی کا مطالعہ کرو۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ظلم کرنے والا احساس تحفظ کا شکار ہوتا ہے، عدم تحفظ کا شکار ہوتا ہے۔ اپنی بقاء کے لئے دوسروں پر ظلم کرتا ہے، اپنے کو باقی رکھنے کے لئے دوسروں کو تباہ کرتا ہے، اپنے کو قائم رکھنے کے لئے دوسروں کو مٹانا چاہتا ہے۔ مگر نماز حی و قیوم

کی بارگاہ میں سجدہ کا نام ہے، نماز پڑھنے والا کسی اور بنیاد پہ اپنے کو قائم نہیں رکھنا چاہتا۔ اللہ سے رشتہ قائم رکھ کر کے قائم رکھنا چاہتا ہے، نماز ایک لافانی طاقت ہے، نماز ایک لافانی قوت ہے، نماز انسان کو بے پناہ طاقتور بنا دیتی ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات
وہ سجدہ روحِ زمین جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

نماز پڑھنے والا دوسروں کو سجدہ نہیں کرتا، نماز پڑھنے والا اقتدار کو سجدہ نہیں کرتا، نماز پڑھنے والا ماحول کو سجدہ نہیں کرتا، نماز پڑھنے والا ظلم کو سجدہ نہیں کرتا، نماز پڑھنے والا حسن کو سجدہ نہیں کرتا، نماز پڑھنے والا بدکرداری کو سجدہ نہیں کرتا، نماز پڑھنے والا طاقت کو سجدہ نہیں کرتا، نماز پڑھنے والا باطل تحریکوں کو سجدہ نہیں کرتا، نماز پڑھنے والا ظلم کے ماحول کو سجدہ نہیں کرتا، نماز پڑھنے والا امیر کارواں ہوتا ہے، کارواں کے پیچھے چلنے والا نہیں ہوتا۔ نماز پڑھنے والا حالات کا بدلنے والا ہوتا ہے، حالات کا راہی نہیں ہوتا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

نماز پڑھنے والا کسی کے پیچھے نہیں چلتا بلکہ دنیا کا قائد ہوتا ہے، نماز پڑھنے والا ایک نئی صبح کا نوید ہوتا ہے، نماز پڑھنے والا ایک نئے انقلاب کا داعی ہوتا ہے، نماز پڑھنے والا حریت فکر و نظر کا امیر ہوتا ہے، نماز پڑھنے والا اپنا سر جھکا کے ہمیشہ کے لئے بلند ہوجاتا ہے، نماز پڑھنے والا عزت و آبرو کا امین ہوتا ہے، نماز پڑھنے والا اللہ کی بخشی ہوئی عظمت کا امین ہوتا ہے۔ انسان سجدہ میں اپنا سب سے معزز حصہ زمین پہ جھکاتا ہے تو اللہ اُسے سب سے بلند کردیتا ہے۔ اندازہ کیجئے معراج کے معنی ہوتے ہیں عروج کے۔ معراج کے معنی ہوتے ہیں بلندی پہ چڑھنے کے۔ معراج کے معنی ہوتے ہیں درجہ عروج حاصل کرنے کے۔ یہاں تو ہم یہ

دیکھتے ہیں کہ اگر ہم اس پر بیٹھے ہیں تو نیچے اُتر کے سجدہ کرتے ہیں، کھڑے ہوتے ہیں تو جھک جاتے ہیں۔ یہاں تو عروج نہیں رجوع پایا جاتا ہے۔ مگر اللہ کے رسول فرماتے ہیں۔ "الصلوۃ معراج المومنین،، نماز مسلمانوں کی معراج ہے تم جتنا جھکو گے اتنے ہی بلند کر دیئے جاؤ گے۔ رجوع اور عروج میں الفاظ ایک ہی ہے حرفوں کی ترتیب بدل دی گئی ہے۔ رجوع کرتے چلے جاؤ عروج حاصل کرتے چلے جاؤ گے۔ اللہ کی بارگاہ میں جھکتے چلے جاؤ بلندیاں تمہارے سامنے جھکتی چلی جائنگی۔ تم جس طرف بڑھو گے عظمتیں تمہاری ہوں گی۔ کامیابیاں تمہاری ہوں گی۔

میں اس نماز کی تعلیم کی بات کبھی نہ کروں گا جو نماز بزدلی سکھاتی ہے، جو نماز کمزوری سکھاتی ہے، جو نماز پسماندگی سکھاتی ہے، جو نماز کم ہمتی سکھاتی ہے، جو نماز ناکامی کی طرف لے جاتی ہے۔ وہ نماز نہیں ہے بلکہ وہ موت ہے۔ جسے تم نے نماز کا نام دیدیا ہے، نماز تو دراصل بلندی کا نام ہے۔ نماز تو حصول کامیابی کا نام ہے، نماز تو عظمتوں کی امین ہے۔ نماز محض سجدہ کرنے کا نام نہیں ہے۔ نماز ایک نئی صبح کی نوید ہے، ایک نئے انقلاب تازہ کی نوید ہے۔

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندہ مومن کی اذاں سے پیدا

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نماز کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ براہ راست دل پر اثر انداز ہوتی ہے اور دل ہی برائیوں کا مرکز ہے، دل ہی برائیوں کا سرچشمہ ہے، دل ہی برائیوں کا منبع ہے، دل ہی احکامات دیتا ہے، دل ہی ہاتھ کو حکم دیتا ہے۔ دل ہی پیر کو حکم دیتا ہے، کیا تم آپ قاتل کے ہاتھ کو سزا دینے کے بجائے اس تلوار کو سزا دی ہے؟ جس سے قتل کیا گیا کبھی تم قاتل کی تلوار کو سزا نہیں دو گے، کبھی تم قاتل کی تیر کو سزا نہیں دو گے، کبھی تم قاتل کی بندوق کو سزا نہیں دو گے بلکہ قاتل کو سزا دو گے قاتل تو دل ہے ہاتھ محض آلہ ہے۔ پیر تو محض آلہ

ہے بُرائیاں تو دل ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہیں مگر دل پر کنٹرول کرنے کا دنیا کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ کیا آپ نے آج کی میڈیکل سائنس میں کوئی ایسا انجکشن دیکھا ہے؟ جو کسی زانی کو لگا دیا جائے تو زنا چھوڑ دے؟ کسی بدکردار کو لگا دیا جائے تو بدکرداری چھوڑ دے؟ کسی گناہ گار کو لگا دیا جائے تو گناہ چھوڑ دے؟ کیا تم نے آج دنیا میں کوئی ایسا ماحول دیکھا ہے جو مکمل طور پہ دل کو بدل دے؟ کوئی ایسا قانون دیکھا ہے جو دل کو پابند سلاسل کردے؟ --نہیں-- نہیں! وہ تو صرف نماز ہے جس کے بارے میں سرکار نے فرمایا'' **لا صلوۃ الا بحضور القلب**،، بغیر دل کی حاضری کے نماز مکمل ہی نہیں ہوتی ہے۔ نماز اپنی برکتیں حاصل نہیں کر پاتی، نماز اپنا کمال حاصل نہیں کر پاتی۔ اور اس حضور قلب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں دل بھی ساجد ہو جائے، دل بھی جھک جائے۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں دنیا میں بہت سی تحریکیں ہیں۔ جو سجدہ کی تعلیم دے رہی ہیں، نماز کی تعلیم دے رہی ہیں، مگر سنی دعوت اسلامی کا مزاج دوسرا ہے، اس میں بار بار نماز کیساتھ عشق رسول کی بات کی جاتی ہے؟ محبت رسول کی بات کی جاتی ہے، ذکر وفکر کی بات کی جاتی ہے، دل کو سنوارنے کی بات کی جاتی ہے، جانتے ہو اس کی وجہ کیا ہے؟

تو دل میں داغِ محبت بنا لے اے زاہد
نشان سجدہ بنا تو کوئی کمال نہیں

ایک مومن جب اپنے دل میں داغ محبت بنالیتا ہے تو پھر اس دل میں بُرائی کی گنجائش نہیں ہوتی، اس دل میں بھی زنا کے لئے گنجائش نہیں ہوتی، اس مومن کی آنکھ کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ ٹی وی دیکھ سکے۔ وہ تو محو نظارۂ دیدار محبوب ہوا کرتی ہے، وہ تو وقفِ نظارہ گنبد خضریٰ ہوا کرتی ہے، اس کے پاس اتنا کہاں موقع ہے کہ وہ بُرائیاں دیکھ سکے، وہ بدکرداریاں دیکھ سکے، اس کی نگاہ بھی پابند ہو جاتی ہے، اس کا ہاتھ بھی پابند ہو جاتا ہے، اس کا دل بھی پابند ہو جاتا ہے، اس کا قدم بھی پابند ہو جاتا ہے، اس لئے کہ نماز پورے وجود کی اصلاح کرتی ہے، نماز دل کو آراستہ کرتی ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "الشیطان یجری فی الانسان مجری الدم،، شیطان جسم انسانی میں اس طرح دوڑتا ہے کہ جیسے خون دوڑتا ہے۔ آج دل کو خون کا Pumping Station کہا جاتا ہے۔ ہم بھی جانتے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔ مگر آپ مجھے بتایئے کہ خون کے اس Pumping Station کے ذریعہ سے اس Pumping کے آلہ کے ذریعہ سے یہ احساسات کہاں سے آگئے آپ کے پاس؟ یہ محسوسات کہاں سے آگئے آپ کے پاس؟ نفرت کی بنیاد پہ دل سکڑتا کیوں ہے؟ محبت کی بنیاد پہ دل دھڑکتا کیوں ہے؟ غصہ کی بنیاد پہ دل کے اندر ہیجان کیسے پیدا ہوتا ہے؟

ایک مرغی اپنے بچہ کو بچانے کے لئے زمین سے 40 چالیس فٹ تک پرواز کرتی ہوئی نظر آئی ہے۔ یہ ممتا کہاں سے آئی ہے؟ یہ بہن کی محبت کہاں سے آئی ہے؟ یہ مقصد کی راستے پر جان دینے کا جذبہ کہاں سے ملا ہے؟ کیا خون کا ایک Pumping Station ہی یہ سب کچھ کرتا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ سارے جذبات تم کسی بھی پلاسٹک کے آلہ کے ذریعہ سے پیدا کر سکتے تھے۔ جس پلاسٹک کے آلہ سے آپ خون کے Pumping Station کا کام لیتے ہو مگر ایسا نہیں ہے۔ دراصل دل محسوسات کا مرکز ہے، دل مشاعر کا مرکز ہے، دل احساسات کا مرکز ہے، دل کے ذریعہ سے انسان اچھائی اور بُرائی کے معاملہ میں فیصلے کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ دل خون ہی Pump نہیں کرتا۔ اللہ کے رسول نے آج سے چودہ سو سال پہلے فرمایا۔ جب دنیا کی سائنس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ دل خون کو پمپ کرتا ہے۔ جب کسی آلہ نے دل کا E.C.G. نہیں کیا تھا، جب دل کی کیفیات کا مشاہدہ نہیں کیا گیا تھا، اس وقت اللہ کے رسول نے فرمایا تھا، دل شیطان کے لئے باضابطہ آماجگاہ ہے، دل کے ذریعہ سے شیطان وہی کام کرتا ہے جو دل خون کو منتقل کرتا ہے۔ اس کے ذریعہ شیطان اپنے محسوسات کو منتقل کرتا ہے۔ پتہ چلا کہ دل مرکز حیات جسمانی بھی ہے اور مرکز حیاتِ روحانی بھی ہے۔ جسم اگر بیمار ہو جائے تو ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔ روح بیمار ہو گئی تو خدا کی بارگاہ میں سجدہ کرنا ہوگا، اللہ کی بارگاہ

میں سر جھکا کر کے اپنے دل کا علاج کرنا ہوگا۔ تا کہ آپ کی رگوں میں شیطان نہ دوڑ سکے تمہارے پیروں میں شیطان نہ دوڑ سکے، آپ کے جسم میں شیطان نہ دوڑ سکے، شیطان تم سے اپنی مرضی کا کام نہ لے سکے۔ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دل کی اصلاح کے ہزاروں طریقے بتائے ہیں، حضور سید عالم سرور کائنات محمد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دل پر اتنا زور دیا ہے اتنا زور دیا ہے کہ ایک مقام پر آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک پتھر کو دھکہ دے رہے ہیں۔ آپ نے کہا کہ اے لوگو! تم اس پتھر کو کیوں دھکہ دے رہے ہو؟ تو لوگوں نے کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لنعلم اینا اقویٰ

ہم پتھر کو اس لئے دھکہ دینا چاہتے ہیں کہ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ہم میں سب سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ تو اللہ کے رسول نے فرمایا " الشدید من غلب علیٰ نفسہ، ، طاقتور وہ ہے جو اپنے دل پر قابو پالے۔ پتھر کو دھکہ دو گے طاقتور بن جاؤ گے۔ مگر یہ طاقت کسی کمزور کو طمانچہ لگانے پر خرچ ہوگی، کسی مجبور کو مزید مجبور بنانے پہ خرچ ہوگی، لیکن دل سنور گیا۔ طاقت کم بھی ہوگی تو اصلاح امت کا کام کرو گے، اصلاح معاشرہ کا کام کرو گے، اصلاح سوسائٹی کا کام کرو گے، اللہ کے رسول، تاجدار دو عالم سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک داغ پڑ جاتا ہے، ایک نقطہ پڑ جاتا ہے۔ پھر جیسے جیسے گناہ کرتا ہے وہ دل کو کالا کرتا چلا جاتا ہے لیکن اگر انسان توبہ کرلے اور گناہوں سے باز آجائے تو اس کے دل کا نقطہ دھل دیا جاتا ہے۔ اور اس کا دل شفاف آئینہ بن جاتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کی زندگی میں دو قطرے بہت قیمتی ہیں جو اللہ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب ہیں (۱) ایک وہ مومن جو اپنے گناہوں کی ندامت کی بنیاد پر توبہ کے لئے آنسو بہاتا ہے اور (۲) ایک وہ مومن کہ جس کے جسم سے خون کا قطرہ حالت شہادت میں گرتا ہے۔ دونوں اللہ کے نزدیک محبوب ہیں کبھی آپ نے سونچا؟ رات کی تنہائیوں میں اللہ کی بارگاہ میں رونے والا وہ انسان اپنی آنکھوں سے جو آنسو کے قطرے بہاتا ہے وہ شہیدوں کے خون کے قطرے سے تولا جائے گا

اس لئے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں محبوب ہیں۔

پتہ یہ چلا کہ دل کے تزکیہ پر پیغمبر اسلام نے بے پناہ زور دیا ہے، انہیں معلم بھی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ انہیں مزکّی بھی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ آج پوری دنیا تعلیم کا کام کر رہی ہے۔ مگر تزکیہ کا کام کہاں ہو رہا ہے؟ کس سوسائٹی میں ہو رہا ہے؟ کس ماحول میں ہو رہا ہے؟ کس مقام پر ہو رہا ہے؟ مجھے دکھایئے۔ حدیث جبرائیل اگر آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوگی تو آپ کو ایک آخری سوال بھی ملے گا '' وماالاحسان یا رسول الله،، احسان کیا ہے؟ تم مجھے بتایئے۔ نماز کا کام تو سبھی کر رہے ہیں۔ آپ کو روزے کی بات سب کر رہے ہیں، حج اور زکوۃ کی بات سب کر رہے ہیں، دین کی بات سب کر رہے ہیں، ارکان اربعہ کی بات سب کر رہے ہیں، شہادت کی بات سب کر رہے ہیں۔ مگر احسان کو سب فراموش کئے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ احسان عطر ہے تمام عبادات کا، احسان حاصل ہے تمام عبادات کا، احسان دراصل نچوڑ ہے تمام عبادات کا۔ ہم وہ نماز پڑھانا چاہتے ہیں، جو احسان کی آئینہ دار ہو، ہم وہ نماز پڑھانا چاہتے ہیں کہ سر زمین پہ جھکے اور نگاہیں انوار الٰہی کا مشاہد کر رہی ہوں۔ ہم وہ نماز پڑھانا چاہتے ہیں کہ جہاں یہ عالم ہو کے نماز اس طرح سے پڑھو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو ورنہ کم از کم یہ خیال ضرور ہو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور یاد رکھو کہ جب انسان کا دل نماز کی طرف مائل ہو جائے گا جب انسان کا دل نماز سے وابستہ ہو جائے گا تو پھر وہ گناہ نہ کر سکے گا۔ وہ غلطی نہ کر سکے گا۔

میرے سرکار نے فرمایا تم جانتے ہو کہ وہ چیزیں جو کفارات میں سے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کیا جائے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان سے رمضان تک کے روزے اور جمعہ سے جمعہ تک کی عبادت اور ایک فرض کے بعد دوسری فرض کے درمیان کی عبادتیں کفارات ہیں گناہوں کے لئے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو گناہوں سے باز آجاؤ گے۔ نماز تمام برائیوں سے روک دیتی ہے۔ اس کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ نماز دل بدلتی ہے اور نماز اللہ کے موجود اور شہید و بصیر ہونے کا احساس دیتی ہے ہر مومن کا عقیدہ ہے کہ اللہ موجود ہے، ہر مومن یہ مانتا ہے کہ وہ شہید و بصیر

ہے، ہر مومن یہ مانتا ہے کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ مگر کتنے لوگ ہیں؟ کہ جو اپنے عقیدے کے ماحول میں زندگی کا ثبوت دیتے ہیں۔ ممکن ہے ان کا عقیدہ دل کے کسی گوشہ میں زندہ ہو مگر خود ان کی زندگی اس سے متاثر نظر نہیں آتی۔ وہ عقیدہ جو زندگی نہ دے سکے وہ ایک موثر عقیدہ نہیں ہے۔ عقیدہ زندگی کا نام ہے۔ زندگی عقیدہ سے متاثر ہوتی ہے۔ اگر آپ خدا کو شہید و بصیر سمجھتے ہو تو گناہ کیوں کر رہے ہو؟ اگر آپ خدا کو شہید و بصیر سمجھتے ہو تو غلطیاں کیوں کر رہے ہو؟ اگر آپ خدا کو شہید و بصیر سمجھتے ہو تو چوری کیوں کر رہے ہو اگر تم خدا کو شہید و بصیر سمجھتے ہو تو ظلم کیوں کر رہے ہو؟ اگر آپ خدا کو ہر مقام پر شہید و بصیر سمجھتے ہو تو تنہائیوں میں گناہ کیوں کر رہے ہو؟ اس لئے کہ آپ نے شہید و بصیر ہونے کا عقیدہ پڑھا ضرور ہے، دہرایا ضرور ہے، مگر یہ ایک زندہ حقیقت بن کے آپ کے سامنے نہیں ہے۔ اب میں بتاؤں! نماز اسی عقیدہ کو ایک زندگی عطا فرماتی ہے، اک توانائی عطا فرماتی ہے، دن میں پانچ مرتبہ احساس دلاتی ہے آپ کو تمہارا خدا دیکھ رہا ہے پروردگار عالم دیکھ رہا ہے، پالنہار حقیقی دیکھ رہا ہے، رب العزت دیکھ رہا ہے، ذوالجلال والاکرام دیکھ رہا ہے، قہار و جبار دیکھ رہا ہے وہ دیکھ رہا ہے کہ جس کی بارگاہ میں تمہیں اپنے اعمال کو حاضر کرنا ہے وہ دیکھ رہا ہے، جس کی بارگاہ میں تمہیں حاضر ہو کر کے جوابدہ ہونا ہے

دن میں پانچ مرتبہ نماز یہ احساس دلاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب بندہ مومن کے سامنے خدا کے شہید و بصیر ہونے کا تصور ایک زندہ حقیقت بن جائے تو مومن کبھی گناہ نہ کرے گا، جب بھی گناہ کرنا چاہے گا وہ یہ محسوس کرے گا ہم کو خدا دیکھ رہا ہے، پروردگار عالم دیکھ رہا ہے، رب العزت دیکھ رہا ہے، ذوالجلال والاکرام دیکھ رہا ہے، وہ ذات پاک دیکھ رہی ہے جس کی بارگاہ میں ہر ایک کو حاضر ہونا ہے۔ یہ احساس انسان کو زندگی دیتا ہے، یہ احساس انسان کو توانائی دیتا ہے، یہ احساس انسان کو گناہوں سے روکتا ہے، یہ احساس انسان کو بُرائیوں سے روکتا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ ایک شخص نے کسی شیخ سے کہا تھا۔ حضور میں آپ کا مرید ہونا چاہتا ہوں مگر کچھ عادتیں ایسی ہیں کہ جو مجھ سے چھوٹ نہیں رہی ہیں۔ دعا کریئے کہ وہ مجھ سے

چھوٹ جائیں۔ آپ نے اسے مرید کرلیا مگر اس کے بعد اس سے آپ نے فرمایا۔ بس ایک کام کرنا کوئی گناہ میرے سامنے نہ کرنا اور اگر کوئی گناہ کرنا چاہو تو میری نگاہوں سے بچنا میری غیرت گوارہ نہ کرے گی کہ میرا مرید کوئی گناہ کر رہا ہو۔ اس نے یہ وعدہ کرلیا اس کے بعد جب شام کو مئے کدہ کا خیال آیا تو میکدہ کی طرف بڑھا مگر آج قدم احتیاط سے اٹھا رہا تھا۔ حضرت شیخ نہ دیکھ رہے ہوں۔ لیکن جب میکدہ کے دروازہ پہ پہونچا تو جناب شیخ نظر آئے۔ واپس آ گیا۔ یہاں تو میں گناہ نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ شیخ موجود ہیں۔ جوا کے اڈّے کھلے ہوئے تھے۔ جوآ کے مقام پر پہنچا تو شیخ پہلے ہی نظر آئے۔ واپس چلا آیا۔ میں تو یہاں بھی گناہ نہیں کرسکتا۔ اس کے بعد ایک تیسرے مقام پہ گیا وہاں بھی اس نے شیخ کو دیکھا اور اس کے بعد اس نے طے کرلیا کہ جب شیخ کی نگاہوں سے بچنا ہی ممکن نہیں ہے تو گناہ کیسے کرسکوں گا۔ صبح آ کے سچے دل سے توبہ کرلیتا ہے۔ ایک شیخ دیکھ تو سکتا ہے مگر سزا نہیں دے سکتا ہے۔ جہنم کا عذاب نہیں دے سکتا۔ آپ کو وہ دیکھ رہا ہے جو قہار و جبار بھی ہے۔ بتاؤ بندے ہوکر کے تم خدا کی موجودگی میں اس کے سامنے کیسے گناہ کرسکتے ہو؟ اس کے سامنے کیسے غلطی کرسکتے ہو؟ نماز دن میں پانچ مرتبہ احساس دلاتی ہے۔ ہم کو ہمارا خدا دیکھ رہا ہے۔ " **ان الصلوۃ تنھیٰ عن الفحشاء و المنکر**،، بیشک نماز انسان کو تمام برائیوں اور بے شرمیوں سے روک دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم، سرور کائنات، محمد رسول اللہ روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میرے لئے پوری زمین سجدہ گاہ بنائی گئی ہے۔ زمین کا چپہ چپہ میرے لئے سجدہ گاہ ہے۔ یہ مشرق بھی میرے لئے سجدہ گاہ ہے، یہ مغرب بھی میرے لئے سجدہ گاہ ہے، پورا کرہ ارض میرے لئے سجدہ گاہ ہے، پوری زمین میرے لئے سجدہ گاہ ہے۔ اس کا ایک مفہوم تو یہی ہے کہ جہاں بھی نماز کا وقت آجائے مسجد ہو یا نہ ہو آپ کو سجدہ کرنا پڑے گا۔ صحراؤں میں آجائے تو وہاں سجدہ کرو، دریاؤں پہ آجائے تو وہاں سجدہ کرو، فضاؤں میں آجائے تو وہاں سجدہ کرو، پہاڑوں کی بلندیوں پہ آجائے تو وہاں سجدہ کرو، جنگلوں کی تنہائیوں میں آجائے تو وہاں سجدہ کرو، آپ اپنے بستر مرض پر ہو تو بھی سجدہ کرو اور بستر

راحت پہ ہو تو بھی اٹھ جاؤ اور سجدہ کرو۔ نماز ہر جگہ پڑھی جائے گی، ہر مقام پہ پڑھی جائے گی۔ نماز کے لئے پوری زمین سجدہ گاہ بنائی گئی ہے۔ لیکن اس کا ایک لازمی مفہوم یہ بھی نہیں ہوتا کہ جو جگہ سجدہ گاہ ہوگی وہ گناہوں کی جگہ نہ ہوسکے گی، جو سجدہ کی جگہ ہوگی وہ بُرائی کی جگہ نہ ہوسکے گی، جو سجدہ کی جگہ ہوگی، وہ بدکرداری کی، جگہ نہ ہوسکے گی جو سجدہ کی جگہ ہوگی، وہ ظلم کی جگہ نہ ہوسکے گی، جو سجدہ کی جگہ ہوگی۔ وہ زنا کی جگہ نہ ہوگی، جو سجدہ کی جگہ ہوگی، وہ شراب کی جگہ نہ ہوگی، جو سجدہ کی جگہ ہوگی وہ چوری کی جگہ نہ ہوگی جو سجدہ کی جگہ ہوگی وہ بے ایمانی کی جگہ نہ ہوگی۔ جسے سجدہ گاہ بنایا جائے گا اسے شراب کی جگہ نہیں بنایا جاسکتا۔ رسول اللہ نے یہ زمین ہمارے لئے سجدہ گاہ بنادی ہے۔ زمین کا کوئی ایسا حصہ ہی نہیں ہے جہاں مومن گناہ کرسکتا ہو، جہاں نمازی گناہ کرسکتا ہو، جہاں نماز پڑھنے والا گناہ کرسکتا ہو۔ دنیا کی قومیں اگر میرے رسول کی عظمت کو جان جائیں تو قسم خدا کی وہ رسول کی بارگاہ میں احترام وعقیدت کی نذریں پیش کریں اس لئے کہ آپ نے زمین کو ماں کی حیثیت سے بھی دیکھا ہوگا؟ آپ نے زمین کو محبوب کی حیثیت سے بھی دیکھا ہوگا؟ تم نے زمین کو محبتوں کے مرکز کی حیثیت سے بھی دیکھا ہوگا۔ مگر رسول نے جو ہمیں نگاہ عطا فرمائی ہے اس میں زمین کو سجدہ گاہ کی حیثیت دی ہے۔ ہم زمین میں شر کر ہی نہیں سکتے۔ ہم تو زمین کے لئے امن کے نمائندے ہیں۔ جہاں سجدہ ہوگا وہاں شر کیسے ہوگا؟

" **ان الصلوۃ تنھیٰ عن الفحشاء و المنکر**،، بیشک نماز انسان کو تمام بُرائیوں اور بے حیائیوں سے روک دیتی ہے۔ بھلا بتاؤ، کیا آپ گناہ گار سے گناہگار انسان کے اندر یہ جرأت پاتے ہو؟ کہ وہ سجدہ میں جا کے جھوٹ بول سکے، وہ مسجد میں جا کے گناہ کرسکے، وہ مسجد میں جا کے ظلم کرسکے۔ تو جب ایک گناہگار انسان بھی مسجد میں گناہ نہیں کرسکتا تو میرے عزیزو! شریعت کی بولی میں زمین کا چپہ چپہ مسجد ہے، زمین کا حصہ حصہ مسجد ہے، زمین کا کونہ کونہ مسجد ہے، جہاں نماز جائز ہوسکتی ہے۔ وہاں گناہ کے لئے کون اجازت دے سکتا ہے؟ وہاں جرم کیسے کیا جاسکتا ہے؟

عزیزان ملت اسلامیہ! تاریخ اسلامی کا یہ معاملہ بڑا ہی عظیم ہے کہ پہلے مسلمان اس

زمین کو سجدہ گاہ کی حیثیت دے کر کے زمین پہ چلتا تھا اور زمین کو سجدوں سے آزاد کرنے کی نیت سے چلتا تھا تو جس نئی زمین پہ چلتا تھا جس نئی زمین پہ جاتا تھا وہاں اللہ کا سجدہ کرتا تھا۔ زمین گواہ بن جاتی تھی۔ اس کی بندگی کی، زمین گواہ بن جاتی تھی اس کے سجدہ کی، زمین گواہ بن جاتی تھی اس کی عبادت کی، وہ کاروبار کے لئے جارہا ہے تو بھی سب سے پہلے سجدہ کررہا ہے، وہ کسی اور کام کے لئے جارہا ہے تو بھی سب سے پہلے سجدہ کررہا ہے، وہ کسی نئی زمین پہ تعلیم کے لئے جارہا ہے تو بھی سب سے پہلے سجدہ کررہا ہے، وہ تبلیغ کے لئے جارہا ہے تو بھی سب سے پہلے سجدہ کررہا ہے۔ اس لئے کہ اس نے جان رحمت سرور کائنات محمد رسول اللہ روحی فداصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن رکھا تھا کہ جہاں بھی جاؤ سجدہ کرو۔ زمین کا چپہ چپہ تمہارے سجدوں کا گواہ بن جائے گا۔ کل اس زمین کو زبان دیدی جائے گی۔ آزاد میدان کا ایک حصہ تھا۔ جہاں تیرا بندہ تیری بارگاہ میں سجدہ کررہا تھا۔ یہ زمین بولے گی آپ کے سجدوں کے بارے میں، یہ زمین بولے گی آپ کے سجدوں کے سلسلہ میں یہ گواہ بن جائے گی آپ کے عقیدے کی، یہ گواہ بن جائے گی آپ کے ایمان کی، چنانچہ جب پہلے مسلمان بڑھتا تھا تو سجدہ کرنے کی نیت سے بڑھتا تھا، عبادت کرنے کی نیت سے بڑھتا تھا۔ اس لئے جہاں بڑھتا تھا زمین سمٹ جاتی تھی۔ کبھی آپ نے سوچا اور غور کیا کہ ابتدائے اسلام میں خلفائے راشدین کے زمانے میں سرور کائنات محمد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہوائی جہاز موجود نہیں تھا۔ اس زمانہ میں یہ بحری جہاز اتنی تیز رفتار موجود نہیں تھے۔ اس زمانہ میں اور دوسری سواریاں موجود نہیں تھیں مگر عالم یہ تھا کہ آدھی صدی کے اندر مسلمانوں نے دنیا کے 3/4 حصہ پر اپنی عظمتوں کے پرچم لہرادیئے تھے۔ اس لئے اور صرف اس لئے کہ وہ جہاں بھی جاتے تھے سجدہ کرنے کی نیت سے جاتے تھے۔ جب ہم سجدہ کرنے کی نیت سے بڑھتے تھے تو پہاڑ جھک جایا کرتے تھے، سمندر راستہ دیا کرتے تھے، دریا کی موجیں ٹھہر جایا کرتی تھیں۔ جنگل کی وحشتیں ختم ہوجایا کرتی تھیں ہم نے جبرالٹر کی کوہ پیمائی سجدہ کرنے کے لئے کی تھی۔ ہم نے سسلی کا ساحل سجدہ کرنے کے لئے دریافت کیا تھا، ہم نے اسپین کی زمین سجدہ کرنے کے

لئے حاصل کی تھی، ہم نے بلغاریہ کی سرزمین سجدہ کرنے کے لئے حاصل کی تھی، ہم نے بلقان کی دھرتی پہ اپنے بے قرار سجدے ہی پیش کئے تھے، ہم ہندوستان کی سرزمین پر سجدہ کرنے ہی کی نیت سے آئے تھے، ہم نے رشیا کی زمین پر، چائنا کی زمین پر سجدہ کرنے ہی کے لئے قدم بڑھایا تھا، ہم نے یورپ کی مفتوحات کو سجدوں سے آباد کیا تھا۔ جہاں جاتے تھے۔ زمینیں راستہ دیتی ہوئی نظر آتی تھیں رکاوٹیں ہٹتی ہوئی نظر آتی تھیں لیکن جب سے ہم نے سجدہ کرنے کے بجائے عیش کرنے کی نیت سے بڑھنا شروع کردیا۔ قدموں کے نیچے کی زمین چھین لی گئی۔ اقتدار ختم کردیا گیا، اور ہمیں زمین پر ماردیا گیا۔ اگر آپ اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرو تو اس بات سے آپ کو انکار نہ ہوگا کہ جب مسلمانوں کی اکثریت سجدہ کررہی تھی تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے روک نہ سکتی تھی۔

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
رکتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

لیکن جب سے مسلمانوں کی اکثریت نے سجدہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ دنیا کی ہر طاقت نے اُسے اک لقمۂ تر بنا رکھا ہے۔ میرے رسول نے آج سے چودہ سو سال پہلے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آیگا کہ دنیا کی قومیں تم پہ اس طرح ٹوٹیں گی جیسے بھوکے دسترخوان پہ ٹوٹتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ کیا ہم بہت کم تعداد میں ہوں گے؟ تو فرمایا نہیں تم بہت کم تعداد میں نہیں ہوگے مگر اتنے کمزور ہوچکے ہوگے جیسے کہ سمندر کی سطح پر جھاگ ہوتا ہے۔ موجیں جس طرف چاہتی ہیں بہالے جاتی ہیں یہی تمہارا حال ہوگا۔ میں اس حدیث پاک کو پڑھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ مولانا کہ سرکار نے یہ کیوں فرمایا؟ کہ دنیا تم پر اس طرح ٹوٹے گی جیسے بھوکے دسترخوان پہ ٹوٹتے ہیں۔ کوئی اور مثال تو دی جاسکتی تھی۔ مگر جب ابھی خلیج کی جنگ سامنے آئی تو میں نے دیکھا کہ جرمن تم بھی آؤ اپنے حصہ لے جاؤ، اور برطانیہ والے تم بھی آؤ۔ اور اپنا حصہ لیجاؤ اور امریکہ تم بھی جہاز لے کے پہونچو اپنا حصہ لیجاؤ، اور مصر والے تم بھی آؤ تم پہ بھی تھوڑی سی خیرات ہم ڈال دیں گے، اور فلاں ملک والو تم بھی آؤ تم بھی اپنا

حصہ لے کے جاؤ۔ تیل کی دھار بہہ رہی ہے۔ دستر خوان بچھا ہوا ہے۔ جتنا لوٹ سکتے ہو اس زمین کو لوٹ لو۔ اس لئے کہ یہ کمزور ہو چکے ہیں۔ ان کی حیثیت دراصل سمندر کی جھاگ کی طرح سے بھی نہیں ہے۔ جب ہم نماز پڑھتے تھے اس زمین کی عظمتوں کے آئینہ دار تھے۔ جب ہم نماز پڑھتے تھے بلندیاں ہمارے سامنے جھکی ہوئی تھیں اس لئے کہ ہم اللہ کی بارگاہ میں جھکے ہوئے تھے۔ مگر جب سے ہم نے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ہر ایک نے ہمیں اپنے قدموں کو فٹبال بنا رکھا ہے، ہر زمین پر رسوائیاں ہمارا مقدر بن گئی ہیں۔ سنی دعوت اسلامی کی تحریک دراصل کھوئی ہوئی عزت رفتہ کو حاصل کرنے کی تحریک ہے، اس کامیابی کو حاصل کرنے کی جس کامیابی سے ہمارا دامن خالی ہو گیا ہے، ہمارے آشیانے خالی ہو گئے ہیں، اور ہمارے گھوارے خالی ہو گئے ہیں۔ اسی کامیابی کو دوبارہ حاصل کرنا ہے۔ یہ سجدہ دراصل اسی کامیابی کی طرف بڑھانے کا ذریعہ اور راستہ ہے۔ جب ہم نیکیوں کے مبلغ بن جائیں گے۔ اور دنیا میں کوئی بھی انسان نیکیوں کی عظمتوں اور صداقتوں کا انکار نہیں کر سکتا۔ میں ایک مثال آپ کو دوں! آپ سنی دعوت اسلامی کے بینر کے نیچے پاکیزگی اور اخلاق کا ایک کردار بن جاؤ۔ برائیوں اور بدکرداریوں کے ماحول میں تمہارا کردار مثالی بن جائے۔ کوئی تاجر جب اس سے تجارت کر رہا ہو تو وہ یہ کہے ہم اس سے تجارت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ سنی دعوت اسلامی کے بینر کے نیچے کام کر رہا ہے۔ یہ جان تو دیدیگا مگر بے ایمانی نہ کرے گا۔ قسم خدا کی آپ تحریک خود بخود پھیل جائے گی۔ کوئی انسان اگر آپ سے معاملہ کر رہا ہو تو وہ مطمئن ہو کہ یہ سب کچھ کر سکتا ہے مگر دھوکہ نہیں دے سکتا، کوئی انسان اگر آپ سے وعدہ لے رہا ہو تو مطمئن ہو کہ یہ سب کچھ کر سکتا ہے مگر جھوٹ نہیں بول سکتا ہے۔ کوئی انسان اگر آپ سے سودا کر رہا ہو تو مطمئن ہو کہ یہ سب کچھ کر سکتا ہے مگر فریب نہیں دے سکتا ہے۔ اگر تمہارا یہ کردار مشہور ہو گیا تو دنیا دوڑ کے تمہارے پاس آئے گی اور تمہاری عظمتوں کو سلام کرے گی۔ اس لئے کہ تم دنیا کو وہ جوہر پیش کر رہے ہو جو جوہر دنیا کے پاس نہیں ہے۔ جس سے دنیا خالی ہو چکی ہے۔ آج ایسے بن جاؤ کہ جب بازار میں چلو تو لوگ کہیں، یہ دیکھو رسول اللہ کا غلام جا رہا

ہے۔ یہ دیکھو سرور کائنات کا دیوانہ جا رہا ہے، یہ دیکھو سنت رسول کا پابند جا رہا ہے، یہ دیکھو سچائی کا متوالا جا رہا ہے، یہ دیکھو محبتوں کا امین جا رہا ہے، یہ دیکھو بے چاروں کا سہارا جا رہا ہے، یہ دیکھو کمزوروں کو توانائی دینے والا جا رہا ہے، یہ دیکھو غریبوں کی آہ کا جواب جا رہا ہے، یہ دیکھو بیکسوں کی مجبوری کو سمجھنے والا جا رہا ہے، یہ دیکھو مکمل انسان جا رہا ہے، یہ دیکھو انسانیت کا پیکر جا رہا ہے، یہ دیکھو محبت کا آئینہ دار جا رہا ہے یہ دیکھو نگاہیں جھکائے جھکائے جا رہا ہے۔ جلوہ آواز دے رہے ہیں مگر نگاہیں نہیں اٹھا رہا ہے، یہ دیکھو سر جھکائے جھکائے جا رہا، دنیا سر اٹھانے کی بات کر رہی ہے مگر یہ خدائے کبریا اور جبار کے سامنے جھکا ہوا ہے اس لئے اکڑ کے نہیں جا رہا ہے یہ دیکھو اس کی رفتار میں متانت پائی جا رہی ہے۔

"وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الجَاهِلُونَ قَالُوا سَلٰماً"

اور جب جاہل مخاطب کرتا ہے تو پیغام سلامتی دیکے گذر جاتا ہے، یہ دیکھو زمین پہ چل رہا ہے تو فرشتوں کی طرح چل رہا ہے، اس کی رفتار ملکویت کی آئینہ دار ہے، اس کی گفتار سچائیوں کی آئینہ دار ہے، اس کی نگاہیں گنبد خضری کے جمال سے آشنا ہو چکی ہیں۔ اب کوئی جلوہ اس کی نگاہوں کا وقار نہیں چھین سکتا ہے۔ اس کا چہرہ حبیب کبریا کی ملاحتوں کا پرتو بن چکا ہے۔ اب اس کے چہرے کی ملاحت دنیا کی کوئی طاقت نہیں چھین سکتی ہے۔ اس کی حیا دامن مصطفٰی بن چکی ہے۔ اس لئے یہ بے حیائی کا کوئی کام نہیں کر سکتا۔ بن جاؤ ایسے۔ بن جاؤ ایسے۔ میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں آپ کو دنیا میں کوئی اور چیز استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئیگی۔ دنیا کو سمجھانے کے لئے آپ کو سائنس، منطق اور معقولات کی بھاری بھاری وزنی اصطلاحیں پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ آپ کا کردار آپ کی زندگی کا بہترین نمونہ بن جائے گا، آپ کا کردار آپ کے مشن کی بہترین تبلیغ بن جائے گا۔ حضور رحمت عالم نے بھی یہی کیا تھا کہ اپنے دیوانوں کو قرآن دیا تھا اور زندگیوں کو قرآن بنا دیا تھا۔ دنیا ان قرآنوں سے نگاہیں بند کر سکتی ہے جو لائبریریوں میں ہوں مگر ان قرآنوں سے نگاہیں نہیں بند کر سکتی جو ایک عرب مسلمانوں کی زندگی سے چھلک رہے ہوں۔ آپ سنت رسول کے پابند بن جاؤ۔ قسم خدا

کی دنیا آپ کی رفتار کا انتظار کرے گی۔ دنیا کے صحن کی رونقیں آپ کے قدموں سے لپٹنے کے لئے بے قرار ہونگی۔ سرور کائنات محمد رسول اللہ کے دیوانوں نے بھی یہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان جب بھی زمین پہ سجدہ کرنے کے لئے بڑھتا تھا زمینیں خود بڑھتی تھیں کیا تم سمجھتے ہو؟ مٹھی بھر مسلمان پوری دنیا پر طاقت کی بنیاد پر غالب آ گئے تھے؟ بڑا غلط پروپگنڈہ ہے؟ مغرب کا، بڑا غلط پروپگنڈہ ہے ویسٹرن پاور کا، بڑا غلط پروپگنڈہ ہے دنیا کی طاقتور قوتوں کا۔ کہ اسلام تلوار کی زور سے پھیلا۔ تلوار تھی ان کے پاس، کہاں ان کے پاس تلوار تھی مجھے بتاؤ؟ کہاں تھی ان کے پاس؟ کیا روما کے پاس تلوار نہیں تھی؟ کیا ایران کے پاس تلوار نہیں تھی؟ کیا اس زمانے کے سوپر پاورس (Super Powers) کے پاس تلوار نہیں تھی؟ ہاں اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔ لیکن لوہے کی تلوار سے نہیں بلکہ اخلاق کی تلوار سے پھیلا ہے۔ لوہے کی تلوار سے کافر کٹتا ہے اور اخلاق کی تلوار سے کفر کٹتا ہے۔

آج کے دور میں جب کہ پوری دنیا مادی بنیادوں پر اپنے مستقبل کا فیصلہ کر رہی ہے۔ ہر طرف ہر شئے کو مادی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ مادی عینک لگا کر کے ہر شئے کا مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔ اب تو اخلاقی قدروں کو مادی پیمانوں ہی پر جانچا جا رہا ہے۔ مسکراہٹیں بھی کاروبار بن گئی ہیں اگر مسکراہٹوں کے کاروبار کو دیکھنا ہو تو دکانوں پہ سیلس مین کے تبسم کا جائزہ لو۔ اور انسانی آبرو اور وقار کو رسوا کرنے کے لئے ہوائی جہازوں میں جو ایر ہوسٹس ہوتی ہیں ان کی مسکراہٹوں کو دیکھو۔ جہاں یہ معلوم ہوگا کہ انسانیت اور عورتوں کی آزادی کا نعرہ لگانے والے ان کی مسکراہٹوں کو بیچ رہے ہیں، سودا کر رہے ہیں۔ اور آج مسکراہٹیں کاروباری بن چکی ہیں۔ جہاں تبسم کاروباری ہوگیا ہو، جہاں اخلاص کاروباری ہوگیا ہو، جہاں ملاقاتیں کاروباری ہوگئی ہوں، ہاں معاملات کاروباری ہوگئے ہوں، جہاں رشتے کاروباری ہوگئے ہوں، جہاں خون کاروباری ہوگیا ہو، جہاں نشست و برخواست کاروباری ہوگئی ہو، جہاں جس ماحول میں کاروبار کے علاوہ کچھ نظر نہ آتا ہو وہاں اگر کوئی تعلق اللہ اور رسول کی بنیاد پر نظر آتا ہے تو یقیناً اتنا عظیم تعلق ہے کہ ہم اپنے احترام کی گردنیں خم کر دیں گے، آج ہم دیکھ رہے ہیں

کہ دنیا میں اُن تمام چیزوں کی فراوانی ہے۔ جس کی ضرورت انسان کو ہے اور لوگ اس کی طرف بڑھ رہے ہیں آج در و دیوار کو روشن کر دیا گیا ہے۔ شہروں کو روشن دیا گیا ہے، زندگیوں کو روشنی سے محروم کر کے در و دیوار کو روشن کرنے والے اپنے ضمیر کے اندھیروں میں ایک طویل سناٹا محسوس کر رہے ہیں۔ آج در و دیوار کو روشن کرنے والے اپنے دل اور ضمیر کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ اُن کے پاس روشنی کا کوئی سامان نہیں ہے۔

عشق ناپید خردمی گردد صورت مار
عقل کو تابع فرمانِ نظر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
اپنی حکمت کی خم و پیچ میں ایسا الجھا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا

آج تک نفع و نقصان کا فیصلہ نہیں ہوسکا ہے۔ انسان موت کا سامان فراہم کر رہا ہے اور زندگی کی بات کر رہا ہے۔ موت کے دروازے پہ دستک دے رہا ہے اور زندگی کے نام سے دے رہا ہے، انسانی آبادیوں کو ہیروشیما اور ناگاساکی میں تبدیل کرنے کے لئے ایٹم بم بنا رہا ہے اور انسانیت کی بات کر رہا ہے۔ آج کا انسان ہر شئی کو اپنے مادی قدروں کے پیمانے پہ ناپ رہا ہے۔ آج کے دور میں اگر کوئی دولت نایاب ہے تو وہ اخلاص کی دولت ہے اور اگر یہ اخلاص کی دولت ان نوجوانوں کے اندر پیدا ہوجائے تو یہ پوری دنیا کا مزاج بدل سکتے ہیں۔ جس بازار میں جس چیز کی کثرت ہے اگر وہی لے کر کے جاؤ گے؟ تو کون پوچھے گا؟ جس چیز کا فقدان ہے وہ لے کر کے جاؤ۔

میرے عزیزو! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کیا نماز ہم اللہ کے لئے پڑھتے ہیں؟ بلا شبہ

اللہ کے لئے پڑھتے ہیں۔ مگر کیا اللہ ہماری نمازوں کا محتاج ہے؟ میرے عزیزو! کیا اللہ ہماری نمازوں کا ضرورت مند ہے؟ اگر پوری کائنات اللہ کی تسبیح کرنے لگے تو اس کی خدائی میں کوئی اضافہ نہیں ہو جائے گا اور اگر پوری کائنات خدا کا انکار کر دے تو اس کی خدائی میں کوئی کمی نہیں ہو جائے گی۔ فرشتوں نے اسی نقطہ نظر کو پیش کیا تھا۔ کہ اے پروردگار عالم! کیا تو زمین پہ ایک ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے جو شر و فساد کرے۔ کیا ہم تیری تسبیح کے لئے کافی نہیں ہیں۔

"نحن نسبح بحمد ک و نقدس لک،،

عزیزان ملت اسلامیہ! پتہ یہ چلا کہ اللہ کو ہماری بندگی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اللہ کی بندگی دراصل اپنے کے لئے کرتے ہیں۔ کبھی آپ نے سوچا؟ کہ اپنے کے لئے کیوں کرتے ہیں؟ آج کے نظام اجتماع اور فلسفۂ اجتماع کا بنیادی ضابطہ یہ ہے کہ انسان وحشت کی زندگی چھوڑ کر تمدن کی زندگی اختیار کرے اور تمدن کی زندگی کا بنیادی فلسفہ مل بیٹھنا ہے۔ جانور وحشی ہوتا ہے، جانور مل نہیں بیٹھتا۔ جانور کی زندگی تنہا تنہا ہوتی ہے، جانور کی زندگی اکیلی زندگی ہوتی ہے، جانور اپنے بچوں کو بڑا کرنے کے بعد چھوڑ دیتا ہے۔ پھر ایک جانور کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی بیٹی کہاں گئی ہے؟ اور اس کا بیٹا کہاں گیا ہے؟ اس لئے کہ وہ بہر کیف جانور ہوتا ہے وہ تمدن سے آشنا نہیں ہوتا ہے۔ وہ انس سے آشنا ہیں ہوتا وہ معاشرتی قدروں سے آشنا نہیں ہوتا اگر ہم نے بھی اپنے بچوں کو جوان کر کے چھوڑ دیا پتہ نہیں بیٹی کہاں گئی ہے اور بیٹا کہاں گیا ہے؟ تو ہم جانور تو بن سکتے ہیں مگر انسان نہیں بن سکتے۔ آج کا مغربی معاشرہ آج کا امریکی اور مغربی سوسائٹی یہی مطالبہ کر رہی ہے کہ بس تمہاری ذمہ داری پوری ہوگئی۔ جوان ہونے کے بعد ان کو خود اپنی زندگی کا فیصلہ کرنا ہے۔ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ وہاں تو ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ باپ مرتا ہے پولیس فون کرتی ہے، ہاسپٹل فون کرتا ہے اور بیٹا کہہ دیتا ہے میرے پاس فرصت نہیں ہے بس تم ہی دفن کر دو Thankyou for your Informetion بس تمہارے بتا دینے کا شکریہ! میرے باپ کو ٹھکانے لگا دو۔ دودھ یورپ کی زندگی میں دیکھو۔ کتنے باپ ہیں جو اپنے گھروں میں تنہا مر جاتے ہیں۔ اور ان کے دروازوں میں دودھ کی

بوتلیں جمع ہو جاتی ہیں تو پولیس دروازہ توڑ کے معلوم کرتی ہے کہ باپ مر گیا ہے اور بیٹے کو اطلاع نہیں ہے۔ وہاں Old houses آج برطانوی اور مغربی معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ ہے، کہ بوڑھوں کو کہاں رکھا جائے؟ اور اس ناجائز اولاد کو کہاں رکھا جائے؟ جو اپنے باپ کا نام بھی بتا نہیں سکتی۔ جو اپنا چہرہ بھی پیش نہیں کر سکتی ہے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں یہ انسانی نظام اجتماع کے خلاف ہے۔ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ انسان جب سے آیا ہے اجتماعی مزاج اختیار کرنا چاہتا ہے۔ بڑے جلسوں کو کانفرنس کا نام نہیں دیا گیا ہے، جلسوں کا نام نہیں دیا گیا ہے۔ اجتماع کا نام دیا گیا ہے تا کہ فلسفۂ اجتماع کے اوپر نظر پڑ سکے اور انسانی تقاضے بھی پورے ہو سکیں۔ دنیا کی تمام قوموں نے دنیا کے تمام فلسفیوں نے۔ یونان کے فلسفی ہوں یا چین کے فلسفی ہوں۔ کنفیوشس کے پالے ہوئے ہوں یا اُوسطا کے نظام کے پروردہ ہوں۔ دنیا کے تمام فلسفیوں نے نظام اجتماع میں کچھ نہ کچھ کہا ہے مگر عملی طور پر وہ سب کے سب ناکام رہے ہیں۔ نہ یونان کے فلسفی انسان کو جمع کر سکے ہیں۔ نہ روم کے فلسفی جمع کر سکے ہیں اور نہ اوسطا کا نام جمع کر سکا ہے۔ نہ کنفیوشس کے اخلاقی تعلیمات جمع کر سکی ہیں اگر انسانوں کو کسی نے جمع کیا ہے تو وہ رسول اللہ کے نظام نے جمع کیا ہے۔ قرآن عظیم کی تعلیمات نے جمع کیا ہے۔

دیکھو میں تمہیں بتاؤں میرے عزیزو اور میرے دوستو! ہم دن میں پانچ مرتبہ محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کے پابند ہیں۔ قدم سے قدم ملاتے ہیں شانے سے شانہ ملاتے ہیں تا کہ دل سے دل مل جائے۔ ہفتہ میں ایک مرتبہ پورے شہر کے لوگ جامع مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ قدم سے قدم ملاتے ہیں شانے سے شانہ ملاتے ہیں تا کہ دل سے دل مل جائے۔ سال میں ایک مرتبہ اطراف و جوانب کے لوگ عیدگاہ میں جمع ہوتے ہیں، قدم سے قدم ملاتے ہیں۔ شانہ سے شانہ ملاتے ہیں تا کہ دل سے دل مل جائے۔ اور زندگی میں ایک رنگ و نسل کے سارے امتیاز ہٹا کر کے اپنے اپنے مقامی لباس کو چھوڑ کر کے، اپنے مقامی انداز کو چھوڑ کر کے، اپنی مقامی بولیاں چھوڑ کر کے ہم ایک لباس مین ہو جاتے ہیں، ایک گھر کا طواف کرتے ہیں حج پاک کے موقع پر ایک ہی بولی ہوتی ہے۔ "**لبیک لبیک اللھم لبیک لبیک**

لا شریک لک لبیک ان الحمد و النعمة لک و الملک لا شریک لک.،، حاضر ہیں پروردگار! اے رب ہم حاضر ہیں! اے پروردگار عالم! ہم تیری بارگاہ میں حاضر ہیں۔ ہم کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ وہاں نہ کوئی کالا ہوتا ہے نہ کوئی گورا ہوتا ہے۔ نہ کوئی عربی ہوتا ہے نہ کوئی عجمی ہوتا ہے۔ نہ کوئی چھوٹا ہوتا ہے نہ کوئی بڑا ہوتا ہے۔ نہ کوئی کمزور ہوتا ہے نہ کوئی طاقتور ہوتا ہے۔ وہاں سب برابر ہوتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ ع

بنو آدم اعضاء اک دیگر اند

پوری نسل انسانی ایک ہے یہ آدم کے بیٹے ہیں۔ سب برابر ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ نماز اور اسلام کے علاوہ کوئی اور بھی ایسی سوسائٹی ہے؟ جہاں چھوٹے اور بڑے کا امتیاز نہ ہو، جہاں پست و بلند کا امتیاز نہ ہو، جہاں جاہل اور عالم کا امتیاز نہ ہو جہاں غریب اور امیر کا امتیاز نہ ہو، جہاں کالے اور گورے کا امتیاز نہ ہو، جہاں Status کا امتیاز نہ ہو، جہاں مرتبہ کا خیال نہ ہو، جہاں طبقاتی کشمکش نہ ہو، جہاں طبقوں میں انسان بانٹا ہوا نہ ہو۔ قسم خدا کی تمہیں مسجد کے علاوہ کوئی اور مقام نہ ملے گا۔ ہم نے یہ نام سنا تھا ایک نام ہے جسے House of Common کہتے ہیں۔ عوام کا گھر ہے۔ یہ مگر عوام کے گھر میں جب ہم نے دوسرا نام سنا وہ Back Benches میں سے ہے۔ وہ تو پیچھے بیٹھنا چاہئے وہ آگے نہیں آسکتا۔ تو حیرت میں ہم ڈوب گئے کہ یہ عوام کا گھر ہے مگر اس میں بھی Back Banches ہے اور Frant benchese ہوا کرتے ہیں کچھ لوگ پیچھے بیٹھنے پہ مجبور ہیں کچھ لوگ آگے بیٹھنے پہ مجبور ہیں مگر قربان جاؤ کہ اللہ کے گھر کا یہ عالم ہے کہ ایک غریب ایک مفلس آدمی، ایک فاقہ کرنے والا چیتھڑا پہنے ہوئے مسجد میں پہلے چلا جاتا ہے۔ اگلی صف میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور ایک سرمایہ دار روکڑ (مال) والا ہے۔ وہ ذرا دیر سے پہونچتا ہے تو پیچھے کھڑا ہوتا ہے۔ اور جب جماعت کھڑی ہوتی ہے تو جہاں غریب کا پیر ہوتا ہے وہاں سرمایہ دار کی پیشانی جھکی ہوتی ہے۔

اے دنیا کے غریبو! دنیا کی کسی سوسائٹی میں تمہیں برابر کا مقام نہیں دیا جاتا، کسی مقام پر تمہیں برابر کی حیثیت نہیں دی جاسکتی ہے، سرمایہ داروں کے ساتھ تم نہیں بیٹھ سکتے ہو، عالموں

کے ساتھ تم نہیں بیٹھ سکتے ہو، اسکالرس کے ساتھ تم نہیں بیٹھ سکتے ہو، گرائجو یٹس کے ساتھ تم نہیں بیٹھ سکتے ہو۔ پولیٹیشنس (Potititease) کے ساتھ تم نہیں بیٹھ سکتے ہو۔ دولت مندوں کے ساتھ تم نہیں بیٹھ سکتے ہو۔ یہ اعلیٰ سوسائٹی ہے۔ یہ متوسط سوسائٹی ہے۔ یہ لو سوسائٹی ہے۔ یہ اپر کلاس ہے۔ اور یہ مڈل کلاس کے لوگ ہیں اور یہ لو کلاس کے لوگ ہیں۔ یہ اپر، لو، اور مڈل کلاس کی تقسیموں نے تمہارا خون چوس رکھا ہے۔ تمہاری Dignety کی توہین کی ہے تمہاری انسانیت کو رسوا کیا ہے۔ تمہارے وقار کو لٹایا ہے۔ تمہاری آبرو کا سودا کیا ہے۔ تمہیں غلام بنا رکھا ہے۔ معاشی سلیبری میں مبتلا کر رکھا ہے۔ معاشی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ عصر جدید کی طبقاتی غلامی میں تم ہر جگہ پائے جاتے ہو۔ مگر آج آ ؤ اللہ کی بارگاہ میں کسی سرمایہ دار کو جرأت نہیں ہے کہ تم کو پیچھے کر کے آگے بڑھ جائے۔ اس لیئے کہ تم بھی اللہ کے بندے ہو اور وہ بھی اللہ کا بندہ ہے۔

میرے عزیزو! جبلہ ابن اہمغسانی کا واقعہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہوگا۔ یہ غسان کے قبیلہ کا سردار تھا۔ اپنے ملک کا بادشاہ تھا۔ عیسائیت سے اس نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اسلام سیاسی اسلام تھا۔ اس نے اس لئے قبول کیا تھا کہ اسلام ایک بڑھتی ہوئی طاقت ہے جو عرب اور روم کو اپنے قبضہ میں کر رہی ہے۔ اگر ہم نے اسلام قبول نہیں کیا تو ہمارا یہ اقتدار نہ چھین جائے۔ مسلمان ہونے کے بعد اسے بادشاہت پہ باقی رکھا گیا۔ مگر ایک مرتبہ جب وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو اس کے پیروں پر کسی بدو کا پیر پڑ گیا تھا اس نے بھرپور زنّاٹے کے ساتھ طمانچہ مارا تھا۔ بدو نے بارگاہ رسول میں شکایت کی تھی۔ یا رسول اللہ! کعبہ میں جہاں کسی مچھر کو بھی نہیں مارا جاسکتا ہے۔ جہاں کسی مکھی کو بھی نہیں مارا جاسکتا ہے۔ اور جہاں کسی جانور کو بھی ایذا نہیں دی جاسکتی ہے وہاں اس نے مجھے مارا ہے۔ مکھی اور مچھر کا لفظ میں دراصل قلت بیان کرنے کے لئے کہہ رہا ہوں ورنہ فقہی جزیہ کچھ اور ہے ورنہ کہیں آپ فتویٰ نہ دیدیں (درود شریف) تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں کوئی شکار بھی کھیلا نہیں جاسکتا ہے۔ حتی الامکان کسی موذی جانور کو بھی جب تک کوئی ضرورت نہ ہو نہیں مارا جاسکتا ہے۔ وہاں اس نے

مجھے طمانچہ مارا ہے اللہ کے رسول نے فیصلہ فرمایا اسے بھی اسی طرح طمانچہ مارا جائے جیسے اس نے تم کو مارا ہے۔اس نے کہا یا رسول اللہ! میں غسان کا بادشاہ ہوں۔آپ مجھے بدو کے برابر کھڑا کر رہے ہیں۔تو آپ نے فرمایا کہ ہر مسلمان خدا کی بارگاہ میں برابر ہے۔تمہیں انتقام کی سطح پہ کھڑا ہونا پڑے گا۔اس لئے کہ تم نے اللہ کے گھر میں یہ جرم کیا ہے۔اس نے کہا مجھے ایک رات کا موقع دیا جائے۔واپس ہو گیا اور پھر اسلام سے نکل گیا مگر اللہ کے رسول نے ایک بادشاہ کے اسلام کے لئے کوئی مصلحت قبول نہیں۔فرمائی یہ برابری تم کو صرف اسلام میں ملے گی۔اسلام کے علاوہ کہیں اور کوئی مساوات پہ نہیں ملے گی۔عالم یہ ہے اللہ اکبر! کہ ہماری نمازیں دلوں کے جوڑنے کا ذریعہ ہیں۔یہ مولانا مقصود بیٹھے ہوئے ہیں انہیں یاد ہو یا نہ یاد ہو۔ایک مرتبہ مجھ سے سخت ناراض ہو گئے تھے ہم دونوں مسجد کی طرف جا رہے تھے میں انہیں کچھ کہہ رہا تھا یہ مجھے کچھ کہہ رہے تھے۔ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے تھے، آستینیں چڑھی ہوئی تھیں۔پیشانیوں پہ رگیں ابھری ہوئی تھی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا۔ایسا لگتا تھا جیسے دونوں ایک دوسرے کو قتل کر دینا چاہتے ہیں۔اچانک مسجد سے آواز آئی ”اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر،، ہم دونوں مومن تھے۔اللہ کی کبریائی کے سامنے ہمارا دل جھک گیا۔اور جب مسجد کے اندر داخل ہوئے تو انداز بدل گیا تھا۔مسجد کے باہر یہ جو کہہ رہے تھے اس کی میں مخالفت کر رہا تھا۔مگر مسجد کے اندر یہ جو کہہ رہے ہیں وہ ہی میں بھی کہہ رہا ہوں۔انہوں نے اللہ اکبر کہا تو میں نے بھی اللہ اکبر کہا۔انہوں نے ہاتھ باندھا تو میں نے بھی ہاتھ باندھ لیا۔یہ جھک گئے تو میں بھی جھک گیا۔یہ سجدہ میں گئے تو میں نے بھی سجدہ کر لیا۔اور یہ میری دائیں طرف تھے۔جب میں نے پلٹ کے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ تم پہ سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو۔تو فوراً جواب دیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔قمر الزماں تم پہ بھی سلامتی ہو۔اور اللہ کی رحمت ہو۔ اندازہ کیجئے کہ باہر جو غبار تھا مسجد کے اندر ڈھل گیا ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ، کبھی آپ نے سوچا اور غور فرمایا؟ کبھی آپ نے اس بات کا جائزہ لیا؟ کہ آپ جب جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو کس عظیم کائنات کا ایک حصہ بن

جاتے ہیں؟ کس عظیم سرکل کا ایک حصہ بن جاتے ہیں؟ کس عظیم دائرہ کا ایک حصہ بن جاتے ہیں؟ کعبہ، ایک نقطہ ارتکاز ہے، کعبہ ایک نقطہ اتحاد ہے، کعبہ ایک نقطہ وحدت ہے کعبہ ہمارے دائرے کا بنیادی نقطہ ہے، نقطہ پرکار ہے، انسانی دائرہ کا، جیومیٹری پڑھی ہے آپ نے؟ ایک نقطہ ہوتا ہے جس کے اردگرد پرکار گھومتا ہوا نظر آتا ہے۔اس دائرے کو بڑھاتے جائیے۔پہلے آپ نے چھوٹا سا دائرہ نقطہ کے قریب بنایا۔پھر دوسرا دائرہ بنایا۔پھر تیسرا دائرہ بنایا۔پھر چوتھا دائرہ بنایا۔دائرے بڑھتے جائیں گے اور وسعت بڑھتی چلی جائے گی۔وہ نقطہ پھیلتا چلا جائیں گا۔وہ نقطہ بڑھتا چلا جائے گا۔کعبہ ایک نقطہ ہے اس کے اردگرد لوگ طواف کر رہے ہیں۔نماز کے لئے کھڑے ہیں۔چاروں طرف سے کھڑے ہیں۔مشرقی بھی کھڑا ہے، اور مغربی بھی کھڑا ہے، شمالی بھی کھڑا ہے اور جنوبی بھی کھڑا ہے، چاروں طرف سے کھڑے ہیں، اسی طرح سے دنیا میں وہ کعبہ پھیلتا جا رہا ہے، پھیلتا جا رہا ہے پھیلتا جا رہا ہے، پھیلتا جا رہا ہے۔پھیلتا جا رہا ہے یہاں تک کے ہم نے اس وقت نماز پڑھی ہے تو کعبہ کے اسی دائرہ کا حصہ بن گئے ہیں بتاؤ کعبہ کے اسی دائرے میں شامل تھے؟ یا نہیں تھے؟ میں عرض کرنا چاہتا ہوں، اجتماع کا یہ تصور کسی اور مذہب نے دیا ہو تو بتا دو، کسی اور سوسائٹی نے دیا ہو تو بتا دو Sesro نے دیا ہو تو بتا دو! افلاطون نے دیا ہو تو بتا دو، برغنس نے دیا ہو تو بتا دو! کنفیوشس نے دیا ہو تو بتا دو! اوسطا کے نظام والوں نے دیا ہو تو بتا دو! محدود گھروں میں عبادت کرنے کا نظام دینے والوں نے دیا ہو تو بتا دو! دنیا میں اجتماع کا یہ فلسفہ کہیں نہیں ملے گا۔اسلام دراصل ایک اجتماعی نظام زندگی ہے۔یہاں تو دعائیں بھی مانگی جاتی ہیں تو جمع کے صیغہ کے ساتھ مانگی جاتی ہیں تنہا دعا بھی نہ کرو۔” رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَ فِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّار،، (پ:۲، البقرۃ: آیت:۲۰۱)

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ☆ اَللّٰهُمَّ اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ كَفِّرۡ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ۔ (پ:۴، سورۃ ال عمران: آیت:۱۹۳) ہاں اگر نبی ہیں تو تنہا دعا مانگ سکتے ہیں۔

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ☆ وَيَسِّرْلِيْ اَمْرِيْ ☆ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ☆ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ. ،، (پ:۱۶،سورہ طٰہٰ: آیت:۲۵، ۲۵، ۲۷، ۲۸) مگر یہ پیغام اور نبوت کے اعتبار سے ہے ورنہ جب بھی اجتماعی دعا مانگی جائے گی تو دنیا کا ہر انسان شریک ہوگا اور دنیا کا ہر مسلمان شریک ہوگا۔ تم اپنی بھلائیاں بھی تقسیم نہیں کر سکتے ہو، اپنے جذبات بھی تقسیم نہیں کر سکتے ہو، اپنی خواہشات بھی تقسیم نہیں کر سکتے ہو۔ اپنی اُمنیات بھی تقسیم نہیں کر سکتے ہو، فلاح کا تصور بھی تقسیم نہیں کر سکتے ہو، فلاح کا نظام بھی تقسیم نہیں کر سکتے ہو، جو بھی کرو گے دنیا کے تمام انسانوں کے لئے کرو گے۔ جو بھی کرو گے دنیا کے تمام افراد کے لئے کرو گے۔ ہر ابن آدم کے لئے کرو گے۔ ہر آدمی کے لئے کرو گے۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! یہی وجہ ہے کہ نماز کے مکمل سلسلہ کو Institution کا نام دیا گیا۔ ہے ایک مکمل ادارے کا نام دیا گیا ہے۔ ایک مکمل نظام کا نام دیا گیا ہے۔ ایک مکمل سسٹم کا نام دیا گیا ہے۔ اگر یہ انسان کی زندگی کا یہ انفرادی معاملہ ہوتا تو اسے Institution of Salah نہ کہا جاتا۔ اس کو ہم نظام کا نام نہ دیتے۔ اس کو ہم آئین کا نام نہ دیتے۔ دراصل یہ نماز ہماری پوری زندگی کے اوپر چھائی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو نماز چھوڑتا ہے۔ کل میدان قیامت میں ھامان اور فرعون کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ میرے آقا نے فرمایا " من ترک الصلوة متعمداً فقد کفر،، جس نے نماز قصداً چھوڑا وہ کافر ہو گیا۔ ہمارے علماء نے بڑی رعایت فرمائی ہے۔ شارحین حدیث نے بڑا کرم فرمایا ہے۔ انہوں نے یہ کہا ہے کفر کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ایمان کامل نہیں ہے یا یہ فرمایا گیا ہے کہ ڈر یہ ہے کہ مرتے تو کلمہ نصیب نہ ہو اور کفر کے اوپر مرے۔ یا یہ فرمایا گیا ہے کہ کافروں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ لیکن میں عرض کرنا چاہتا ہوں دوسری حدیث جب پڑھتا ہوں تو روح کانپ جاتی ہے میرے آقا نے فرمایا:

مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّداً فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ

جو نماز قصداً چھوڑے گا وہ اللہ کے ذمہ کرم سے بری ہو جائے گا۔ جو نماز پڑھے گا اللہ

اس کو اپنی حفاظت میں رکھے گا۔ اللہ اپنی معیت میں رکھے گا۔ اللہ اپنے کرم کے زیر سایہ رکھے گا۔ لیکن جو نماز چھوڑے گا بری الذمہ اللہ کی رحمت ہو جائے گی۔ پھر کس گلی میں مرتا ہے پتہ نہ چلے گا، کہاں تباہ ہوتا ہے پتہ نہ چلے گا۔ کون لوٹ لیتا ہے کوئی سوال نہ کر سکے گا۔ کس جگہ قتل کر دیا جاتا ہے کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا۔ کس زمین پہ تنہائی کی موت مرتا ہے پتہ نہیں ہوگا۔ کس ڈارکنیس میں بھٹک رہا ہوتا ہے تاریکی میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا۔ نماز دراصل اللہ کے ذمہ کرم کی ضمانت ہے ہمارے لئے۔ جب ہم سجدہ کرتے ہیں تو اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اللہ کا کرم نازل ہوتا ہے۔ اللہ کا انعام نازل ہوتا ہے۔

"اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰباً مَّوْقُوْتاً" (پ:۵، سورۃ النساء آیت:۱۰۳)

نماز وقت وقت کے ساتھ فرض کی گئی ہے تا کہ ایک ایک لمحہ کی قدر کر سکو۔ ایک ایک سکنڈ کی قدر کر سکو۔ ایک ایک گھنٹے کی قدر کر سکو۔ "موقوتا،، وقت وقت کے ساتھ فرض کی گئی۔

میرے عزیزو! اور میرے دوستو! اللہ کے رسول اتنی نمازیں کیوں پڑھتے تھے؟ پیروں میں ورم آجاتا تھا۔ حتی تورمت قدماہ وساقاہ،، اور کہیں کہیں تشققت ہے ان کے پیروں میں ورم آجاتا تھا اور سرکار کے پیر شق ہو جایا کرتے تھے قرآن عظیم اُن کے انداز عبادت کو نقل فرماتا ہوا نظر آتا ہے۔" یا یھا المزمل ☆ قم اللیل الا قلیلاً ☆ نصفه او انقص منه قلیلا ☆ او زد علیه و رتل القرآن ترتیل ☆،، اے چادر اُوڑھنے والے بادا خاص بندگی کو پیش کرنے والے، راتوں کو اٹھا کیجئے یقیناً۔ مگر کم کم! اللہ اکبر۔ پروردگار عالم نے ان کی رات کی نمازوں کی تشکیل کی کیفیت بتائی۔ ہمارے لئے تہجد نفل ہے۔ اُن کے لئے امر کا صیغہ ہے۔ ومن اللیل فتهجد به نافلة لک، عسی ان یبعثک ربک مقاماً محموداً (پ:۵، سورۃ بنی اسرائیل:۷۹)

میرے عزیزو! رسول کیوں نماز پڑھتے تھے؟ ہم نماز پڑھتے ہیں تو کچھ وجہ ہوتی ہے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں تو کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ ہم نماز پڑھتے ہیں تو اس لئے پڑھتے ہیں تا کہ ہمارے گناہ معاف ہو جائیں ہم نماز پڑھتے ہیں تو اس لئے پڑھتے ہیں تا کہ ہمارا خدا ہم سے

راضی ہوجائے ہم نماز پڑھتے ہیں تو اس لئے پڑھتے ہیں تا کہ ہمیں جنت مل جائے۔لیکن کیا سرکار بھی اس لئے نماز پڑھتے تھے کیا رسول اللہ بھی اس لئے نماز پڑھتے تھے؟ کیا وہ اس لئے نماز پڑھتے تھے کہ اُن کے گناہ معاف ہوجائیں میں کہنا چاہتا ہوں" **واللہ العظیم** ،، اگر ایک لمحے کے لئے بھی تم نے نبی کو گناہگار سمجھا تو تم عصمت انبیاء کا انکار کر بیٹھو گے اور دین سے خارج ہوجاؤ گے۔ نبی معصوم ہوتے ہیں۔ یہ ہماری خوش عقیدگی نہیں بلکہ اسلامی نظام کی ضرورت ہے۔اسے تم اہلسنت والجماعت کا غلوئے عقیدہ مت سمجھ لینا۔الحمدللہ ہم کہیں بھی غالی نہیں ہیں۔ بڑا غلط تصور تم کو دیدیا گیا ہے۔کبھی علمی محفل میں بیٹھ کے دیکھو علم بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ جب تم کسی معاملہ میں اختلاف کرو تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ہم تیار ہیں اس کے لئے۔عصمت انبیاء یعنی نبی کا معصوم ہونا یہ اسلامی نظام کی ضرورت ہے۔ کیوں؟ جانتے ہو؟ اس لئے کہ اگر نبی غلطی کرے یا غلطی کر سکے۔تو ہر دوصورت میں اسلامی نظام کا کمال مجروح ہوجائے گا۔اس لئے کہ نبی کی زندگی قانون ہے، نبی کی ادا قانون ہے، نبی کا بیٹھنا قانون ہے، نبی کا سونا قانون ہے، نبی کا چلنا قانون ہے، نبی کا بولنا قانون ہے، نبی کی عادت قانون ہے، نبی کا ارادہ قانون ہے، نبی کا عمد قانون ہے، نبی کا سمجھ قانون ہے، سرکار سجدہ سہو نہ بتاتے تو پوری نماز دہرانی پڑتی۔رسول اللہ نے کتنا احسان کیا ہے؟ نبی کی زندگی کا ہر لمحہ قانون ہے۔یہی وجہ ہے کہ صحابہ بڑے حساس تھے نبی کے زندگی کو نقل کرنے کے لئے۔

بہر کیف حضور کی ایک ایک ادا قانون ہے۔اب اگر اللہ کے رسول غلطی کرتے یا غلطی کر سکتے۔تو دنیا یہ کہہ سکتی کہ چونکہ نبی بھی غلطی کر سکتے ہیں اس لئے انہوں نے جو قانون بنایا ہے اس میں غلطی کا امکان ہے انہوں نے جو قانون دیا ہے اس میں غلطی کا امکان ہے۔شاہ بانو والے کیس کے بعد مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا جو نبی سے بھی غلطی ہوسکتی ہے۔موجودہ نظام میں ترمیم کردو نبی سے بھی غلطی ہوسکتی ہے موجود حالات میں ترمیم کرو بنی سے بھی غلطی ہوسکتی ہے۔آئین نظام میں ترمیم کرو نبی سے بھی غلطی ہوسکتی ہے۔موجودہ سماجی نظام میں ترمیم کردو، نبی سے بھی غلطی ہوسکتی ہے۔پردہ کے نظام میں ترمیم کرو نبی سے بھی غلطی ہوسکتی ہے۔

مگر یہاں آنے کے بعد ایک سنی دعوت اسلامی کا ممبر بولتا ہے۔ نبی معصوم ہے اس سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی ہے۔اور جب غلطی ہو ہی نہیں سکتی ہے تو ترمیم کا سوال کیا پیدا ہوتا ہے؟ پتہ چلا اگر تم اسلامی نظام حیات کو ترمیم سے پاک کرنا چاہتے ہو تو نبی کو معصوم ماننا پڑے گا، نبی کی عصمت پہ یقین کرنا پڑے گا۔ نبی کی عصمت کو ماننا پڑے گا اور جب ظاہر ہے کہ وہ معصوم ہیں تو اس لئے نماز تھوڑی پڑھیں گے کہ اُن کے گناہ معاف ہوجائیں۔ یہاں تو یہ عالم ہے کہ جس طرف نگاہ اٹھادی گناہ سے پاک ہوگیا۔جس پہ کرم فرمادیا گناہ سے پاک ہوگیا جس کی طرف ہاتھ بڑھادیا گناہ سے پاک ہوگیا۔ جسے چاہا بے گناہ بنادیا ہے۔ جسے چاہا گناہوں سے الگ کردیا۔ جس کے بھی بارے میں چاہا گناہوں کے بارے میں فیصلہ کردیا۔ایک صاحب بارگاہ رسول میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں یارسول اللہ! زندگی میں بارہا سوچا تھا کہ میں آپ کا کلمہ پڑھوں مگر نہ پڑھ سکا تھا۔لیکن اب موت کے قریب پہنچ چکا ہوں۔ بیماری کی اس حالت میں ہوں کہ چند لمحوں کا مہمان ہوں۔اگر اس وقت میں آپ کا کلمہ پڑھ لوں تو کیا میرا پروردگار میرے گناہوں کو معاف فرمادے گا؟ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے مرنے والے پڑھ لے میرا کلمہ، دنیا کے تمام انسانوں کے لئے میرا قانون ضمانت لے رہا ہے۔مگر تمہارے لئے صاحب قانون کی حیثیت سے میں خود ضمانت لے رہا ہوں کہ کل جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں سے کھینچنے والا میرے قانون کا ہاتھ نہیں میرا ہاتھ ہوگا۔

تو کیا وہ اس لئے نماز پڑھتے تھے جو گناہ معاف ہوجائیں۔

نہ تقویٰ پر نہ طاعت پر نہ زہد و اتقاء پر ہے
ہمارا ناز جو کچھ ہے محمد مصطفیٰ پر ہے

یہ خود موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس پہ شبہا گذاری جاسکتی ہیں راتیں گذاری جاسکتی ہیں، لیکن میں سرسری طور پر گذر رہا ہوں، تو کیا رسول اللہ اس لئے نماز پڑھتے کہ ان کا خدا ان سے راضی ہوجائے۔سبحان اللہ یہ تحصیل حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ہے نا؟ تحصیل حاصل کی اصطلاح تو ہے نا درسگاہوں کی۔ یہ سب حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ان کا خدا ناراض

کب تھا کہ راضی کرنے کا سوال پیدا ہو۔ وہ تو رضاؤں کے ماحول میں پروان ہی چڑھے تھے۔ وہ تو آنے سے پہلے ہی مرتضیٰ بن چکے تھے۔ مصطفیٰ بن چکے تھے۔ وہ تو رضاء الٰہی کے ماحول میں جلوہ گر ہوئے تھے۔ ان کے لئے کعبہ کی دیواروں کے نیچے ابراہیم نے ہاتھ اُٹھا کے دعا کی تھی۔ اسمٰعیل نے لبیک اور آمین کہی تھی۔ بتاؤ جو رضاؤں کے ماحول میں پروان چڑھ رہا ہو بتاؤ کیا وہ اس لئے نماز پڑھے گا کہ اس کا خدا اس سے راضی ہو جائے۔ یہاں تو یہ عالم ہے کہ پوری انسانیت خدا کی رضا چاہ رہی ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ خدا کی رضا چاہ رہا ہے۔ کائنات کی ہر شئی خدا کی رضا چاہ رہی ہے۔ مگر پروردگار عالم کی محبت کا یہ عالم کہ اپنے محبوب کی نگاہ کرم کو اٹھتا ہوا دیکھتی ہے تو آواز دیتی ہے۔

" قد نریٰ تقلب و جھک فی السماء ج فلنو لینک قبلۃ ترضھا.،،

"فول و جھک شطر المسجد الحرام،، (پ:۲،سورۃ البقرۃ آیت:۱۴۴)

ہم آپ کے چہرے کو آسمانوں کی طرف اٹھتا ہوا دیکھ رہے ہیں تو آپ اپنی مرضی سے قبلہ بدل لیجئے جس طرف آپ رُخ کر دیں گے وہ دائرہ پرکار کائنات بن جائے گا۔ جس طرف آپ رُخ پھیریں گے وہی نقطۂ پرکار بن جائے گا۔ وہی مرکز ثقل بن جائے گا۔ کائنات کی پیشانیاں اسی طرف جھکیں گی انسان صبح قیامت تک اسی دائرہ کا طواف کرتا رہے گا۔ اسی دائرے میں گردش کرتا رہے گا۔ جس طرف آپ کا چہرہ اٹھ جائے گا۔ ''فول و جھک شطر المسجد الحرام، ، بتاؤ جن کی رضا پہ قبلہ بدلا جا رہا ہو، کیا وہ اس لئے نماز پڑھیں کہ ان کا خدا اُن سے راضی ہو جائے؟ جن کے بارے میں مشیت یہ کہہ رہی ہو، ولسوف یعطیک ربک فترضی، ، (پ:۳۰،سورۃ الضحیٰ:۵) آپ کا پروردگار آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ آپ نے سوچا ہوگا کہ یہ نماز کا موضوع اس نے کیسا چھیڑ دیا ہے۔ بڑا خشک تو ہوگا۔ نہیں۔ بڑا حسین موضوع ہے۔ یہ مقصد حیات ہے۔ اور حیات اتنی حسین ہے تو مقصد کتنا حسین ہوگا؟ آپ اندازہ کرو اور غور کرو کہ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم سرور کائنات محمد رسول اللہ جس طرف رُخ پھیر دیتے ہیں ساری کائنات اس طرف رُخ پھیر

دیتی ہے۔ کیا قرآن نماز کے حکم کے ساتھ ساتھ جزئیات عطا نہیں فرما سکتا تھا؟ قصہ یوسف علیہ السلام میں تو جزئیات کے استقصاء کا یہ عالم ہے کہ تہہ خانے کی کیفیت بھی بیان کر دی گئی ہے، دامن یوسف کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ ملاحت زلیخا کی بات بھی ہے۔ اور انسانی وارفتگی کا انداز بھی ہے، قطعیت کی شکل میں۔ جو قرآن یوسف علیہ السلام کے قصہ میں اتنی تفصیل بیان کر رہا ہو وہی قرآنی مقصد حیات میں صرف اشارے دے رہا ہے کہ نماز پڑھو۔ رکوع کرو۔ سجدہ کرو۔ کیوں ایسا ہے؟ قرآن چاہتا تو یہ بتا دیتا کہ ہم تکبیر تحریمہ کیسے پڑھیں؟

نماز کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ نماز پڑھو۔ لیکن یہ نہیں فرما رہا ہے کہ کیسے پڑھو۔ تکبیر تحریمہ کیسے کرو، رکوع کیسے کرو، سجدہ کیسے کرو، کتنی رکعات پڑھو، کس کس وقت پڑھو، وقت کی تحدّی کیا ہونی چاہیئے؟ سب احادیث سے معلوم ہے ٹھیک ہے۔ اشارہ النص کے ذریعہ سے پنج وقتہ وقتوں کو ثابت کیا گیا ہے۔ مگر احادیث بہت وضاحت کے ساتھ اوقات کی ابتداء اور اوقات کی انتہا بیان کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نماز پڑھو کہہ کر کے سب کچھ رسول کے حوالے کیوں کر دیا گیا؟ تا کہ مسلمان اپنی نماز کو نبی سے جدا نہ کر سکے۔ وہ رکوع کرے تو نبی کا رکوع یاد کرے۔ وہ سجدہ کرے تو نبی کا سجدہ یاد کرے۔ وہ قیام کرے تو نبی کا قیام یاد کرے۔ وہ تسبیح پڑھے تو نبی کی تسبیحات پڑھے۔ ہر ہر ادا میں نبی کا چہرہ سامنے ہو۔ ہر ہر ادا میں نبی کی ادا سامنے ہو۔ ہر ہر ادا میں نبی کا انداز سامنے ہو، ہر ہر ادا میں نبی کی کروٹ سامنے ہو۔ ہر ہر ادا میں نبی کی تفصیل سامنے ہو۔ ہر ہر ادا میں نبی کی تشریح سامنے ہو۔ میں ''ادا،، اردو لغت کے اعتبار سے نہیں بول رہا ہوں۔ اور افسانوی زبان کی اعتبار سے نہیں بول رہا ہوں۔

سنو نماز رسول کی اداؤں کا نام ہے اگر ان کی اداؤں کے مطابق ادا کی گئی تو ادا ہوگی ورنہ قضا بھی نہ ہو سکے گی۔

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

مومن کی معراج

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ أَقَامَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعاً، فَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ، صَلٰوةً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهُ وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ. أَمَّا بَعْدَ.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ – بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ ط

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلاَئِکَتَهُ یُصَلُّوْنَ عَلٰی النَّبِیِّ یٰأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْماً. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِهِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ. وبارک وسلم علیه ابداً دائماً سرمداً

حضرات گرامی! آج کی اس محفل میں مجھے کوئی نیا عنوان منتخب کرنا نہیں ہے۔ آزادمیدان کے خطاب کے بعد یقیناً آپ منتظر ہوں گے کہ اس مضمون کو مکمل کیا جائے جس کا وہاں آغاز ہوا تھا۔ مکمل تو نہ ہوسکے گا لیکن کچھ مفید باتیں مزید پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ خدائے قدیر و جبار اعمال کے باب میں جب میں کچھ کہوں تو پہلے مجھے اور پھر ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بڑا خوف بھی لگتا ہے اور بہت ہی مشکل ہوتا ہے کسی عمل کی طرف دعوت دینا مجھ جیسے

بے عمل انسان کے لئے، لیکن اس امید پر کہ اہل عمل کے ساتھ رہنا بھی اور ان کی دعاؤں کا حاصل کرنا بھی نجات کا ذریعہ ہوتا ہے۔

میں سنی دعوت اسلامی کے اجتماع میں حاضر ہوجایا کرتا ہوں کہ عمل اور عقیدہ کا یہ کارواں جو اس سرزمین سے ابھرا ہے اور جہاں جہاں جائے جس جس مقام پر جائے۔ اس کا رواں کے ساتھ ساتھ ہماری ہستی کا احساس بھی سفر کرے۔

کبھی آپ نے سوچا؟ کہ ہم نماز پڑھتے ہیں تو کم از کم اس کے پیچھے تین مقاصد پوشیدہ ہوتے ہیں۔ حکم الٰہی کی بجا آوری کے علاوہ ہمیں (۱) جنت مل جائے (۲) ہمارے گناہ معاف ہوجائیں (۳) اللہ ہم سے راضی ہوجائے۔ کیا پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی انہی تین مقاصد کے لئے نماز ادا فرماتے تھے؟ میں نے اس سلسلہ میں یہ بتایا تھا کہ نبی کی طرف انتساب گناہ کرنا یہ کفر ہے۔ نبی معصوم ہوتا ہے اور یہ عصمت محض غلوءعقیدہ کی بنیاد پر نہیں ہے، یہ ہمارا حسن عقیدہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ اسلام کی ایک یقینی ضرورت ہے اگر نبی کو معصوم نہ مانو گے تو وہ پورا نظام مشکوک ہوجائے گا مشتبہ ہوجائے گا جس پر تم ایمان لائے ہو۔ نبی کی عصمت کا عقیدہ دراصل اس نظام کو محسوس اور معصوم کردیتا ہے جس نظام سے ہماری زندگی کا دامن وابستہ ہے۔ اور میں نے سابق میں اس کی وضاحت یہ کی تھی کہ نبی کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قانون ہے، ہم بولتے ہیں تو ہمارا بولنا محتمل صدق و کذب ہوتا ہے مگر نبی بولتے ہیں تو قانون زندگی بولتے ہیں، نبی بولتے ہیں تو دستور حیات بولتے ہیں، نبی بولتے ہیں تو زندگی کی زلف برہم سنورتی ہے، نبی بولتے ہیں تو ہر قول قانون کی دفعہ بن جاتا ہے۔ نبی جو بھی عمل فرماتے ہیں وہ قانون زندگی اور دستور حیات ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس قدر اعتناء فرمایا ہے، اتنی محنت فرمائی ہے۔ اور پھر اس کے بعد راویانِ حدیث نے اللہ کے رسول کے اقوال و اعمال ہی نہیں، اس ماحول کو بھی ہم تک منتقل کرنے کی کوشش کی ہے جس ماحول میں اللہ کے رسول نے کوئی عمل فرمایا ہے یا کوئی قول ارشاد فرمایا ہے۔ کیوں؟ تاکہ ہم سرکار دو عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس قول و عمل کے لئے اس ماحول کو دیکھ سکیں

جس ماحول میں یہ ہو رہا ہے اور قول وعمل سے قانون کی تشکیل کے وقت ماحول ہماری نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! اور اس کے بعد پھر میں نے یہ عرض کیا تھا کہ پیغمبر اعظم اس لئے بھی نماز نہیں پڑھتے تھے کہ ان کو جنت مل جائے۔ وہ تو جنت کے بانٹنے والے ہیں، وہ تو جنت عطا فرمانے والے ہیں، وہ تو قاسم نعمت جنت ہیں، انہوں نے تو زندگی ہی میں نامعلوم کتنے افراد کو جنت سے نوازا ہے۔ اور میدان قیامت میں کروڑوں افراد کو اپنے دست کرم سے جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں سے کھینچ کے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ انہیں مقام محمود عطا فرمایا گیا کہ یہ وہی مقام ہے جہاں جنت اُن کی ملکیت معلوم ہوتی ہے۔ وہ جسے چاہیں گے عطا فرمائیں گے، جسے چاہیں گے نوازیں گے، خدا کرے ہم بھی ان کی نوازشات میں شامل ہوں۔ تو ظاہر ہے کہ جو جنت تقسیم فرمانے آئے ہوں، جنت کی نعمتیں بانٹنے آئے ہوں۔ جنت عطا فرمانے والے ہوں وہ اس لئے نماز تو نہیں پڑھیں گے کہ ان کو جنت مل جائے۔ عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا تذکرہ قرآن عظیم میں صراحتاً نہیں ہے۔ احادیث مبارکہ ہی میں ہے نا؟ رسول اللہ ہی نے انہیں جنت عطا فرمائی ہے۔ بہت سے صحابہ کرام جن کے باب میں اللہ کے رسول نے انہیں جنتی ہونے کے بارے میں فرمایا۔ وہ سرور کائنات ہی کی عطا ہے۔ وہ ایک بوڑھی خاتون تھی جو بارگاہ رسول میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے مرگی کا مرض ہو گیا ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے شفا عطا فرمادے۔ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم مرگی کے مرض سے شفا حاصل کرنا چاہتی ہو، یا اسے جھیل کر کے جنت حاصل کرنا چاہتی ہو! کیا پسند ہے تمہیں؟۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ وہ شفا عطا فرمادیں یا جنت عطا فرمادیں۔ تبھی تو پوچھ رہے ہیں آپ کیا چاہتی ہیں؟ شفا چاہتی ہیں یا جنت چاہتی ہیں۔ (سبحان اللہ) جنت کی بات آئی تو زندگی کا چہرہ مسکرا اٹھا، بے ساختہ پکار اٹھیں یا رسول اللہ! جنت ہی چاہتی ہوں میں۔ یہ مرض جھیل لے جاؤں گی زندگی کی آخری سانس تک، مجھے یہ تڑپنا، یہ تڑکنا، یہ

بے قرار ہونا، یہ بیہوش ہونا، یہ مضطرب ہونا، یہ سب کچھ گوارا ہے، میں جنت چاہتی ہوں۔ مگر یا رسول اللہ جب مجھ پر یہ دورہ طاری ہوتا ہے تو کبھی کبھی میں کھل جاتی ہوں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میرے جسم سے کپڑا سرک جاتا ہے اور کچھ بے پردگی سی ہو جاتی ہے۔ بس حضور ایسا کر دیجئے۔ دعا فرمائیے! خواہ کیسی ہی کیفیت ہو میں بے پردہ نہ ہونے پاؤں۔ پھر ہر غم گوارا ہے، ہر تکلیف گوارا ہے۔ اللہ اکبر! جنت بھی مانگ رہی ہیں اور اللہ کے رسول کی شریعت پر عمل کا سلیقہ بھی طلب فرمارہی ہیں۔ بس یہ دعا فرمادیجئے کہ میں کھلنے نہ پاؤں، بے ستری نہ ہونے پائے، بے پردگی نہ ہونے پائے۔ خواہ میں کتنا ہی تڑپوں، کتنی ہی بے قرار ہوں، مگر میرے جسم کے اس حصہ سے جس سے ایک عورت کے لئے شریعت اسلامی میں ڈھانکنا ضروری ہے ہاتھ اور چہرے کے علاوہ اس سے کپڑا کھسکنے نہ پائے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! اللہ کے رسول نے دعا فرمادی اور پھر یہی ہوا۔ مرگی کے دورے آتے تھے، وہ بے قرار ہوتی، تڑپتی تھیں مگر ستر کا مکمل اہتمام ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمایا وہ باحیات تھیں۔ ایک دفعہ وہ گذر رہی تھیں تو ایک صحابی نے ارشاد فرمایا جسے کسی جنتی کو دیکھنا ہو تو انہیں دیکھ لے۔ کیا ایمان تھا صحابہ کرام کا؟ کہ انہیں دیکھ لے۔ تو لوگوں نے کہا کہ آپ کیسے کہہ رہے ہیں کہ وہ جنتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نہیں کہہ رہا ہوں۔ اُس نے فرمایا ہے جو جنت تقسیم کرنے کے لئے جلوہ گر ہوئے تھے۔ میں نے آقائے دو جہاں سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں، اس مسیحا کی بارگاہ میں، میں نے ان کو شفا طلب کرتے ہوئے سنا تھا۔ اور میں نے یہ بھی سنا تھا کہ میرے آقا نے کہا تھا کہ تم کو شفا مل سکتی ہے۔ مگر کیا تم اس کے بدلے میں جنت طلب نہ کرو گی؟ تو انہوں نے جنت کو پسند فرمالیا تھا اور آج تک وہ اس بیماری میں مبتلا ہیں۔ یقیناً ان کو جنت مل گئی وہ جنتی ہیں۔ میرے آقا نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دیدی ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! دراصل یہ احادیث مبارکہ محدثین نے جب نقل فرمایا ہے تو اس اس قول کے پیش نظر اور اس متن کے پیش نظر جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ایک مومن کے پیروں میں اگر کانٹا چبھتا ہے تو اس کو اس کے بدلہ میں بھی اسے جزا دی جاتی ہے۔ تو فرمایا گیا ہے کہ یقیناً مومن کو کوئی بھی تکلیف پہنچتی ہے حالت ایمان میں تو اسے جزاؤں سے نوازا جاتا ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ اللہ کے رسول جنت بانٹنے والے ہیں۔ وہ ایک صحابی جو اللہ کے رسول کو وضو کرا رہے ہیں اور سرکار کائنات محمد رسول اللہ روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں " **سل ما شئت**،، جو بھی مانگنا ہو مانگ لو۔ 'ما، کے عموم کے ساتھ عطا کا عموم بھی سامنے آجاتا ہے۔ جو بھی طلب کرنا ہو طلب کرلو۔ وہ چاہتے تو دنیا کا کوئی بھی اقتدار طلب کرلیتے دنیا کی کوئی بھی وجاہت طلب کرلیتے، دنیا کی کوئی بھی شوکت طلب کرلیتے، دنیا کا کوئی بھی منصب طلب کرلیتے، مگر جب دینے والا اتنا عظیم ہے کہ جس کے دامن میں دارین کی تمام نعمتیں ہیں تو مانگنے والا بھی اتنا کم ظرف نہیں ہوگا، اتنا چھوٹا نہیں ہوگا کہ دنیا کا کوئی اقتدار مانگ لے۔ وہ مانگتے ہیں اور خوب مانگتے ہیں" **انی أسئلک مرافقتک فی الجنه**،، (مشکوۃ) یارسول اللہ! میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں، جنت بھی مانگی تو رسول اللہ کی جنت مانگی، جنت بھی مانگی تو جنت علی الجنت مانگی ایک جنت تو جنت ہے اور جنت کی جان رسول اللہ کی زیارت ہے، ان کا دیدار ہے، ان کے قدموں میں رہنا ہے، کیسی عظیم جنت مانگی انہوں نے؟ کیسی عظیم جنت مانگی؟ حضور میں یہاں بھی آپ کے قدموں میں رہتا ہوں۔ جنت تو مل جائے گی لیکن مگر آپ کے فراق سے مملو ہوئی وہ جنت۔ وہ جنت کہاں ہوگی ہمارے لئے؟ ہم تو نہیں چاہتے کہ وہ جنت ملے جو آپ کے فراق کی جنت ہو۔ آپ وہاں نہ ہوں۔ ہم تو وہ جنت مانگتے ہیں کہ جنت بھی ہو اور آپ بھی جلوہ گر ہوں۔ حضور! ہماری جنت تو آپ کے چہرے کا نظارہ ہے۔ آپ ہماری جنت نگاہ ہیں، آپ ہمارے خلد نظارہ ہیں، آپ ہمارے شہرِ آرزو ہیں، آپ ہمارے مرکزِ عقیدت ہیں، آپ ہماری جانِ تمنا ہیں، آپ ہمارے قبلۂ اطاعت ہیں، آپ ہمارے کعبۂ انقیاد ہیں، آپ یا رسول اللہ! ہمارا مقصد زندگی ہیں۔ مقصد وجود کائنات ہیں۔ اس لئے جب مقصدِ وجود کائنات نہ ہو تو کائنات کی کوئی بھی نعمت مل جائے ہمارے لئے کیا ہوگی؟

عزیزان ملت اسلامیہ! پتہ چلا کہ اللہ کے رسول تو جنتیں بانٹا کرتے تھے۔ کتنے ظالم ہیں وہ لوگ جو ایک قول کے سہارے پر یہ کہا کرتے ہیں کہ رسول پاک تو اپنی بیٹی کو بھی جنت نہیں دے سکتے۔ انہوں نے زندگی میں انہیں جنت کا سردار بنادیا ہے۔ ان کے شہزادوں کو جنت کا سردار بنادیا ہے۔ یہ اقوال ان کو نظر نہیں آئے ہیں؟ سرور کائنات کے یہ فرامین ان کی نگاہوں کے سامنے نہیں ہیں؟ جنت تو ان کے قدموں ہی کی برکت سے مومن ملے گی وہ تو جنت کے بانٹنے والے ہیں۔ تو پتہ چلا کہ وہ نماز اس لئے نہیں پڑھتے تھے کہ ان کو جنت مل جائے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم وہ تنہا ذات مبارکہ ہیں اس کائنات میں کہ پروردگار عالم خود ان کی رضا طلب فرماتا ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تو پتہ چلا کہ سرکار اس لئے نماز نہیں پڑھتے تھے کہ ان کو جنت مل جائے، اس لئے نماز نہیں پڑھتے تھے کہ ان کا خدا ان سے راضی ہو جائے۔ اس لیئے نماز نہیں پڑھتے تھے معاذ اللہ کہ ان کے گناہ معاف ہو جائیں۔ تو پھر کس لیئے نماز پڑھتے تھے؟ (۱) ایک تو یہ ہے کہ اطاعت حکم الٰہی ہو چونکہ انہیں پوری کائنات کے لئے نمونۂ کامل بننا تھا۔ ان کی ہر ادا کو عبادت بننا تھا۔ معیار عبادت بننا تھا۔ اس لئے انہوں نے نماز پڑھی۔ (۲) اور دوسری وجہ یہ ہے جو ایک صحابی نے خود نقل فرمائی ہے کہ میں اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا، کسی غزوہ کا موقع تھا، میں نے اللہ کے رسول کی پلکوں میں نیند دیکھی۔ میں ان کی بارگاہ کرم سے باہر آگیا۔ صفہ کے چبوترے پہ بیٹھ گیا، تا کہ میرے آقا آرام فرمائیں، دن بھر پتھروں کا سینہ توڑا ہے اور قیصر و کسریٰ کی فتح و نصرت کی بشارت دی ہے، مومنوں کے دلوں کو سہارا بھی دیا ہے، اور انہوں نے جہاد کی راہ میں ان کی تکلیفوں کو محسوس بھی کیا ہے۔ اس وقت اگر آرام فرمانا چاہتے ہیں، تو آرام کرلیں۔ اس خیال سے میں باہر آگیا ابھی تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ میں نے مسجد نبوی میں اس عظیم بیقرار امت کو روتے ہوئے محسوس کیا۔ میں بے

تابانہ اٹھا رسول اللہ کی آواز تھی۔ میں ان کے قدموں میں کھڑا ہو گیا، وہ سجدہ میں سر ڈالے ہوئے کہہ رہے تھے۔"**و ان تعذبهم فانهم عبادک**"، اے پروردگار عالم اگر تو اپنے گناہگاروں کو عذاب دے گا تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر معاف فرد ے گا تجھے غفور کہتے ہیں، تجھے رحیم کہتے ہیں، اللہ اکبر! کیا انداز ہے دعا کا؟ کہ اگر تو عذاب دے گا تو یہ تیرے ہی بندے ہیں۔ تیرا عذاب دینا برحق ہوگا، تیرا عدل برحق ہوگا، ہم تیرے اس فیصلہ سے بھی انحراف کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی اسے ناپسند کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ تو نے عذاب دیا" **و ان تعذبهم فانهم عبادک**"، لفظ عبادک کہہ کر کے دراصل اللہ کی رحمت میں حصہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ فرمارہے ہیں کہ اے پروردگار اگر تو عذاب دے گا تو وہ تیرے ہی بندے ہیں، تیری ہی بنائی ہوئی تصویریں ہیں، تیری ہی تخلیق ہے، تیری ہی پیدا کی ہوئی مخلوق ہے، بلاتمثیل عرض کر رہا ہوں۔ ایک باپ جو اپنے بیٹے سے سخت ناراض ہو اور وہ یہ چاہتا ہو کہ بیٹے کو طمانچہ مارے کہ اچانک ایک ہمدرد انسان اور ایک ذہین انسان کھڑا ہو کر کے کہدے کہ یہ آپ کے جسم کا حصہ ہے۔ یہ آپ کا بیٹا ہے۔ یقین مان لیجئے کتنا ہی غضب ناک باپ ہو ہاتھ رک جائے گا اُبوت اور بُنوّت کا یہ رشتہ ہے کہ وہ ہاتھ اٹھا کر کے بھی کہ جب اسے محسوس کرادیا گیا ہے کہ یہ تیرا بیٹا ہے تو وہ ہاتھ روک لے گا۔ بیٹے اور باپ کا رشتہ تو جسم کا رشتہ ہے ابوت اور بنوت کا رشتہ تو نظر کا رشتہ ہے۔ مگر بندگی اور اُلوہیت کا رشتہ یہ دراصل روح کا رشتہ ہے۔ بڑا دوامی رشتہ ہے، ازل سے ابد تک کا رشتہ ہے۔ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ اس رشتہ کا تو یہ عالم ہے کہ کروڑوں باپ بھی اللہ کی اس رحمت کے ایک ذرہ بھی حاصل نہیں کر سکتے جو اسے اپنے بندوں سے ہے۔ اس لئے اللہ کے رسول بندگی کا اظہار فرما کر کے اسی رحمت کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ بندوں کی طرف "**و ان تعذبهم فانهم عبادک**"، کہ اے اللہ اگر تو عذاب انہیں دے گا تو یہ تیرے ہی بندے ہیں۔ سبحان اللہ کس دور میں اللہ کے رسول فرما رہے ہیں۔ جب بندگی اپنے نقطۂ انتہاء پر تھی، جب بندگی اپنے مرتبۂ کمال پر تھی جس دور کی بندگی سے بہتر بندگی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جب بندگی چہرۂ مصطفیٰ کے آئینہ میں تھی،

جب بندگی سرورکائنات کی امامت میں ادا ہو رہی تھی جب حق بندگی رسول اللہ کے زیرِ سایہ ادا ہو رہی تھی، جب حق بندگی رسول اللہ کے نقش قدم کو دیکھ کر کے ان کے مقدس قیادت میں ادا ہو رہی تھی اس سے بڑھ کر کے بندگی کا تصور کسی دور میں کیا جاسکتا ہے؟ نہیں کیا جاسکتا آپ کو معلوم ہے؟ نا ایک صحابی کا مقام کیا ہوتا ہے سبحان اللہ! بندگی صرف سجدوں کا نام نہیں ہے۔

میرے عزیز، بندگی تو مصطفیٰ کی رضا کے حصول کا نام ہے جیسے بھی حاصل ہو جائے آپ اندازہ کیجئے۔ صحابی اسے کہتے ہیں کہ جس نے ایمان کی حالت میں اللہ کے رسول کو دیکھا ہو اور ایمان ہی پر وفات پائی ہو تو وہ صحابی ہے۔ ہے نا؟ -- اب عالم یہ ہے کہ نماز فرض نہیں ہوئی ہے اور ایک صحابی ایمان لاتے ہیں اور نماز فرض ہونے سے روزہ فرض ہونے سے حج اور زکوٰۃ کے فرض ہونے سے پہلے وصال فرما جاتے ہیں ایک بھی نماز نہیں پڑھی، ایک بھی روزہ نہیں رکھا، ایک مرتبہ حج نہیں کیا، ایک مرتبہ بھی زکوٰۃ نہیں دی۔ اس کے باوجود دنیا بھر کے تمام روزہ داروں کے روزے۔ حاجیوں کے حج اور زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰتیں اور نماز پڑھنے والوں کی نمازیں ایک پڑلے میں رکھی جائیں اور روئے مصطفیٰ کی زیارت ایک پڑلے میں رکھی جائے تو صحابی کا مرتبہ بڑا ہوگا، بڑا ہوگا نا؟ کسی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ یہ مرتبہ کیوں انہیں حاصل ہوا ہے زیارت روئے مصطفیٰ کی بنیادوں پر، سرورکائنات کا چہرہ پاک کو دیکھنے کی بنیاد پر حاصل ہوا ہے کتنا عظیم ہوگا وہ چہرہ، اللہ اکبر تو وہ کتنے عظیم تھے کہ بندگی بھی روئے مصطفیٰ کے آئینے میں ہو رہی تھی۔ سرورکائنات محمد رسول اللہ کے چہرۂ پاک کے سامنے ہو رہی تھی وہ مرکز عقیدت بھی موجود تھے اور خدا کا سجدہ بھی ادا ہو رہا تھا۔ آنکھیں اور سر خدا کے آستانے پہ جھکے ہوئے تھے اور دل مصطفیٰ کے قدموں سے لپٹے ہوئے تھے اس طرح سے سجدہ ہوا کرتا تھا۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! وہ کتنے عظیم لوگ تھے؟ وہ صحابی تھے تو ظاہر ہے کہ ان کی بندگی کا مقام بھی بہت بلند ہوگا بہت عظیم ہوگا۔ ہم اس بندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں مگر اس کے باوجود طلب رحمت کا یہ عالم ہے اللہ اکبر کہ ان کے سامنے اُن کے لئے اور ان کے توسل سے

صبحِ قیامت تک تمام انسانوں کے لئے (خدا کرے ہم بھی سرکار کی دعاؤں میں شامل ہوں یہ فرماتے ہیں۔)

''وَاِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ،، اے پروردگارِ عالم اگر تو انہیں عذاب دے گا تو یہ تیرے ہی تو بندے ہیں۔مولیٰ یہ تیرے ہی تو بندے ہیں۔سبحان اللہ کہ وہ ایک بزرگ تھے جنہوں نے توبہ کرنے کے لئے خدا کی بارگاہ میں سجدہ کیا اور جب توبہ کے لئے سجدہ کیا تو ہاتفِ غیبی کی طرف سے آواز آئی تو نے اتنے گناہ کئے ہیں کہ تیری توبہ کیسے قبول ہوگی؟ تو اس نے بڑی بے ساختہ، بڑی جرأت اور انتہائی عقیدت کے ساتھ بندگی کی تمام تر سرشاریوں کے ساتھ اپنا سر اللہ کی بارگاہ میں رکھ کر کے کہا اے مولیٰ! تیرے در کے علاوہ کوئی اور در ہوتا تو اپنا سر اٹھا کے یہاں سے وہاں رکھ لیتا لیکن جب تیرے در کے علاوہ کوئی اور در نہیں ہے تو یہ سر بندگی بارگاہ میں جھکا ہے تو اب اٹھایا نہ جائے گا۔مشیت نے جب بندگی اور سرشاری کی یہ کیفیت دیکھی اور مکمل طور پر رجوع اور انابت کی یہ کیفیت دیکھی تو فرشتوں میں اعلان فرمایا۔

''یا ملائکتی قد استحییت من عبدی لیس له غیری،، اے میرے فرشتو! میں اپنے اس بندے سے شرم کر رہا ہوں کہ اس بندے کا میرے علاوہ کوئی نہیں ہے۔اے اللہ! اگر تو عذاب دے گا تو وہ تیرے ہی تو بندے ہیں۔اے اللہ اگر تو ہمیں عذاب دے گا تو ہم تیرے ہی تو بندے ہیں۔اللہ کے رسول نے طلبِ مغفرت کا کتنا حسین انداز دیدیا ہے۔کتنا حسین پیرائے بیان عطا فرمایا ہے؟ اللہ کے رسول یہی آیت کریمہ پڑھ رہے ہیں اور صحابیٔ رسول قدموں میں کھڑے ہیں کہ سرکار سر اٹھائیں تو ہم عرض کریں کہ یارسول! اللہ آپ اتنی زحمت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ آپ کے سر پہ شفاعت کبریٰ کا تاج رکھدیا گیا ہے۔آپ کو اختیار دیا گیا ہے کہ جسے چاہیں جنت میں داخل فرمادیں۔ پھر آپ اتنی زحمت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ اتنی تکلیف کیوں برداشت کرتے ہیں۔ یہ رات رات بھر کے سجدے کیوں؟ وہ کہتے ہیں کہ میں اسی تمنا میں کھڑا رہا کہ سرکار سجدہ سے سر اٹھائیں تو میں اُن سے عرض کروں۔ میں یہ اپنی حسرتِ عرض لئے نماز فجر کے وقت تک کھڑا رہا اور سرکار اسی ایک

آیت شریف کو مکمل دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ جب فجر کا وقت آیا ایک اور سجدہ کا ایک اور بندگی کا تو سجدہ سے سر اٹھایا پلکیں بھیگی ہوئی تھیں دامن تر تھا، سجدہ گاہ بھیگی ہوئی تھی، رات بھر رسول اللہ امت کے غم میں ہمارے حصول مغفرت کے لئے روتے رہے۔

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد گا
رورو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیئے ہیں

لیکن جب سرکار نے سر اٹھایا تو انہوں نے بہت ہی مؤدب ہو کے عرض کیا یارسول اللہ !اتنی زحمتیں آپ کیوں برداشت کرتے ہیں؟ یارسول اللہ! آپ تو بخشے ہوئے ہیں اور آپ کے صدقہ میں آپ کے اُمتی بھی بخشے جائیں گے پھر اتنی زحمتیں کیوں؟ تو اللہ کے رسول نے فرمایا۔''اولم اکون عبداً شکوراً، ، میں اپنے رب کا شکرگزار بندہ نہ بن جاؤں؟ میں تو شکر کی نماز پڑھ رہا ہوں۔ پتہ چلا کہ وہ شکر کی نماز پڑھیں تو پوری پوری رات سجدہ میں گزاریں۔ہم گناہوں میں ڈوبے ہوئے سجدہ نہ کریں۔ہمیں جنت کے ملنے کا بظاہر کوئی یقین نہیں ہم سجدہ نہ کریں۔رحمت الٰہی ہم سے روٹھی ہوئی ہے، پھر بھی ہم سجدہ نہ کریں؟ کتنی بڑی بدقسمتی ہے؟ وہ سجدے تو کرتے تھے تو صرف شکر کے سجدے ہوتے تھے۔ پیروں میں ورم آجاتا تھا۔مشیت اعلان فرماتی تھی۔

یَا یُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً نِصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلاً اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً (پارہ:۲۹،سورۃ المزمل آیت:۱تا۴)

میرے عزیزو! اور میرے دوستو! آپ کوشش کیجئے کہ کوئی بھی ایسا آدمی نہ رہ جائے کہ جس نے کلمہ پڑھا ہو اور اس کی پیشانی خدا کی بارگاہ میں نہ جھک رہی ہو۔کوئی بھی ایسا آدمی نہ رہ جائے۔آپ جب مسجد میں آرہے ہوں تو آس پاس لوگوں کو دیکھ لیا کیجئے۔میرے عزیزو! اور میرے دوستو! یہاں تو عالم یہ ہے کہ دنیا میں کسی کام کی جزا ملتی ہے تو کام کے مکمل ہونے کے بعد اور کامیابی کے بعد، یوم جزا کا کوئی تصور ہی نہیں ہے، کام مکمل ہو۔اور کامیابی بھی حاصل ہو تو امتحان کا بھی بدلہ اچھا ملے گا۔محنت کا بدلہ اچھا ملے گا۔کوئی Production آپ

کرنا چاہتے ہیں، کوئی چیز بنانا چاہتے ہیں جب کامیاب ہوں گے بنانے میں تو اس کی آپ کو کوئی قیمت ملے گی۔ ورنہ وہ کچھ بھی نہیں ملے گا۔ مگر صرف یہی ایک راستہ ایسا ہے کہ جہاں ہر ہر قدم پر نیکی ملتی ہے۔ آپ نے نیک کام کرنے کا ارادہ کیا تو ارادہ پہ نیکی مل گئی پر دنیا ارادہ پر نیکی کیوں نہیں دے سکتی؟ بدلہ کیوں نہیں دے سکتی؟ اس لئے کہ دنیا ارادوں سے واقف نہیں ہے۔ مگر ہم جس کے لئے کام کر رہے ہیں وہ ہمارے ارادوں سے واقف ہے۔ اس لئے وہی دے سکتا ہے ارادوں پہ صحیح بدلہ، چنانچہ آپ نے کسی نیک کام کا ارادہ کیا۔ ابھی لوگ یہاں بیٹھے ہیں۔ سنی دعوت اسلامی میں شامل ہونے کا ارادہ کر رہے ہوں تو نیکیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ نیک کام کا ارادہ کیا آپ نے، آپ کو نیکی مل گئی۔ اس کے بعد آپ نے قدم اٹھایا تو پھر نیکی لکھی گئی۔ آپ جتنے قدم چلتے رہے نیکیاں ملتی رہیں۔ آپ نے کسی کو نمازی بنا دیا تو صبحِ قیامت تک یا اپنی موت کی آخری سانس تک جتنی بھی نمازیں پڑھے گا ہر ایک کے بدلے میں آپ کو اتنا ہی ثواب ملے گا۔

''الدال علی الخیر کفاعلہٖ،، نیکیوں کی طرف دلالت دینے والا ایسا ہے جیسے وہ خود کر رہا ہو۔ اگر آپ کامیاب ہو گئے۔ تو بھی آپ کو نیکی ملے گی۔ ناکام ہو گئے تو بھی ملے گی۔ آپ نے اپنی ذمہ داری تو پوری کر لی حتی کہ اس نے آپ کو سختی سے کوئی بات کہہ دی تو برداشت کرنے کے سلسلہ میں نیکیاں کئی گناہ زیادہ ملیں گی۔ یہاں تو عجیب بات ہے۔ میرے آقا حضور سید عالم، تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ ایک غزوہ سے واپس ہو رہے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ مدینہ میں کچھ ایسے لوگ رہ گئے ہیں۔ ''ماقطعوا وادیاً،، جنہوں نے کسی وادی کو طے نہیں کیا، کسی جہاد میں شرکت نہیں کی، کسی محاذ میں انہوں نے قدم نہیں رکھا لیکن ثواب میں برابر کے شریک ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے اتنی محنت کی اور اب جہاد سے سالماً اور غانماً واپس ہو رہے ہیں۔ کیا ہمارا اتنا بڑا ثواب ان کو بھی ملے گا جو مدینے میں رہ گئے ہیں؟ فرمایا ہاں ہاں۔ وہ ارادہ کر رہے تھے بلکہ تڑپ رہے تھے۔ ''حبسھم العذر،، انہیں کسی عذر نے روک رکھا تھا ورنہ وہ بھی تمہارے ساتھ

ہوتے۔ اس لئے دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔ نیتوں میں ثواب یہاں مرتب ہوتا ہے۔ ''وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوْا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَاء،، (پارہ: ۳۰، سورۃ البینۃ آیت: ۵) اس طرح کی کتنی ہی آیات و روایات آپ کو ملیں گی کہ جہاں صرف نیتوں پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔

تو میرے عزیزو! اور میرے دوستو! اس کام کو کرنا ہے تو یہ رات جس میں ہم اور آپ بیٹھ کر کے کچھ اچھی باتیں سن رہے ہیں اور کر رہے ہیں یہ راتیں صرف اتنے ہی مسلمانوں پہ تو نہیں آئی ہیں نا۔ بمبئی میں اتنے مسلمان ہی تو نہیں ہیں نا؟ بقیہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ وہ بیچارے کہاں ہوں گے؟ کیا وہ اس وقت قابل رحم نہیں ہیں؟ میں عرض کرنا چاہتا ہوں یہ راتیں بڑی عجیب ہیں۔ یہی راتیں دامنِ حیات پہ دھبوں کا اضافہ کرتی ہیں اور یہی راتیں دامن حیات سے دھبوں کو دھل دیا کرتی ہیں۔ یہی راتیں چہرہ ہستی کو کالا کر دیتی ہیں اور یہی راتیں چہرہ زندگی روشن کر دیا کرتی ہیں۔ یہی راتیں صبح حیات کی نوید ہوتی ہیں۔ اور یہی راتیں موت کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ جہنم میں لے جانے والی ہوتی ہیں۔

رات ہے رات تو اک مردِ خوش اوقات کی رات
گریۂ شوق کی تسبیح و مناجات کی رات

کتنے مبارک ہیں وہ لوگ جو راتوں کے کچھ حصہ میں اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ اپنے رب کی بندگی کرتے ہیں۔ وہ پیغمبر اعظم، وہ سرور کائنات، محمد رسول اللہ، وہ حبیبِ اعظم، وہ انیس بیکساں، وہ چارہ ساز دردمنداں، وہ رحمۃ اللعالمین، وہ نجات دہندہ کائنات، وہ مسیحائے عالم تو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی رات رات بھر سجدہ کریں اور اگر سجدہ نہ کریں تو بھی سجدہ ہے۔ میری آنکھیں سوتی ہیں مگر میرا دل نہیں سویا کرتا ہے۔

تن بستر رسول پہ دل عرش آشیاں
دنیا سمجھ رہی تھی انہیں نیند آ گئی

جی وہ تو ہر عالم اور ہر حالت میں بیدار رہا کرتے تھے۔

وہ سو جائیں تو معراج منامی
وہ جاگیں تو خدا سے ہم کلامی

"أبیت عند ربی،، میں تو پنی راتیں اپنے رب کے جلوہ گاہ میں گذارا کرتا ہوں، اللہ اکبر "عند الظرف،، ہے، میں ترجمہ ہی نہیں کرسکتا۔کوئی نہیں ترجمہ کرسکتا اس ذات کے لئے جو ہر ظرف سے پاک ہے۔کیسے ترجمہ کروں گا۔"أبیت عند ربی،، میں نے اپنے رب کی جلوہ گاہ میں۔تجلی گاہِ رب میں، جہاں موسلا دھار بارش ہوتی ہے، میرے اوپر لا متناہی انوار اترتے ہیں۔میں وہاں رات گذارا کرتا ہوں۔اس کے باوجود بندگی کے اظہار کے لئے بندوں کی طرح سے رات رات بھر کھڑا رہنا۔ کتنے کم نصیب ہیں ہم لوگ کہ ہمارے آقا کھڑے ہوں تو۔

"حتی تورمت قدماہ و تشققت،، پیروں میں ورم آجائے اور شق ہو جائے۔ اور ہم فرائض بھی ادا نہ کرسکیں، واجبات بھی ادا نہ کرسکیں ہے۔میرے عزیزو! اور میرے دوستو! ہم سے زیادہ کم نصیب کون ہوگا؟

غلط روی سے منازل کے بعد بڑھتے ہیں
مسافرو روشِ کارواں بدل ڈالو

ہم نے زندگی کے جتنے دن بھی گذار لئے، گذار لئے۔مگر پلٹ آؤ توبہ کی طرف جانتے ہو؟ اسلام امید وبیم کا مذہب ہے۔اللہ سے امید کی جائے گی اور اللہ سے ڈریں گے بھی۔اس سلسلہ میں ہمارے اسلاف نے بڑا اچھا نظام دیا ہے، وہ یہ کہتے ہیں جب تمہیں توبہ کا اور رجوع الی اللہ کا ہوش آجائے اس لمحہ کو ایک خطِ امتیاز بنا دو اپنی زندگی میں ایک میزان بنادو۔اور یہ سوچو کہ ماضی میں جو کچھ ہو چکا ہے اس بارے میں ہم رجاء کا مزاج رکھیں اللہ ضرور معاف کرے گا۔لیکن مستقبل کے بارے میں ہم خوف کا مزاج رکھیں کہ پکڑ لئے جائیں گے یہ ہے "الانسان بین الخوف و الرجاء،، انسان اُمید وبیم کے درمیان میں ہے۔یہ کیفیت ہمیشہ ہم پہ رہنی چاہیئے ہر لمحہ رہنی چاہیئے اُمید اور بیم کے درمیان میں، اُمید اور بیم کے

درمیان میں ہونے ہی سے ہم زندہ بھی رہ سکتے ہیں، کامیاب بھی ہوسکتے ہیں، حوصلہ مند بھی رہ سکتے ہیں، مایوسیوں کی دلدل سے نکل بھی سکتے ہیں اور گناہوں پہ جری بھی نہیں ہوسکتے۔اگر امید ختم ہو جائے تو گناہوں پہ جری ہو جائیں گے۔اگر لذتِ فردا میسر نہیں ہے تو لذت امروز سے دامن کیوں کھینچا جائے، اگر امید چھوٹ جائے تو، اگر کسی سے کہد یا تم گناہ کرتے ہو اب بخشے نہیں جاؤ گے۔وہ کہے گا ٹھیک ہے جب نہیں بخشے جائیں تو بقیہ زندگی ہے وہ بھی...... ہے نا؟ گذرے شبِ اصل اور ماہ وصال میں۔ع یہ کیفیت ہوگی اسے لیکن اگر اسے بتادیا جائے کہ وہ غفور الرحیم ہے وہ بخشے گا۔اگر سچی توبہ کرو گے۔تو پلٹ آیگا۔چلو اب جو گذری ہے گذری ہے۔اب تو کوئی گناہ نہ ہونے پائے۔یہ امید وبیم کی کیفیت انسان کو جری ہونے سے بھی روکتی ہے اور مایوس ہونے سے بھی، مایوسی بھی انسان کو تباہ کردیتی ہے اور جرأتِ بے پناہ بھی انسان کو جہنم میں لے جاتی ہے۔میرے آقا نے فرمایا کہ جب انسان پہلی مرتبہ گناہ کرتا ہے۔" نقطت فی قلبه نقطة سوداء،، تو اس کے دل میں ایک کالا نقطہ لگا دیا جاتا ہے اور پھر جب گناہ کرتا رہتا ہے تو نقطہ بڑھتا رہتا ہے۔یہاں تک کہ پورا دل کالا ہو جاتا ہے لیکن جب توبہ کے لئے اللہ کی بارگاہ میں کسی رات کو جھک جاتا ہے تو آنسوؤں کے قطرے اس کے دل کے اوپر پڑتے ہیں اور وہ نقطہ دھل جاتا ہے اور دل شفاف آئینہ بن جاتا ہے۔

میرے آقا حضور سید عالم سرور کائنات محمد رسول اللہ روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو قطرے "Two Drops" اللہ کی نگاہ میں بے پناہ پسندیدہ ہیں۔ایک وہ قطرہ جو میدان جہاد میں شہید کے جسم سے نکلتا ہے خون کا۔اور ایک وہ قطرہ جو کسی گناہ گار کی آنکھوں سے توبہ کی بنیاد پہ نکلتا ہے۔کبھی سوچو، کتنا رحیم ہے پروردگار عالم؟ کتنی بخشش بے پایاں ہے مولیٰ کی؟

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کیخلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا

کہ وہ خود ہی فرمار ہے ہیں اللہ اکبر! فداہ ابی وامی! کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہ میں

ایک مجرم کے آنسوؤں کا قطرہ شہداء کے خون کے برابر ہوگا، کبھی سوچو! اگر کسی شخص نے تم سے کوئی زیادتی کی ہے اور اس کا اسے احساس ہو جائے اور روتا ہوا آئے تو تم میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کہیں گے۔ ہاں ٹھیک ہے۔ اب آئے ہو؟ آنسو نکالتے ہوئے اور چہرہ بنائے ہوئے؟ چلے جاؤ یہاں سے۔ مگر وہ کتنا کریم ہے کہ زندگی بھر انسان گناہ کرے، غلطی کرے، مگر ایک مرتبہ اخلاص کے ساتھ رونے کی کیفیت بنالے تو اس کی آنکھوں سے گرنے والا قطرہ قدرت کی نگاہ میں بڑا قیمتی ہوتا ہے۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیئے
قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے

تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ راتیں سرور کائنات محمد رسول اللہ کے پیغمبرانہ جذبہ دروں اور سوز دل کی امین ہیں، بڑی عظیم ہیں یہ راتیں، یہ راتیں گناہوں کے لئے نہیں۔ یہ راتیں بدکرداریوں کے لئے نہیں۔ بلکہ یہ راتیں دراصل عشق مصطفیٰ میں رونے کے لئے ہیں۔ گناہوں کے احساس کی بنیاد پر بلکنے کے لئے ہیں اور قسم خدا کی ان راتوں میں رو کے دیکھو پھر دنیا کی کوئی طاقت تمہیں رُلا نہ سکے گی۔ ''متاع اشک نہیں ہے ادھر اُدھر کے لئے'' حالات کی بنیاد پر رونا، مشکلات کی بنیاد پر رونا، معاشی موت کی بنیاد پر رونا، تکلیفوں کی بنیاد پر رونا، بیماریوں کے لئے رونا، کیوں رونا چاہتے ہو؟ بس ایک درد پیدا کرلو اپنے اندر عشق مصطفیٰ کا، قسم خدا کی ہر درد سے بے نیاز ہو جاؤ گے، ہر غم سے بے نیاز ہو جاؤ گے، ہر تکلیف سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔

متاع اشک نہیں ہے ادھر اُدھر کے لئے
بچا کے رکھ اسے طیبہ کی رہ گذر کے لئے

متاع اشک کو سنبھالے رہو! یہاں وہاں آنسو بہانے اور رونے کے لئے تمہیں پیدا نہیں کیا گیا ہے تم مومن ہو تمہارے آنسو کی بھی ایک قیمت ہے، بڑی قدر و قیمت ہے، حالات تمہیں رُلائیں۔ ماحول تمہیں رُلائے۔ ایسا نہیں ہے۔

متاع اشک نہیں ہے ادھر اُدھر کے لئے
بچا کے رکھ اسے طیبہ کی رہ گذر کے لئے

بس جب وہ یاد آئیں۔ تو روؤ۔ ورنہ دنیا کے کسی حادثہ کی بنیاد پر کبھی نہ روؤ، یہ اشک بہت بڑی دولت ہے۔ انہیں سنبھال کے رکھو اور یاد رکھو یہ خود میرے آقا کا فرمان ہے۔ حدیث پاک ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک پہلو میں دو دل نہیں پیدا کئے ہیں۔ ایک پہلو میں ایک دل ہے۔ یا تو تم دنیا کا غم پیدا کرلو اس کے اندر، یا آخرت کا اگر دنیا کا غم پیدا کرلو تو آخرت کا غم تمہارے اندر نہیں ہوگا اور جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ لیکن اگر آخرت کا غم پیدا کرلو تو دنیا کا غم بھی نہیں ہوگا اور جنت سے ہم کنار کئے جاؤ گے۔

میرے عزیزو اور میرے دوستو! کتنے کریم ہیں؟ اللہ کے رسول ارشاد فرماتے ہیں اے لوگو! جب مسجد کے سامنے گذرا کرو تو کچھ چر لیا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا کیا؟ یا رسول اللہ! فرمایا جنت میں سے کچھ کھالیا کرو۔ فرمایا یہ مسجدیں زمین پہ جنت کا ایک ٹکڑا ہیں۔ جب بھی گذرو تو 2 رکعت نماز پڑھ لیا کرو۔ میرے آقا نے اسے جنت بنایا ہے نا اور جو وہ بتا دیں وہ ہو جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ کو خدا نے حرم بنایا ہے اور مدینہ کو رسول نے حرم بنایا ہے۔ حرمین کہتے ہونا؟ تو ایک جنت اللہ نے مقرر فرمائی ہے اور ایک جنت محبوب نے مقرر فرمائی ہے۔ وہ جنت یہ مسجد ہے اور یہ تم نے سنا ہوگا کہ جنت میں جانے کے بعد پھر نکالا نہیں جاتا۔ سچے دل سے آجاؤ مسجد میں۔ پھر جنت سے نکالے نہیں جاؤ گے۔ آپ ذرا سوچو اور غور کرو کہ دنیا میں نجات کا کوئی اور ٹھکانہ ہے؟ اسکولوں کا ماحول کتنا وحشت ناک ہے؟ بازاروں کا ماحول کتنا وحشت ناک ہے؟ اور گھر کا ماحول ہم نے جہنم بنا دیا ہے۔ اب لے دے کر کے ایک ہی ٹھکانہ ہے ہماری نجات کا اور وہ یہ مسجدیں ہیں۔ اگر ہم نے ان سے بھی رشتہ توڑ لیا تو ہماری حیاء کہاں پروان چڑھے گی؟ وہ حیاء جو ''الحیاء شعبۃ من الایمان،، ہے، حیاء ایمان کا شعبہ ہے، کیوں کہا ہے حیاء ایمان کا شعبہ ہے؟ حیاء تو ایک فطری تقاضہ کا نام ہے نا؟ حیاء تو انسان کی فطرت ہے، شرما جانا انسان کی فطرت ہے۔ اس کو سرکار نے ایمان کا شعبہ کیوں کہا؟ اس لئے کہ یاد رکھو جتنی بھی نیکیاں پیدا

ہوتی ہیں حیاء کی گود سے پیدا ہوتی ہیں اور جتنی برائیاں پیدا ہوتی ہیں بے حیائی کی آغوش سے پیدا ہوتی ہیں۔ بے حیاء باش ہر چہ خواہی کن۔ انسان چوری کرتا ہے تو پہلے بے حیاء ہوتا ہے، انسان گناہ کرتا ہے تو پہلے حیاء جاتی ہے، انسان زنا کرتا ہے تو پہلے بے حیا بنتا ہے، انسان بد کرداری کرتا ہے تو پہلے بے حیا ہوتا ہے، انسان نماز چھوڑتا ہے تو پہلے بے حیا بنتا ہے، انسان زکوٰۃ نہیں دے تو پہلے بے حیاء بنتا ہے، کہیں بے حیائی بندوں کے سامنے ہوتی ہے اور کہیں یہ بے غیرتی اللہ کے سامنے ہوتی ہے۔ لیکن حیاء دراصل اعمال صالحہ کا منبع اور مرکز ہے۔ اس لئے اس کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا۔ ایمان قرار دیا گیا اور یہ بھی فرما دیا گیا ''بے ایمانی اور حیاء،، دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ حیاء ایمان کا ایک حصہ ہے اور اگر کوئی چاہے کہ بے ایمانی بھی کرے اور حیاء دار بھی ہو۔ نہیں! پہلے بے حیائی پیدا ہوتی ہے اور پھر بے ایمانی پیدا ہوتی ہے۔ تو بتاؤ کہ حیاء کے لئے ہمارے گھر میں کوئی جگہ تو نہیں رہ گئی؟ چہروں سے حیاء کی ملاحت ہی لوٹ لی گئی ہے۔ نہ باپ بیٹے سے شرمندہ ہے نہ بیٹا باپ سے شرمندہ ہے۔ گلیوں میں نکل جاؤ۔ ہنگامہ مچا ہوتا ہے اس قدر غوغاں اس قدر شور ہے کہ ہر طرف آواز سنائی دیتی ہے فلمی نغموں کی۔ جب کسی گھر میں یہ فلمی نغمیں گائے جاتے ہیں تو باپ بھی سنتا ہوگا اور ماں بھی سنتی ہوگی۔ اور بیٹی بھی سنتی ہوگی، اور بہن بھی سنتی ہوگی، اور بہو بھی سنتی ہوگی، یہ سب ایک ساتھ سنتے ہیں تو حیاء کہاں ہے؟

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جرمنی میں ایک مستشرق اٹھارہویں صدی کا واقعہ لکھتا ہے کہ میں نے ایک عرب طالب علم کو دیکھا جس نے جرمنی میں برف پڑی ہوئی دیکھی۔ برف وہاں پڑتی ہے اور کئی کئی فٹ پڑتی ہے۔ برف پڑی ہوئی تھی اور نلکے میں پانی نہیں آیا تھا، ہوتا کیا ہے نل میں پانی کبھی کبھی برف کی شدت سے جم جاتا ہے اُسے وضو کرنا تھا نماز فجر کے لئے، میرے کمرے میں سویا ہوا تھا، وہ اٹھا اور میں نے دیکھا کہ جب ہم اس ملک کے رہنے والے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر رہے تھے وہ باہر برف پگھلا رہا تھا توڑ توڑ کے اور اسے لوٹے میں ڈال کے پانی بنا رہا تھا۔ میں نے کہا ارے یہ کیا کر رہے ہو؟ تم بیمار ہو جاؤ گے۔ نمونیا ہو جائے گا۔

واپس آجاؤ بڑی سخت سردی پڑ رہی ہے۔ پائنٹ سے 10 ڈگری نیچے ہے (نقطہ انجماد) سے، واپس آجاؤ، تو وہ کہتا ہے کیسے آؤں؟ مجھے نماز پڑھنی ہے۔ وضو کے لئے پانی تیار کر رہا ہوں۔ تو اس شخص نے ریمارک دیا ہے اس کے اوپر اور تبصرہ کیا ہے کہ جو مذہب اتنا عظیم داعیہ پیدا کرتا ہو کہ یورپ کی زمین پہ آنے والا ایک عرب نوجوان عین عالم شباب میں اور حرارتِ شباب میں صبح کے وقت پتھروں کا سینہ توڑ کر کے اور برف پگھلا کر کے وضو کر کے نماز پڑھتا ہو، یہ حرارت جب تک موجود ہوگی تو وہ حرارت کبھی فنا نہیں ہوگی۔ اسلام یقیناً ایک غالب قوت بن کے ابھرے گا......تو آج وہ دور آگیا ہے کہ جب اسلام ایک غالب قوت بن کے اُبھرے۔ اس لیئے کہ اسلام ہی اس دنیا کا نجات دہندہ ہو سکتا ہے، اسلام ہی دنیا کے تمام مسائل کا حل ہے، اسلام ہی دنیا کے تمام دکھوں کا حل ہے، اسلام ہی دنیا کے ہر درد کا حل ہے، آج دنیا میں جس قدر بد کرداریاں ہیں جس قدر ظلم ہے جس قدر انسانوں کا گھناؤنا کردار ہے، اس کو اگر نجات مل سکتی ہے تو اسلام کے دامن میں، اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ جو دولت ہمارے پاس ہے اس کو پیش کریں۔

تو میرے عزیزو! میں عرض کر رہا تھا کہ نماز دراصل یہ ایک Training ہے۔ یہ تربیت ہے۔ ایک فوجی کو محاذ پہ جانے سے پہلے ایک رکروٹنگ کے زمانے میں بڑی سخت تربیت دی جاتی، پھر اُسے محاذ میں بھیجا جاتا ہے۔ یہ نماز، دراصل دعوت کے محاذ پر جانے کے لئے انسان کو تیار کرتی ہے۔ انسان کے داعیات کو انسان کے احساسات کو صیقل کرتی ہے، انسان کے آئینہ قلب کو اور آئینہ فکر کو۔ اس لئے اسے لازم قرار دیا گیا ورنہ میں نے بتایا تھا خدا کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم سجدے کرتے رہیں، وہ تو بے نیازِ مطلق ہے۔ یہ تو دراصل ہماری اصلاح کے لئے، ہمیں کامیاب کرنے کے لئے ہے۔ اور ہمیں توانائی بخشنے کے لئے ہے۔

میرے عزیزو! اور میرے دوستو! شاید تم نے دیکھا ہوگا کہ قرآن پاک کی وہ آیت شریفہ جس میں اللہ کے رسول کے اس عظیم سفر کا تذکرہ ہے جس سے بڑے سفر معراج کا تصور عالم انسانی نے نہ کل کیا تھا اور نہ آج کیا ہے اور نہ صبح قیامت تک کر سکتا ہے۔

اس سفر کا تذکرہ پندرہویں پارہ میں کیا گیا ہے۔کبھی آپ نے اس آیت کریمہ کے دو لفظوں پہ غور کیا؟" **سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ**،، مسجد اقصیٰ تو ایک منزل تھی۔سفر تو سماوات کی بلندیوں کا تھا، جنت و دوزخ کا تھا، عجائبِ قدرت کا تھا،لوح وقلم کا تھا، عرش وکرسی کا تھا، مکان کی منزلوں سے پرے لامکاں کا تھا۔لیکن قرآن پاک نے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک عبدیت کی قید کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا؟ تا کہ ہم اپنے مذاق بندگی کو نکھار سکیں۔لوگ کہتے ہیں ملا کی دوڑ مسجد تک، میں کہتا ہوں بڑے ظالم ہو،قرآن پڑھو نبی کا سفر بھی ایک مسجد سے دوسری مسجد ہی تک ہے۔اوراس کو اتنی اہمیت ہے کہ ہزاروں عجائبات میں اس کو کچھ زیادہ واضح کیا گیا ہے اور پھر ان کے جذبہ بندگی کو بھی، ان کی عبدیت کو بھی، ان کے مقام عبدہٗ کو بھی، کیوں؟ تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ بندگی کا مقام کتنا اونچا ہے؟ کہ جو زمین پہ سجدہ کرے وہ بندہ ہے اور جو عرش عظیم کی جلوتوں میں سجدہ کرے وہ بھی بندہ ہی ہے۔یہ اور بات ہے کہ وہ بندۂ خاص ہے۔مگر بندگی ہی ہے جو یہاں سے وہاں تک پھیلی ہوئی ہے۔اسی میں نماز بھی فرض کی گئی،کبھی آپ نے سوچا اور جائزہ لیا کہ معراج النبی کی شب کو نماز کے لے کیوں منتخب کیا گیا؟اس لئے منتخب کیا گیا کہ بندوں کو معراج بخشنی تھی اس لئے معراج النبی کی شب منتخب کی گئی ہے۔محبوب تم معراج کرنے کے لئے آئے ہو اپنے امتیوں کو بھی معراج کرادو۔تمہاری معراج عرش عظیم کی جلوتوں میں سجدہ کرنا ہے اور امتیوں کی معراج اللہ کے گھر میں سجدہ کرنا ہے۔

تیری معراج محمد کو ہے قرب معبود
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہونچا

" **الصلوۃ معراج المومنین**،، نماز مسلمانوں کی معراج ہے۔

"**قرۃ عینی فی الصلوۃ**،، نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

کیوں کہا میرے آقا نے؟ راویانِ واقعہ جس طرح سے نقل کرتے ہیں اس کے بین السطور یہ بات واضح ہوتی ہے کہ میرے آقا حضور سید عالم صلی علیہ وسلم جب اس سفر سے واپس

آنے کا ارادہ فرماتے رہے ہوں گے تو ان کے ذہن پاک میں یہ بات ضرور رہی ہوگی کہ ہر سفر سے جانے والا اپنے دوستوں کے لئے کوئی تحفہ لے کر کے جاتا ہے۔ہم اپنے امتیوں کے لئے کونسا تحفہ لے کے جائیں؟ مشیت نے فرمایا ہوگا محبوب تم معراج کرنے کے لئے آئے ہو اپنے امتیوں کو بھی معراج کرادو اور پھر نماز کا تحفہ لے کے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

عزیزانِ ملتِ اسلامیہ! تمام فرائض زمین پہ فرض کئے گئے مگر نماز کے لئے وہاں بلایا گیا۔ جتنا اہم کام ہوتا ہے اسی قدر زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔کسی کو بلا کے دیا جاتا ہے، کہیں بھیج دیا جاتا ہے، یہاں بھیجا نہیں گیا ہے بلکہ بلا کر بخشا گیا ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! مفتی صاحب تشریف فرما ہیں انہیں یاد ہو۔یا نہ یاد ہو۔کبھی ہم دونوں کسی سفر میں تھے ایک دم انہیں گلاب کے پھول کی خوشبو سونگھائی دی۔ بڑی اچھی قوت شامہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔مومن تو جنت کی خوشبو سونگھنے کے لئے ہی پیدا ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا قمر الزماں رُکو مجھے گلاب کے پھول کی خوشبو آرہی ہے۔میری اس قدر صیقل قوت شامہ نہیں ہے تو میں نے کہا کہ عجیب بات ہے صحراء میں گلاب تلاش کرر ہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ اگر صحراء ہی میں مل جائے تو کتنا عظیم ہوگا؟

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں
زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

میں نے کہا تلاش کرنے کے لئے آپ کے ساتھ میں نہیں آتا جائیے آپ، یہ چلے گئے اور بے پناہ ڈھونڈنے کے بعد دیکھا کہ ایک تنہا گلاب بہت سے کانٹوں کے درمیان میں پھنسا ہوا ہے۔گلاب تو کانٹوں میں پھنسا ہی ہوتا ہے۔آپ بھی گلاب ہیں۔دین کے راستے کے۔کانٹے آئیں گے مگر آپ کے اپنے دامن کو کانٹوں سے الجھانا نہیں ہے اپنی لطافت و نکہت بکھیرنا ہے۔

نکہتِ گل کی طرح عمر بسر کی اقبال
راحت اغیار کو دی آپ پریشاں ہو کر

جب آپ پریشان ہوں گے تو دوسروں کو راحت ملے گی۔ دین کے راستے میں پریشان ہوں گے اور تبلیغ کے راستے میں پریشان ہوں گے تو دوسروں کو راحت ملے گی۔ یقیناً ملے گی۔ بہر کیف یہ صاحب تشریف لے گئے اور گلاب توڑ کے لائے ابھی انہیں سمجھ میں نہ آیا تھا کہ اس فرد تنہا کو اس جو ہر تنہا کو میں کہاں رکھوں؟ سوچا کہ دوست کے دامن سے بہتر کوئی دامن نہیں ہوسکتا۔ یہ لے آئے اور میرے دامن میں ڈال دیا، دیکھو تم کہے رہے تھے کہ گلاب نہیں ہے۔ گلاب ہے۔ لو یہ تحفہ ہے، مجھے اپنی شکست کا بڑا احساس تھا۔ میں نے کہا۔ گلاب یہ نہیں ہے اور میری انا نے مجھے ٹھوکر لگائی اور میں نے وہ گلاب کو زمین میں پٹخ دیا، مولانا نے جو اس وقت سے ناراض ہوئے تو آج تک راضی نہیں ہوسکے اس لئے کہ میں نے اُن کے تحفہ کی ناقدری کی تھی، اخلاص کی ناقدری کی تھی میں عرض کرنا چاہتا ہوں، مولانا ایک تحفہ دیدیں اور میں ناقدری کروں تو زندگی بھر کے لئے محبتوں کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ خاموشی کے ساتھ آئینہ دل ٹوٹ جاتا ہے۔

شیشہ ٹوٹے غل مچ جائے
دل ٹوٹے آواز نہ آئے
ہائے وہ نغمہ جس کا مغنی
گاتا جائے روتا جائے

یہ کیفیت ہوجاتی ہے اگر آپ کوئی تحفہ دیں اور میں پھینک دوں تو زندگی بھر کے لئے آپ مجھ سے بات کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ کتنی کم قسمتی ہے (سرکار مفتیٔ اعظم ہند کسی مومن کے لئے لفظ بدقسمتی استعمال کرنے کو جائز نہیں قرار دیتے تھے) کتنی کم نصیبی ہے۔ ہماری۔ اللہ اکبر کیا عالم ہے ہمارا کہ سرورکائنات نے عظیم سفر فرمایا، تحفہ لانے والے رسول اللہ، تحفہ دینے والا پروردگار عالم، مگر ہم ہیں کہ دن میں پانچ مرتبہ اس کی ناقدری کرتے ہیں۔ اگر نگاہ مصطفیٰ روٹھ گئی تو کیا ہوگا؟ اگر قلب مصطفیٰ کو ٹھیس پہونچی تو کیا ہوگا؟ میدان قیامت میں قلب مصطفیٰ کی محبت ہی نجات کی ضامن ہے۔

نہ تقویٰ پر نہ طاعت پر نہ زہد و اتقاء پر ہے
ہمارا ناز جو کچھ ہے محمد مصطفیٰ پر ہے

ان کی رضا حاصل کرنے کے لئے بھی نماز پڑھنا ضروری ہوگا۔ اللہ کی بارگاہ میں سر جھکانا ضروری ہوگا یہ تحفہ ہے معراج کا۔ لیکن اس کے برعکس اگر ہم نے ان کے تحفہ کی قدر کی ہوتی! گلاب کو کسی گلاب دان میں سجا کے رکھا ہوتا! تو جب بھی آتے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں کہ میرے دوست نے میرے تحفہ کی قدر کی ہے۔ جو لوگ نماز پڑھتے ہیں سرورکائنات محمد رسول اللہ انہیں دیکھتے ہیں اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ اس لئے سرکار نے فرمایا نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس سلسلہ میں ایک بات انشاء اللہ اسی موضوع پر کسی اور موقع پر بتاؤں گا۔ اللہ کے رسول مرض الموت میں مبتلا ہیں۔ یہ وہ مرض ہے جس میں وہ اپنے محبوب حقیقی سے ملنے والے ہیں۔ رفیق اعلیٰ سے، کتنا حسین عالم ہوگا وہ؟ جب ہر لمحہ وہ اپنے رفیق اعلیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہتے رہے ہوں گے۔ آپ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا ہے کہ نماز پڑھاؤ۔ ام المومنین نے کہا یا رسول اللہ! میرے باپ بہت رقیق القلب ہیں۔ وہ آپ کے مصلیٰ پہ کھڑے نہ ہوسکیں گے۔ مگر ان کے سر پہ تو امامت کبریٰ کا تاج رکھا تھا اپنے بعد میں۔ آپ نے فرمایا نہیں نماز وہی پڑھائیں گے۔ وہ مصلے پہ کھڑے ہوئے اور کئی وقت نماز پڑھائی، حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ نماز کی اس کیفیت کا خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمائیں۔ صدیق اکبر کو امامت کرتے ہوئے دیکھیں آپ کھڑے ہوگئے۔ دروازے پہ تشریف لائے دروازے پہ پڑے ہوئے پردہ کے قریب کھڑے ہو کے نماز کو دیکھنے کا ارادہ فرمایا صحابہ نے محسوس کیا کہ جانِ رحمت، جان بندگی ہماری بندگی کو دیکھنے کے لئے آگئے ہیں۔ اب تک تو ہم ان کے قدموں کو دیکھ کے سجدہ کیا کرتے تھے۔ اور آج وہ ہمیں دیکھ رہے ہیں کھڑے ہوئے، تو صحابہ کرام نے اس کیفیت میں اپنے جذبات پہ قابو پانا چاہا ہوگا مگر قابو نہ پا سکے اور تمام صحابہ نے حضور کو دیکھنا شروع کردیا۔ یہ حدیث پاک مفتی صاحب سے پوچھ لیجئے گا۔ سب نے دیکھنا شروع کردیا۔

قبلہ سے رُخ جان قبلہ کی طرف پھیر دیا۔ ایک دوسرے قبلہ کی طرف اور صرف پھیرا نہیں یہ ایک لمحہ کا مشاہدہ نہیں تھا بلکہ فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ سرکار کے چہرے پر اس قدر تبسم تھا اس قدر اجالا تھا کہ گویا ان کا چہرہ قرآن کا ورق معلوم ہو رہا تھا۔ اُنکا چہرہٗ پاک قرآن پاک کا ورق تھا۔ ہم نے ان کے چہرے پہ اس قدر مسرتیں دیکھیں اس قدر خوشی دیکھی اس حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد چند باتیں تو معلوم ہوئیں کہ نماز میں رسول کا خیال ہی نہیں اگر ان کے چہرہ زیبا کو دیکھا جائے تو نماز کامل ہو جاتی ہے۔ بلکہ حسن کمال حاصل کر لیتی ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ نماز اتنی اہم چیز ہے کہ رسول گرامی وقار نے جب صحابہ کی جماعت کو دیکھا تو اپنے رفیقِ اعلیٰ سے ملنے والے ہیں مگر اس اطمینان کی بنیاد پر، اطمینان کا سویرا ان کے چہرے پہ اُتر آیا کہ میرے بعد بھی صبح قیامت تک جماعت کا یہ نظام قائم رہے گا، بندگی کا یہ نظام قائم رہے گا، طاعت کا یہ نظام قائم رہے گا، تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں! وہاں بھی اپنے حجرے سے مسلمانوں کی جماعت دیکھی تھی اور آج بھی وہ اپنے حجرے سے مسلمانوں کی جماعت دیکھ رہے ہیں۔ آج بھی اسی طرح خوش ہو رہے ہوں گے۔ جیسے کہ اس وقت ہوئے تھے۔ جب تم جماعت میں کھڑے ہوتے ہو اس نظام کو صبح قیامت تک قائم رکھنا ہے اور آگے بڑھانا ہے تاکہ ہم سرور کائنات کے قلب کی تسکین جو ساری کائنات کے لئے تسکین قلب فراہم کرنے والے ہیں ہم ان کی آنکھوں کے لئے ٹھنڈک کا سامان فراہم کر سکیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مطابق۔ ورنہ ہم کہاں اور ہماری حیثیت کیا؟ میرے عزیزو! وہ آج بھی دیکھ رہے ہیں اور کتنے کم نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں وہ نمازوں میں نہیں دیکھتے ہوں گے یاد رکھو ہم اُن سے دور ہیں مگر وہ ہم سے دور نہیں ہیں۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

دیکھو نا میرے عزیز! یہ فطرت کا ایک بڑا کھلا ہوا نظام ہے کہ جس چیز کی جتنی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، اسی قدر قریب کر دی جاتی ہے اور سہل الحصول بھی، انسانی زندگی کے

لئے زمین کی ضرورت تھی، تو پیروں کے نیچے پیدا کر دی گئی اگر زمین حاصل کرنے کے لئے ادھر اُدھر جانا ہوتا تو انسان زندہ ہی نہیں رہ سکتا تھا۔ لیکن زمین سے بھی زیادہ ہوا کی ضرورت تھی تو پیروں کے نیچے نہیں پیدا کی گئی۔ ناک کے نیچے پیدا کر دی گئی۔ اگر ہوا پیروں کے نیچے پیدا کی جاتی تو کیا عالم ہوتا؟ انسان ہر وقت اپنے پیروں میں پڑا رہتا سانس لینے کے لئے، لیکن اللہ نے اُسے ناک کے قریب پیدا کر دیا تو انسان کی جسمانی زندگی کے لئے ہوا کی ضرورت تھی تو ناک کے قریب پیدا کر دیا۔ اور روحانی زندگی کے لئے نبی کی ضرورت تھی تو جان سے زیادہ قریب کر دیا ''النبی اولٰی بالمومنین من انفسھم ،، نبی مسلمانوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ تو یہ مت سوچو کہ وہ ہمارے اعمال کا مشاہدہ نہیں کر رہے ہیں۔ اول تو صحیح احادیث مبارکہ میں ہے۔ ہمارے اعمال ان کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ ہائے کتنے المیہ اور کتنے کرب کا مقام ہوتا ہوگا؟ کہ جب کسی بندے کے بارے میں کہا جاتا ہوگا کہ یارسول اللہ! آپ کا یہ غلام فلاں بُرا کام کر رہا تھا۔ کتنی تکلیف ہوتی ہوگی؟ ایک باپ کے سامنے اگر بیٹے کا جرم بیان کیا جائے تو باپ کو کتنی تکلیف ہوتی ہے؟ لیکن جن کی محبت پہ کروڑوں ماں باپ قربان ان کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی؟ کسی صاحب درد نے کہا تھا کہ پیغمبر اعظم نے ہمارے لئے، رحمۃ اللعالمین نے ہمارے لئے پوری زندگی رو رو کے گذاری، تڑپ تڑپ کے گذاری، پتھر کھا کے زخم برداشت کر کے گذاری، کیا ہم اپنی بداعمالیوں کے ذریعہ سے قبر انور میں بھی انہیں تکلیف پہونچانا چاہتے ہیں۔ اگر نہیں تو '' قرۃ عینی فی الصلوۃ ،، نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، نماز پڑھو، نماز پڑھاؤ، ان شاء اللہ پھر کبھی اسی موضوع پر۔

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

''امام احمد رضا، ایک ہمہ گیر شخصیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ اَقَامَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعاً، فَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ، صَلٰوةً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ.
اَمَّا بَعْدُ.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ – بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط
اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْماً. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِهِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ.

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینہ میں دکھلا کے تجھے چہرۂ دوست
زندگی اور بھی تیرے لئے دشوار کرے
فتنۂ ملت بیضاء ہے امامت اس کی
جو زمانے کو سلاطین کا پرستار کرے

علمائے باوقار، عزیزان ملت اسلامیہ، قابل احترام بزرگو، اور دوستو! آج یہاں ہم اور آپ ایک شخصیت، ایک ذات، ایک وجود، ایک فرد کی حیات، اور ان کے کارناموں کا تذکرہ کرنے اور سننے کے لئے جمع ہوئے ہیں' کبھی ہم نے سوچا کہ وہ قوم جو ملی حیات کا تصور رکھتی ہے اور اجتماعی نظام زندگانی کا تصور رکھتی ہے وہ افراد سے اتنی عقیدت کیوں رکھتی ہے؟ فرد بہر حال فرد ہوتا ہے۔ ہمارا تصور جماعتی ہے، ہمارا معاشرہ ایک جماعتی معاشرہ ہے، ہمارا نظم ایک جمعیت ہے، ان میں افراد کی قدر و قیمت مسلم ہے۔ لیکن ان کے نام پر اجتماعات منعقد کرنا، جلسے مقرر کرنا، یہ کیوں؟ ایسے ماحول میں جب کہ جماعتی زندگی شدید انتشار کا شکار ہو، افراد کا تذکرہ کیوں؟ تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں فرد اگر فرد ہو تو یقیناً اُسے فرد ہی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا مگر وہ فرد الافراد جس نے اپنے دامن میں جمعیتوں کو سمیٹ رکھا ہو، جو ایک نظام کا امین بن گیا ہو، جو ایک تحریک بن گیا ہو، جو ایک کائنات ہو، اس کا تذکرہ بحیثیت فرد نہیں بلکہ کائنات پر چھائے ہوئے ان کی زندگی کے عظیم کارناموں کے حوالہ سے کیا جائے گا۔ یہاں آپ ہی نہیں بلکہ آپ اگر کبھی برطانیہ، ہالینڈ، اور مغربی جرمنی اور اسی طرح سے امریکہ کی سرزمین پر قدم رکھیں تو آپ کو ہزاروں اس طرح کی محفلیں امام احمد رضا کے نام پر ملیں گی۔ ان کے کلام اور ان کے فن پر وہاں جو کام ہو رہا ہے وہ شاید کہیں اور نہیں ہو رہا ہے۔

1975ء کی ایک صبح Lead یونیورسٹی میں ایک نوجوان سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اعلیٰحضرت کے چند اشعار پڑھے تھے۔ وہ فن و ادب کے ایک انتہائی زیرک اور دانا فرد تھے۔ انہوں نے کہا یہ کسی عالم کے اشعار ہیں؟ میں نے کہاں جی ہاں۔ انہیں حیرت ہوئی۔ میں نے ان کے سامنے حدائق بخشش پیش کی اور بعض اور اشعار بھی پیش کیے، آپ کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے اب اپنی پوری زندگی امام احمد رضا کے اشعار کی تشریح میں خرچ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور پوری حدائق بخشش کو انہوں نے منظوم انگریزی میں ترجمہ کر ڈالا ہے۔ اشعار کا ترجمہ اشعار میں، اور آپ کو حیرت ہوگی کہ اس عظیم ادیب ڈاکٹر ریاض الدین قریشی بنے نہ صرف یہ کہ انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ

اعلیٰحضرت کے اشعار کا ترجمہ اردو میں کرنا مشکل ہے، مگر انگلش میں کرنا کتنا مشکل ہوگا؟ مگر نہیں! یہاں تو فیضان امام احمد رضا کام کر رہا ہے۔ اب وہ شاعری بھی کر رہے ہیں تو اعلیٰحضرت کی طرز میں۔،، یہی نہیں بلکہ انہوں نے اعلیٰحضرت کی وہ مشہور کتاب جو علم غیب سے متعلق ہے اس کا بھی ترجمہ کرلیا ہے۔ The Unseen Knowledge of Prophet Mohammed کے نام سے (پیغمبر کے علم غیب کے حوالہ سے)

عزیزان ملت! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے اور صرف اس لئے کے امام احمد رضا کسی ایک شخصیت کا نام نہیں بلکہ ایک تحریک کا نام ہے، ایک دور کا نام ہے ایک عصر کا نام ہے۔ ایک نظام کا نام ہے، ایک فکر کا نام ہے، ایک انجمن کا نام ہے، ایک دبستان کا نام ہے، ایک مکتب کا نام ہے، ایک کائنات علم کا نام ہے۔ اور علم جب تک زندہ رہے گا، امام احمد رضا کا نام بھی زندہ رہے گا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! اس سلسلے میں ان کے بے شمار کارنامے ہیں اور آج کے اس جلسہ میں مجھے Time (وقت) کی تنگ دامانی کا احساس ان کی زندگی کے بہت سے گوشوں کا احاطہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا گو احاطہ ہی نہیں بلکہ گوشوں پر گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ ان کی زندگی کا سب سے نمایاں گوشہ اور سب سے نمایاں عنصر اور ان کی اصلاحات کا سب سے نمایاں موضوع اور عنوان ''سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی محبت ہے،، اللہ اکبر۔ وہ اگر علم نجوم کی بات کرتے ہیں تو وہاں بھی محبت رسول ہی کے جلوے دکھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اگر فلکیات میں کہکشاں کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس کو بھی قدمِ نازِ مصطفیٰ کی گرد راہ قرار دیتے ہیں۔ اگر وہ فقہ کی زلفیں سنوارتے ہیں تو وہاں بھی زلفِ مصطفیٰ ہی انہیں نظر آتی ہے۔، وہ اگر ادب کا چہرہ بے نقاب کرتے ہیں تو وہاں بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ سلم کے چہرۂ زیبا کا تذکرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ اگر شعر فرماتے ہیں تو وہاں بھی سرور کائنات محمد رسول اللہ ہی کی بات ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ معاش و معیشت اور تمدن کے مسائل پر گفتگو کررہے ہوتے ہیں تو یہ ساری فکریں بھی محمد

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں سے لپٹی ہوئی نظر آتی ہیں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ کوئی ایک موضوع بھی نہیں ہے۔ جہاں عشق مصطفیٰ کے جلوے ان کے قلم سے نمایاں ہوتے ہوئے نظر نہ آئے ہوں۔ چھائی ہوئی ہے یہ فکر، چھایا ہوا ہے یہ مزاج، ان کے پورے لٹریچر پر، ان کی پوری تحریر پر، ان کے پورے ادب پر، ان کی پوری زندگی پر، ان کے قلم پر، ان کے دماغ پر، ان کی بصیرت پر، ان کی بصارت پر، ان کے طرز حیات پر ان کے اسلوب زندگی پر، ان کے انداز گفتگو پر، ان کی نشست و برخاست پر، ہر جگہ عشق مصطفیٰ ہی چھایا ہوا نظر آئے گا۔ یہ سب سے نمایاں عنصر ہے، یہ سب سے نمایاں کیفیت ہے۔ میں اسی کیفیت کا ذکر کرنا چاہوں گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی بتانا چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ جب بھی کسی صدی کے مجدد کو بھیجتا ہے تو ان اصلاحات کے لئے بھیجتا ہے جس کا تقاضہ وہ صدی کر رہی ہوتی ہے۔'' ان اللّٰہ یبعث علی رأس کل مائة من یجدد لھا امر دینھا،، قانون کے پیش نظر ہر صدی کے آغاز میں جو مجدد جلوہ گر ہوتا ہے وہ مجدد دراصل ان خرابیوں کو دور کرنے کے لئے آتا ہے جو معاشرے میں پھیل چکی ہوتی ہیں۔ معاشرے میں عام ہو چکی ہوتی ہیں۔ معاشرہ جن میں ڈوب چکا ہوتا ہے۔ آپ عصر رسالت کے بعد سے آج تک جملہ مجددین کی حیات کا جائزہ لیں تو یہی بات نظر آئے گی کہ جس دور میں جو برائیاں تھیں انہی برائیوں کو دور کرنے کے لئے اہل تجدید تشریف لائے، مجددین کرام جلوہ گر ہوئے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! آپ دیکھ رہے ہیں۔ جہانگیر کے دور میں غیر اللہ کا سجدہ کروایا جا رہا ہے۔ جہانگیر اپنے تخت پر بیٹھا ہوا اپنا سجدہ کروا رہا ہے۔ اور بڑے بڑے ارباب علم اس کے آگے اپنی گردن خم کرتے ہیں، سر جھکاتے ہیں، اور سجدے کے جواز پر فیصلہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایسے دور میں تجدید کے عظیم منصب پر فائز ہوتے ہیں۔ آپ کو دربار میں بلایا جاتا ہے تو آپ سر اٹھا کر کے جاتے ہیں سر جھکا کر نہیں جاتے۔ آپ کو قید کر دیا جاتا ہے۔ دوبارہ دربار میں بلایا جاتا ہے۔ اور دربار میں ایک ایسا دروازہ بنایا جاتا ہے کہ جب جانے والا جائے تو سر جھکا کر کے جائے۔ تو آپ اس میں پہلے

اپنا پیر داخل کرتے ہیں اور پھر آگے نکل کر کے اپنا سر داخل کرتے ہیں۔ اور سر اٹھا لیتے ہیں۔ اس طرح سے بھی آپ اٹھا کر داخل ہوتے ہیں سر کو جھکا کر کے نہیں تا کہ اضطراراً بھی وقت کے اقتدار کے سامنے سر نہ جھکا سکیں۔ یہ وہ منزل تھی، یہ وہ مقام تھا کے وقت کا اقتدار ان کے قدموں میں جھکا ہوا نظر آتا ہے۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے۔

عزیزان ملت اسلامیہ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ انہیں اسی کام کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اگر ارباب اقتدار کا سجدہ روا کر دیا جاتا، جائز کر دیا جاتا تو آج ملت اسلامیہ کی گردنیں کہیں سعودیہ کے سامنے جھکی ہوئی نظر آتیں، کہیں صدام کے دروازے پر جھکی ہوئی نظر آتیں، کہیں قذافی کے دروازے پر جھکی ہوئی نظر آتیں۔ کہیں انور سادات کے دروازے پر جھکی ہوئی نظر آتیں۔ اور آج کے دور میں باطل تحریکیں جو کچھ کر رہی ہیں اور یہ اقتدار جو کچھ کر رہا ہے۔ یقیناً اسلام ختم ہو چکا ہوتا۔ مگر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج نے یہ بتایا کہ بادشاہ کو بادشاہ تو مانا جائیگا اور ارباب اقتدار کے زیر اقتدار رہ کر بھی نہ گردن جھکائی جائے گی، نہ فکر جھکائی جائے گی، نہ شعور جھکایا جائے گا، نہ ارادے کو جھکایا جائے گا، نہ بصیرت و بصارت کو جھکایا جائے گا۔ نہ آزادی ذہن کا سودا کیا جائے گا۔

وقت ہوتا تو دوسرے مجددین کے کارناموں کا بھی تذکرہ کرتا مگر مجدد الف ثانی کا تعلق اسی سرزمین سے تھا اس لئے میں نے ان کا تذکرہ کرنا بہتر سمجھا ہے۔ اب آیئے میں آپ کو بتاؤں کہ سیدنا اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو عظیم کار تجدید کے لئے کس دور میں پروردگار عالم نے منتخب فرمایا؟ کس عصر میں منتخب فرمایا؟ کس زمانے میں منتخب فرمایا؟

عزیزان ملت اسلامیہ! محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف ایک داعیہ نہیں ہے، محبت رسول صرف ایک جذبہ نہیں ہے، محبت رسول مشاعر انسانی میں سے۔ محض ایک شعور کا نام

نہیں ہے، محبت رسول احساسات کی ترجمانی کا نام نہیں ہے، محبت رسول صرف دل کے کسی گوشے کے دھڑکنے کا نام نہیں ہے، محبت رسول ہماری قوت کا سرمایہ ہے، محبت رسول ہمارے اختیار کا سرمایہ ہے، محبت رسول ہماری عظمت کا ذریعہ ہے۔ محبت رسول ہماری کامیابی کا وسیلہ ہے، محبت رسول ہماری فتوحات کا ذریعہ ہے، محبت رسول کائنات میں ہماری جولانگاہ تھی اس کا سبب ہے، محبت رسول دراصل ہماری عزت کا سبب ہے محبت رسول ہمارے وقار کا سبب ہے، محبت رسول کے ذریعہ سے ہم نے دنیا میں تمام کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ یہ بدر ہو، یہ حنین ہو، یہ خیبر ہو، یہ خندق ہو، یہ کربلا ہو، یہ کوئی بھی سرزمین ہو۔ یہ انطاکیہ کی چھت ہو۔ یہ شام کے علاقے ہوں، یا یہ جبرالٹر کی کوہ پیمائی ہو، یہ اسپین (Spain) کی سرزمین ہو، یہ ہندوستان کی سرزمین ہو، جہاں جہاں گئے ہیں۔ محبت رسول ہی کے اسیر بن کر گئے ہیں۔ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیوانے کی حیثیت سے گئے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے نام کو بلند کرنے کے لئے گئے ہیں۔ انہی کا نظام لے کر گئے ہیں۔ انہیں کا طرز فکر لے کر گئے ہیں۔ محبت رسول ایک جرأت بے پناہ کا نام ہے، محبت رسول انسان کو حوادثات سے ٹکرانے کی صلاحیت دیتی ہے، محبت رسول کے ذریعہ سے انسان آفاق و انفس پر کنٹرول کرتا ہے، محبت رسول کے ذریعہ سے انسان آفاق کا غلام نہیں آفاق کا حکمران ہوا کرتا ہے۔

اگر گھٹے تو بس ایک مشت خاک ہے انسان
اگر بڑھے تو وسعت کونین میں سما نہ سکے
کافر کی یہ پہچان ہے کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان ہے گم اس میں ہے آفاق

اور ایمان ظاہر ہے محبت رسول ہی کا نام ہے، ایمان سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا نام ہے، ایمان کی تشریحات اگر آپ ایمان کے حوالوں سے کرنا چاہیں اور ایمان کی تعبیرات کے حوالوں سے کرنا چاہیں۔ تو یقین مان لیجئے کہ اس کے اوپر کتنی کتابیں

لکھی جائیں گی۔تب جا کر کے ایمان کی تمام کیفیات کو آپ سمیٹ سکیں گے۔مگر کتنا عظیم کام کیا ہے تعریف کرنے والوں نے کہ ایمان کہتے ہیں اس تصدیق کو جو سرکار کائنات محمد رسول اللہ کے حوالوں سے کی جاتی ہے۔بس اسی کا نام ایمان ہے،رسول پاک کو مان لو بس یہ ایمان ہے، ورنہ الگ الگ اجزاء پر گفتگو کرنی ہوتی تو ہزاروں حوالے دینے پڑتے ہزاروں باتیں کرنی پڑتیں تب جا کے ایک کتاب مکمل ہوتی، نہ معلوم کتنے صفحات میں مکمل ہوتی، نہ معلوم کتنے اوراق میں مکمل ہوتی،مگر عالم یہ ہے کہ جو کچھ سرکار لے کر آئے ہیں۔اس کی تصدیق کردو بس اسی کا نام ایمان ہے۔تو پتہ چلا ایمان رسول پاک کی تصدیق کا نام ہے۔ایمان ان کے مان لینے کا نام ہے۔اور جہاں انسان کے قلب کے کسی گوشے میں تصدیق رسالت مضمحل ہوتی ہوا ایمان کا چراغ جھلملاتا ہوا نظر آتا ہے۔ایمان کا چراغ بجھتا نظر آتا ہے۔دنیا ہم سے ہمارا جذبہ عمل نہ چھین سکی، دنیا ہم سے ہمارا انداق بندگی نہ چھین سکی۔دنیا ہم سے ہمارا انداق کردار نہ چھین سکی، جب تک کہ ہمارے دلوں کے اندر شمعِ محبتِ مصطفیٰ چلتی رہی۔ایمان موجود رہا۔ایمان کو ختم کرنے کے لئے محبت رسول کو ختم کرنا ہوگا۔رسول پاک کی محبت ختم کرنی ہوگی، سرور کائنات سے رشتہ ختم کرنا ہوگا، سرور کائنات سے تعلق ختم کرنا ہوگا، سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علاقہ ختم کرنا ہوگا، سرور کائنات محمد رسول اللہ سے انسانی قلب کا جو رشتہ ہے، وہ ختم کرنا ہوگا، انسانی ضمیر و احساسات کا جو رشتہ ہے وہ ختم کرنا ہوگا، مشاعر د محسوسات کے رشتہ کو ختم کرنا ہوگا، انسانی دلوں پر پیغمبر اعظم کی محبت کی گرفت ڈھیلی کردی جائے اور ختم کردی جائے تو۔خود بخود کمزور ہوجائے گا، انسان خود بخود ایک بے جان لاشہ بن جائے گا۔ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا۔

یہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کر عجم کے تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

یہ فاقہ کش ہے مسلمان، غربت میں پسا ہوا ہے مسلمان، صحرا نشین ہے مسلمان، بے مایہ ہے مسلمان، مگر اس کے باوجود دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اس مسلمان کی عظمت کے سامنے سرخمیدہ ہیں۔یہ موت سے ڈرتا نہیں ہے۔بلکہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندگی کا چہرہ دیکھتا ہے۔موت کے سامنے مسکراتا ہے موت کا استقبال کرتا ہے موت کو حیات ابدی کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

ہے وہی زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں دکھلا کے تجھے چہرۂ دوست
زندگی اور بھی تیرے لئے دشوار کرے

یہ مسلمان اتنا عظیم کیوں ہے؟اس لئے کہ اس نے اپنے قلب کے اندر زندگی کا سب سے عظیم سرمایہ پوشیدہ کر رکھا ہے۔حیات ابدی کا سرمایہ پوشیدہ کر رکھا ہے، حیات ابدی کی دولت پوشیدہ کر رکھی ہے، اس کا جسم موت سے قریب ضرور ہوتا ہے مگر اس کی روح سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے قدموں میں سجدہ ریز ہے جو لافانی ہے۔وہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔موت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اس لئے اگر تم چاہتے ہو کہ مسلمان بے جان لاشہ بن جائے تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کے دل سے محبت رسول نکال دو۔

یہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

عزا یزان ملت اسلامیہ!ڈاکٹر اقبال نے یہ بات بعد میں کہی ہے مگر یقین مانئے کہ ہر دور کے ذہین باطل پرستوں نے یہ بات مسلمانوں کے بارے میں کہی ہے۔

محبت رسول ایک ایسا جذبہ ہے جو فاتح جذبہ ہے۔غالب جذبہ ہے، اب اس روشنی میں دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ بدر کا فاتح بھی محبت رسول ہے، حنین کا فاتح بھی محبت رسول

ہے، خیبر کا فاتح بھی محبت رسول ہے، جبرالٹر کی کوہ پیمائی بھی محبت رسول لے کر آئی ہے، صحراؤں کو گزر راہ بنانے والے محبت رسول کے امین رہے ہیں اور بلندیوں کو اپنے قدموں کے نیچے روندنے والے بھی محبت رسول کا سرمایہ ہی لے کر آگے بڑھے ہیں۔ محبت رسول ہی سب سے بڑا داعیہ تھا۔ اور سب سے بڑا جذبہ تھا۔ جس کو لے کر کے بے سروسامان انسان، دیوانے اور صحراؤں سے نکلنے والے آفاق پر غالب ہوتے چلے گئے اور 50 سال کی مختصر سی مدت میں دنیا کے تین برّ اعظموں کو اپنے قبضہ کا شکار کرلیا۔ اور اپنا زیرنگین بنالیا، اس زمانے میں ہوائی جہاز نہیں تھے، اس زمانے میں Flaying کی قوتیں نہیں تھیں۔ اس زمانہ میں سفر کے یہ ذرائع نہیں تھے۔ کبھی آپ نے جغرافیہ پڑھا؟ کبھی آپ نے مفتوحات اسلامی کا نقشہ اٹھا کر دیکھا؟ کبھی آپ نے مدینہ طیبہ سے اسپین کا سفر ناپا؟ کبھی آپ نے طلیطلہ کی زمین کو دیکھا؟ کبھی آپ نے ایران کی آخری سرحدوں کا جائزہ لیا؟ کبھی آپ نے سمرقند و بخارا کی زمین کو دیکھا؟ کبھی آپ نے سسلی وغیرہ کے علاقوں کو دیکھا؟

یہ پیدل چلنے والے اور شکستہ کشتیوں پر چلنے والے اگر عشق مصطفےٰ کی دولت سے آشنا نہ ہوتے تو قسم خدا کی اتنے بڑے بڑے برّ اعظموں پر قبضہ نہ کر سکتے تھے۔ محبت رسول کی توانائی تھی، محبت رسول کا جذبہ تھا، محبت رسول کا داعیہ تھا، محبت رسول کی طاقت تھی، کہ جس طرف بڑھتے تھے بلندیاں سر جھکا دیتی تھیں۔ اس لئے کہ کائنات کے آقا کے نمائندے بن کے جاتے تھے، کائنات کو سر جھکانا ہی تھا۔ عظمتوں کے نمائندے بن کے جاتے تھے، عظمتوں کو جھکنا ہی تھا۔ اعظم رسول کی بارگاہ سے جاتے تھے اس لئے ہر عظمت ان کے سامنے سرخمیدہ ہوتی ہوئی نظر آتی تھی۔ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف انسانوں کے رسول نہیں ہیں۔ وہ اسلام کے رسول ہیں، اسلام کے معنی اطاعت کرنے کے ہوتے ہیں۔ اسلام کے معنیٰ فرمانبرداری کرنے کے ہوتے ہیں۔ اسلام کے معنی سر جھکانے کے ہوتے ہیں، اور جو چیز اطاعت کرتی ہے وہ مسلم ہوتی ہے۔ اب ذرا سوچیئے زمین اطاعت کررہی ہے تو زمین مسلم ہے، آسمان اطاعت کررہا ہے تو آسمان مسلم ہے، ہوائیں اطاعت کررہی ہیں تو ہوائیں مسلم

ہیں، فضائیں اطاعت کررہی ہیں تو فضائیں مسلم ہیں، پہاڑ اطاعت کررہے ہیں تو پہاڑ مسلم ہیں۔ دریا اطاعت کررہا ہے تو دریا مسلم ہے۔ دریا کی روانیاں اطاعت کررہی ہیں تو وہ مسلم ہیں۔ اگر پہاڑوں کی بلندیاں اطاعت کررہی ہیں تو وہ مسلم ہیں۔ پتہ یہ چلا کہ اسلام پوری کائنات کا مذہب ہے اور وہ پیغمبر اسلام تھے، ہر مسلم کے لئے ان کے اطاعت ضروری تھی۔ جب ان کے نمائندے بڑھتے تو پہاڑ سر جھکا دیا کرتے تھے، جب ان کے دین کو لے کر آگے بڑھنے والے بڑھتے تھے۔ جب ان کی محبت کے امین بڑھتے تھے تو سمندر راستہ دیتا تھا، پہاڑ جھکتے ہوئے نظر آتے تھے۔ جبرالٹر اپنی تمام تر دشواریوں کے باوجود قدموں میں جھکا ہوا نظر آتا تھا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! یہ صرف اس لئے ہوتا تھا کہ وہ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتوں کے امین تھے۔ ہر دور میں محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک بہت بڑی قوت مانا گیا ہے، سب سے بڑی طاقت مانا گیا ہے، ہماری زندگی کی علامت مانا گیا ہے، ہماری حیات کا ذریعہ مانا گیا ہے، ہماری ایمان کی حرارت مانا گیا ہے، محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغیر ہمیں بے جان لاشہ قرار دیا گیا ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! ابھی کل کی ہی بات ہے کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سلمان رشدی محض اتفاقاً سامنے تھا؟ اور اس نے یوں ہی ایک کتاب لکھ دی تھی؟ نہیں نہیں --! اس کے بارے میں بڑا مشہور جملہ ہے۔ I Just Wrote it میں نے تو صرف لکھا ہے۔ میرا قلم تو کسی اور کے ہاتھ میں تھا۔ لکھوایا تو کسی اور نے تھا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! اس کے پیچھے کفر کی پوری طاقتیں تھیں۔ جنہوں نے یہ کتاب لکھوائی اور اس کے بعد ہندوستان کے غیور مسلمانوں نے جان دی۔ برصغیر کے غیور مسلمانوں نے جان دی۔ سڑکوں پہ بھی نکلے۔ تڑپے بھی اور ماتم بھی کیا۔ چاک دامانی سے بھی کام لیا، وہ سب کچھ کیا جو کرسکتے تھے۔ مگر عرب کا مسلمان اتنا بے غیرت تھا کہ ایک فتویٰ تک Issue نہیں کرسکا، ایک فیصلہ تک نہیں کرسکا، ایک لفظ بھی نہیں بول سکا، ایک احتجاج تک نہیں کرسکا، یہ احتجاج سعودیہ سے بھی نہیں آیا، یہ احتجاج مصر سے بھی نہیں آیا۔ اس طرح کا

کوئی احتجاج عراق کی سرزمین سے بھی نہیں آیا، اس طرح کا کوئی احتجاج لیبیا سے بھی نہیں آیا، انہوں نے محسوس کرلیا کہ یہ حلقہ ابھی زندہ نہیں رہ گیا، یہ مردہ حلقہ ہے، اس کے اور کچھ دنوں کے بعد عراق پر اپنی پوری قوتوں سے حملہ کردیا۔ اور اس کی صدیوں کی کمائی کو لوٹ لیا، اور انہیں بے جان لاشہ بنا کر چھوڑ دیا۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں میڈلیس کی زمین پر امریکہ اپنی فوجی قوتیں اتارنے سے پہلے وہاں کے مسلمانوں کے عشق رسول کو ناپ چکا تھا، احترام رسول کو ناپ چکا تھا۔ قربان جاؤ اعلیٰحضرت کی فکر پر، اگر برصغیر کی زمین پر وہ نہ ہوتے تو ہمارا حال تو اور زیادہ بُرا ہوتا، اس لئے کہ ان کی زبان عربی تھی، وہ قرآن پاک کو براہ راست پڑھ سکتے تھے۔ احادیث رسول کا سرمایہ ان کے سامنے تھا۔ ہمارے پاس تو ترجمے ہی ترجمے تھے۔ روایات ہی روایات تھیں، ہمارا عالم کیا ہوتا؟ ہماری کیفیت کیا ہوتی؟ ہماری بے جانی کا عالم کیا ہوتا؟ ہماری موت کا کیا عالم ہوتا؟

عزیزان ملت اسلامیہ! ان کے پاس تو پڑول کا سرمایہ بھی تھا، پٹرول کی دولت بھی تھی، انہوں نے ٹکنالوجی خریدی بھی تھی، مگر اس کے باوجود وہ اپنا تحفظ نہ کرسکے، اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو بچا نہ سکے، اس کے باوجود وہ زندہ قوموں میں شامل ہونے کے قابل نہیں۔ اور آج وہاں لاشعوری طور پر امریکی قوتوں کا قبضہ ہے، جہاں اس کے اڈے بن جاتے ہیں وہ زمین اس کی غلام ہوجاتی ہے اس سرزمین پر وہ قوتیں جو چاہتی ہیں کرتی ہیں۔

عزیزان ملت اسلامیہ! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں، آپ نے کبھی سوچا؟ کہ وہ تنہا عراق پر حملہ نہیں تھا پوری امت عربیہ کے اوپر حملہ تھا، پوری عربی قوم کے اوپر حملہ تھا، عرب کے وسائل پر حملہ تھا، عرب کے سرمایہ پر حملہ تھا۔ عراق کو تباہ کرنا تھا اور سعودی عرب سے ٹیکس وصول کرنا تھا۔ کویت سے اس کا تیل لینا تھا، آخری ڈراپ تک لینا تھا۔ یہ ان کا منصوبہ تھا اور انہوں نے یہ منصوبہ کرکے دکھایا اور وہ اب غلام بن چکے ہیں۔ سعودی عرب اس وقت اس جنگ کی قیمت ادا کرنے کے لئے اپنے تیل کے ذخیروں سے بے بسی کا اظہار کرچکا ہے۔ امریکہ کے پرائیوٹ بینکوں (Private Banks) سے 30 فیصد سود پر وہ رقم

لیتا ہے اور امریکہ ہی کی گورنمنٹ کو وہ ٹیکس ادا کررہا ہے وہ غلامی کی زنجیر میں گرفتار ہوچکا ہے۔ اقتصادی قسم کی سلیبری اس پر مسلط ہوچکی ہے۔ اسی لئے کہ اگر عشق رسول ہوتا تو یقیناً وہ بیقرار ہوتے، تڑپتے، وہ منظم ہوتے۔ یقیناً وہ برطانیہ کی قوت سے مطالبہ کرتے سلمان رشدی کو ہمارے حوالے کردو ورنہ پھر ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ یہ تمہارے کام کرنے والے ہماری زمین پر کام نہ کریں گے۔ تم سے کوئی ہمارا تجارتی رابطہ نہیں ہوگا، مگر وہ ایسا نہیں کرسکے۔ پھر انہوں نے جان لیا سازش کرنے والوں نے جان لیا کہ یہ اتنے مردہ ہوچکے ہیں کہ اپنے نبی کی آبرو پر بھی، اپنے نبی کی ازواج مطہرات کی آبرو پر بھی ان کے دلوں کے اندر زندگی کی کوئی حرارت پیدا نہیں ہوسکی ہے تو پھر یہ قوم کے نام پر کیا زندہ ہوسکیں گے؟ عربیت کے نام پر کیا زندہ ہوں گے؟ میں عرض کرنا چاہتا ہوں! یہ محض ایک اتفاقی واقعہ نہیں تھا کہ ایک دیوانہ اٹھا اس نے کتاب لکھ دی بلکہ تجزیہ کیا جارہا تھا۔ جائزہ لیا جارہا تھا۔ احساس کیا جارہا تھا کہ اس فاقہ کش کے اندر عشق مصطفےٰ کی حرارت موجود ہے یا نہیں ہے؟

عزیزان ملت اسلامیہ! یہ سب کچھ سمجھ لینے کے بعد اب آپ غور کریں کہ اعلیٰحضرت نے عشق مصطفےٰ کو اپنی تحریروں سے جو تحفظ دیا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف ایک جذبہ کو تحفظ نہیں دیا ہے بلکہ قوم کے وقار کو تحفظ دیا ہے۔ آبرو کو تحفظ دیا ہے۔ ملی عظمت کو تحفظ دیا ہے، ہماری زندگی کو تحفظ دیا ہے۔ ہمارے عقیدہ کو تحفظ دیا ہے ہمارے نظام کو تحفظ دیا ہے۔ ہماری غیرت کو تحفظ دیا ہے، وہ ہمارے محافظ ہیں۔ اور آج ہم اپنے امام کی بارگاہ میں احترام کی نذریں اس لئے پیش کرنے کے لئے آئے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو آج ہم بھی بے جان لاشہ بن گئے ہوتے۔

ایک بار درود پاک پڑھ لیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِهٖ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ. وَ بَارِکْ وَ سَلِّمْ عَلَیْهِ دَائِماً سَرْمَداً

ہاں تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ حضور سیدنا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تمام

فکر کا مرکز، اپنی تمام صلاحیتوں کا مرکز، اور اپنی تمام صلاحیتوں کا منبع، سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی محبت کو قرار دیا ہے۔ آپ نے جو بھی کام کیا اسی محبت رسول کے جذبہ کو زندہ رکھنے کے لئے، اسی محبت رسول کی استعداد کو زندہ رکھنے کے لئے۔ اسی صلاحیت کو زندہ رکھنے کے لئے، ابھی کل میں نے یمن سے آئے ہوئے شیخ گرامی وقار سے کہہ رہا تھا کہ عجیب عالم ہے؟ میں نے آپ کو عربی میں سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح پاک پڑھتے ہوئے دیکھا تو بے پناہ خوشی ہوئی اس لئے کہ عرب اب رسول پاک کی مدح سے آشنا نہیں رہ گیا ہے۔ تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں آج یہ عالم ہے کہ برصغیر کے چپہ چپہ پر سرور کائنات کی مدح پائی جارہی ہے۔ آج کسی گھر میں چلے جائیے، کسی گوشہ میں چلے جائیے، کسی مسلمان آبادی میں چلے جائیے۔ دیوان گان عشق مصطفےٰ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح پاک پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مدیح نبوی پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ صدقہ ہے بریلی کے اس امام کا جس نے محبت رسول کو ہماری زندگی بنادیا ہے، محبت رسول کو ہمارے لئے مرکز حیات بنادیا ہے۔ محبت رسول کو ہمارے لئے محور حیات بنادیا ہے، جس نے اپنی ساری زندگی سرور کائنات محمد رسول اللہ کی آبرو اور ان کے وقار کا دفاع فرمایا۔ اور ہر اُس چیز کا دفاع کیا۔ جس کا تعلق رسول گرامی وقار صلی علیہ وسلم کی مقدس زندگی سے ہے۔ انہوں نے ان کے علم کا دفاع کیا، انہوں نے ان کے منصب کا دفاع کیا، انہوں نے ان کی عصمت کا دفاع کیا، ابوین کریمین کا دفاع کیا، ان کے اسلام کی، عظمت کی بات کی ان کے نسب کا دفاع کیا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! ہر وہ چیز جو وجہ اختلاف بنادی گئی تھی ہر ایک کا دفاع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور اس لئے صرف اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ اگر رسول گرامی وقار اللہ صلی علیہ وسلم کی محبت کم کردی گئی تو یہ قوم ایک زندہ قوم کی حیثیت سے دنیا میں باقی نہیں رہ سکے گی۔ جب محبت رسول ختم ہوگئی تو نہ شریعت سے پیار رہے گا۔ نہ دین سے، نہ عقیدہ سے پیار رہے گا، نہ اسلامی نظام سے پیار رہے گا، نہ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی سنتوں سے پیار رہے گا۔ یہ بے جان لاشہ بن جائیں گے، اس لئے محبت رسول کے جذبہ کو اس

قدر زیادہ نمایاں کردو، عشق رسول کی شمع کو اتنا فروزاں کردو کہ دنیا کی کوئی تاریکی انہیں نگل نہ سکے، انہیں تباہ نہ کرسکے۔ آپ جانتے ہیں آپ نے جب سے قلم سنبھالا اور اس وقت جب تک کہ آپ کے ہاتھ میں قلم رہا آپ نے رسول پاک کا دفاع ہی فرمایا، ان کے قانون کا دفاع فرمایا، ان کے آئین کا دفاع فرمایا، عالم یہ ہے ان کی عظمت کا کہ اگر علم فلسفہ میں ان کی عظمتوں کا تذکرہ کیا جائے تو وہ اپنے دور کے امام رازی معلوم ہوتے ہیں، اپنے دور کے امام غزالی معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ میں یہ کہوں تو غلط نہیں ہوگا کہ رازی اور غزالی بولتے ہیں تو کہیں کہیں دو موقف کو اختیار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، یہ بھی ممکن ہے یہ بھی ممکن ہے، مگر احمد رضا جب بولتے ہیں تو یہاں شبہ نہیں ہوتا یقین بولتے ہیں۔ "یہ بھی ممکن ہے یہ بھی ممکن ہے"، ان کی تحریروں میں کہیں نظر نہیں آئیگا۔ کسی مقام پر نظر نہیں آئیگا۔ یہاں مفتیان کرام موجود ہیں۔ جو دن رات ان کی تحریروں سے استفادہ کررہے ہیں۔ پوری ملت اسلامیہ کی قانونی ضرورتوں کو ان کی تحریروں کی روشنی میں پورا کررہے ہیں۔ ان کی تحریروں میں کہیں یہ نظر نہیں آئے گا کہ یہ بھی ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے۔ نہیں، وہ امتِ اسلامیہ کو ریب و تشکیک کی راہوں کا مسافر بنانا نہیں چاہتے تھے۔ وہ امت اسلامیہ کو دو راہوں کے درمیان میں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ امت اسلامیہ کو اضطراب کا شکار بنانا نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ تیقن کی منزل کا راہی بنانا چاہتے تھے۔ وہ جو بولتے تھے یقین کی بنیادوں پر بولتے تھے۔ وہ جو بھی بولتے تھے حتمی فیصلہ بولتے تھے۔ جو بولتے تھے اس اعتماد کے ساتھ بولتے تھے کہ اس کے علاوہ دوسری راہ ممکن ہی نہیں ہوسکتی ہے۔ یہ حیثیت آپ کو دنیا کے کسی بھی مفکر کے اندر نظر نہیں آئے گی یہ وقار اور یہ تمکنتِ قلم پر فیصلہ کی قوت آپ کو دنیا کے کسی بھی رائٹر کے اندر نظر نہیں آئے گی۔ یہ امام احمد رضا کی خصوصیت ہے جس میں وہ ممتاز نظر آتے ہیں۔

عزیزان ملت اسلامیہ! فقہ حنفی کے اوپر مدتوں سے یہ اعتراض کیا جارہا تھا کہ حدیث پاک حنفی جزیات کی تائید کرتی ہوئی نظر نہیں آتی ہیں۔ مسلک کی تائید کرتی ہوئی نظر نہیں آتی ہیں، امام طحاوی کو لوگوں نے فراموش کردیا تھا، مسانید امام اعظم کے مرتبین کو لوگوں نے

فراموش کر دیا تھا، امام اعظم کی حدیثی خدمات کو لوگوں نے فراموش کر دیا تھا۔ دوسرے مسالک پر زیادہ محنت کی گئی تھی۔ بخاری سے لے کر کے اور صحاح کی دوسری کتابوں تک آپ کو یہی نظر آئے گا کہ دوسرے مسالک کی باضابطہ تحریریں غالب نظر آتی ہیں، ہمیں تاویلات کا سہارا لینا پڑھتا تھا، ہم یہ محسوس کرتے تھے، کبھی کبھی طلبہ یہ محسوس کرتے تھے کہ اوپر جو حدیث نقل کی گئی ہے آخر وہ ہمارے مسلک کی تائید کیوں نہیں کر رہی ہے؟ یہ نیچے والی حدیث ہمارے موقف کی تائید کیوں کر رہی ہے؟ اور اگر فصلوں میں بانٹا گیا تھا تو پہلی فصل میں جس میں زیادہ معتبر روایات کو نقل کیا گیا ہے۔ اس سے ہم استفادہ کیوں نہیں کر سکتے ہیں؟ یہ المیہ تھا۔ جو ہماری پوری فقہ کے اوپر غالب تھا۔ مگر اے تاجدار بریلی! یہ احسان ہے آپ کا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو آپ نے صرف احادیث سے نہیں بلکہ سب سے پہلے قرآن پاک آیات سے سجایا ہے، اور پھر احادیث پاک سے سجایا ہے، پھر فقہاء کے اقوال سے سجایا ہے آپ نے اس مسلک کو استدلال کی ایک زبان عطا فرمادی ہے، استدلال کی قوت عطا فرمادی ہے۔ آپ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہم سے زیادہ حدیثوں پر عمل کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ہم تو ہر حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ ہمارا تو یہ عالم ہے کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے وہ احادیث کی روشنی میں کہا ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! سیدنا امام اعظم کی روح کتنی خوش ہوتی ہوگی آپ کے فتاوی کو دیکھ کر کے آپ کی تحریروں کو دیکھ کر کے یہی وجہ ہے کہ کہنے والے نے کہا تھا۔

"لو كان أبا حنيفة حيا لجعله من أصحابه"

اگر ابوحنیفہ زندہ ہوتے تو ضرور انہیں اپنے ساتھیوں میں شامل کر لیتے، صاحبین کا مقام دیدیتے، اس لئے کہ انہوں نے وہ کام کیا ہے کہ جس کی بنیاد پر فقہ حنفی صبح قیامت تک ان کے احسانات کے زیر نگیں رہے گی۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے ہیں۔ ملت اسلامیہ کے لئے فقہ حنفی کیوں ضروری ہے؟ امام شافعی کا احترام اپنے مقام پر، وہ اپنے دور کے مجدد تھے، ان کا بڑا اونچا مقام تھا، امام احمد بن حنبل کا احترام اپنے مقام پر، اسی طرح سے امام مالک کی حیثیت

انتہائی قابل احترام ہے۔ ہم تو غلامان محبت رسول ہیں، جہاں جہاں بھی محبت کے چراغ جلتے ہوئے نظر آئیں گے ہم وہاں وہاں پروانوں کی طرح طواف کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہ سب ہمارے لئے محترم ہیں۔ یہ سب ہمارے لئے مقدس ہیں۔ مگر حنفیت وہ نظام زندگی ہے، وہ نظام فقہ ہے، وہ نظام قانون ہے کہ جس کے اندر دراصل استنباط اور اجتہاد کے وہ چشمے پوشیدہ ہیں۔ جن میں ہر دور کے لئے قانون فراہم کرنے کی صلاحیت ہے، ہر حکومت کے لئے قانون فراہم کرنے کی صلاحیت ہے، ہر عصر کے لئے قانون فراہم کرنے کی صلاحیت ہے۔ ظواہر پر عمل کرنا بھی اس نظام کے مزاج میں شامل ہے، مگر بواطن کے ذریعہ سینکڑوں مسائل عمل کا اخذ کرنا، یہ بھی اس کی فطرت میں شامل ہے۔ جس کی وجہ سے آپ یہ دیکھ رہے ہیں کہ جن لوگوں نے فقہ امام ابوحنیفہ کی تقلید نہیں کی تھی، جب حکومت کے نظام کو تشکیل کرنا پڑا تو امام حنیفہ کی بارگاہ میں آئے۔ نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی حنفی نہیں تھے مگر مصر کے لئے جب ایک نظام زندگی تشکیل کرنا پڑا تو امام اعظم کے آستانہ پر حاضر ہوئے۔ عراق کی سرزمین پر مالکیت اور حنبلیت کا غلبہ تھا مگر جب عراق کو ایک نظام دینا ہوا تو امام ابوحنیفہ کی بارگاہ سے استفادہ کیا گیا۔ ترکی کی سرزمین، عرب سے قریب تھی مگر جب ترکی کو ایک پورا نظام خلافت دینا ہوا تو امام ابوحنیفہ کی بارگاہ سے استفادہ کرنا پڑا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! عربوں میں یقیناً مالکیوں اور حنبلیوں نے اسلام کو پھیلایا ہے۔ جاوا اور ساترا میں، انڈونیشاء اور ملاشیا کے علاقوں میں۔ مگر وہاں بھی جب ایک نظام حکومت بنانا ہوا تو امام ابوحنیفہ سے استفادہ کرنا پڑا۔ کیوں؟ اس لئے کہ صاحبین نے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس دور میں جب کہ باضابطہ طور پر اسلام ایک نظام زندگی کی حیثیت سے غالب ہو رہا تھا۔ اس دور میں کارنامہ انجام دیا ہے۔ جس دور میں اسلام کو ایک نظام حکومت کی حیثیت سے، ایک نظام معاشرت کی حیثیت سے، ایک نظام معیشت کی حیثیت سے، پیش کرنا تھا تو اس وقت صاحبین تھے۔ امام اعظم کے رفقاء تھے کہ جن کے استخراج نے جن کی کتابوں نے جن کے مسائل نے باضابطہ طورر پر زندگی کے تمام گوشوں کی رہنمائی کی ہے۔ آج

بھی دنیا میں اگر کوئی اسلامی نظام حکومت قائم ہوگا تو ابوحنیفہ کی بارگاہ سے استفادہ کرنا پڑے گا۔انہی کی فقہ کی بنیادوں پر قائم ہوگا۔اسی لئے امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی فقہ کا دفاع فرمایا۔ایسے کٹر حنفی ہیں کہ اگر خود اجتہاد فرماتے تو ہزاروں مقام پر ان کے اجتہاد کو مسلم سمجھا جاتا، مگر اس کے باوجود عالم یہ ہے کہ ہر جگہ مقلد نظر آتے ہیں۔ہر جگہ دفاع کرتے نظر آتے ہیں۔اگر کبھی اپنے اکابرین یا اپنے پیش رؤں کے کسی فیصلہ سے اختلاف کرتے ہیں تو جرأت کی بولی استعمال نہیں کرتے ہیں۔جسارت کی زبان استعمال نہیں کرتے ہیں۔آج تو دور یہ ہوگیا ہے کہ قسم خدا کی تفقہ کو سمجھنے کی صلاحیت ہے۔اجتہاد کی تعریف تک نہیں کرسکتے مگر چیلنج فقی حنفی کو کررہے ہیں۔بعض لوگ چیلنج امام اعظم ابوحنیفہ کو کررہے ہیں۔مگر وہ کتنے عظیم تھے کہ یقیناً اجتہاد کے تمام مقامات ومراتب انہیں حاصل تھے۔اجتہاد کی تمام منزلیں انہیں حاصل تھیں۔اجتہاد کے تمام مقامات انہیں حاصل تھے۔مگر امام اعظم تو امام اعظم ہیں۔ان کے صاحبین تو صاحبین ہیں۔ان کے رفقاء تو رفقاء ہیں۔اگر شامی پر بھی کچھ کہنا ہوا تو" **تطفل علی الشامی**،، کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔حضور! یہ میرا طفلانہ پن ہے اسے قبول کیجئے۔اور اس تطفل کو جب ہم دلائل کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو قسم خدا کی نامعلوم کتنی میچیر یسی تفصیلات نامعلوم کس قدر زیادہ تجربہ اس تطفل کے اندر پوشیدہ نظر آتا ہے۔علم کا بحر ناپیدا کنار باضابطہ طور پر اس تطفل کے اندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔وہ تطفل ہے جسے دنیا کا شباب بھی اٹھا نہ سکے اور جسے علم کا شباب بھی اٹھا نہ سکے وہ تطفل ہے۔یہ ادب تھا اپنے بزرگوں کی بارگاہ میں، یہ مزاج تھا اپنے پیش رؤں کی بارگاہ میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کا، فقہ حنفی پر ان کا یہ احسان صبح قیامت تک تسلیم کیا جائے گا۔اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ وہ ایک قانون دینے والے ہیں بلکہ عشق رسول کے بھی امین ہیں، محبت رسول کے بھی امین ہیں، روایات رسول کے بھی آمین ہیں۔اور وہ آغوش رسول کے پروردہ بھی ہیں۔ان کے ایک بیٹے کی آغوش میں پروان چڑھنے والے ہیں۔انہی کے لخت جگر کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے والے بھی ہیں۔اور یہ اعتراف بھی کرنے والے ہیں۔

" **لولا السنتان لهلك النعمان**،،

اگر یہ دو سال نہ ہوتے جو امام جعفر صادق کی خدمت میں گذارے ہیں تو یقیناً میں ہلاک ہوجاتا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عالم یہ ہے کہ فقہ میں اپنا مقام رکھتے ہیں۔عالم یہ ہے کہ اگر آپ تفسیر لکھتے تو تیسیوں مجلدات پر آپ کی تفسیر ہوتی مگر تیس جلدوں کے پڑھنے میں کتنا وقت صرف ہوتا۔ قربان جائیے کے تفسیری ترجمہ کرکے ہر ترجمہ کو یہ وزن دے دیا ہے کہ بے شمار تفسیروں سے بے نیاز کردیا ہے۔شائد آپ کو وہ زمانہ معلوم نہ ہو جب مستشرقین اسلام کے اوپر اعتراض کررہے تھے وہ آیات مبارکہ جو مشاکلہ کے باب میں متعلق ہیں جس میں یہ کہا جاتا ہے۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (بقرہ)

جس میں یہ کہا جاتا ہے کہ" وہ اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں۔اور اللہ ان کو ان کے دھوکہ کا بدلہ دیتا ہے۔،، جہاں یہ فرمایا جاتا ہے لفظوں کے تشاکل کی بنیاد پر، ہم شکل لفظوں کی اتباع کی بنیاد پر، آپ لوگ علماء ہیں آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مشاکلہ کا مزاج کیا رہا ہے؟ اور وہ بولنے کا طریقہ کیا رہا ہے؟ باضابطہ انہی لفظوں میں جب جواب دیا جاتا ہے تو لوگوں نے اعتراض کرنا شروع کردیا تھا کہ مسلمانوں کا خدا معاذ اللہ مکر کررہا ہے۔معاذ اللہ ثم معاذ اللہ مسلمانوں کا خدا خداع سے کام لے رہا ہے۔مسلمانوں کا خدا استھزاء فرمارہا ہے۔یہ خدا کی شان کے خلاف ہے۔اسی زمین پر ایک طوفان بپا ہوگیا تھا۔کسی زمانے میں ان ترجموں کی بنیاد پر، وہ لوگ جب ترجمہ کرتے تھے تو یہ نہیں کہتے تھے کہ میں ترجمہ کررہا ہوں بلکہ اس زمانے کے جو اردو ترجمے تھے اس کو پیش کردیا کرتے تھے کہ دیکھو فلاں نے ترجمہ کیا ہے اور فلاں نے ترجمہ کیا ہے اور فلاں نے ترجمہ کیا ہے۔اعلحضرت فاضل بریلوی نے جو ترجمہ کیا ہے وہ اتنا باوقار تھا کہ عصمت انبیاء کا عقیدہ بھی مبرہن ہو کر سامنے آیا اور عصمت الٰہ کو بھی انہوں نے باضابطہ طور پر ترجمہ کی حیثیت دے دی۔

عزایزان ملت اسلامیہ اس کے ساتھ ساتھ ان کے اور دوسرے بے شمار کارناموں کا جائزہ لیجئے۔

اس دور کی ابھرنے والی تمام تحریکوں کا جواب انہوں نے اپنے شاگردوں کے ذریعہ دیا تھا۔ کیا تم وہ دور بھول گئے ہو؟ جب برصغیر کی سرزمین پر اسلام کا دفاع کرنے کے لئے حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ، ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے راجمکماری سے لے کر تبت کے آخری کناروں تک ان تمام فتنوں کا مقابلہ کیا تھا جو اس سرزمین میں موجود تھے۔ وہ فتنے اسلام کے دامن ہی سے وابستہ نہیں تھے بیرونی دنیا سے بھی آئے ہوئے تھے، بیرونی طور سے بھی آئے ہوئے تھے، جب یہ کوشش کی جارہی تھی کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے پلٹا دیا جائے اور پھر انہیں ایک ایسے دین سے وابستہ کیا جائے جو دین نہیں ہے۔ اس زمانے میں ان کے کارنامے بڑے مثالی کارنامے ہیں۔ خود سرکار مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمانے میں حضرت محدث علی پوری اور ان کے رفقاء کو بلا کر کے پورے برصغیر کا دورہ کرایا کرتے تھے اس وقت یہ لوگ ان کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ آج پوری دنیا میں اگر اسلام کا تبلیغی نظام قائم ہے تو اس کے سرخیل ہیں حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کو معلوم نہیں ہوگا کہ دنیا کے 43 ملکوں میں ان کے دامن سے وابستہ افراد پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے غیر مسلم دنیا میں اسلام کو جس مؤثر انداز سے پیش کیا ہے یہ ان کا اپنا کارنامہ تھا۔ ممبئی کے ساحل سے کشتیوں پر سوار ہو جایا کرتے تھے اور کسی بھی جزیرے میں اتر جاتے اور وہاں جا کر لوگوں کو جمع کرتے اور اسلام کی خوبیاں بیان کرتے تھے۔ آپ اندازہ کریں مورشش کا جزیرہ ہو نیروبی کا علاقہ ہو، دار السلام کا علاقہ ہو، یا تنزانیہ کی سرزمین کے دوسرے خطے ہوں، یا پھر ڈربن کا علاقہ ہو، ٹیوٹوریا کا علاقہ ہو، جوہانسبرگ کا علاقہ ہو اور آگے بڑھیئے تو آپ کو وہ سرزمین نظر آئے گی جس کو ہم ویسٹ انڈیز کے نام سے یاد کرتے ہیں ویسٹ انڈیز کے بہت سے علاقہ پر پری فیرا موبی کا علاقہ، سری

نام کا علاقہ، اور اس کے علاوہ دوسرے علاقے ہیں، یہ وہ علاقے ہیں جو آج بھی حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کو یاد کرتے ہیں۔

اس کے بعد انڈونیشاء کے علاقہ ہیں اور سنگاپور میں ان کے کارنامے آج تک روشن ہیں۔ امریکہ کی سرزمین پر ان کی خدمتوں کے چراغ آج بھی جل رہے ہیں۔ اور شائد آپ نے برناڈ شاہ کا یہ جملہ سنا ہوگا کہ مستقبل میں اگر کوئی مذہب حکومت کرے گا تو وہ صرف اسلام ہوگا۔ مستقبل کا مذہب اسلام ہوگا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں؟ کہ یہ جملہ اس ادیب نے یوں ہی کہہ دیا تھا۔ نہیں اس جملہ کی تاریخ معلوم نہیں ہے۔ اس جملہ کو ہر مکتبہ فکر نے نقل کیا ہے۔ مگر کتنے ظالم ہیں یہ لوگ کہ شاید جانتے ہوئے بھی اس کو اس لئے چھپا دیا کہ اس میں ان کی کمتری کا راز پوشیدہ تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے موریشش میں تبلیغ دین کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ برناڈ شاہ مورشش کے ساحل پر اپنی چھٹیاں گذارنے کے لئے آیا ہوا تھا، اعلان ہو رہا تھا کہ آج ایک مسلم مبلغ کی تقریر ہونے والی ہے۔ مسلم مشنری کی تقریر فلاں ہال میں ہونے والی ہے۔ اس نے سوچا کہ اسلام تبلیغی مذہب نہیں ہے۔ اس کے ذہن میں یہی بات ہے۔ اسلام مشنری کا مذہب تو نہیں ہے یہ کیسا انسان ہے؟ کہ جو مسلم مشنری کی حیثیت سے سامنے آرہا ہے، وہ تقریر سننے کے لئے آیا تو تین گھنٹوں تک بیٹھا رہ گیا۔ English کا بہت بڑا ادیب اور مغربی دنیا کا مانا ہوا مفکر بیٹھا رہ گیا۔ اور جب تقریر ختم ہوئی تو آیا اور کہنے لگا کہ ساحل کے کنارے آپ میرے ساتھ آیئے۔ میں آپ سے تبادلہ خیال کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ وہاں تشریف لے گئے اور تشریف لے جانے کے بعد کئی گھنٹوں تک اس نے اسلام کے مختلف شکوک وشبہات پیش کئے اور آپ جواب دیتے رہے۔

وہی شبہات جو عام طور پر مستشرقین نے پھیلائے تھے کہ اسلام تلوار کا مذہب ہے، اسلام قوت سے پھیلا ہے، اسلام میں عورتوں کو کوئی مقام نہیں دیا جاتا ہے، اسلام دراصل ایسا مذہب ہے، اسلام ویسا مذہب ہے۔ اسلام کے بانی کی زندگی میں یہ Life test ہے معاذ اللہ!

اسلام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام معاذ اللہ ثم معاذ اللہ دونوں دراصل ایک کنیز کے اولاد تھے۔ اس طرح کی باتیں جو مستشرقین نے پھیلا رکھی ہیں ان باتوں پر اس نے بھرپور گفتگو کی، اس کے بعد اسلام کے نظام معیشت پر گفتگو کی، نظام معاش پر گفتگو کی، اسلام میں عالمی اقتصادی نظام پر، اسلام میں نظام عدل پر گفتگو کی، اسلام میں نظام معاشرہ پر گفتگو کی، اسلام میں آج کے ماڈرن دور میں ترقی کرنے کی صلاحیتوں کے بارے میں گفتگو کی، اور جب گفتگو سے مطمئن ہوا تو اس نے یہ الفاظ کہے تھے عبدالعلیم، جو کچھ تم کہہ رہے ہو اگر اسلام وہی ہے تو مستقبل کا مذہب صرف اسلام ہوگا۔ یہ کون تھے؟ اعلیٰحضرت کے ایک خلیفہ تھے، ان کی بارگاہ کے ایک خوشہ چین تھے، اور ان کی شان میں ایک طویل منقبت لکھنے والے تھے۔

''امام احمد رضاء تم ہو''، یہ قافیہ آپ کے ذہنوں میں ہوگا اور آپ محسوس کر رہے ہوں گے کہ کیسے کیسے جواہر پیدا کئے تھے۔ کیسے کیسے عظیم انسان پیدا کئے تھے۔ امام احمد رضا نے اپنی درسگاہ سے اپنی تربیت سے دراصل اپنی شخصیت کو منتقل کر دیا تھا مختلف حضرات کے اندر، کوئی ایک آدمی نہیں تھا، جو احمد رضا کا نائب بن سکتا۔ تو فقہ سیدنا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ کے اندر منتقل فرما دیا، دعوت حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے اندر منتقل فرما دیا' ادب اور فن اور تفسیر حجۃ الاسلام کے اندر منتقل فرما دیا، مناظرہ اور فنی نکات حضرت علامہ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے اندر منتقل فرما دیا اور علم توقیت اور فلکیات کی مہارتیں علامہ ظفر الدین کے اندر منتقل فرما دی۔ اپنی شخصیت کو انہوں نے اپنے خلفاء میں تقسیم فرما دیا اور وہ ابرِ بارندہ بن کر پورے برصغیر کی زمین پر برستے رہے۔ تم اگر علم فلسفہ کی تاریخ کا مطالعہ کرو، دنیا کی بڑی بڑی درسگاہوں کا مطالعہ کرو تو میں دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں ازہر کی زمین سے لیکر کے اور یہاں کی زمینوں تک تم کو ایک درسگاہ ایسی نہیں ملے گی جہاں بیک وقت اتنے آفتاب و ماہتاب زمین پر اتر آئے ہوں، جتنے آفتاب و ماہتاب امام احمد رضا کے آستانہ پر اتر آئے ہیں۔ اور پھر اللہ اکبر یہاں عالم یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ جس زبان کا تعلق معاش سے نہ ہو وہ زبان مرجاتی

ہے۔ جس فن کا تعلق معاش سے نہ ہو وہ فن مرجاتا ہے، جس علم کا تعلق معاش سے نہ ہو وہ علم مرجاتا ہے مگر امام احمد رضا کی شخصیت نے دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ نہ ہمارے فن و علم کا تعلق معاش سے ہوگا، نہ ہماری فکر کا تعلق معاش سے ہوگا، نہ ہماری روایت کا تعلق معاش سے ہوگا، نہ ہماری تحقیق کا تعلق معاش سے ہوگا، نہ ہماری درسگاہ کا تعلق معاش سے ہوگا، پھر بھی ہم زندہ رہیں گے اور ہماری فکر زندہ رہے گی۔ اس زمانے کے ہم عصروں کا جائزہ لو، اعلیٰحضرت کے ہم عصروں کا جائزہ لو، اس زمانہ میں کوئی رام پور سے وظیفہ حاصل کر رہا ہے، اس زمانے میں کوئی نواب بھوپال سے وظیفہ حاصل کر رہا ہے۔ بلکہ بھوپال کے نواب سے وظیفہ لے کے ایک کتاب لکھنے کے لئے لکھنؤ پہونچتا ہے میں نام نہیں لینا۔ چاہتا! میں اس مزاج کا آدمی نہیں ہوں۔ اگر تم تحقیق کرو گے تو وہ لوگ مل جائیں گے جو ان کے ہم عصر تھے یہ وہ زمانہ ہے جب لوگ نواب نظام حیدرآباد سے وظیفہ لے رہے ہیں، یہ وہ زمانہ ہے جب لوگ نواب رام پور سے وظیفہ لے رہے ہیں، نواب بھوپال سے وظیفہ لے رہے ہیں، راجہ محمود آباد سے وظیفہ لے رہے ہیں، علماء کا طبقہ اپنی زندگی کو Supporte کرنے کے لئے، اپنی زندگی کو باقی رکھنے کے لئے نوابوں کے دروازے پر جھکا ہے، عیاش نوابوں کے دروازوں پر، بدکردار نوابوں کے دروازوں پر، رنڈیوں کے ناچ دیکھنے والے نوابوں کے دروازوں پر، وظیفہ کا ہاتھ پھیلائے ہوئے نظر آتا ہے۔ وظیفہ مانگتا ہوا نظر آتا ہے، وہ نواب کہ جن کی بدکرداریوں نے ملت اسلامیہ کے اقتدار کے سورج کو یہاں غرقاب کر دیا ہے ان کے دروازوں پر علم حاضر ہوا کرتا تھا۔ کوئی درسگاہ اس سے محفوظ نظر نہیں آئے گی سوائے بریلی کے۔ کوئی آستانہ اس سے محفوظ نظر نہیں آئے گا۔ سب نے جا کر کے خیرات مانگی ہے نظام حیدرآباد کے یہاں، سب نے جا کر کے ہاتھ پھیلائے ہیں نواب محمود آباد کے یہاں، سب نے جا کر ہاتھ پھیلایا ہے نواب آسالیہ اور کوٹلہ کے یہاں، سب نے جا کر ہاتھ پھیلایا ہے نواب مظفر الدین کے یہاں سب نے جا کر ہاتھ پھیلایا ہے نواب رام پور کے یہاں، مگر اعلیٰحضرت کا عالم یہ ہے کہ یہ تمام تاجدارانِ وقت اور تمام کج کلاہان زمانہ ایک نظر دیکھنے کے لئے بلانا چاہتے ہیں

مگر عاشق رسول اپنی نگاہوں کا سودا گنبد خضریٰ سے کر چکا ہے وہ کہیں اور جانا نہیں چاہتا۔ امام احمد رضا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اے تاجدران وقت، اے ارباب اقتدار، ! امام احمد رضا کی نگاہیں اب تمہیں دیکھ نہ سکے گی۔ اس لئے جو آستانہ مصطفےٰ پر بک چکا ہوتا ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت خرید نہیں سکتی ہے۔ تم ہمیں خریدنا چاہتے ہو تو تم نہیں جانتے ہو کہ عشق بڑا خود دار ہوتا ہے۔ وہ بڑا باغیرت ہوتا۔ وہ اپنے محبوب کے در سے ہٹ کر کے کہیں اور دیکھنا نہیں چاہتا، یہ تو شاید شعروں میں تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ اس لئے تم نے سمجھا ہے ورنہ احمد رضا کے دیوانوں کو سب نے آواز دی تھی، سب نے بلایا تھا، سب نے مخاطب کیا تھا، نہ وہ گئے نہ ان کے طلبہ گئے البتہ ایک شعر میں انہوں نے نواب نان پارہ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ انہیں بلایا گیا تھا آیئے اور یہاں شرکت کیجئے اور چند منقبت کے اشعار پڑھ دیجئے، ممکن ہے آپ کے اور آپ کے طلبہ کے لئے صدیوں تک کا انتظام ہو جائے تو آپ نے فرمایا تھا۔

کروں مدح اہل دُوَل رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

میں عرض کرنا چاہتا ہوں یہ ان کا وہ کردار ہے۔ طلبہ وہی تھے جو خود ان کے دستر خوان پر پل رہے تھے، ان کے ہاتھ سے کھانا کھا رہے تھے، انہوں نے چندہ بھی مانگنا پسند نہیں فرمایا تھا۔ انہوں نے اپنے طلبہ کے لئے دریوزہ گری بھی پسند نہیں فرمائی تھی۔ کوئی چندے کا اعلان بھی نہیں کیا تھا۔ اپنی ہی جاگیر سے جو کچھ ہوتا تھا اسی میں یہ طلبہ کھانا بھی کھاتے تھے۔ اللہ اکبر اپنے ہی دستر خوان پہ کھلاتے بھی تھے اور اپنے ہی خانہ علم سے نوازتے بھی تھے۔ یہ ان کا وہ مزاج تھا یہی وجہ ہے کہ ان میں کا ہر ایک اپنے دور کا آفتاب و ماہتاب بن کر چمکا ہے۔ اگر تم کبھی ان تنقیدات کا جائزہ لو جو اس زمانے کے معاصرین پر اعلٰحضرت کے دیوانوں اور ان کے شاگردوں نے کی ہے۔ تو تم حیرت واستعجاب میں ڈوبتے چلے جاؤ گے۔ جو تنقیدیں اس زمانے کے رہنماؤں پر کی گئی ہیں تو تم اس کا تجزیہ کر سکو گے، اس زمانے کے فکری ناقدین پر

جو تنقیدیں کی گئی ہیں تو تم ان کی عظمت کا احساس کر سکو گے۔ ان میں کا ہر ایک ''علم کا جبل شامخ،، تھا۔ کوئی بھی ایسا نہیں تھا کہ جسے جھکایا جا سکے۔ اور جس کی علمی عظمت کو اور جس کے علمی وقار کو Challenge کیا جا سکے۔

میرے عزیز و اور دوستو ! میں عرض کرنا چاہتا ہوں، آج پوری دنیا میں اگر ان کا نام لیا جا رہا ہے تو کیا یہ کسی ایک شخصیت کا نام ہے؟ جی نہیں جی نہیں ! اگر علم فقہ میں کسی حوالہ کی ضرورت ہوئی تو احمد رضا یاد آتے ہیں۔ تفسیر میں کوئی بات یقینی طور پر بولنی ہوئی تو امام احمد رضا یاد آتے ہیں۔ علم توقیت میں اگر کچھ دیکھنا ہوا تو امام احمد رضا یاد آتے ہیں۔ علم فن بلاغت میں کچھ دیکھنا ہوا تو ان کی ذات کا رجوع کرنا پڑتا ہے۔ علم حدیث کی طرف نگاہ اٹھانی ہوئی تو ان کو دیکھنا پڑتا ہے۔ فن اسماء الرجال پر کسی عبقری نگاہ کو دیکھنا ہو تو ان کی ذات کو دیکھنا پڑتا ہے۔ یہ ایک شخصیت ہے جس کے اندر پروردگار عالم نے سینکڑوں علوم وفنون کو جمع فرما دیا ہے اور اپنے دور میں ہر علم کے امام نظر آتے ہیں۔ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کئی فنون کا ماہر ہو، ایک آدمی بہت اچھا خطیب ہو، مگر کوئی ضروری نہیں کہ بہت اچھا رائٹر ہو۔ ایک آدمی بہت اچھا شاعر ہے، کوئی ضروری نہیں کہ بہت اچھا نقاد ہے، نقاد بھی ہوگا مگر اس کی حیثیت، شاعری سے کم تر ہوگی۔ خطیب اگر ہے تو Writting شاید خطابت سے کم ہوگی۔ اگر رائٹر ہو تو خطابت شاید اس سے بہتر نہ ہو یعنی کسی شخصیت میں اگر چند صلاحتیں جمع ہو جائیں تو صلاحتیں سب کے سب نقطہ انتہاء پر نہیں ہوتی ہیں بلکہ کچھ کم ہوتی ہیں کچھ بہتر ہوتی ہیں۔ یہ امام احمد رضا کا کمال ہے کہ جس فن کے اندر انہوں نے قلم اٹھایا ہے نقطۂ کمال پر نظر آتے ہیں۔ کوئی ان کا مثیل نہیں ہے۔ کوئی ان کے جیسا نہیں ہے۔ کوئی ان کا معاصر نظر نہیں آتا۔

عزیزان ملت اسلامیہ! یہ سارے علوم جو تھے دراصل عشق مصطفےٰ کی خدمت کے لئے تھے۔ ہر علم کو انہوں نے محبت رسول کا خادم بنا دیا تھا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ فن بلاغت کے ذریعہ سے پہونچاؤ تو مدینے تک پہنچاؤ، فن فقہ کے ذریعہ پہنچاؤ تو نبی کے آستانہ پر پہنچاؤ، تفسیر کے ذریعہ راستہ دکھاؤ تو مدینے کا راستہ دکھاؤ، شعر کے ذریعہ سے چہرہ دکھاؤ تو رسول

اللہ کا چہرہ دکھاؤ، علم نجوم کے ذریعہ سے خدمت کرو تو دین کی خدمت کرو، فلکیات کے ماہرین کتنی بوالعجبیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی فلکیات کے ایک عظیم ماہر تھے۔ مگر انہوں نے فلکیات پر اس وقت قلم اٹھایا جب اسلام کے نظریہ کو ضرب لگ رہی تھی۔ اور ''الفوز المبین،، جیسی عظیم کتاب کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اسلام ہی کے دفاع کے لئے، اسلام ہی کے تحفظ کے لئے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! لوگ انہیں شاید اس حیثیت سے جانتے ہیں کہ انہوں نے کچھ باتوں کی تائید فرمائی ہے، جسے آج معاشرہ ناپسند کرتا ہے میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ نہیں نہیں! دنیا میں یہ روایات ہر جگہ موجود تھیں ہمارے اہل سنت کی روایات مصر میں بھی موجود ہیں، یہی روایات افریقہ میں بھی موجود ہیں، یہی روایات سوڈان میں بھی موجود ہیں، یہی روایات نائیجریا میں موجود ہیں، یہی روایات تنزانیہ میں موجود ہیں، یہی روایات ایتھوپیا میں موجود ہیں، یہی روایات شام میں موجود ہیں۔ مزارات کو جا کے دیکھو وہاں، فاتحہ کی ہماہمی جا کے دیکھو وہاں، بیعت واشاعت کے سلسلہ کو جا کے دیکھو وہاں۔ یہ سب کچھ وہاں نظر آئے گا مگر وہاں کسی درسگاہ کا قیام عمل میں نہ لایا جاسکا۔ اس لئے اور صرف اس لئے کہ وہاں کی رسومات کو اور وہاں کی روایات کو استدلال کی زبان دینے والا کوئی احمد رضا نہیں تھا۔ احمد رضا کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ مراسم اہل سنت کو انہوں نے استدلال کی زبان عطا فرمادی ہے، دلیل کی قوت عطا فرمادی ہے۔ آج باطل قوتیں مصر کے صوفیاء سے لرزہ براندام نہیں ہیں، آج کی باطل قوتیں افریقہ کے فقہاء سے لرزہ براندام نہیں ہیں، آج کی باطل قوتیں اور باطل عقیدے۔ افریقہ میں کام کرنے والوں سے لرزہ براندام نہیں ہیں۔ لیکن آج کی باطل قوتیں بریلی کے اس تاجدار سے اس لئے لرزہ براندام ہیں کہ وہ بولتا ہے تو دلیل کی زبان سے بولتا ہے، وہ بولتا ہے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں بولتا ہے، وہ بولتا ہے تو ناقابل تردید شواہد کے ساتھ بولتا ہے، اس نے پورے نظام کو استدلال کی بے پناہ قوت عطا فرمادی ہے۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس کا زمانے میں ان کا کوئی بھی شریک نظر نہیں آتا۔

عزیزان ملت سلامیہ! یہی نہیں بلکہ اگر آپ دیکھیں تو برصغیر کی تاریخ میں خاص طور پر دلی کی سرزمین پر تصوف اور علم کا معرکہ ہر دور میں گرم نظر آئے گا، علماء الگ ڈگر پر چل رہے ہیں، تصوف الگ راستے پر چل رہا ہے۔ یہ حضرت نظام الدین اولیاء ہیں۔ جو اپنی خانقاہ میں روح کی اصلاح کر رہے ہیں۔ دلوں کا تزکیہ کر رہے ہیں۔ اور دربار میں علماء ان پر فتویٰ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے خلاف بولتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ہیں، جو اپنی روحانی قدروں کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنے قریب کر رہے ہیں، اور دلی کے علماء ان کے خلاف فتویٰ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ صوفی سرمد ہیں جو اپنی بولی بول رہے ہیں اور انہیں دار کی منزلیوں پر چڑھایا جارہا ہے۔ یہ منصور ہیں جو کوئی بات کہہ رہے ہے تو انہیں صلیب ودار کے مرحلوں سے گذارا جارہا ہے صدیاں گذر گئی تھیں کہ تصوف اور فقہ میں بڑا تفصیلی فاصلہ ہو گیا تھا۔ فقہ نے تصوف کے سر کو قلم کرنا چاہا تھا اور تصوف نے فقہ کو بدنام کرنا چاہا تھا۔ یہ دو الگ الگ راستے سمجھے جاتے تھے۔ ایک کو شریعت کا راستہ سمجھا جاتا تھا۔ ایک کو طریقت کا راستہ سمجھا جاتا تھا۔ اس صدی میں تنہا امام احمد رضا کے تجدیدی کارناموں میں سے یہ بڑا نمایاں کارنامہ ہے کہ انہوں نے فقہ اور تصوف کو ایک جان اور دو قالب بنا دیا ہے۔ یہ حیثیت دی انہوں نے۔ یعنی کوئی فرق ہی نہیں رہ گیا ہے۔ یہاں سجدۂ بندگی بھی موجود ہے، اور روح مشاہدہ بھی موجود ہے۔ یہاں سبحان ربی الاعلیٰ بھی ہے اور پر بت روح کا ہر تار ہمنوا بھی ہوتا جارہا ہے، یہاں علم بھی ہے اور تزکیہ وطہارت کی منزلیں بھی ہیں۔ یہاں کچھ نظر آتا ہے وہ فاصلہ ہمیشہ کے لئے مٹ گیا جو تصوف اور فقہ کے درمیان موجود تھا۔ یہ کارنامہ لوگ کم جانتے ہیں۔ اس پر ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے اور بتایا جاسکتا ہے کہ پہلے ''صوفی،، خانقاہ میں پیدا ہوتا تھا مگر اب صوفی درسگاہ میں پیدا ہوگا، اور فقیہ خانقاہ پیدا ہوگا۔ ہمیشہ کے لئے خانقاہ اور درسگاہ کا فاصلہ مٹ گیا ہے۔ خانقاہ میں فقیہ پیدا ہوگا اور درسگاہ میں صوفی پیدا ہوگا، اس لئے کہ دونوں میں ایک ایسا رشتہ قائم ہوگیا ہے جو کبھی ایک دوسرے سے جدا ہو ہی نہیں سکتے ہیں، کبھی ایک دوسرے سے تعلق توڑ ہی نہیں سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تصوف کی جو

تشریح کی ہے، طریقت کی جو تشریح کی ہے۔ وہ اتنی اعلیٰ ہے کہ اللہ اکبر کبھی آپ سنو تو یقین لگتا ہے کہ روح گوش بر آواز ہوئی جارہی ہے۔ کسی نے پوچھا تھا حضور شریعت کیا ہے؟ اور طریقت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تھا شریعت زینہ ہے اور طریقت جلوۂ بالائے بام ہے۔ شریعت علم ہے اور طریقت مشاہدہ ہے۔ جب سجدہ کرو اور یہ سوچو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے تو یہ شریعت ہے۔ لیکن اگر کبھی حجابات اٹھ جائیں اور جلوے نظر آئیں تو یہ بات طریقت بن جاتی ہے۔'' شریعت علم ہے اور طریقت مشاہدہ ہے۔،،

یہ تصور انہوں نے عطا فرمایا تھا، یہ ذہن انہوں نے عطا فرمایا تھا اور یہ ذہن ان کی اپنی اختراع نہیں تھا، یہ ذہن ان کا اپنا گڑھا ہوا فیصلہ نہیں تھا۔ آپ حدیث جبرائیل پڑھیں وہاں آپ کو جو سوالات ملیں گے وہاں ارکان اربعہ کے بارے میں پوچھا گیا ہے۔ اسلام کے بارے میں پوچھا گیا ہے۔ اور پھر ایک سوال یہ بھی پوچھا گیا ہے'' وما الاحسان یا رسول اللّٰہ،، اے اللہ کے رسول احسان کیا ہے؟ تو جواب یہی دیا گیا ہے۔'' نماز اس طرح سے پڑھو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو ورنہ کم از کم اتنا خیال ضرور کرو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے۔ نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ کی تعلیم دینے والے احسان کو بھول گئے ہیں۔ انہیں آواز دوں گا کہ امام احمد رضا کے آستانہ پر آؤ۔ آپ چھوڑ کر چلے گئے ہو۔ آپ تھوڑا سے بھٹک گئے ہو۔ آپ نے نماز بھی یاد رکھی، روزہ بھی یاد رکھا، حج اور زکوٰۃ بھی یاد رکھا، مگر آخری سوال جس کے اندر نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ کی روح سمٹ آئی ہے اس سے دامن آپ نے بچالیا ہے؟ کنارہ کرلیا ہے آپ نے، نماز بھی پڑھ رہے ہو، روزے کی تعلیم بھی دے رہے ہو، حج اور زکوٰۃ کی بات بھی کر رہے ہو، مگر تصوف پر آپ الزام آج عائد کرتے ہیں، احسان کا ترجمہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ اگر مشاہدہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تو گویا آپ خدا کو دیکھ رہے ہیں تو گویا یہ مشاہدہ کی دعوت ہے کہ نہیں۔ خدا آپ کو دیکھ رہا ہے۔ یہ تصوف کی بات ہے یا نہیں؟ امام احمد رضا نے اس تصور کو دنیا کے سامنے بہت زیادہ بے نقاب کیا ہے۔ اور پھر اللہ اکبر فن کا اور شعر کے جمال کا عالم یہ ہے کہ یقین مان لیجئے کہ اس دور میں ایسے لوگ بہت کم تھے جو ان کے فنی اور شعری

کمالات کا مقابلہ اس دور کے شعراء سے کرتے ورنہ عالم یہ ہے۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتنے ہزار پھرتے ہیں

یہ انداز، یہ سلاست، مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ ایک بہت بڑے ادیب نے جب امام احمد رضا کا یہ شعر سنا تھا۔

جہاں کی خاک روبی نے جہاں آراء کیا تجھ کو
صبا ہم نے بھی ان گلیوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے

تو اس نے کہا تھا'' واللہ العظیم،، اس ایک شعر پر نعت گو شعراء کے بڑے بڑے دیوان کو قربان کیا جاسکتا ہے، یہ ان کا مقام شعر ہی تھا یہی وجہ ہے کہ آج لندن میں، امریکہ میں، ہندوستان میں، پاکستان میں، دنیا کی درجنوں یونیورسٹیوں میں ان پر تحقیق اور ریسرچ کا کام ہو رہا ہے، جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا جائے گا۔ ان کا حسن علم اور ان کا کمال دنیا کے سامنے زیادہ ہوتا جائے گا۔ جمیع وابستگان ومحبان سلسلہ رضویہ اور اپنے علماء وطلبہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے ایک ایسی شخصیت کو اپنی تحریر کا محور اور نقطۂ ارتکاز قرار دیا ہے کہ جن کی شخصیت کی زلفیں سنوارنے میں کئی عمریں، اور کئی زمانے خرچ ہوجائیں گے اور نئے نئے ابواب کھلتے نظر آئیں گے، نئی نئی عقیدتیں جلوہ گر ہوتی نظر آئیں گی۔ مبارک ہو آپ کو! دعا ہے کہ خدائے قدیر وجبار آپ کو امام احمد رضا کے مقدس مسلک پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے علم کا وارث بنائے۔ (آمین ثم آمین)

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ

کی دعوتی حیثیت اور تبلیغ اسلام میں ان کا دعوتی مقام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ اَقَامَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِكِیْنَ شَفِیْعاً، وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی كُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَدَیْهِ، صَلٰوةً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِكِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ.

أمّا بَعْدُ.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ – بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ كُنْتُمْ خَیْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، (پ۴۔ع۳۔ال عمران آیت۱۱۰) صدق اللّٰه العلی العظیم

صدرِ گرامی وقار! علماء ملتِ اسلامیہ! قابلِ احترام بزرگو اور دوستو! ہم اور آپ انتہائی احترام و عقیدت کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکزِ عقیدت آقائے دوجہاں حضور رحمتِ عالم تاجدار مدینہ، سرورِ کائنات محمد رسول اللہ اروا حنا فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں درودِ پاک کی نذریں پیش کریں۔ اللهم صل علی سیدنا ومولانا محمد معدن الجود والکرم وآله الکرام أجمعین وبارك وسلم علیه أبداً دائماً سرمداً۔

حضرات گرامی! اس وقت ہم اور آپ آقائے نعمت، تاجدار اہلسنت، شہزادۂ اعلیحضرت، حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یادِ پاک میں شب بیداری کا ایک مقدس فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ وہ ذات جس نے ۹۲ سال تک سینکڑوں راتیں ہم پر قربان کی ہیں۔ ان کو جاننے والے جانتے ہیں کہ کبھی بھی انہوں نے دو تین گھنٹے سے زیادہ نیند نہیں فرمائی۔ پوری شب جاگتے رہے پورا دن جاگتے رہے۔ ان کے لئے رات کا ایک حصہ اگر آپ قربان کرینگے تو یہ کوئی بہت بڑا کارنامہ نہیں ہوگا۔

بہرکیف! آپ اب تک جاگتے ہیں اور جاگ رہے ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ حضور مفتی اعظم ہند کی دعوتی حیثیت کو اور تبلیغ اسلام میں ان کے دعوتی مقام کو آپ کے سامنے واضح کروں۔ تاکہ ان کی حیاتِ طیبہ کا یہ نمایاں گوشہ ہمارے سامنے ایک واضح اسٹیڈی (Study) اور مطالعے کے طور پر آسکے۔

تمہید کے لئے میں تھوڑی سی آپ کی توجہ ضرور چاہوں گا۔ تاکہ میں اپنے مفہوم کی وضاحت کے لئے ایک مقدمہ پیش کرسکوں جو بہت ضروری ہے۔

عزیزان ملتِ اسلامیہ! آپ اگر انسانیت کی تاریخ کا مطالعہ کریں، عالم انسانی کا مطالعہ کریں، ابنائے آدم کا مطالعہ کریں، اشرف المخلوقات کا مطالعہ کریں، اس قوم کا مطالعہ کریں، اس مخلوق کا مطالعہ کریں جس کے سر پر ”ولقد کرمنا بنی آدم“ کا تاجِ کرامت رکھا گیا ہے۔ اور جسے ”لقد خلقنا الإنسان فی أحسن تقویم“ سے نوازا گیا ہے۔ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انسان متغیر حالات سے دوچار ہوتا رہا ہے، حالات کے تغیر سے دوچار ہوتا رہا ہے، ماحول کے تھپیڑوں سے دوچار ہوتا رہا ہے، زمانے کے انقلابات سے دوچار ہوتا رہا ہے، حق و باطل کے ماحول سے دوچار ہوتا رہا ہے، خیر و شر کی راہوں سے گذرتا رہا ہے، عجیب عالم ہے خیر و شر کی دھوپ چھاؤں میں کبھی خیر غالب ہوتا رہا ہے، کبھی شر غالب ہوتا رہا ہے، کبھی برائیوں کا دور دورہ رہا ہے، کبھی عدالت و انصاف کا دور دورہ رہا ہے، کبھی ظلم کا غلبہ رہا ہے، کبھی رات کی تاریکی رہی ہے، کبھی دن کا اجالا رہا ہے، کبھی شام کی زلف رہی ہے،

اور کبھی صبح کی بادِ صبا رہی ہے، نسیم سحر رہی ہے، یہ انسان زندگی کی راہوں میں جب بھی گذرا ہے تو ان حالات سے اسے دوچار ہونا پڑا ہے، زندگی کی دھوپ چھاؤں میں انسان بدلتا رہا ہے، اقدار بدلتی رہی ہیں، ویلیوس (Value's) بدلتی رہی ہیں، زندگی بدلتی رہی ہے، زندگی کی قدریں بدلتی رہی ہیں، میادینِ حیات بدلتے رہے ہیں، نظام ہائے زندگی بدلتے رہے ہیں، آئینِ زندگی بدلتا رہا ہے، طرزِ زندگی بدلتا رہا ہے، حق کی ازلیت کے ساتھ ساتھ، حق کی ابدیت کے ساتھ ساتھ ہم نے یہ دیکھا ہے کہ باطل کبھی کبھی نئی شکل میں آتا ہے، نئے چہرے میں آتا ہے، اور پھر کوئی انقلاب برپا ہوتا ہے۔ صداقت کا انقلاب، حقانیت کا انقلاب، اور پھر حق کا چہرہ نمایاں ہوتا ہے، حق کا جلال ظاہر ہوتا ہے، حق کی صبح ظاہر ہوتی ہے، حق کا سپیدۂ سحر طلوع ہوتا ہے۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! دنیا میں جب بھی ظلم پھیلا ہے، جب بھی گناہ پھیلا ہے، جب بھی سرکشی پھیلی ہے، جب بھی طاغوت پھیلا ہے، جب بھی انسانیت رسوا ہوئی ہے، جب چہروں کا وقار لٹا ہے، جب بھی نگاہوں کی حیا فروخت کی گئی ہے، جب بھی ضمیروں کا سودا کیا گیا ہے، تو اللہ نے کسی پیغمبر کو مبعوث کیا ہے، اللہ نے کسی نبی کو مبعوث کیا ہے، اللہ نے کسی رسول کو مبعوث کیا ہے، میں عرض کرنا چاہتا ہوں، میں اگر تفصیل میں جاؤں تو اندھیروں کے مختلف نام دے سکتا ہوں، برائیوں کی مختلف توجیہ کر سکتا ہوں، مگر علم کی روشنی میں صرف ظلم بولوں گا، دنیا میں جب بھی ظلم پھیلا ہے تو کوئی نبی آیا ہے۔ میں ظلم اردو والا نہیں بول رہا ہوں، بلکہ عربی درسگاہوں میں جو پڑھایا جاتا ہے، وہ بول رہا ہوں ''الظلم۔ وضع الشیئ فی غیر محلہ،، ظلم کہتے ہیں کسی شئی کو اس کے مقام کے علاوہ کسی اور مقام پر رکھدینے کو۔ پیشانی کا مقام ہے کہ خدا کی بارگاہ میں جھکائی جائے۔ مگر جب اباطیل کے سامنے سجدہ کیا جائے، بتوں کے سامنے سجدہ کیا جائے، مظاہر فطرت کے سامنے سجدہ کیا جائے، نفع وضرر کے سامنے سجدہ کیا جائے، اقتدار کے سامنے سجدہ کیا جائے، کرسی کے سامنے سجدہ کیا جائے، اور درختوں کے سامنے سجدہ کیا جائے، شجر وحجر کے سامنے سجدہ کیا جائے، بحر وبر کے سامنے سجدہ کیا

جائے، جبال شامخہ کے سامنے سجدہ کیا جائے، ابھرتی ہوئی توانائیوں کے سامنے سجدہ کیا جائے، نفع کے سامنے سجدہ کیا جائے، نقصان کے سامنے سجدہ کیا جائے، جمال کے سامنے سجدہ کیا جائے، بدصورتی کے سامنے سجدہ کیا جائے۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں جب سجدے آوارہ ہونے لگیں تو یہ پیشانی کے اوپر ظلم ہے، انسانیت کے مقامِ عظمت پر ظلم ہے۔ انسانیت کے مقامِ کرامت پر ظلم ہے ''لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم،، کے منصب پر ظلم ہے، ظلم جب بھی پھیلتا ہے تو انسان فطرت سے ہٹ جاتا ہے، مقامِ فطرت سے ہٹ جاتا ہے، آئینِ فطرت سے ہٹ جاتا ہے، نظامِ فطرت سے ہٹ جاتا ہے، بغاوت کرتا ہے انسانی اقدار سے، انسانی حیات کی اعلیٰ ترین قدروں سے انحراف کرتا ہوا نظر آتا ہے جب بھی ظلم پھیلتا ہے تو اللہ کا نبی آتا ہے، جب بھی برائی پھیلتی ہے تو اللہ کا نبی آتا ہے، جب بھی بدکرداری پھیلتی ہے تو اللہ کا نبی آتا ہے، جب بھی کوئی گناہ پھیلتا ہے تو اللہ کا نبی آتا ہے، ماضی میں ہمیشہ ہوتا رہا ہے، خاتم النبیین کی حیاتِ طیبہ تک یہی ہوتا رہا ہے۔ کہ جب بھی ظلم پھیلا تو اللہ کا نبی آیا، جب بھی بیواؤں کی آہیں بلند ہوئیں تو اللہ کا نبی آیا، جب بھی مظلوموں کے نالوں نے بابِ اجابت الٰہی کو کھٹکھٹایا تو اللہ کا نبی آیا، جب بھی طبقاتی کشمکش میں انسانوں کو تباہ کیا گیا تو اللہ کا نبی آیا، جب بھی اقتدار کی رسی میں کمزوروں کو جکڑا گیا تو اللہ کا نبی آیا، اور جب بھی رنگوں کی بنیاد پر پیروں کو پابند سلاسل کیا گیا تو اللہ کا نبی آیا، اور جب بھی مدنیت پر وحشت نے اندھیرا ڈالا تو اللہ کا نبی آیا، اور جب بھی تمدن کی وادیوں میں جنگل کا قانون نافذ ہوا تو اللہ کا نبی آیا۔ اللہ کا نبی ظلم دور کرنے آتا ہے۔ اللہ کا نبی عدل کا مزاج قائم کرنے آتا ہے، اللہ کا نبی دنیا میں خیر کا نظام قائم کرنے آتا ہے، مگر جہاں تک میرا مطالعہ رہنمائی کرتا ہے، جہاں تک میرا اندازِ فکر رہنمائی کرتا ہے، جہاں تک میرا ذوقِ اسٹیڈی (Study) رہنمائی کرتا ہے، میں یہ کہنے میں باک محسوس نہیں کرونگا کہ اللہ کے پیغمبر ظلم کے آغاز میں نہیں آتے، بلکہ ظلم کی انتہا پر آتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قوموں میں ظلم موجود ہوتا ہے مگر ظلم کے ساتھ احساسِ ظلم موجود ہوتا ہے، برائیاں موجود

ہوتی ہیں مگر برائیوں کے ساتھ برائیوں کا احساس موجود ہوتا ہے، گناہ موجود ہوتے ہیں مگر گناہوں کے ساتھ گناہوں کا احساس موجود ہوتا ہے، سرکشی موجود ہوتی ہے مگر سرکشی کے ساتھ سرکشی کا احساس موجود ہوتا ہے، اور جب احساس موجود ہوتا ہے تو نبی جلوہ گر نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ نبی تو احساس کی زندگی کے لئے آتا ہے، احساس دینے کے لئے آتا ہے، شعور کی بالیدگی کے لئے آتا ہے، فکرِ نو دینے کے لئے آتا ہے، جب تک احساس موجود ہوتا ہے نبی نہیں آتا۔ مگر قوموں کی زندگی میں کبھی کبھی وہ مقام بڑا دردناک ہوتا ہے جب ظلم تو موجود ہوتا ہے مگر احساسِ ظلم فنا ہو جاتا ہے، برائیاں تو موجود ہوتی ہیں مگر برائیوں کا احساس فنا ہو جاتا ہے۔ جب تک احساس زندہ ہے انسانوں کے پلٹ آنے کے امکانات موجود ہوتے ہیں۔

کسی نے کی تھی سجدوں کی شکایت مدتیں گذریں
عرق آلودہ ہے اپنی جبینِ انفعال اب تک

قمر الزماں سے کسی نے اس کے ایک ناکردہ سجدے کی شکایت کی تھی۔ مگر جب بھی اسے اپنے ایک ناکردہ سجدے کا خیال آتا ہے تو پیشانی میں انفعال کے ہزاروں سجدے تڑپتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پتہ چلا اگر احساس زندہ ہے تو سجدہ نہ کرنے والا سجدے کی طرف مائل ہو سکتا ہے، گناہ کرنے والا گناہ سے توبہ کر سکتا ہے، مگر جب احساس فنا ہو جاتا ہے تو وہ داعیِ اندرون فنا ہو جاتا ہے، وہ محرک ضمیر فنا ہو جاتا ہے، وہ نفس لوامہ فنا ہو جاتا ہے، وہ خیر کی قوت فنا ہو جاتی ہے، وہ فطرتِ حق فنا ہو جاتی ہے، جو انسان کو نیکیوں کی طرف مائل کر سکے، جو انسان کو خیر کی طرف مائل کر سکے، جب نفس لوامہ مٹ جاتا ہے جب ملامت کرنے والا نفس مٹ جاتا ہے، تو اللہ کا پیغمبر جلوہ گر ہوتا ہے، اللہ کا نبی جلوہ گر ہوتا ہے، اللہ کا رسول جلوہ گر ہوتا ہے، دلوں کو زندگی دینے کے لئے آتا ہے، نفس لوامہ کو حیات دینے کے لئے آتا ہے، نفسِ مطمئنہ عطا کرنے کے لئے آتا ہے، نوید جنت دینے کے لئے آتا ہے، دامنِ رضائے الٰہی میں بسانے کے لئے آتا ہے، رضائے الٰہی دینے کے لئے آتا ہے، پیشانی کا مقام بلند کرنے کے لئے آتا ہے، نگاہوں کو عروج دینے کے لئے آتا ہے، چہروں کو حیا دینے کے لئے آتا ہے، ہاتھوں

کو تائیدِ حق کی قوت دینے کے لئے آتا ہے، پیروں کو صراطِ مستقیم دینے کے لئے آتا ہے، دلوں کو گنبدِ خضری کا جمال دینے کے لئے آتا ہے، اور دماغ کو فقہ و بصیرت کی صلاحیت دینے کے لئے آتا ہے، اللہ کا پیغمبر انسان کو انسان بنانے کے لئے آتا ہے۔

دلیلِ عظمتِ انسانیت ہیں
محمد مصطفیٰ انسانِ کامل
اجازت ہو تو شاہا پیش کردوں
میرے پہلو میں ہے ٹوٹا ہوا دل

چونکہ اللہ کا پیغمبر دلوں کو زندہ کرتا ہے۔ اس لئے دل اس کی ملکیت ہوتے ہیں ”من أحىٰ أرضا فهي له ،، جو کسی زمین کو زندہ کرتا ہے وہ زمین اس کی ملکیت ہوتی ہے۔ نبی دلوں کو زندہ کرتا ہے اس لئے دل نبی کی ملکیت ہوتے ہیں، اس لئے دلوں پہ نبی کا قبضہ ہوتا ہے، اس لئے دل اس کی بارگاہ میں جھکتے ہیں اس لئے دل اس کا احترام کرتے ہیں، اس لئے دل اس کی بارگاہ میں نذرانہ پیش کرتے ہیں، اس لئے اس کی بارگاہ میں خراجِ احترام پیش کرتے ہیں۔ سر خدا کی بارگاہ میں جھکتا ہے، دل مصطفیٰ کے آستانے پہ جھکتا ہے۔ سر خدا کی بندگی کے لئے ہے اور دل محبت کے لئے ہے۔ بندگی خدا کی کی جائے گی مگر محبت کسی جلوۂ جاناں سے کی جائے گی، کسی کعبۂ عقیدت سے کی جائے گی، کسی جنت نگاہ سے کی جائے گی، کسی خلدِ نظارہ سے کی جائے گی، کسی شہر آرزو سے کی جائے گی، کسی مرکزِ تمنا سے کی جائے گی، کسی کعبۂ اطاعت سے کی جائے گی، کسی قبلۂ انقیاد سے کی جائے گی، کسی خلدِ آرزو سے کی جائے گی، اور وہ محمد عربی ہیں۔ محبت کرنے کے لئے نگاہوں کی تسکین چاہئے خدا کو تو دیکھا نہیں جا سکتا ہے، مگر جلوۂ خدا کو دیکھا جا سکتا ہے، محبوب خدا کو دیکھا جا سکتا ہے، مظہر خدا کو دیکھا جا سکتا ہے، خدا کے نائبِ مطلق کو دیکھا جا سکتا ہے، اس کائنات میں خدا کے قانون کے نافذ کرنے والے کو دیکھا جا سکتا ہے۔ جسے دیکھا جائیگا دل اسی کے آستانے پہ جھکے گا۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ تم یہ تصور کرو کہ سر کے ساتھ ساتھ تم دل کو بھی اس اللہ کی بارگاہ میں جھکانے کی

صلاحیت رکھتے ہو، جسے تم دیکھ نہیں سکتے ہو۔ سجدہ اللہ کا کیا جائیگا اس لئے سر اس نے عطا فرمایا ہے، سودا بھی اسی کا ہوگا۔ مگر دل مصطفیٰ کی بارگاہ میں جھکے گا اس لئے دل کو زندہ انہوں نے کیا ہے۔ ملکیت اسی کی ہے، نذر بھی انہی کی ہوگی۔

میں فطرت کے بارے میں بول رہا ہوں، جب بھی انسان فطرت سے بغاوت کرتا ہے، تباہ کر دیا جاتا ہے۔ تم دیکھو مسلک اعلحضرت کے خلاف دنیا میں باطل قوتوں نے اپنی مسلح توانائیوں کے ساتھ کس قدر انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مگر اعلحضرت کا مسلک فطرتِ انسانی کا مسلک ہے، محبت کا مسلک خلوص کا مسلک ہے، احترام کا مسلک ہے، اس لئے بے سروسامانی کے عالم میں۔ ع

رکتا نہیں کسی سے سیل رواں ہمارا

بڑھتا جارہا ہے، چھاتا جارہا ہے، چمکتا جارہا ہے، غالب ہوتا جارہا ہے،

میں عرض کر رہا ہوں دنیا میں جب بھی ظلم پھیلتا ہے تو اللہ کا نبی آتا ہے برائیاں پھیلتی ہیں تو اللہ کا نبی آتا ہے، بیواؤں کے نالے بلند ہوتے ہیں تو اللہ کا نبی آتا ہے، یتیموں کی آہیں بابِ اجابتِ الٰہی کو کھٹکھٹاتی ہیں تو اللہ کا نبی آتا ہے، یہاں تک کہ سرور کائنات آخری نبی بن کے جلوہ گر ہوئے، ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا، ان کے بعد کوئی اور رسول نہیں آئے گا، ان کے بعد کوئی اور پیغمبر نہیں آئے گا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں قادیانی ذہن ٹھوکر دیتا ہے۔ قادیانی ذہن احساس کو اغوا کرنا چاہتا ہے اور ضمیر کو ہائی جیک کرنا چاہتا ہے اور فکر کو غلط راستے پر ڈالنا چاہتا ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالی کی مقدس سنت رہی ہے کہ دنیا میں جب بھی ظلم پھیلا تو اللہ کا نبی آیا۔ تو پھر سرورِ کائنات کے بعد نبی کیوں نہیں آئے گا؟ کیا دنیا سے ظلم کا خاتمہ ہوگیا ہے؟ کیا دنیا سے برائیوں کا خاتمہ ہوگیا ہے؟ کیا دنیا سے بدکرداریوں کا خاتمہ ہوگیا ہے؟ کیا دنیا سے گناہوں کا خاتمہ ہوگیا ہے؟ کیا سجدے آج بھی آوارہ نہیں ہیں؟ کیا نگاہیں آج بھی رسوا نہیں ہیں؟ کیا ضمیروں کا سودا آج بھی نہیں کیا جارہا ہے؟ کیا انسانیت آج بھی ماتم نہیں کر رہی ہے؟ کیا نگاہ آج بھی آوارہ نہیں ہے؟ اگر ظلم آج بھی موجود ہے تو نبی آج بھی آنا چاہئے۔

یہ ایک قادیانی ہے وہ جو بولتا ہے۔ مگر میں عرض کرنا چاہتا ہوں، کہ تم نے آدم کی نبوت اور مصطفیٰ کی نبوت کے فرق کو نہیں سمجھا ہے، تم نے مسیح کی نبوت اور مصطفیٰ کی نبوت کے فرق کو نہیں سمجھا ہے۔ اور ظالمو! تم نے موسیٰ کی نبوت اور مصطفیٰ کی نبوت کے فرق کو نہیں سمجھا ہے، تم نے داؤد کی نبوت اور مصطفیٰ کی نبوت کے فرق کو نہیں سمجھا ہے۔ آدم سے لیکے محمد عربی تک نبی آتے رہے سیرتیں بدلتی رہیں، نبی آتے رہے کردار بدلتے رہے، نبی آتے رہے، کتابیں بدلتی رہیں، نبی آتے رہے قانون بدلتا رہا، توریت بدل دی گئی اس لئے کہ نبی آنے والا تھا، زبور بدل دی گئی اس لئے کے نبی آنے والا تھا، انجیل بدل دی گئی اس لئے کہ نبی آنے والا تھا، سیرتِ عیسیٰ محفوظ نہیں رہی اس لئے کہ نبی آنے والا تھا، سیرتِ موسیٰ محفوظ نہیں رہی اس لئے کہ نبی آنے والا تھا، کردارِ داؤد تاریخ کے اوراق میں محفوظ نہیں رہا اس لئے کہ نبی آنے والا تھا، مگر میرے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا تھا اس لئے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لے لیا۔ اے محبوب! نہ تمہاری کتاب بدلی جائیگی نہ کوئی نبی آئے گا۔ اور حفاظت کا ذمہ بھی کس طرح سے لیا ایک مستقل ٹاپک ہے۔ اگر میں حفاظت کے وسیع موضوع کو پھیلاؤں تو یقیناً شبہا گذر جائیں، مہینے گذر جائیں، میں صرف ایک انداز دینا چاہوں گا۔ توریت کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے نہیں لیا، قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا، توریت کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا، زبور کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا، مگر آخری کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیا اور یہ کہہ کر کہ لیا "اِنـا نحن نزلنا الذکر واِنا له لحافظون،، (پ۱۴، ع۱، سورہ حجر، آیت ۹) ہم نے ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ الحمد کے الف سے لے کر والناس کی سین تک تم قرآن کی ہر ہر آیتِ کریمہ کو پڑھ جاؤ جتنی تاکیدیں اور جلالِ کلام اس آیت کریمہ میں شامل کر دیا گیا ہے کہیں اور تم کو نہ ملے گا۔ "اِنَّـــا،، بلاشبہ ہم نے، جمع کا صیغہ استعمال کر رہا ہے، مشیت اپنی قدرت کو ظاہر کر رہی ہے، مشیت اپنی احاطۂ کائنات کی حیثیت کو ظاہر کر رہی ہے کہ میں نے کائنات کے ذرّے ذرّے کا احاطہ کیا ہے۔ "انـا نـحن،، یہاں بھی جمع کا صیغہ استعمال کیا جارہا ہے انا بھی تاکید کے لئے ہے اور نحن بھی

تاکید کے لئے ہے" نـزلـنـا،، بابِ تنزیل سے ہے یہ خود مستقل تاکید ہے۔مگر جمع کا صیغہ یہاں بھی استعمال کیا جارہا ہے" الذکر،، معرفہ قرار دیا جارہا ہے۔یہ الف لام بھی تاکید پیدا کرتا ہوا نظر آتا ہے" وانا،، پھر تاکید استعمال کی جارہی ہے" لہ،، پھر تاکید ہے" لحافظون،، پھر تاکید ہے۔

میں دنیا کے ادب کو، لٹریچر کو چیلنج کرکے کہہ سکتا ہوں، میں دنیا کے مطالعے کو چیلنج کرسکتا ہوں کہ ایک دو جملے کے اندر اتنی تاکید اگر جمع کردی جائے تو کلام غیر بلیغ ہوجائیگا۔مگر قربان ہوجایئے۔تاکیدات جمع ہورہی ہیں۔اور کلام کی بلاغت بڑھتی جارہی ہے۔وزن بڑھتا جارہا ہے وقار بڑھتا جارہا ہے۔تمکنت اور شوکت بڑھتی جارہی ہے۔ہم نے یقیناً ہم ہی نے قرآن کوالبتہ ہم ہی نے نازل کیا ہے اور بلاشبہ ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

عجیب بات ہے، سینوں سے حفاظت ہونے والی تھی۔اس لئے" لحافظون،، فرمانے والا اشارہ فرمارہا ہے، کہ ہم قرآن کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور جو قرآن اپنے سینے میں محفوظ رکھے گا، اسے بھی کائنات حافظ ہی کا نام دے گی، اس لئے کہ ہم قرآن کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

عزیزان ملت اسلامیہ! پھر یہ بھی فرمایا گیا، یہ مت سمجھ لو کہ قرآن کی تم تحریفِ معنوی کرلوگے۔باطل آگے سے آسکے گا نہ پیچھے سے آسکے گا۔عزیزانِ ملت اسلامیہ! قرآن کے بارے میں یہ کیوں فرمایا گیا اس لئے کے موسیٰ کی کتاب بدلی گئی تو انجیل کا انتظار ہورہا تھا، داؤد کی کتاب بدلی گئی تو انجیل کا انتظار ہورہا تھا۔مگر محمدِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبین ہیں۔ان کی کتاب نہیں بدلی جائے گی۔اس لئے کہ اب کوئی کتاب نازل ہونے والی نہیں ہے اب کوئی پیغمبر آنے والا نہیں ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں ذرا سوچو! کوئی پیغمبر تمہیں ایسا نہیں ملے گا جس کی زندگی کو اللہ اکبر سو سال کے اندر بدل نہ دیا گیا ہو۔مگر یہاں سرور کائنات ہیں، یہاں مصطفیٰ ہیں جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ محفوظ ہے، ایک ایک گوشہ محفوظ ہے، ایک ایک

سانحہ محفوظ ہے، ایک ایک حرکت محفوظ ہے، ایک ایک ادا محفوظ ہے، ایک ایک تیور محفوظ ہے۔ سرکار چلے ہیں تو صحابہ پکار اٹھے ہیں" فذهب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم،، سرکار بیٹھے ہیں تو صحابہ پکار اٹھے ہیں" فجلس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم،، سرکار کھڑے ہوئے ہیں تو صحابہ پکار اٹھے ہیں" فقام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم،، سرکار سوئے ہیں تو صحابہ پکار اٹھے ہیں" فنام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم،، سرکار نے تبسم فرمایا ہے تو صحابہ پکار اٹھے" فتبسم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم،، سرکار نے غضب فرمایا ہے تو صحابہ پکار اٹھے" فغضب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم،، یہ اداؤں کا تذکرہ کیوں ہورہا ہے؟ دنیا کے بڑے بڑے ریفارمرس (Reformers) کو دیکھو، زندگی کے مین ایونٹ (Main Event) کا تذکرہ ملے گا تمہیں، زندگی کے مین واقعات کا تذکرہ ملے گا، مگر سرکار کی ادائیں بھی محفوظ کرلی گئیں ہیں، سرکار کے چہرے کو محفوظ کرلیا گیا ہے۔تاکہ تم قرآن کو سمجھو تو سرکار کے چہرے میں سمجھو، سرکار کے مقدس مزاج سے سمجھو، ان کے تبسم پنہاں سے سمجھو، ان کے غضبِ ناز سے سمجھو، ان کے چہرے کے تیور سے سمجھو، ان کی پیشانی کی لکیروں سے سمجھو، ماحول بتارہا ہو قرآن کا مفہوم کیا ہے؟ انداز بتارہا ہو حدیث کیا کہہ رہی ہے؟

عزیزان ملت اسلامیہ! قابل احترام بزرگو اور دوستو! حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کی حفاظت کرنے والے بھی جو لوگ ہیں اللہ اکبر! تم تاریخ نگاروں کو دیکھو۔دنیا کے تمام ہسٹری نگاروں کو دیکھو۔تمہیں معلوم ہوگا تاریخ نگار کا کیرکٹر (Character) محفوظ نہیں ہوتا، ایک تاریخ نگار کا تواتر محفوظ نہیں ہوتا، تاریخ نگار کا تسلسل محفوظ نہیں ہوتا، ایک تاریخ نگار کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ سچائی کے نقطۂ انتہاء پر ہے۔یہ جس سے روایت کررہا ہے اس سے ملا بھی ہے۔اور جس زمانے کو دیکھ رہا ہے لکھ رہا ہے اس کے بارے میں اس زمانے کو اس نے مشاہدہ بھی کیا ہے؟

تاریخ کے بارے میں ابن خلدون کو دیکھو، محی الدین خیاط کو دیکھو، جنہوں نے مآخذ

تاریخ پر بحث کی ہے تو معلوم ہوگا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ تاریخ کا پتہ روایات سے لگایا جاتا ہے، کسب سے لگایا جاتا ہے پتھروں کے کتبوں سے لگایا جاتا ہے، اساطیر سے لگایا جاتا ہے، کھدائی کرکے لگایا جاتا ہے، حکایات سے لگایا جاتا ہے، چمڑوں کی تحریروں سے لگایا جاتا ہے، یہ تو تاریخ کے مآخذ ہیں، جہاں تاریخ بنتی ہے۔ تاریخ ظن ہے، تاریخ قیاس ہے، تاریخ محض فکر کا نام ہے، تاریخ کچھ گمشدہ کڑیوں کے انسانی فکر کے مطابق جوڑنے کا نام ہے۔

مگر حدیث تسلسل کا نام ہے، حدیث صداقت کا نام ہے۔ حدیث کا عالم یہ ہے کہ ہر راوئ حدیث کی زبان محفوظ ہوتی ہے، ہر راوئ حدیث کا لہجہ محفوظ ہوتا ہے، ہر راوئ حدیث کی صداقت محفوظ ہوتی ہے۔ اگر کسی نے زندگی میں ایک مرتبہ بھی اتہام کذب سے متھم ہوا ہو، تو زندگی بھر متھم بالکذب کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ حدیث کا مزاج ہے۔ اور سرکار کی زندگی کی روایتِ حدیث کر رہی ہے۔ تاریخیں اسی حدیث کو نقل کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ دنیا کی روایت تاریخ سے ہوتی ہے۔ مگر حیاتِ مصطفیٰ کی روایت حدیث سے ہوتی ہے۔

کیوں؟ قرآن اس لئے بچایا گیا کہ قرآن کی ضرورت قیامت تک تھی۔ اور نبی کی زندگی اس لئے بچائی گئی کہ نبی خاتم النبیین بن کر کے آئے تھے۔ ان کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں تھا۔ اب قانون بھی موجود ہے اور مصطفیٰ کی زندگی بھی موجود ہے۔ قانون کی آفاقیت پر گفتگو کرنا ہوتا تو میں بتاتا کہ یہ قانون ہر دور کے لئے ہے، یہ قانون ہر عصر کے لئے ہے، یہ قانون ہر زمانے کے لئے ہے۔ اب کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ نہ کتاب بدلی گئی ہے نہ نبی کی زندگی بدلی گئی ہے۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں جب تک انبیاء کرام کی زندگیاں تاریخ کے اوراق میں نبی کی زندگیاں گم ہوتی رہیں نبی آتا رہا۔ مگر میرے نبی کی زندگی زندہ ہے، ان کی کتاب زندہ ہے، ان کا آئین زندہ ہے، ان کا نظام زندہ ہے، ہمارا خدا زندہ ہے، ہمارا نبی زندہ ہے، ہماری کتاب زندہ ہے، ہمارا آئین زندہ ہے، ایک زندہ نبی کی موجودگی میں کوئی اور نبی کیسے ہو سکتا ہے؟

پھر ہم کیوں زندہ نہیں ہیں؟ زندہ ہیں یا سو گئے ہیں! اگر سو نہ گئے ہوتے تو بہت

کامیاب ہوتے۔ سوجانے والے اور مرجانے والے میں یہ فرق ہوتا ہے کہ سوجانے والے کو جگایا جائے تو جاگ جاتا ہے۔ مرجانے والے کو جگایا جائے تو نہیں جاگتا۔ ہم مرے نہیں ہیں ہم سو گئے ہیں۔ قیامتیں جگا رہی ہیں، حوادث جگا رہے ہیں، انقلابات جگا رہے ہیں، اور جب جاگ جائیں گے تو دنیا پر غالب آئیں گے اسلام پھر سربلند ہوگا۔

خدائے حی وقیوم کے بندے مردہ نہیں ہو سکتے۔ اور زندہ رسول کے غلام مردہ نہیں ہو سکتے۔ سو گئے ہیں جاگ جاؤ، جاگ جاؤ، جاگ رہے ہو؟ ذرا پیچھے دیکھو، کوئی سوتو نہیں رہا ہے؟ یقیناً نہیں سو رہے ہوں گے۔ ایک زندہ رسول کے امتی یقیناً غالب ہو جائیں گے۔ بشرطیکہ جاگ جائیں۔ ہم زندہ ہیں۔ ہماری کتاب زندہ ہے، ہمارا خدا زندہ ہے، ہمارے رسول کی زندگی زندہ ہے، ان کا ایک ایک لمحہ زندہ ہے۔ ہاں مگر یہاں ایک بات ضرور ہے قرآن بھی موجود ہے نبی کی زندگی بھی موجود ہے۔ اب کس بات کی ضرورت ہے کہ نظامِ مصطفیٰ کو آگے بڑھایا جا سکے؟

تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں اور انبیاء کے ماننے والوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ تم میرے نبی کی زندگی کو لیکے آگے بڑھ سکو۔ مگر مصطفیٰ کے ماننے والوں کو حکم دیا گیا کہ چونکہ میرے نبی کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ اس لئے نہ کوئی ظلی نبی ہوگا۔ سنو! کوئی نبی تو نہیں آئے گا۔ مگر غلام مصطفیٰ کے نام سے کوئی مصطفیٰ رضا ہوگا، وارث نبی کے نام سے کوئی مفتی اعظم ہوگا، جو چلے گا تو باندازِ مصطفیٰ چلے گا، بیٹھے گا تو بانداز حدیث بیٹھے گا، اٹھے گا تو باندازِ حدیث اٹھے گا، سوئے گا تو بانداز حدیث سوئے گا، کھولے گا نگاہیں تو باندازِ حدیث نگاہیں کھولے گا، بولے گا تو باندازِ حدیث بولے گا، چہرے پہ حدیث کا سویرا ہوگا، سر پہ حدیث کا عمامہ ہوگا، قدم حدیث کی شاہراہوں پہ چل رہا ہوگا، زندگی حدیث کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوگی۔ سمجھ جائیگا کہ رضائے مصطفیٰ حدیثِ مصطفیٰ کے مطابق قدم اٹھا رہا ہے، حدیثِ مصطفیٰ کے مطابق بول رہا ہے، حدیثِ مصطفیٰ کے مطابق چل رہا ہے۔ مفتی اعظم ہند کی زندگی کا جائزہ لو، ان کی حیاتِ طیبہ کا جائزہ لو، تمہیں معلوم ہوگا کہ نظامِ مصطفیٰ کو آگے بڑھانے کی ایک

کڑی کے طور پر انہیں منتخب کیا گیا ہے، چونکہ نبی نہیں آئے گا اس لئے نبی کا کوئی وارث ہوگا جو مصطفیٰ کے نظام کو آگے بڑھائے گا۔

حضرت مفتی اعظم ہند کی کرامتیں ہوں، ان کی زندگی کی عظمتیں ہوں، یہ محض اس لئے نہیں ہیں کہ ہم دل خوش کرلیں۔ ہمارا پیر کتنا شاندار ہے، ہمارا پیر کتنا بلند ہے، نہیں نہیں! وہ تو اس لئے کہ ہم دیکھ سکیں کہ پروردگار عالم نے اپنے نبی کے دین کو آگے بڑھانے کے لئے اپنے نبی کی حیات کے ماننے والوں کو کتنا عظیم بنادیا ہے، کتنا مبارک بنادیا ہے، کتنا مقدس بنادیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات سمجھنے والے کتابوں میں پڑھ سکتے ہیں، حدیثوں میں پڑھ سکتے ہیں، مگر کتابیں پڑھنے والے کتنے ہیں؟ حدیث پڑھنے والے کتنے ہیں؟ مجھے بتاؤ! مسلمانوں میں آبادی میں تناسبِ خواندگی کتنا ہے؟

میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ برصغیر میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب خواندگی کے اعتبار سے، تعلیم کے اعتبار سے بہت کم ہے۔ حتیٰ کہ یہاں کی سب سے پچھڑی ہوئی قوم ہریجنوں سے بھی مسلمانوں کی پڑھائی کا تناسب کم ہے۔ میں تمہیں یہ بتادینا چاہتا ہوں یہ بہت بڑا حادثہ ہے جس سے تم دوچار ہورہے ہو۔ تعلیم تو تیس فیصد بھی نہیں ہے، تعلیم تو چالیس فیصد بھی نہیں ہے۔ حدیثِ مصطفیٰ کیسے سمجھوگے؟ قانونِ مصطفیٰ کیسے سمجھوگے؟ نظام مصطفیٰ کیسے سمجھوگے؟ آئینِ مصطفیٰ کیسے سمجھوگے؟

سنو! اگر تم حدیث مصطفےٰ نہیں سمجھ سکتے تو مصطفیٰ رضا کو دیکھو حدیث سمجھ میں آئے گی، وہ بیٹھیں گے تو حدیث سمجھ میں آئے گی، وہ بولیں گے تو حدیث سمجھ میں آئے گی، وہ چلیں گے تو حدیث سمجھ میں آئے گی۔ انہیں تو دراصل حدیثِ مجسم بنادیا گیا ہے۔ عشقِ مصطفیٰ اور حدیث مصطفیٰ مجسم ہوجائیں تو مصطفیٰ رضا بن جاتے ہیں۔

مجھے یہ سعادت حاصل ہے کہ

نسبت ذرہ بخورشید جہاں تابے است

مجھے یہ سعادت حاصل ہیکہ میں نے سینکڑوں جلسوں میں سرکار مفتی اعظم ہندکی

موجودگی میں خطاب کیا ہے۔ میں نے مہینوں ان کیساتھ سفر کیا ہے۔ میرے محسن گرامی وقار حضرت علامہ مفتی غلام محمد صاحب قبلہ موجود ہیں۔ سال میں دو تین مہینے حضور مفتی اعظم ہند کے ساتھ سفر کرنے کے لئے فراہم کردیا کرتے تھے۔ میں نے ابھی ان کا شکریہ ادا کیا ہے۔ کہ آپ نے حضور مفتی اعظم ہند کے مطالعہ کا موقع جو مجھے عطا فرمایا ہے۔ نہ میری درسگاہوں نے مجھ پہ یہ احسان کیا ہے اور نہ زندگی کے میدان کی درسگاہوں نے مجھ پہ یہ احسان کیا ہے۔ میں نے ایک عارف باللہ کو دیکھا ہے، میں نے اللہ کے ایک ولی کو دیکھا ہے، میں نے ایک مرکز روحانی کو دیکھا ہے، میں نے روحانیین کے تاجدار کو دیکھا ہے، میں نے ایک صاحبِ مشاہدہ کو دیکھا ہے، میں نے ایک صاحبِ نظر کو دیکھا ہے، میں نے ایک متبع سنت کو دیکھا ہے، میں نے ایک ایسی ذات کو دیکھا ہے کہ

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

میں نے عرب وعجم کا مطالعہ کیا ہے، مصر وشام کی آبادیوں کو دیکھا ہے، دنیا بھر کی اسلامی درسگاہوں کو دیکھا ہے، مگر مفتی اعظم ہند مجھے کہیں نظر نہیں آیا۔ قلم فتوی دیتا ہے، مگر کردار بغاوت کرتا ہوا نظر آتا ہے، قلم سے آج بھی فتوے سرزد ہوتے ہیں، مراقش کے دارالافتاء سے بھی، مصر کے دارالافتاء سے بھی، شام کے دارالافتاء سے بھی، لیکن جن کے ہاتھوں میں فتوے کا قلم ہوتا ہے ان کی زندگی خود فتوے کے خلاف ہوتی ہے۔ نہ چہرہ شریعت کے مطابق ہوتا ہے نہ لباس شریعت کے مطابق ہوتا ہے۔ مگر یہ مفتی اعظم ہیں۔ جو نوک قلم سے لکھ رہے ہیں وہی زندگی سے چھلک رہا ہے، جو بولتے ہیں وہی پیمانہ زندگی سے پلا رہے ہیں، جو کہتے ہیں وہی نگاہیں دے بھی رہی ہیں۔ عجیب زندگی ہے مفتی اعظم ہند کی۔ تم تلاش کرڈالو۔ بڑے بڑے اکابر علماء بیٹھے ہوئے ہیں۔ مفتی اعظم ہند کی محبت کی عصبیت کے حوالے کو میں نکال کے کہوں گا یہ قسم کھاکے بتائیں کہ زندگی میں کوئی لمحہ سنت سے ہٹا ہوا دیکھا ہے انہوں نے؟ زندگی میں کوئی لمحہ شریعت سے ہٹا دیکھا ہے انہوں نے؟ زندگی میں کوئی

سانس شریعت سے ہٹی ہوئی دیکھی ہے؟ تم نے ان کا سونا دیکھا ہوگا تم نے ان کا بیٹھنا دیکھا ہوگا، تم نے ان کا اٹھنا دیکھا ہوگا۔ میں کسی ماضی کی بات نہیں کر رہا ہوں جو بہت پرانا ماضی ہو۔ میں اس حال کی بات کر رہا ہوں جو ابھی کل تک ہمیں بے حال کر رہا تھا اور صبح قیامت تک مدہوش کر کے بے حال کرتا رہے گا۔ میں اس حال کی بات کر رہا ہوں، میں کل کی بات کر رہا ہوں۔ ابھی چند سالوں پہلے کی بات کر رہا ہوں۔ مفتی اعظم ہند کو تم نے دیکھا ہوگا۔ زندگی کا کوئی لمحہ شریعت سے ہٹا ہو بتاؤ۔ تم مفتی اعظم کی بات کر رہے ہو۔ لوگ جانبداری کا مطالبہ کرتے ہیں آج دنیا کا مزاج یہ ہے کہ اپنے کی بات ہو تو فتوی نہ دیا جائے۔ غیروں کی بات ہو تو فتوی دیدیا جائے۔ سعودی عرب کا مفتی بادشاہوں کے سر کو قلم نہیں کرتا، غریبوں کے سر کو قلم کروا رہا ہے، سعودی عرب کا مفتی شرابیوں پہ کوڑے لگوا رہا ہے۔ لیکن فہد جیسے ظالم پر کوئی نہیں کوڑے لگوا رہا ہے، سعوی عرب کا مفتی لوگوں کا ہاتھ کٹوا رہا ہے، مگر ان چوروں کا ہاتھ نہیں کٹوا رہا ہے جو پوری دنیا میں ملتِ اسلامیہ کا خزانہ منتقل کر رہے ہیں، جو اسپین میں شراب خانے خرید رہے ہیں، جو مصر میں شراب خانے خرید رہے ہیں، جو انگلستان میں شراب خانے خرید رہے ہیں، جو بڑے بڑے جوا خانے خرید رہے ہیں، جوا اور شراب پہ پابندی لگوانے والا سعودی مفتی نہ فہد کے جواری پن کو دیکھ رہا ہے، نہ اس کے بیٹوں اور بھتیجوں کے شرابی پن کو دیکھ رہا ہے۔ اس لئے کہ وہاں تو فتوی غریبوں پہ لگایا جاتا ہے۔ مگر یہ مفتی اعظم ہند کا خانوادہ ہے کہ بھتیجے کا معاملہ ہوا ہے تو بھی فتوی لگا دیا گیا ہے۔

میں اس چچا کا بھی احترام کروں گا جس نے اپنے بھتیجے کو شریعت کے سلسلے میں ماخوذ کیا ہے ابھی اور میں اس بھتیجے کا بھی قدم چوموں گا جس نے اپنے فیصلے کو تسلیم کیا ہے۔ یہ مفتی اعظم کا آستانہ ہے کسی اور جگہ یہ حق گوئی نہیں ملے گی۔ یہ کلام حق نہیں ملے گا۔ کہ اگر ایمرجنسی کا معاملہ ہے، تو حکومت کے خلاف بول رہے ہیں۔ اور اگر بھتیجے کا معاملہ ہے تو شریعت کا حکم نافذ کیا جا رہا ہے۔ خدا اس مزاج کو صبح قیامت تک زندہ رکھے یہ مزاج ہمارا امتیاز ہے۔ یہ مزاج ہماری خصوصیت ہے۔

میرے دوستو! تم نے اس واقعہ کو نہ معلوم کس نگاہ سے دیکھا ہوگا۔ مگر میں جب تک بیٹھا رہا ہوں روتا رہا ہوں۔ اس لئے کہ بریلی کو میں نے مشاہدہ کیا ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! میں نے دیکھا ہے کہ جہاں جو حق ہوتا ہے وہ ہر ایک کے سامنے کہا جاتا ہے، ہر ایک کی موجودگی میں کہا جاتا ہے۔ اسمیں اپنے کا بھی امتیاز نہیں ہوتا، اور پرائے کا امتیاز نہیں ہوتا۔ یہی تو میرے سرکار نے فرمایا تھا۔ ’’لو سرقت فاطمة بنت محمد لقطعت يدها،، اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ اس لئے کہ میں بنی اسرائیل کے لوگوں کی طرح نہیں ہوتا کہ بڑوں کو سزا سے مستثنی کیا جاتا تھا اور چھوٹوں پر احکامات جاری کئے جاتے تھے۔

عزیزان ملتِ اسلامیہ! قابل احترام بزرگو اور دوستو! تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں ذرا سوچو ذرا غور کرو یہ مفتی اعظم ہند ہیں ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ شریعت کے مطابق ہے، مفتی اعظم ہند نے حقائقِ شریعت کا مشاہدہ کرا دیا ہے۔

جہاں علم تھک کے بیٹھ جاتا ہے وہاں ولی کی قوت مشاہدہ ساتھ دیتی ہے۔ میں ایک سچی بات کہوں سنو گے؟ غور سے سنو! سرکار نے فرمایا ’’صدق نجات دیتا ہے جھوٹ ہلاک کرتی ہے،، سرکار نے فرمایا سچا کامیاب ہوتا ہے، جھوٹا ناکام ہوتا ہے۔ آج دنیا بھر میں یہ جھوٹ کہا جا رہا ہے۔ مولانا! آج سچائی کی دنیا نہیں ہے۔ مولانا! آج جھوٹ کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ مولانا! آج فریب کے بغیر کام نہیں چل سکتا، یہ سیاست تو فریب کا نام ہے۔ یہ دنیا تو جھوٹ کی بنیاد پہ بنائی جا سکتی ہے۔ سچا مگر کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟ مفتی اعظم ہند نے سرکار کی حدیث کو دنیا بھر میں ثابت کیا ہے کہ ہمیشہ سچ بولتے رہیں۔ دنیا ان کے قدموں میں جھکتی رہی ہے۔ دنیا ان کا احترام کرتی رہی ہے، دنیا ان کی عظمت کو تسلیم کرتی رہی ہے، ان کی زندگی بتاتی تھی کہ میں حدیثِ مصطفیٰ کا ثبوت ہوں مجھے دیکھو کہ میں سچ بول رہا ہوں اور دنیا مجھے احترام کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے۔

یہی حضرت علامہ اختر رضا ہیں۔ یہاں کے ایک ڈاکٹر بشیر احمد صاحب نے کہا میں

نے ٹائی کھول دی۔ یہ تو ہندوستان کی وادیوں میں پلے بڑھے ہیں۔ ڈاکٹر بشیر احمد جو ہمارے بڑے اچھے ساتھی ہیں۔ مانچسٹر میں رہتے ہیں۔ اور بہت اچھے مقرر ہیں تقریباً ہرٹا پک پر بولتے ہیں۔ انہوں نے بھی ٹائی باندھ رکھی تھی۔ حضرت نے ٹائی پکڑ کے کہا ڈاکٹر صاحب یہ جائز نہیں ہے۔ وہاں ٹائی باندھ کے ہاسپٹل میں بیٹھنا ہاسپٹل کے آداب میں ہے مگر بشیر احمد نے اس وقت سے لے کر آج تک کئی سال ہو گئے ہیں ٹائی پھر نہیں باندھی۔

تم واقعات کی دنیا میں دیکھو گے۔ میں نے کبھی کرامتوں کا زیادہ تذکرہ نہیں کیا۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

لیکن میں نے مادی دنیا کا مطالعہ کیا ہے، اسباب کی دنیا کا مطالعہ کیا ہے، وسائل کی دنیا کا مطالعہ کیا ہے، اعلیٰ حضرت اور ان کا خانوادہ دنیا کی رہنمائی کر رہا ہے۔

ہوسٹن میں ایک خاندان ہے۔ پتہ سعید بھائی سے لے لینا، میں نے ان کو لکھوا دیا ہے، سعید بیگ صاحب ان کا بھی نام ہے اتفاق سے، جو وہاں رہتے ہیں۔ ایک بہت بڑے کاروباری ہیں، مجھے انہوں نے سیرت کے جلسے میں دعوت دی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ بھائی سعید! اس مادی دنیا میں جہاں ہر آدمی دولت کے لئے دوڑ رہا ہے امریکہ میں، بیوی بھی کام کر رہی ہے، شوہر بھی کام کر رہا ہے، بیٹا بھی کر رہا ہے، کسی کو کسی کی خبر نہیں، یہ مولویوں سے کیسے محبت ہو گئی آپ جیسے لوگوں کو؟ یہ سیرت کے جلسے آپ کروا رہے ہیں؟ کم از کم امریکہ کی چار ریاستوں میں آپ کا کاروبار پھیلا ہوا ہے اور آپ سیرت کے جلسے کروا رہے ہیں۔ یہاں کا تو یہ عالم ہے کہ ذرا سی چربی جمع ہوئی جسم پر تو دین کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور مولویت کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور آپ سیرت کے جلسے کروا رہے ہو؟ قمر الزماں اعظمی کو بلوایا ہے آپ نے؟ رونے لگے سعید بیگ صاحب اور کہا مولانا، میں بریلی کا رہنے والا ہوں، لیکن بریلی میں نے دیکھا نہیں ہے، میرے باپ دادا بریلی میں رہتے تھے۔ تقسیم سے پہلے ہی پاکستان منتقل ہو گئے تھے میں پاکستان میں پیدا ہوا ہوں، ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ جلوہ گر

ہیں، میری ماں بھی انتقال کر گئی ہیں۔ خواب میں بزرگ تشریف لائے ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں سعید! تمہیں تو ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ میں نے ماں سے پوچھا امی یہ کون ہیں؟ تو خواب میں وہ بتاتی ہیں بیٹا یہ اعلیٰحضرت ہیں۔

میں جب اس واقعہ کو بیان کرتا ہوں تو آنکھیں چھلک جاتی ہیں، نام مجھ سے لے لو پتہ مجھ سے لے لو۔ سعید کو فون کرو فوراً ہی رابطہ ہو جائے گا۔ بیٹا یہ اعلیٰحضرت ہیں اور تمہیں معلوم نہیں ہے تم لوگ پاکستان چلے گئے تھے۔ ان سے ہمارا دور کا رشتہ بھی ہے۔ صبح کو اٹھے بچوں کو نماز کے لئے تیار کیا۔ اس کے بعد سے پورے گھر کو نماز کا پابند بنایا۔ اور کہا آج تک اعلیٰحضرت کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ اس زمانے سے لے کر آج تک پورا گھرانہ مولوی ہو گیا ہے۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ جو شیخ گرامی وقار اپنے خاندان اور دوسرے افراد کو مرنے کے بعد بھی امریکہ کی وادیوں میں پہونچ کر روحانی طور پر زندگی دے رہا ہے کیا وہ ہماری رہنمائی نہیں کر سکتا ہے؟ .... میں نے اس واقعے کے بعد ایک پورا مقالہ لکھا ہے، اس کا ٹاپک ہے امام احمد رضا اِن امریکہ (Imam Ahmed Raza in America) اور میں اس پورے واقعہ کو سعید بھائی کے حوالہ سے لکھا ہے اور میں نے کہا ہے کہ یہ دیکھئے کہ زندگیوں میں کتنا حیرت انگیز انقلاب روحانی طور پر پیدا ہوتا ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں زمانہ ہوا اس وادی سے نکل چکا ہوں۔ میرے سامنے برطانیہ اور یورپ میں بہت بنیادی مسائل ہیں۔ نماز کیسے پڑھائی جائے اور بچوں کو کیسے پڑھایا جائے؟ اس لئے کہ اسلام وہاں از سر نو اسٹیبلیش (Stablish) ہو رہا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ قانون کسے کہتے ہیں؟ اس لئے کہ میں نے اپنے اکابرین کی جوتیاں سیدھی کی ہیں۔ میں نے سچے دل سے پڑھنے کی کوشش کی ہے، جانتا ہوں۔ آپ اچھی جانتے ہیں کہ آج لاء (Law) مختلف شعبوں میں بٹا ہوا ہے۔ یہ کریمنل لاء (Criminal Law) ہے یہ شوشل لاء (Social Law) ہے، یہ زمین سے متعلق قوانین ہیں۔ یہ آئینی قوانین ہیں یہ پرسنل قوانین ہیں آپ دیکھتے

ہیں۔ اور ہر وکیل ہر لاء کا ماہر نہیں ہوتا۔ اسے لاء کے میدان میں کسی ایک ٹاپک کو چننا پڑتا ہے اور اسی میدان میں پریکٹیس (Practice) کرتا ہے۔ مگر اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے جہاں قانونی حیثیتوں سے شوشل لاء بھی ہے کریمنل لاء (Criminal Law) بھی ہے، پرسنل لاء (Personal Law) بھی ہے۔ یہ معاشرتی قوانین بھی ہیں، اراضی کے قوانین بھی ہیں، زندگی کے تمام قوانین ہیں۔ اور تنہا مفتی اعظم ہیں۔ دس دس لکھنے والے بیٹھے ہیں۔ ایک کو اراضی کا مسئلہ لکھوار ہے ہیں، ایک کو نسب کا مسئلہ لکھوار ہے ہیں، ایک کو رضاعت کا مسئلہ لکھوار ہے ہیں، ایک کو دراصل تقسیم ورثہ کا مسئلہ لکھوار ہے ہیں، ایک کو طلاق کا مسئلہ لکھوار ہے ہیں، نہ ذہن بھٹکتا ہے نہ مزاج بھٹکتا ہے۔ ایک مفتی اعظم ہند ہیں جو پورے Islamic Jurisprudince پر مکمل طور پر غلبہ کئے ہوئے ہیں۔ اور بہت سے مفتی ایک وقت بیٹھ کر کے مختلف مسائل کو لکھ رہے ہیں۔ کیا آپ اس بات کے گواہ نہیں ہیں میرے؟ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں گا ذرا اپنے گھر املا کروایئے (Try to dictate a Letter to home) ایک املاء کرایئے خط کا آپ محسوس کرینگے ڈکٹیٹ (Dictate) کرنا کتنا مشکل ہے دو خط ایک طرف سے ایک ساتھ دو آدمیوں کو لکھوایئے تو ہوسکتا ہے اس کو اس کا مضمون بولدیں۔ مگر مفتی اعظم ہند ہیں کہ مختلف فتاوے ایک ساتھ لکھوا رہے ہیں اور کبھی مضامین میں خلط نہیں ہوتا، کبھی مضامین میں ایک انچ فرق نہیں ہوتا ہے، میں طالب علم ہوں۔ ہمیشہ طالبعلمانہ طور پہ ان کے ساتھ رہا ہوں۔ سود وغیرہ کے مسائل سے بہت سے شبہات میرے ذہن میں رہے ہیں۔ دارالحرب میں خاص طور، پر میں نے اپنی طالبعلمانہ فکر پیش کی حضرت مولانا مفتی غلام محمد صاحب کے ساتھ ہم لوگ سفر کر رہے تھے کیشکال (Cashkal) کا، اکثر جیپ میں میں ان کے باہر والے حصے میں بیٹھتا تھا۔ تاکہ میں اپنے سرکار کو ہواؤں سے بچا سکوں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں سے اچھا کوشش کرتا تھا میں۔ میں نے کہا حضور! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ربوا بھی چھوڑ دو اور شبہ ربوا بھی چھوڑ دو۔ دارالحرب میں جو منفعت حاصل ہوتی ہے اگر ربوا کے ذیل میں نہیں تو شبہ ربوا کے ذیل میں تو

آئے گی۔ فرمایا۔ قمر الزمان! لاء نفی جنس کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ '' لا ربوا بین مسلم وحربی فی دار الحرب ،، جہاں ربوا کی نفی کی جارہی ہے وہاں تمہیں شبہ ربوا بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا حضور! دوسری عرض ہے، دارالحرب کی قید ہے۔ اور ہندوستان دارالحرب آج تک قرار نہیں دیا گیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا تقریر زیلعی دیکھو۔ امام زیلعی نے اس کو دراصل قید اتفاقی کہا ہے قید حقیقی اور لازمی نہیں کیا ہے۔

واللہ العزیز میں نے قدم چوم لئے۔ اس لئے کہ یہ کتابیں عام طور پر مطالعہ میں نہیں ہوتیں۔ اور مفتی اعظم ہند کو کبھی کسی نے مطالعہ کرتا ہوا نہیں دیکھا۔ مگر حوالہ دے رہے ہیں کتاب کا حوالہ دے رہے ہیں۔ برطانیہ میں اس کی ضرورت پڑی تو شاہ احمد نورانی نے کتاب منگوائی اور دیکھا کہ یہ حوالہ موجود ہے۔

عزیزان ملتِ اسلامیہ! علم کا یہ جلال دیکھنے کے بعد انسان بے ساختہ کہہ دیتا ہے کہ یہ موہبتِ الٰہی تھی۔ یہ کرامتِ مصطفیٰ رضا تھی۔ اور یہ اعلحضرت کی خاص نگاہ تھی۔ تنہا اتنا عظیم حافظہ نہیں دے سکتا۔ میں اس کی ایک مثال دینا چاہتا ہوں مجھے یاد ہے۔

لیبیا کی ایک کانفرس میں ایک بڑے مشہور ڈاکٹر سے فقہ حنفی پہ میری گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے فقہ حنفی دراصل احادیث کے تصور سے خالی ہے۔ بہت پرانا الزام ہے مخالفین حنفیت کا۔ حدیثیں فقہ حنفی کی تائید نہیں کرتیں۔ مجھے غصہ آگیا نوجوان تھا، نوجوانی میں غصہ زیادہ آتا ہے۔ خدا محفوظ رکھے۔

میں نے کہا ڈاکٹر صاحب میں اپریسیٹ (Appreciate) کرتا ہوں آپ کی نالج کو، آپ کے علم کو، اور آپ کی تحقیق کو، مگر امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کسی بھی جزیئے کو آپ پیش کریں میں حنفیت کے معمولی طالب علم کی حیثیت سے کوئی نہ کوئی حدیث پڑھوں گا۔ میں نے چیلنج کیا، یہ میں نے طرابلس میں باضابطہ چیلنج کیا کہ آپ کوئی بھی جزئیہ کو پیش کریں میں حدیث پڑھونگا۔ انہیں پہلے حیرت ہوئی، پھر میں نے دو چار مثالیں دی۔ تو کہا کہ ہاں! تمہاری

بات صحیح لگتی ہے میں نے کہا کہ تم بتاؤ، تم یہ کہتے ہو کہ امامِ اعظم کو صرف سترہ حدیثیں معلوم تھیں۔ اور سترہ سو حدیثیں ان کے جزئیات پہ پڑھ سکتا ہوں، تم بتاؤ کہ جب سترہ حدیثیں معلوم تھیں تو سترہ سو حدیثیں وہ کیسے لکھ سکتے ہیں؟ یا ان کی کتاب اور ان کی فقہ حدیث کے اتنے مطابق کیسے ہو سکتی ہے؟

تو اس شخص نے میرا دل رکھنے کے لئے ایک بات کہہ دی تھی۔ اگر چہ اس نے یہ بات محض اپنی بات کی پنچ میں بے دلیل کہی تھی کہ بات دراصل یہ ہے کہ جب ماحول سنوارا ہوا ہوتا ہے تو ذہن انسانی بن جاتا ہے۔ امامِ اعظم کا ذہن قرون اولی کے انسانوں کا ذہن تھا، بن گیا تھا۔ اس لئے جو بات بولی وہ حدیث کے مطابق بولی۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ تو قرونِ اولیٰ کے مسلمان تھے۔ مگر مفتیِ اعظم ہند تو چودھویں صدی کے انسان ہیں۔ ان کے ذہن کی پاکیزگی اور ان کے ذہن کی سلامت روی کو تم کس چیز کا نام دو گے؟ کیا حیثیت ہو گی اس کی؟ اس کے لئے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ جب قدرت کا فیضان کسی پر ہو تو بڑا عجیب عالم ہوتا ہے۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ ایک ماہر لسانیات، ایک نیٹیو اسپیکر آف اینی لینگویج (Native Speaker of Any Language) گرامر کا محتاج نہیں ہوتا۔ گرامر وہاں پڑھی جاتی ہے جب انسان مادری زبان کی حیثیت سے کوئی چیز نہیں سیکھتا۔ وہاں گرامر پڑھی جاتی ہے۔ انگلش پڑھنا ہو تو ہمیں گرامر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اردو زبان کے لئے نہیں۔ مگر ہم عربی شعروں کی تقطیع کرنا چاہیں تو فاعلاتن، فاعلاتن کی گردان ضروری ہے۔ مگر غالب، میر اور سودا کو پڑھنے کے لئے کبھی ہم اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتے ہیں۔ ہمارا مذاق کہتا ہے کہ یہ شعر بحر سے گرا ہوا ہے میں عرض کرنا چاہتا ہوں، پتہ چلا اگر ماحول ادبی ہے تو انسان ڈھل جاتا ہے۔ اعلیٰحضرت کے ماحول میں مفتیِ اعظم ہند کا ذہن اتنا صیقل ہو گیا تھا کہ جو بولتے تھے شریعت بولتے تھے اور جو فرماتے تھے شریعت کے مطابق فرماتے تھے۔

سولہ اٹھارہ سال کی عمر ہی میں افتاء کا قلم سنبھال دیا تھا۔ بچپن ہی سے اعلیٰحضرت کے

دارالافتاء میں بیٹھتے تھے۔ ذہن ایسا بن گیا تھا کہ فرماتے تھے۔ اہل علم جہاں بہت بعد میں پہونچتے ہیں مصطفیٰ رضا کی نگاہ بہت پہلے پہونچ جاتی ہے۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! قابلِ احترام بزرگو! اور دوستو! دنیا میں ویسے حنبلی بھی ہیں ہم احترام کرتے ہیں۔ مالکی بھی ہیں ہم احترام کرتے ہیں۔ شافعی بھی ہیں ہم احترام کرتے ہیں۔ مگر دنیا میں اسی (80%) فیصد بسنے والے فقہ حنفی کے ماننے والے ہیں۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بھی کسی ملک کو اسلامی قانون بنانے کی ضرورت پیش آئی ہے تو فقہ حنفی کا سہارا لیا گیا ہے۔ ترکی عرب سے قریب ہے مگر سلطنتِ عثمانیہ کا قانون فقہ حنفی کے مطابق تھا۔ عراق میں دوسری فقہ بھی ہیں مگر پورے عراق میں عباسی دور میں فقہ حنفی تھا۔ مصر میں شافعیت ہے مگر نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے زمانے میں مصر کا قانون فقہ حنفی کے مطابق تھا۔ ہندوستان میں امام اعظم ابوحنیفہ نہیں آئے۔ مگر عالمگیر کے دور میں فقہ حنفی جو مرتب ہوئی ہے وہ قانونی لاء کے طور پر اور پبلک لاء کے طور پہ مرتب ہوئی ہے۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں دنیا کی بڑی آبادیوں کا قانون فقہ حنفی کا قانون ہے اور حضرت مفتیِ اعظم ہند فقہ حنفی کے عصرِ جدید کے امام تھے۔ اس لئے دنیا کی اسی (80%) فیصد آبادی کے قانونی رہنما تھے، شرعی رہنما تھے۔

اور یہی نہیں! بلکہ اس سلسلہ میں میں یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس کروں گا کہ آج جو روس کی پانچ اور چھ ریاستیں آزاد ہوئی ہیں، کروڑوں مسلمان وہ سب فقہ حنفی کے فالور (Follower) ہیں۔ ہمارا دائرہ بڑھ رہا ہے، ہم امام احمد رضا اور حضرت مفتیِ اعظم ہند کی ضرورت کو زیادہ شدت سے محسوس کریں گے۔ اس لئے کہ دائرہ بڑھ رہا ہے۔ تاشقند میں بھی حنفیت ہے، سمر قند میں بھی حنفیت ہے، بخارا میں بھی حنفیت ہے، ازبکستان میں بھی حنفیت ہے، تاجکستان میں بھی حنفیت ہے، قزاقستان میں بھی حنفیت ہے، اور سنو ناتاریوں میں بھی حنفیت ہے، یہ حنفیت ایک بہت بڑے دائرے کا احاطہ کر رہی ہے۔ اس لئے ہماری ذمہ داریاں بڑھ گئی

ہیں۔اب ہمیں روسی زبان میں فقہ حنفیت کو ترتیب دینا ہوگا۔تاشقند کی زبان میں لکھنا ہوگا۔ آذربائیجان کی زبان میں لکھنا ہوگا۔ میں اپنے علماء سے کہوں گا طلبہ سے کہوں گا تیاری کرلو نئے آفاق فتح ہورہے ہیں۔نئی زمینوں میں ہمیں اپنا کام شروع کرنا ہے۔

میں علامہ ارشد القادری کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ یہ وقت کی نبض کو بہت اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ابھی نئی زمینوں میں ہمیں کام کرنے کا مسئلہ آیا ہے۔اورانہوں نے دلی کی زمین پر مختلف زبانوں میں علماء وفقہاء کو تیار کرنے کے لئے زمین خرید لی ہے، دلّی کی زمین پر، تاکہ دلّی سے آذربیجان کا پرانا رشتہ جوڑا جاسکے۔تاکہ دلی سے آرمینیہ کا پرانا رشتہ جوڑا جاسکے۔ تاکہ دلی سے بخارا اور تاشقند کا پرانا رشتہ جوڑا جاسکے۔بڑا گہرا تعلق ہے دلی کا۔یہاں تک کہ خواجہ اجمیری بھی آتے ہیں تو اسی زمین سے آتے ہیں۔بختیار کاکی بھی آتے ہیں تو اسی زمین سے آتے ہیں۔یعقوب چرخی بھی آئے تو اسی زمین سے آتے ہیں۔امام بخاری بھی اٹھتے ہیں تو اسی زمین سے اٹھتے ہیں۔صاحب اصول الشاشی بھی جنم لئے ہیں تو اسی زمین پہ جنم لیتے ہیں۔وہ زمین آج تمہاری منتظر ہے۔تمہیں کام کرنا ہے۔غیر مقلدیت کی موت کے لئے ان مقلد زمینوں کا آزاد ہوجانا بھی کافی ہے۔کہاں تک یہ مقابلہ کریں گے۔حق بلند ہونے کے لئے ہے،حق زندگی پانے کے لئے ہے،حق غالب ہونے کے لئے ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! حضور مفتی اعظم ہند اللہ اکبر! وہ تعویذ لکھتے ہیں، اللہ اکبر! طالب علمی کے دور میں ہم نے یہ اعتراضات سنے ہیں حضرت تعویذ لکھتے ہیں۔معلوم نہیں ان ظالموں کو کہ انہی تعویذوں نے اقالیم دل فتح کئے ہیں، اقالیم ضمیر فتح کئے ہیں۔لوگ ضرورت مند بنکر کے آتے تھے اور دلوں کو قدموں میں دیکر کے جاتے تھے۔آج پورے کے پورے صوبے ایسے ہیں جو محض ان کی تعویذات کا صدقہ ہے۔اور چونکہ وہ تعویذات جو لکھتے تھے وہ ذکر الٰہی تھا نا۔اللہ اکبر! مجھے وہ الفاظ بھی یاد ہیں! میں تعویذ لکھتا نہیں ہوں موقع نہیں ہے۔ لیکن مجھے ان کی تعویذ کے الفاظ یاد ہیں جو لکھتے تھے یا تو حمد الٰہی ہوتی تھی، یا ثنائے مصطفیٰ ہوتی تھی، یا درود ہوتا تھا۔بتاؤ اگر بیس گھنٹے تعویذ لکھ رہے ہیں تو بیس گھنٹے ذکرِ الٰہی ہورہا ہے۔بیس

گھنٹے مصطفیٰ پہ درود پڑھا جارہا ہے۔وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ والہ واصحابہ اجمعین ابھی ایک تعویذ دیا ہے یہ درود لکھا بھی گیا ہے پڑھا بھی گیا ہے۔ان سے تعویذ لینے والے جانتے تھے۔ کہ جو لکھتے تھے وہ زبان سے ادا بھی کرتے تھے۔دنیا میں کوئی ایسا ذاکر تم دکھا سکتے ہو جو بیس گھنٹے ذکر کررہا ہو۔بیس گھنٹہ یاد کررہا ہو۔

عزیزان ملّتِ اسلامیہ! یہ ان کا ذکر تھا اور میں نے تو ان کو عجیب عالم میں ذکر کرتے ہوئے دیکھا ہے۔زندگی کے آخری پندرہ سالوں میں تم نے ایک مخصوص کراہ دیکھی ہوگی۔ اٹھتے ہیں تو، بیٹھتے ہیں تو، اللّٰہ! اللّٰہ! اللّٰہ! زبان بند کرو اور یہ اللہ کی ادائیگی کراہ کی شکل میں چوبیس گھنٹے ان کی زبان پر جاری رہتی تھی۔دیکھنے والے محض کرامتیں دیکھتے ہیں مگر عزیمتیں نہیں دیکھتے ہیں، وہ کرامتوں کا بھی تاجدار تھا اور وہ عزیمتوں کا بھی تاجدار تھا۔اور ہم نے کھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھا ہے۔مفتی غلام محمد صاحب موجود ہیں اور یہ غالباً میرے ہر جملے کی تائید کریں گے۔اس لئے کہ یہ بھی ساتھ ہوا کرتے تھے بلکہ میں ان کے ساتھ ہوتا تھا۔مجھے بتاؤ کیشکال کے جنگلوں میں، سحاوا (Sahava) اور دھمی (Dhumbia) کے جنگلوں میں وہ گذرتے تھے۔اگر اعظم گڑھ میں جلسہ ہورہا ہو تو مفتیِ اعظم آرہے ہیں، لکھنؤ میں جلسہ ہو تو مفتیِ اعظم آرہے ہیں، بمبئی میں جلسہ ہو تو مفتیِ اعظم آرہے ہیں۔مگر بتاؤ اور سحاوا اور دھمی کے جنگلوں میں ننگے عادی باشیوں کو کون بتایا کہ مفتیِ اعظم آرہے ہیں۔مگر جب گذرے تو ہاتھ جوڑے ہوئے ان لوگوں کا ایک قافلہ ہوتا تھا۔جو پہلے ہی سے انتظار کررہا ہوتا تھا۔نمازِ فجر سے پہلے گذر رہے ہوں تو کھڑے ہیں۔بارہ بجے رات کو گذر رہے ہوں تو کھڑے ہیں۔ تپتی ہوئی دوپہر میں گذر رہے ہوں تو کھڑے ہیں۔

سنو! جب اللہ کسی کو قبول کرلیتا ہے تو دلوں میں اس کے لئے محبت پیدا کردیتا ہے دلوں میں اس کے لئے احترام پیدا کردیتا ہے۔ان زمینوں میں جن زمینوں کا اعلٰحضرت سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ان زمینوں میں بھی ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ دل بچھے جاتے تھے روحیں کھنچی جاتی تھیں۔میں نے پہلی مرتبہ اپنے سرکار مفتیِ اعظم ہند کو ۱۸۵۷ء میں دیکھا ہے۔

جین پور میں مَیں چند سال کا تھا۔ اتنا بڑا تھا کہ مفتی اعظم کا جمال تو دیکھ سکتا تھا کمالات کا احساس نہیں کرسکتا تھا۔ جین پور میں وہ تشریف لائے تھے۔ میں نے دیکھا کہ علامہ شفیق جونپوری کی نظم کا ایک شعر یہ ہے

اجالی رات ہوگی اور میدانِ قبا ہوگا
زبان شوق پر یا مصطفیٰ یا مصطفیٰ ہوگا

یہ ان کی مشہور نظم ہے۔ یہ نظم پڑھنے کے بعد سرکار مفتی اعظم تشریف لائے۔ اور میں نے دیکھا کہ شفیق جونپوری، شاعرِ مشرق، اقبال ثانی ایک قدم کو انہوں نے سنبھال رکھا ہے، لپٹے ہوئے ہیں اور دوسرے قدم سے علامہ خلیل احمد کچھوچھوی لپٹے ہوئے ہیں اور دونوں کی آنکھوں سے مفتی اعظم ہند کے قدم تر ہو رہے ہیں۔ میں نے کہا یا اللہ! یہ کتنی عظیم شخصیت ہے کہ شاعر مشرق کا یہ نائب ''گیا اقبال تو یہ دوسرا دانائے راز آیا،، خود کہا ہے۔

شفیق جونپوری کو خدا رکھے زمانے میں
گیا اقبال تو یہ دوسرا دانائے راز آیا

یہ دوسرا دانائے راز باضابطہ مفتی اعظم ہند کے قدموں میں پڑا ہوا ہے۔ دل میں عظمتوں کا ایک سویرا نمودار ہوا۔ یا اللہ! یہ اتنی عظیم شخصیت ھیکہ میرے استاد مفتی خلیل احمد صاحب اگر قدم تھام لیں تو شاگردی کا رشتہ ہوگا اور شفیق جونپوری جو ایک آزاد شاعر ہے۔ جذبات کا بہت بڑا شاعر ہے۔ جب جذبات کی زبان بولتا ہے تو اس کی ''بیوہ کی شادی،، دیکھو دوسری نظمیں دیکھو۔ تمہیں شفیق کی عظمت کا احساس ہوگا۔ وہ قدم کیوں تھامے ہوئے ہے۔ میں سمجھا یہ کوئی ایسی ذات ہے۔ کہ دین بھی قدم تھامے ہوئے ہے۔ دنیا بھی قدم تھامے ہوئے ہے۔

یہ پہلا مشاہدہ تھا میرا۔ اور پھر میں نے زندگی میں جو مشاہدات کئے ہیں۔ ان کے لئے آج کی بزم کم از کم ناکافی ہوگی۔ اور یہ تھکا ہوا مجمع بھی یقیناً ناکافی ہوگا۔ لیکن مجھے کہہ لینے دو کہ میں نے اس دور میں قرونِ اولی کے مسلمانوں کی ایک عظیم تصویر دیکھی ہے۔ یہ ہمارے

نگاہوں کی سعادت ہے۔ یہ ہماری نگاہوں کی عظمتیں ہیں کہ ہم نے ان کو دیکھا ہے۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! پان تناول فرمارہے تھے۔ پان کے ٹکڑے اکثر وہ رکھ دیا کرتے تھے۔ میں نے کھالیا میری چند سالوں کی عمر تھی یونہی کھالیا۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں ایک بچہ کشف وکرامات کی ان کیفیتوں سے کیسے واقف ہوگا؟ بیٹھا ہوں، کھالیا میں نے، مجھے بخار آیا۔ تمباکو رہا ہوگا۔ بخار آیا۔ مگر قسم خدا کی اس بخار کے بعد دل کی جو دنیا بدلی ہے اس کے اثرات آج تک میرے اوپر ہیں۔ میرے اساتذہ گواہ ہیں کہ میں جری تو ہوا ہوں مگر کبھی اپنے اکابرین کے حضور میں گستاخ نہیں ہوسکا۔ یہ اسی چند لمحوں کا اثر ہے۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! قابل احترام بزرگو اور دوستو! حضور مفتی اعظم ہند کی مقدس زندگی دیکھو۔ ان کے اعمال وکردار کو دیکھو۔ اللہ کے رسول نے فرمایا ''دنیا سائے کی طرح ہے،، شارحین حدیث نے کہا سائے کی طرح فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ تم سائے سے بھاگو تو سایہ تمہارے پیچھے جائیگا۔ لیکن تم سایہ کو پکڑو تو سایہ آگے آگے بھاگتا جائیگا کبھی نہیں پکڑ سکو گے۔ جو لوگ دنیا سے بھاگتے ہیں۔ دنیا ان کے قدموں میں لپٹی ہوتی ہے۔ لیکن جو دنیا کو پکڑے ہیں دنیا ان سے بھاگتی جاتی ہے۔ مصطفیٰ رضا دنیا سے بھاگتے تھے۔ دنیا آج بھی ان کے قدموں میں جھکی ہوئی ہے، سایہ کی طرح جھکی ہوئی ہے، شیڈو (Shadow) کی طرح جھکی ہوئی ہے۔ اور آج بھی ان کے قدموں میں لپٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ پورا برّ صغیر ان کے آستانے پہ جھکا ہوا نظر آتا ہے۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! حضور مفتی اعظم ہند کی مقدس زندگی دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا، تم اس کا اندازہ کرسکو گے کہ نماز بہت بڑی عبادت ہے۔ سرکار کے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ آج ہم نماز سے کوتاہیاں کرتے ہیں۔ اللہ ہمیں معاف فرمائے۔ ہمارے ساتھی بھی نماز سے کوتاہیاں کرتے ہیں۔ حضور مفتی اعظم ہند! نے زندگی کی قیمتی مصروفیات چھوڑ دیں مگر نماز کا وقتِ مستحب بھی نہیں چھوڑا۔ مفتی غلام محمد صاحب گواہ ہیں۔ الہ آباد سے ہم لوگ گوپال گنج کی جانب جارہے تھے۔ الہ آباد کے پل پر عصر کا وقت تنگ ہونے لگا۔ سورج میں قدرے گرمی تھی

مگر ابھی غیر مستحب وقت نہیں ہوا تھا۔ سرکار مفتیٔ اعظم ہند کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہتا ہوا دیکھا۔ مجھے کہا قمر الزماں بس والے سے کہو کہ بس روک دے۔ ہائے میری نماز! یہ الفاظ تھے، ہائے میری نماز! آنسو بہہ رہے تھے۔ میں نے بس والے سے کہا۔ اس نے کہا بس یونہی لیٹ ہو چکی ہے ہم روک نہیں سکتے۔ مگر جیسے ہی پل کے اوپر پہونچی، پہیا بسٹ ہو گیا، بس رگ گئی، ہم نے سوچا کہ ان کا لوٹا لے کر پانی ہم لائیں۔ تم نے الہ آباد کا پل دیکھا ہوگا۔ پچاسی (۸۵) سال کا مقدس بوڑھا لوٹا لیکے ہمارے آگے تھا اور پانی اس نے لیا نیچے اتر کر کے۔ وضو کیا نماز پڑھی۔ اور جب دوبارہ بیٹھا تو بس روانہ ہوئی۔

یہ صرف میں اپنے مشاہدات بیان کر رہا ہوں۔ اسطرح کے مشاہدات میرے بے شمار ساتھیوں کے ہیں۔ راز الہ آبادی بھی تھے۔ حضرت مفتیٔ انور الرحمٰن صاحب اندوری بھی اس سفر میں تھے۔ ایک ہندو بھی تھا جو ساتھ اپنا گھر چھوڑ کر وہاں بیٹھ گیا۔ اور اس لئے کہ اس نے یہ کرامت اپنی نگاہوں سے دیکھی تھی۔ ہمارا عرض کرنا بھی دیکھا تھا۔ ڈرائیور کا انکار کرنا بھی دیکھا تھا، بس کا بسٹ ہونا بھی دیکھا تھا، اطمینان کی نماز بھی دیکھی تھی، وہ گھر نہیں گیا جلسہ گاہ میں گیا۔ دو تین روز تک پڑا رہا۔ اور جب جانے لگا تو ہم سے مل کر رونے لگا میں نے کہا تم رو کیوں رہے ہو؟ کہا کہ میں تین روز سے سوچ رہا تھا کہ مفتیٔ اعظم سے کہو میرا بچہ آوارہ ہو گیا ہے۔ غلط راہ پہ لگ گیا ہے۔ دعا کر دیجئے۔ آج میں جا رہا تھا تو مجھے بلایا اور کہا یہ تعویذ ہے لیجاؤ اور بچے کے حوالہ کر دینا۔

یہ قاری حافظ ریاض صاحب ہمارے گواہ ہیں ۱۹۵۹ میں حضور مفتیٔ اعظم تشریف لائے تھے۔ ڈاکٹر ملک مختار احمد صاحب ان کے بڑے ہی معتقد ہیں ان کے ہاں قیام تھا وہ چاہتے تھے تھوڑی دیر اور قیام کریں مگر جین پور والے شور مچا رہے تھے ہم وہاں لے جائینگے۔ حضرت کار میں بیٹھ گئے۔ کار گھومی اور پچھلے دروازے پہ آ کے رک گئی۔ جن لوگوں کو دعاء کرانی تھی دعائیں کرتے رہے۔ ایک گھنٹے تک رکی رہی اور پھر اس کے بعد وہ کار جین پور ہم نے دھکا دے کر کے پہونچائی۔ سرکار مفتی اعظم ہند اسطرح وہاں پہونچے۔ عجیب بات ہے تعویذ

مانگنے والے تعویذ مانگتے اور کوئی منع کر دیتا تو سخت ناراض ہوتے۔ بے پناہ ناراض ہوتے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ تعویذ کے ذریعہ سے دلوں کی تسخیر کر رہے ہیں۔ تم کہہ رہے ہو کہ کتنے بڑے شیخ تھے کہ بیس لاکھ کا مجمع جنازے میں پہنچ گیا۔ یہ بیس لاکھ وہ تھے جن کی زندگی سنوری تھی، جن کی حیات سنوری تھی، جن کی نگاہیں سنوریں تھیں، جن کی تقدیر بدل دی تھیں۔

نگاہ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ توحید کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر توحید کا مشاہدہ نہیں کرا سکتے، سرکار مفتیٔ اعظم کی نگاہوں میں توحید کا تصور ایک پیکر مجسم تھا۔ میں تمہیں اس کی گواہی دوں۔ الجامعہ الاسلامیہ میں جب بھی میں نے کبھی سرکار سے عرض کیا تشریف لائے۔ آخری سالوں میں بیماری میں بھی حاجی کلیم کے ساتھ تشریف لائے۔ عجیب عالم تھا ان کی محبت کا۔ ایک مرتبہ شدید گرمی تھی۔ بجلی بھی نہیں۔ پنکھا بھی نہیں۔ نماز پڑھ رہے تھے اور میں نے پیچھے سے پنکھا جھلنا شروع کر دیا، نماز ختم کرنے کے بعد میں نے پہلی مرتبہ چہرے پہ غضب کے آثار دیکھے۔ قمر الزماں! تم پنکھا جھل رہے ہو حضور بڑی گرمی تھی پسینے سے آپ کا لباس بھیگا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا میں اللہ کی بندگی کر رہا تھا۔ اور تو میری خدمت میں لگا ہوا تھا۔ میرا مولیٰ کیسے گوارہ کر لے گا کہ اس کے غلام کی خدمت اس وقت کی جائے جب وہ اس کی بندگی میں لگا ہوا ہو۔

توحید کا یہ محسوس تصور کیا دنیا میں کسی اور شیخ کے پاس تم کو ملے گا۔ کیا کسی اور آستانے کے پاس ملے گا؟ مفتیٔ اعظم ہند وضو کے سلسلے میں دوسروں سے مدد لینا گوارہ نہ فرماتے تھے۔ اس لئے کہ وضو بھی دراصل وسیلۂ بندگی ہے۔ ایک طرف یہ عبادتِ غیر مقصودہ ہے مگر عبادت ہے۔ اور عبادت میں کسی اور سے مدد نہیں لی جائے گی۔ ان باتوں کا عامیانہ نظر سے مشاہدہ کرنے والے ان کی زندگی کی عظمتوں اور بندگیوں سے واقف نہیں ہیں۔ لیکن قدرت نے جن کو نگاہِ مشاہدہ دی ہے۔ وہ ایک ایک لمحے سے واقف ہیں۔ ایک ایک لمحے کا جائزہ لے رہے ہیں۔

میرے ذہن میں ایک شبہ تھا۔ کہ زمین پہ بیٹھ کے کھانا کھایا جائے۔ اُکڑو بیٹھ کے کھانا

کھایا جائے۔ ایک ہاتھ سے روٹی لیکے دوسرے ہاتھ سے توڑ کر کھایا جائے، کہیں کہیں تو مسلمانوں اور دین داروں کے ماحول میں چل سکتا ہے مگر کہیں کہیں ماڈرن طبقے میں نہیں چل سکتا۔ میں نے اس شبہے کا اظہار کیا۔ حضور! سنت کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ مگر کہیں کہیں سنت کے سلسلے میں بڑی شرمندگی ہوتی ہے۔ کہا کہ توبہ کرو تم اس بات سے اعظمی! تمہیں معلوم نہیں ہے کہ جب انسان اپنے کو اللہ کا بندہ کہتا ہے۔ تو کسی اور سے شرم نہیں کرتا۔ تم کرسی پر بیٹھ کر کھانا چاہتے ہو؟ چھری کانٹے سے کھانا چاہتے ہو؟ روٹی ایک ہاتھ سے ٹہر کے دانت سے کھانا چاہتے ہو؟ تم اللہ کے بندے ہو۔ تم اللہ کے غلام ہو۔ اللہ کے دسترخوان پہ بیٹھے ہو تو وہ دیکھ رہا ہے۔ کوئی غلام اپنے آقا کے سامنے بیٹھ کے کھائے تو بتاؤ کیسے کھائیگا۔

نماز میں دیکھنے کا تصور تو آتا ہے۔ مگر کھانے میں بھی دیکھنے کا تصور یہ مفتی اعظم ہی کی نظر ہو سکتی ہے۔ یہ مفتی اعظم ہند کا انداز ہو سکتا ہے۔ لوگ مسائل بتایا کرتے تھے۔ مفتی اعظم ہند مسائل کی حقیقتیں کو ذہنوں میں اتارا کرتے تھے۔

عزیزانِ ملتِ اسلامیہ! یہ وہ مفتی اعظم ہند ہیں۔ جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عبادت وطاعت کی بنیادوں پہ گذرا، زندگی بھر نماز کی محافظت کی، گاڑی چھوڑ دی نماز نہیں چھوڑی۔ مصروفیات چھوڑ دی نماز نہیں چھوڑی۔ جانتے ہو پھر عالم کیا ہوا؟ پھر اللہ نے ان کی نماز کی حفاظت فرمائی۔ اللہ نے ان کی نماز پر اپنا کرم فرمایا۔ جانتے ہو؟ سُکر کا عالم اولیاء کرام پر بہت طاری ہوتا ہے۔ یہ تصوف کی اصطلاح جو میں بول رہا ہوں۔ اور ہمارے اکابرین سُکر کی اصطلاح سے واقف ہیں جب سفرِ آخرت کا وقت قریب آتا ہے تو بندہ جلووں کی وادی میں گم ہو جاتا ہے۔ جلووں کی وادی میں پھر تابِ نظر نہیں رہتی۔ اس قدر جلووں کا ہجوم ہوتا ہے کہ دامن ہوش کھو بیٹھتا ہے انسان، یہ تمہیں پیر مہر ولی کی باگاہ میں بھی ملے گا۔ یہ تمہیں وارثِ پاک کے آستانے میں بھی ملے گا۔ خود خواجہ اعظم کی زندگی میں ملے گا۔ چھ روز پہلے باضابطہ اپنے کو اپنے گھر میں بند کر لیتے ہیں۔ صبح شام ذکر کی آواز آتی ہے۔ اور جب ذکر کی آواز بند ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ”ھذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ،، یہ سُکر کی کیفیات

جو تمام اولیاء کرام پر طاری ہوئی ہیں۔ مگر مفتی اعظم ہند پر یہ کیفیت کم وبیش تین سال طاری رہی۔ اس میں نماز کا ہوش نہیں ہوتا۔ کھانے کا ہوش نہیں ہوتا۔ مگر یہ سب گواہ ہیں کہ جب نماز کا وقت آتا تھا سُکر میں مشاہدہ کرنے والا مفتی اعظم ہند قیام میں مشاہدہ کرنے لگتا تھا۔ وہ اٹھتے تھے وضو کرتے تھے۔ نماز پڑھتے تھے بیعت لیتے تھے اور پھر کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

بتاؤ یہ کیفیت تھی یا نہیں تھی؟ بتاؤ تم نے یہ مشاہدہ کیا تھا یا نہیں کیا تھا؟ بتاؤ تم نے ان حقائق کا جائزہ لیا نہیں؟ کہ نہ کھانے کا ہوش ہے نہ پینے کا ہوش ہے۔ نہ اپنے دیوانوں کو پہچان رہے ہیں۔ مگر نماز کا اتنا ہوش ہے کہ جیسے ہی وقت آیا کھڑے ہو گئے۔ انگلینڈ سے آیا تھا میں۔ حضرت سہارے کے ذریعہ سے مسجد میں پہونچے تھے۔ میں تھا، نماز ادا ہو رہی تھی۔ کھڑا ہو کے انتظار کر رہا تھا۔ کہ نماز پڑھ لیں تو چہرے زیبا کو دیکھ لوں سرکار پہچانیں گے کیا؟ اب تو حضرت اس عالم میں ہیں کہ بہت کم پہچانتے ہیں۔ کھڑے ہوئے گلے سے لگایا کہا قمر الزماں! بہت دور چلے گئے ہو۔ قسم خدا کی آج بھی اس دوری نے تڑپا رکھا ہے کاش مجھے چند مزید سال مجھے ان کے قدموں میں گذارنے کے لئے مل گئے ہوتے۔ جو میں نے فاصلہ پہ گذارے ہیں۔ مگر میں نے طئے کر لیا ہے کہ ان کی زندگی بیان کر کے اس گناہ کا کفارہ ادا کروں گا جو میں نے فراق کی بنیاد پر، فاصلہ کی بنیاد پر کئے ہیں۔ جو دوری کی بنیاد پر کئے ہیں۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں یہ وہ زندگی تھی جو سرکار مفتی اعظم ہند کی تھی۔ بے ہوشی کی کیفیت ہے سکر کی کیفیت ہے۔ ہوش نہیں ہے۔ مگر فجر کی نماز کا وقت آگیا ہے تو جاگ گئے ہیں۔ دیوانے آخری سالوں میں بیٹھے رہتے تھے ابھی نہیں جاگے ہیں، نماز کا وقت آنے دو جاگ جائیں گے اور ہم بیعت بھی ہو لیں گے، ان کے مقدس ارشادات سے استفادہ بھی کرلیں۔ ان کی زندگی سے فیضاب بھی ہو لیں گے۔ اب فجر کی نماز کا وقت قریب ہو گیا ہے؟

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

وہابیت کیا ہے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً، وَ اَقَامَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعاً، وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ، صَلٰوةً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ، وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ. اَمَّا بَعْدُ.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ، (پ۴۔ع۳۔ال عمران آیت۱۱۰) صدق الله العلی العظیم

علماء باوقار، عزیزانِ ملتِ اسلامیہ، قابلِ احترام بزرگو، ہم اور آپ انتہائی احترام و عقیدت کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکزِ عقیدت، آقائے دو جہاں، حضور رحمت عالم، تاجدارِ مدینہ، سرور کائنات محمد رسول اللہ، اروا حنافداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں درودِ پاک کی نذریں پیش کرلیں۔ اَللّٰھم صل علی سیدنا ومولانا محمد معدن الجود والکرم وآلہ الکرام أجمعین۔

حضرات گرامی! اس وقت ہم اور آپ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادتِ طیبہ کے جشن صد سالہ کی عظیم اور پر شکوہ تقریب میں موجود ہیں۔ دنیا میں بڑی عظیم

شخصیتیں جلوہ گر ہوئی ہیں۔ دنیا کے اس اسٹیج پر بڑے بڑے سائنس دان، بڑے بڑے مفکرین، بڑے بڑے اربابِ علم، بڑے بڑے محققین اور بڑے بڑے اربابِ ادب پیدا ہوتے رہے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ لیکن تاریخ انسانی میں ان بڑوں کا کاموں کے ساتھ نام تو محفوظ ہوتا ہے۔ مگر ان کے جشن ولادت کو انسانی زندگی کے ایک عظیم دن کی حیثیت سے کہیں نہیں منایا جاتا۔ سرکار مفتی اعظم ہند کی ولادتِ طیبہ کا یہ عظیم دن اگر کسی مفکر کا دن ہوتا، کسی مصنف کا دن ہوتا، کسی محقق کا دن ہوتا، محض کسی ادیب اور شاعر کا دن ہوتا، تو یقیناً نہ دیوانوں کا یہ مجمع ہوتا اور نہ فرزانوں کی یہ جماعت ہوتی۔ حضور مفتی اعظم ہند کا یہ دن دراصل اپنے دور کے ایک سرمد کا دن ہے، ایک منصور کا دن ہے، ایک عاشقِ رسول کا دن ہے، ایک دیوانۂ عشقِ مصطفیٰ کا دن ہے، ایک عاملِ بالحدیث کا دن ہے، ایک پیکرِ عشقِ مصطفیٰ کا دن ہے اور عشق جہاں جہاں قدم رکھتا ہے زندگی کے مینار تعمیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ آج جو یہ ہم دن منا رہے ہیں۔ دراصل ہم ان کے نقوشِ قدم پر اپنی زندگی کے، اپنے مستقبل کے وہ عظیم مینار تعمیر کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے عقیدے، ہمارے عمل اور ہمارے کردار کی بلندی کی ضمانت بن جائیں۔

عزیزانِ ملتِ اسلامیہ! یادیں سہارا ہوتی ہیں، زندگی کے لئے۔

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہوجائے

ہم حضور مفتی اعظم ہند کی یادوں کے ساتھ نہ صرف یہ کہ جینا جانتے ہیں بلکہ مرنا بھی چاہتے ہیں۔ ہم زندگی کی اس شام کو اپنے گلے سے لگانا چاہتے ہیں، جس شام کے پردے میں مفتی اعظم ہند کے چہرۂ پاک کے روئے زیبا کی تابانیاں موجود ہوں اور جلوہ باریاں موجود ہوں۔

میں اپنی تقریر کو روشِ عام سے ہٹ کر جو آپ مجھ سے سننے کے عادی رہے ہیں، آج میں کچھ نئے انداز سے پیش کرنا چاہوں گا۔ اس لئے کہ ڈاکٹر یعقوب ذکی (اسکائی لینڈ سے آئے ہوئے نومسلم اسکالر) نے جو اشارے دیئے ہیں، ان اشاروں کی وضاحت نہ کرنا ان کے بڑے تحقیقی مقالے کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ انہوں نے سرکار اعلحضرت فاضل بریلوی اور ان کے

وصال اوران کی ولادتِ طیبہ کے درمیان تاریخ کے دوعظیم واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔

پہلا واقعہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ہے، اور دوسرا واقعہ سقوطِ خلافتِ اسلامیہ ہے، سقوطِ ترکی ہے۔ ان دونوں واقعات کے ذریعے سے امتِ مسلمہ کن راہوں پہ لگ گئی ہے، یہ دراصل آج جو کچھ ہم کاٹ رہے ہیں یہ بیج کے درمیان میں بوئے جانے والے پودوں کے نتائج ہیں اوراس کے اثرات ہیں۔

عزیزان ملتِ اسلامیہ، قابل احترام بزرگواور دوستو! وہابیت کیا ہے؟ یہ کس طرح سے پیدا ہوئی؟ اور کس طرح سے اس نے جنم لیا؟ اس کو دیکھنا ہے تو ۱۸۵۷ء سے پہلے کی تاریخ کا آپ کومطالعہ کرنا ہوگا۔ عزیزان ملت اسلامیہ! میں دنیا بھر کے انسانوں کوچیلنج کر کے کہتا ہوں، وہ افریقہ کا رہنے والا انسان ہو، وہ امریکہ کا بسنے والا مسلمان ہو، یورپ کا بسنے والا ہو، سعودی عرب کا بسنے والا ہو، حجازِ مقدس کا بسنے والا ہو یا ہندوستان کی سرزمین کا بسنے والا ہو ۱۸۵۷ء سے پہلے تم دنیا میں مسلکِ اہل سنت کے علاوہ دنیا میں کوئی تحریک نہیں دکھا سکتے ہو۔ کوئی دوسرا عقیدہ نہیں دکھا سکتے ہو۔ محمد ابن عبدالوہاب نجدی یقیناً اس سے پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ مگر علماء حق نے اس کے باطل عقائد کوگمنامی کی قبر میں دفن کر دیا تھا۔

لیکن تم دکھا ہی نہیں سکتے ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے پہلے انگریز اسے غدر کا نام دیتا ہے، انگریز اسے دراصل دھوکے کا نام دیتا ہے، انگریز اسے بغاوت کا نام دیتا ہے، مگر ہم اسے جہادِ آزادی کا نام دیتے ہیں۔ جہادِ حریت الوہیت کا نام دیتے ہیں، ہم اسے ضمیر وفکر کی آزادی کا نام دیتے ہیں، ہم اسے اس بات کے نام سے موسوم کرتے ہیں کہ ہم نے پہلی بار خاص طور سے مسلم قوتوں نے جمع ہوکر کے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا اوراس بات کی کوشش کی کہ ان کی غلامی کی زنجیریں اپنے گلے سے اتار دیں اوراپنے قدموں سے توڑ دیں۔ اس جہاد آزادی کے بعد انگریزوں نے سوچ لیا، انگریزوں نے محسوس کرلیا ہے، انگریزوں نے جان لیا کہ بغاوت اگر کی ہے، انقلاب کا پرچم اگر بلند کیا ہے تو علماءِ حق نے کیا ہے، اہل حق نے کیا ہے، حضرت علامہ فضلِ حق خیر آبادی نے کیا ہے، اوران کے ساتھ سینکڑوں علماء اہل سنت نے کیا

ہے، دوسرے اکابر نے کیا ہے۔ یہ علماء اہلسنت ہیں، یہ علماءِ حق ہیں، اگر یہ زندہ رہیں تو امتِ مسلمہ کو پھر جمع کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے انہیں انڈومان بھیج دو۔ انہیں درختوں پہ سولی دیدو اور پھر ۱۸۵۷ء کے چند سال کے بعد ایک نیا مدرسہ قائم کرو جہاں غلاموں کی جماعت پیدا کی جائیں۔ جہاں خریدے ہوئے افراد کی جماعت پیدا کی جائے۔ جہاں ان کے ذہن وفکر کے لوگ پیدا کئے جائے۔ کیا یہ عجیب اتفاق نہیں ہے کہ ۱۸۵۷ء میں جو انگریز علماء کو سولی دے رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء میں جو انگریز مسلمانوں کو درختوں پر چڑھا رہا ہے، ۱۸۵۷ء میں جو انگریز فضل حق کو انڈومان بھیج رہا ہے، ۱۸۵۷ء میں جو انگریز مسلمانوں کو تباہ کر رہا ہے وہی انگریز اسی کے زیرسایہ ۱۸۶۰ء کے بعد ایک مدرسہ تشکیل دیا جا رہا ہے۔ ایک دارالعلوم بنایا جا رہا ہے۔ جن علماء کو سولی دیدی گئی تھی انہیں علماء کی نسل اگر پیدا کرنی مقصود ہوتی تو انہیں علماء کو زندہ رکھا جاتا، انہیں سولی دیدی گئی۔ اور ایک نئی جماعت کو تشکیل دیا گیا، جو ان کی بولی بولتے ہوئے نظر آئیں، وہ ان کا کلمہ پڑھتے ہوئے نظر آئیں، وہ ان کی غلامی کرتے ہوئے نظر آئیں، وہ ان کی بات کرتے ہوئے نظر آئیں، یہ وہی بولتے ہوئے نظر آئیں جو انگریز بولتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ تنخواہوں کا سلسلہ جو تمہیں ملتا ہوا نظر آتا ہے کسی کو چھ سو ملتا تھا، کسی کی کشتی سجائی جاتی تھی، کسی کو درپردہ امداد کی جاتی تھی۔ انگریزوں کو ۱۸۵۷ء کے بعد علماء سے اتنی محبت ہوگئی تھی کہ انہیں باضابطہ وظیفے دیئے جا رہے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ انگریزوں نے سمجھ لیا تھا، کہ کل جو کر رہا تھا وہ آج بھی کر رہا ہے۔ برطانیہ کی زمین پر، امریکہ کی زمین پر، یورپ کی زمین پر، فنڈا منٹلسٹ (Fundamentalist) کے نام سے علماء کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ اور ماڈریٹ (Modreai) کے نام سے، ترقی یافتہ کے نام سے ماڈرن افراد کو آگے بڑھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ آج بھی ہو رہا ہے۔ اس زمانے میں بھی ہوا تھا۔ بنیادی مقصد یہ تھا، مطلب یہ تھا کہ علماء موجود نہ رہ جائیں۔ ایسی درسگاہیں تشکیل دی جائیں۔ ایسے ادارے بنائے جائیں، ورنہ فضل حق کو باضابطہ طور پہ سولی دیدینے کا حکم دیا جاتا ہے، شہر بدر کیا جاتا ہے، انڈومان کی قیدِ تنہائی دی جاتی ہے۔ مگر اسی زمانے میں کسی کو شمس العلماء کہا جاتا ہے کسی کو

کسی اور نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ مختلف عقائد کے بانی اور افکار کے ماننے والے ہیں۔ سر سید احمد خان! تاریخ کا ایک بڑا انسان ہوسکتا اگر اس نے صرف مسلم علی گڈھ یونیورسٹی قائم کیا ہوتا۔ مگر آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ علماء سر سید سے اس لئے اختلاف کرتے ہیں۔ چونکہ علماء انگریزی کے مخالف ہیں، قسم خدا کی علماء کبھی انگریزی کے مخالف نہیں رہے ہیں۔ کسی دور میں کسی عالم کی تحریک کو تم انگریزی کے خلاف نہیں دیکھ سکتے ہو، ہم نے انگریزی کو پڑھا ہے، ہم نے انگریزی کو سیکھا ہے، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود حکم دیا ہے، تم عبرانی سیکھو، دوسری قوموں کی زبانوں کو سیکھو تاکہ تم ان کے فتنوں اور حربوں سے محفوظ رہ سکو، مسلمان بھلا کسی زبان کا کیسے مخالف ہوسکتا ہے۔ ہم نے اگر اختلاف کیا تھا، یا علماء نے اگر اختلاف کیا تھا تو سر سید کی مذہبی فکر سے اختلاف کیا تھا اس کی تفسیرات احمد یہ سے اختلاف کیا تھا۔ یہ وہ شخص تھا کہ جس نے باضابطہ طور پر معجزات کا انکار کردیا یا تمام معجزات کی باضابطہ طور پہ مادی توضیح کردی۔ اس نے یہ کہا "اِھدنا الصراط المستقیم"، میں جو دعا کا مفہوم پایا جاتا ہے، دعا دراصل بالذات کوئی اثر نہیں رکھتی ہے۔ دعا کے ذریعہ سے تحریک عمل پیدا ہوتی ہے۔ اور عمل کے نتیجہ میں جو فائدہ حاصل ہوتا ہے اسے دعا کا فائدہ سمجھا جاتا ہے۔ دراصل دعا کوئی فائدہ نہیں رکھتی۔ فرشتوں کے بارے میں اس نے کہا، فرشتہ خیر کی اندرونی قوتوں کا نام ہے، ان کا کوئی باضابطہ حسی اور موجود وجود نہیں ہے۔ اس شخص نے انبیائے کرام کے معجزات کے بارے میں کہا "وأبرئ الأكمه والأبرص وأحي الموتى باذن الله (پ۷، سورۃ آل عمران، آیت ۴۹)"، ہم مکموہ اور مبروص کو اچھا کرتے ہیں اور مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ اس نے یہ کہا مردوں کو زندہ کرنے سے مراد دلوں کو زندہ کرنا ہے اور مکموہ و مبروص کو سوسائٹی سے نکال دیا جاتا تھا۔ حضرت عیسیٰ نے سوسائٹی میں باعزت مقام دلوایا۔ اس شخص نے کہا تھا "واضرب بعصاك الحجر فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا"، (پ۱، سورۃ البقرۃ، آیت ۶۰) اپنے عصا کو لے کر پتھر پہ مارو بارہ چشمے جاری پاجاؤ گے۔ اس نے کہا تھا ضرب کا صلہ جب "ب"، سے آتا ہے تو چلنے کے معنی

میں ہوتا ہے۔ اور عصا کے معنی قوم کے بھی آتے ہیں۔ اور الحجر کو تصغیراً پہاڑ کہا گیا ہے اس لئے اپنی قوم کو لے کر پہاڑ پر چلے جاؤ وہاں بارہ چشمے جاری پاجاؤ گے۔ پوری قرآن عظیم کی تفسیر اس طرح سے اس نے بدل کر کے رکھ دی ہے، چودہ سو سالہ ذخیروں سے انحراف کیا ہے۔ اجماعی مفاہیم سے انحراف کیا ہے۔ علماء نے اس لئے اختلاف کیا تھا۔ مگر یہاں سر سید نہیں بول رہا ہے، بلکہ اس کا دماغ بول رہا تھا۔ اس کے پیچھے انگریز بول رہا تھا، اس کے پیچھے تجدد بول رہا تھا، اس دور کا ذہن بول رہا تھا، دراصل اس کا مزاج اپولوجیٹک (Appologytic) تھا، معذرت خواہانہ تھا۔ وہ عصر جدید کی تحریکوں کے سامنے اسلام کو معذرت خواہانہ انداز سے پیش کرنا چاہتا تھا۔ یہ لوگ بعد میں پیدا کئے گئے اور ان کے ذریعہ سے ذہن خریدے گئے، صلاحیتیں خریدی گئیں، غلام بنانے کی کوشش کی گئی۔ بلاشبہ کچھ فوائد بھی ہوئے۔ مذہب کی کاسٹ (Cost) پر ہوئے، ایمان کی کاشت پر ہوئے، اور عقیدے کی دہلیز پر، عقیدہ کے خلاف عمل کرنے کے بعد ہوئے، ان فوائد کا انکار نہیں کیا جاسکتا مگر نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ ان نقصانات نے ملت کے شیرازے کو منتشر کرنے کی کوشش کی۔ یہ اور بات ہے کہ دنیا نے بہت جلد ان کی تحریروں کو محسوس کرلیا۔ وہ چونکہ کسی مولوی گھرانے کے آدمی نہیں تھے۔ باضابطہ کسی درسگاہ اور کسی دارالعلوم سے نہیں نکلے تھے۔ اس لئے ان کی تحریروں کو ماڈرن کہہ کے نکال دیا گیا۔ مگر جب دیکھا گیا کہ سر سید متاثر نہیں کررہے ہیں۔ تو اب درسگاہیں بنی چاہیئے۔ جہاں جبہ پہننے والے ہماری بولی بول رہے ہوں۔ جہاں دستار پہننے والے ہماری بولی بول رہے ہیں، جہاں باضابطہ علم کی سند حاصل کرنے والے ہماری بولی بول رہے ہوں، جب یہ کوئی بولی بول رہے ہوں گے تو یقینی طور پہ دنیا اسے سننے کی کوشش کریگی۔

آپ کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ غلام احمد قادیانی کے ذریعہ سے جہاد کی تحریک کو سبوتاج کرنے کی کوشش کی گئی۔ جہاد کا مفہوم بدلنے کی کوشش کی گئی۔ غلام احمد نے اپنی تحریروں میں باضابطہ طور پر زور دیا کہ جہاد کا مفہوم وہ نہیں ہے جو علماء بیان کررہے ہیں جہاد سے مراد جہاد بالنفس ہے، جہاد سے مراد مجاہدہ ہے، جہاد سے مراد اپنے گھر میں اپنی اصلاح

کرنا ہے، جہاد جو زندگی کا ایک فریضہ تھا، جہاد کہ جب تک زندہ رہا ہم زندہ رہے، جہاد کے ساتھ ساتھ ہمارا کاروانِ حیات بڑھتا رہا۔

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

(کلیاتِ اقبال، بانگ درا، ترانہ ملّی، صفحہ ۱۵۹)

جہاد جس پر جب ہم کار بند رہے تو دنیا کی تمام قوتیں ہمارے قدموں میں رہیں۔ وہ جہاد کا نتیجہ نہیں؟ سمر قند ہمارا تھا، بخارا ہمارا تھا، تاشقند ہمارا تھا، ازبکستان ہمارا تھا، تاجکستان ہمارا تھا، قزاقستان ہمارا تھا، آذر بائیجان ہمارا تھا، اسپین ہمارا تھا، بلغاریہ ہمارا تھا، یوگوسلاویہ ہمارا تھا، آرمینیہ ہمارا تھا، سسلی ہمارا تھا، جبرالٹر ہمارا تھا، البانیہ اور اس طرح کے کئی ممالک ہمارے تھے۔ مگر آج جب روحِ جہاد مردہ ہوگئی۔ یہ سارے ممالک ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے، ہمارے رہ کر بھی ہمارے نہ رہ سکے۔ جب تک ہم جہاد کی بنیادوں کے ساتھ آگے بڑھتے رہے زندہ رہے۔

غلام احمد قادیانی جیسے افراد کے ذریعہ سے جہاد کے مفہوم کو بدلنے کی کوشش کی گئی۔ مگر اس کے ساتھ ایک اور غلطی بھی کروادی گئی کہ اس سے نبوت کا اعلان بھی کروادیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امت کی اکثریت نے بلکہ ہر فرد نے اسے مرتد قرار دیا اسے کافر قرار دیا۔ اور وہ امت پر حکمرانی نہ کرسکا جو انگریزوں نے خواب دیکھا تھا۔ اب جہاد کا مفہوم بدلنے کے لئے ایک نئی تحریک شروع کی گئی۔

اس نئی تحریک میں بھی جہاد کا ثواب دوسرے ذریعہ سے بانٹ دیا گیا ''انفروا خفافاً وثقالاً،، (پ ۱۰، ع ۱۲، آیت ۴۱) تم نکل جاؤ ہلکے اور بوجھلے بن کر کے۔ تبلیغی جماعت کے ساتھ نکل جاؤ بس جہاد کا فائدہ تمہیں حاصل ہوجائے گا۔ تم ایک چلّہ کرلو ساٹھ شہیدوں کا فائدہ ہوجائے گا۔ تم چالیس روز کے لئے نکل جاؤ اتنے فائدے ہوجائیں گے۔ انگریز نے سوچا جہاد کو نہیں بدل سکتے مفہوم جہاد کو بدل دو مفہوم جہاد کو اس کی دہلیز پر قتل کردو۔

پورے تبلیغی لٹریچر کو پڑھو جہاد کا سارا ثواب چلت پھرت کو دیدیا گیا ہے، جھوٹی روایت گھڑلی ہیں، جہاد کی جتنی بھی آیتیں ہیں وہ سب چلّوں کے حوالے کردی گئیں ہیں۔ ورنہ ان

چلّوں کے لئے قرآن میں، کوئی آیت نہیں ہے، میں چیلنج کرکے کہتا ہوں کہ ان چلّوں کے لئے کوئی حدیث نہیں ہے۔ یہ چلّے بدعت سیئہ ہیں۔ نہ عہد رسالت میں موجود تھے اور نہ عہد خلافت میں موجود تھے اور نہ عہد تابعین میں موجود تھے، نہ عہد خلفاء میں موجود تھے، نہ عہد ائمہ میں موجود تھے۔ چلوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

یہ چلّے نہیں تھے مگر جہاد کا مفہوم قادیانی نے بدلنا چاہا تو دراصل اس کے اعلانِ نبوت کاذبہ کی بنیاد پر وہ مفہوم کامیاب نہ ہوسکا۔ تو اب عملاً بدلنے کی کوشش کی گئی چلّہ کرو کامیاب ہوجاؤ گے۔ اور دیکھو اس کے لئے تمہیں بڑا خاموش رہنا ہے۔ دنیا میں کچھ بھی ہوجائے زبان نہیں کھولنا، اگر تم سنو کہ اسرائیل نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا ہے تو مسجد میں دعا کروا ے اللہ! اسرائیل کی توپوں میں کیڑے پڑجائیں۔ ظالمو! یہ زنانہ دعائیں تمہیں موت سے ہمکنار کرسکتی ہیں، یہ نامردی کی دعائیں تمہیں جہاد کی راہوں سے الگ لے جانے والی ہیں۔ تمہیں معلوم نہیں ہے۔ تم جانتے نہیں ہو، تم اس حقیقت سے آشنا نہیں ہو کہ دعائیں میدانِ عمل میں کیجاتی ہیں، دعائیں میدانِ جہاد میں کی جاتی ہیں۔ دعائیں سر کو ہتھیلی پہ لے کے کی جاتی ہیں۔ دعائیں لختِ جان پیش کرکے کی جاتی ہیں۔ دعائیں متاعِ زندگی قربان کرکے کی جاتی ہیں۔ دعائیں اپنا سب کچھ لٹاکے کی جاتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ کر دعا کرنے والا کون ہوسکتا تھا؟ کون مستجاب الدعوات ہوسکتا تھا؟ وہ اگر کعبہ کی دیواروں کے نیچے دعا کرتے تو پورا عرب مسلمان ہوجاتا۔ مگر تین سو تیرہ نہتے مجاہدین کو لے کے جب میدانِ بدر میں اترتے ہیں تو کہتے ہیں۔ اے اللہ! اب اگر یہ ناکام ہوگئے ''لم تعبد فی الارض، لا تعبد فی الارض،، (صحیح مسلم، صحیح بخاری شریف، ج ۲، ص ۵۶۴، سطر ۱۳-۱۴۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۹۳، مطبوعہ یوپی) تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔

پہلے اپنی متاعِ غلامی پیش کردی ہے۔ پہلے اپنی متاعِ عمل پیش کردی۔ پہلے اپنی متاعِ تبلیغ پیش کردی ہے پہلے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے اللہ کے راستے میں پیش کردیا

ہے۔ پھر پیغمبر جھکتے ہیں، تو ناز بندگی اس تیور میں بات کرر ہا ہے کہ پیغمبر کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا۔''لا تعبد فی الارض ،، تیری عبادت نہ ہو سکے گی،، کروڑوں محمد جو پیدا کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ ایک محمد سے نہیں کہہ سکتے آپ نہیں ہوں گے کوئی اور ہوگا۔ اس کے امتی ہوں گے۔ آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟''لن تعبد ابداً،، تیری کبھی عبادت نہ ہو سکے گی۔ یہ ختم نبوت کی دلیل ہے۔ نبی جانتے تھے نہ میرے بعد کوئی نبی آئے گا نہ کوئی امت ہوگی اس لئے میں دعا تو ضرور کرر ہا ہوں مگر یہ زندہ رہے گی اور اللہ کی عبادت اسی سے ہوگی۔

علماء سے پوچھئے یہ''لا تعبد فی الارض ،، کہنا اتنا آسان ہے مگر نازِ غلامی کہہ رہا ہے، ناز بندگی کہہ رہا ہے، افتخار نبوت بول رہا ہے۔ عظمت نبوت کا اظہار ہے۔ غیب داں رسول بول رہا ہے، مستقبل کو اپنی نگاہوں سے دیکھ کر فیصلہ کرنے والا نبی بول رہا ہے، جس کی مقدس ابروؤں سے کائنات کی تقدیر بدلتی ہے وہ بول رہا ہے، اور اس محال کو اس لئے بول رہا ہے کہ یہ واقع ہونے والا نہیں ہے اس کا علم جان رہا ہے''لا تعبد فی الارض، تیری عبادت نہیں ہوگی، اے اللہ! عبادت تو ضرور ہوگی مگر انہی غلاموں کے ذریعہ ہوگی انہی تین سو تیرہ نہتے مجاہدین کے ذریعہ ہوگی۔ حضور تو میدان بدر میں اتریں، حنین اور احد میں اپنے دندان مبارک شہید کروائیں، امیر حمزہ کا چبایا ہوا کلیجہ دیکھیں، اور یہ جہاد کا ثواب تبلیغی جماعت میں گھومنے والوں کے حوالے کردیں۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں تم روحِ جہاد سلب کرر ہے ہو۔ قوتِ جہاد سلب کرر ہے ہو، پوری دنیا میں جو تمہاری چلت پھرت کو آزادی حاصل ہے یہ اسی سازش کا نتیجہ ہے ہم نے اپنے دو مفکرین کو بلوایا تو ہزار پاپڑ بیلنے پڑے مگر تم لاکھوں کی تعداد میں دنیا میں پھر رہے ہو، دنیا جانتی ہے کہ یہ اپنی ہی موت کا سامان کرر ہے ہیں۔ یہ اپنی ہی تباہی کا سامان کرر ہے ہیں۔ یہ خود ہی کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ یہ روح جہاد مردہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ روحِ عمل مردہ کرنا چاہتے ہیں، یہ اپنے کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے انہیں پھرنے دو، یہ امریکہ جائیں مت روکو، یہ روس جائیں مت روکو، یہ عرب جائیں مت روکو، یہ دنیا میں کہیں گھومیں مت روکو، اس لئے کہ یہ مسلمانوں کا جو ہرِ عمل چھیننا چاہتے ہیں۔ روح مح...

چاہتے ہیں، فکرِ انقلاب چھیننا چاہتے ہیں۔

کبھی آپ نے تبلیغی جماعت پر اس نقطۂ نظر سے غور کیا؟ میں عرض کرنا چاہتا ہوں! پورے یورپ کو میں نے یہ فکر دی ہے، تبلیغی جماعت ایک تحریک بھی ہے اور ایک سازش بھی ہے جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں سے روحِ جہاد سلب کرلی جائے، میں جماعت اسلامی والوں کے حوالے سے بات کروں ۱۹۶۰ء میں دعوت کا ایک شمار جماعت کے دفتر سے تبلیغی جماعت کے دفتر میں پوسٹ کیا گیا اس وقت تبلیغی جماعت کے سب سے بڑے امیر زندہ تھے۔ انہوں نے اپنے قلم سے دعوت کے صفحے پر لکھا۔ اس پرچے کو ہمارے پاس نہ بھیجئے ہم اللہ والے لوگ ہیں، نہ ہمیں پڑھنے کا موقع ہے، اپنا وقت ضائع نہ کیجئے۔ ہماری عبادتیں رائیگاں نہ کیجئے۔ جماعت اسلامی کا کوئی نمائندہ موجود ہے تو میرے اس حوالے کو دیکھے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں یہ تبلیغی جماعت کرنٹ ایشوس (Current Issues) کے ذریعے سے دنیا کی نگاہیں بند کرنا چاہتی ہے۔ دروازے پہ طوفان دستک دے رہا ہو مسلمان آشنا نہ ہو، قیامتیں ٹوٹ رہی ہوں مسلمان آشنا نہ ہو، حوادثات آرہے ہوں مسلمان آشنا نہ ہو، ارتداد پھیل رہا ہو مسلمان آشنا نہ ہو۔ خاک وخون میں کھلانے کی تیاری کی جارہی ہو مسلمان آشنا نہ ہو، زمینیں لُٹ رہی ہوں مسلمان آشنا نہ ہو، آبروئیں برباد ہو رہی ہوں مسلمان آشنا نہ ہو، آپ صرف تسبیح گھماتے رہیں، آپ صرف عبادت کرتے رہیں۔ آپ صرف چلّہ کاٹتے رہیں۔ کاروبار نہ کرو عبادت کرو، جی ہاں بزنس نہ کرو عبادت کرو، جی یونیورسٹی مت جاؤ اللہ پاس کرادیگا عبادت کرو، اسباب ووسائل کی دنیا پر ضربیں لگانے والے ٹھوکریں لگانے والے، خالق اسباب کی تخلیق اسباب کی مخالفت کرر ہے ہیں۔ اس نے زندگی کی عظمتیں اسباب کی بنیاد پر ہمیں عطا فرمائی ہیں۔ یہ اسباب سے بے نیاز کرتے ہیں۔ کتنا ذہین طالب علم ہے جامیٹری پڑھ رہا ہے۔ فلسفہ پڑھ رہا ہے، ٹکنالوجی کی لائنوں میں آگے بڑھنا چاہتا ہے، دنیا کی زندہ قوموں کے برابر ہونا چاہتا ہے، ایک چلّہ دلوادیا ذہانت کا چراغ بجھ گیا ہے۔ اور کامیابیوں کے تمام راستے مسدود ہو گئے۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں موت کا سامان کرنے والے ہمارے طلبہ کو یونیورسٹیوں سے لے جاتے ہیں، ہمارے کاروباریوں کو باضابطہ بزنس سے لے جاتے ہیں، ہمارے عاملین کو عمل کے میدان سے لے جاتے ہیں، انہیں ناکارہ بنادیتے ہیں، انہیں ذلیل بنادیتے ہیں انہیں بھکاری بنادیتے ہیں، انہیں رسوا بنادیتے ہیں، انہیں ٹھوکروں میں ڈال دیتے ہیں، انہیں تباہیوں میں پہنچادیتے ہیں۔ تم سمجھتے ہو ہم کسی فرقے کے خلاف بول رہے ہیں۔

عزیزانِ ملّت اسلامیہ! جب بھی اسلام پہ ضرب لگائی جائیگی تو ضمیر مؤمن تڑپے گا، تم ان کی چلت پھرت کا جائزہ لو، تم ان کی عبادتوں کا جائزہ لو، کیا اسلام صرف نظامِ عبادت کا نام ہے؟ یہاں پڑھا لکھا طبقہ بھی موجود گا۔ مجمع میں بھی یقیناً ذہین لوگ موجود ہوں گے۔ اسلام میں عبادت ایک حصہ ہے، اسلام دراصل پورے نظامِ زندگی کا نام ہے، پورے آئینِ حیات کا نام ہے، اسلام نظامِ معاش بھی ہے، اسلام نظامِ معیشت بھی ہے، اسلام نظامِ تہذیب بھی ہے اسلام نظامِ تمدن بھی ہے، اسلام نظامِ جہاں بانی بھی ہے، اسلام ویالو دی آف لائف (Value the of life) کا نام ہے۔ اسلام آزادی کی اقدار کو نمایاں کرنے کا نام ہے، اسلام جہادِ مسلسل کا نام ہے، اسلام سعیِ پیہم ہے، اسلام تبلیغِ اعظم کا نام ہے، اسلام دنیا کے ہر میدان میں آگے بڑھنے کی بھرپور صلاحیت کا نام ہے، اسلام دراصل یقینِ محکم ہے۔

یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

یہ دراصل اسلام کی تعبیر تھی۔ مگر آج عالم یہ ہے کہ روٹھے ہوئے چہرے اور انتہائی مایوس اور بجھے ہوئے دماغ، ذہانتوں سے معریٰ صورتیں، گلیوں میں ایک مخصوص لباس پہن کر کے لوگوں کو نماز کی دعوت دے رہے ہیں۔ دعاؤں کی دعوت دے رہے ہیں۔ ایسا نظام بنایا ہے ظالموں نے کہ سوچنے کا موقع بھی نہ ملے۔ گھر سے نکلو تو یہ کرو، کھڑے ہو کر کے دروازوں پہ دعا پڑھو، پھر اسٹیشن پر کھڑے ہو کر دعا کرو، جب اترو تو دعا کرو، اس کے بعد دو گروپ میں تقسیم ہو جاؤ، آبادی کے سرمایہ داروں کے پاس جاؤ، اور اس کے بعد غریبوں کے پاس جاؤ۔ پہلا چلّہ

کرو، حلقہ بناؤ، چوبیس گھنٹے اس میں مصروف کردیا گیا ہے۔ وہ کیا جانیں کہ قیامتیں کیا چاہ رہی ہیں؟ وہ کیا جانیں کہ برق آج باضابطہ نشانہ بنارہی ہیں۔ وہ کیا جانیں کہ آشیاں لٹنے والا ہے؟

تمہیں کالی گھٹا کا بھی نہیں پہچاننا آتا
نشیمن سے دھواں اٹھتا ہے تم کہتے ہو ساون ہے

آج کے دور میں تبلیغی جماعت اسلام کے خلاف سب سے بڑی سازش ہے میں اسے دنیا کے کسی بھی میدان میں چیلنج کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ان کے اعمال ان کے چھ باتوں کی تبلیغ، اور ذہانتوں کے بجھے ہوئے چراغوں کو دکھا کر کے میں بتانے کے لئے تیار ہوں کہ یہ لوگ دراصل یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان دنیا سے بے خبر ہوجائے، آج کے دور میں معاش کی بنیاد پر تھوڑا سا یہودی پوری دنیا پر حکومت کررہا ہے، میڈیا اس کے قبضہ میں ہے، تجارت اس کے قبضہ میں ہے، ذہن اس کے قبضہ میں ہے، سائنس اس کے قبضہ میں ہے، فکر اس کے قبضہ میں ہے، فلسفہ اس کے قبضہ میں ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ چند لاکھ یہودی دنیا کے کروڑوں انسانوں پر وہ مسلمان ہوں یا عیسائی ہوں دونوں پر حکومت کررہے ہیں۔ آپ کو غلط فہمی ہے کہ امریکہ خواہ مخواہ ان کی تائید کررہا ہے، امریکہ ان کے سائنسدانوں کے سامنے گھٹنا ٹیک چکا ہے۔ ان کے ٹکنیشن کے سامنے مجبور ہوگیا ہے۔ ان کے باضابطہ میڈیا کے سامنے بے بس ہے۔ ان کی ڈسکوری (Discovery) کرنے والے اور محققین کے سامنے وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ برطانیہ میں چند لاکھ یہودی ہیں مگر پارلیمنٹ پہ ان کا قبضہ ہے چند لاکھ یہودی امریکہ میں بس رہے ہیں مگر باضابطہ ان کی لابی کے ذریعہ سے اور ان کے پریشر گروپ کے ذریعہ سے امریکی حکومت نے ہمیشہ سر جھکایا ہے، یہ دنیا میں جینے کا طریقہ ہے، مگر تمہارا یہ عالم ہے کہ تم دنیا میں آنکھیں بند کرکے جینا چاہتے ہو، جس حکومت نے تم کو رسپانسر (Responsor) کیا، جس حکومت نے تم کو دنیا بھر میں پھرایا۔ جس حکومت نے صرف برطانیہ میں چار سو تبلیغی جماعت کے مولویوں کو وظیفے بیس ہزار پونڈ پر اِیر (Per year) کے اعتبار سے دیا۔ اس حکومت پر جب وقت آیا تو امریکہ وہاں تحفظ کے لئے آیا، مگر خود اس حکومت کے لوگ اسلحہ

استعمال کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ وہ عیاشیاں کر رہے ہیں، اس لئے کہ جو ذہن تم نے بنایا ہے وہ ذہن مجاہدانہ ذہن نہیں ہے، موت کی طرف لے جانے والا ذہن ہے، اسلام نظام عبادت بھی ہے مگر نظام جہاد بھی ہے، جب عبادت اور جہاد ساتھ ساتھ چلتے تھے تو مسلمان کامیاب تھا۔ لیکن جب عبادت سے جہاد کو الگ کر دیا گیا تو عبادت موجود رہی مگر مسجدیں لٹتی رہیں، عبادت موجود رہی، غرناطہ تباہ ہوتا رہا عبادت موجود رہی، سسلی کا سہاگ لٹتا رہا، عبادت موجود رہی تاشقند کمیونیزم کے قبضے میں جاتا رہا، عبادت موجود رہی مرقد بخاری پر دوسروں کا قبضہ رہا عبادت موجود رہی، اصول الشاشی کے مصنف کے آثار مٹا دیئے گئے، عبادت موجود رہی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے وطنِ اصلی پر غیروں کا قبضہ ہوگیا۔ میں کہتا ہوں عبادت موجود رہی مگر حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت چرخی رحمۃ اللہ علیہ کے وطن پر پون صدی تک دوسروں کا قبضہ رہا۔ آج پھر وہ ممالک آزاد ہو رہے ہیں۔ ہمیں بحیثیت مسلمان سوچنا ہے۔ ہماری وہ پانچ ریاستیں جو کیمونزم کے اقتدار سے الگ ہو رہی ہیں، ان میں ہمیں کیا کرنا ہے؟ ان میں ہمیں کیا سوچنا ہے؟ کن راہوں پہ چلنا ہے؟ یہ ایک مستقل ٹاپک ہے، دراصل ایک تحقیقی موضوع جس کو میں آج اور کل میں مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ میں سوچا تھا کہ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں پر آج تفصیلی گفتگو ہو جاتی۔ مگر جناب یعقوب ذکی صاحب نے میرے رہوارِ فکر کو مہمیز دی ہے اور ایک نئی راہ پر ڈال دی ہے، انشاء اللہ کل میں ان سے گفتگو کروں گا۔ میں بتا رہا تھا اور یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ ذرا سوچو! ۱۸۵۷ء میں پوری دنیا میں صرف ایک مسلک اہل سنت ہے۔ پوچھو ان غیر مقلدوں سے کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے تمہارا کوئی جماعتی وجود تھا؟ ان وہابیوں سے پوچھو ۱۸۵۷ء سے پہلے تمہارا کوئی وجود ہے؟ ان سے پوچھو اس وقت سے پہلے جو بھی تھے وہ ہم تھے۔ میں کہنا چاہتا ہوں اگر تم انگریزوں کی سازشوں کو بنیاد بنانا چاہو تو آؤ فیصلہ کر لو ۱۸۵۷ء سے پہلے برصغیر میں مسلمانوں کا جو عقیدہ ہے اس پر ہم بھی متفق ہو جائیں اور تم بھی متفق ہو جاؤ۔
یہ چیلنج میں نے برطانیہ میں بھی دیا ہے، دنیا کے دوسرے علاقوں میں بھی دیا ہے، وہ فتنے جو

انگریزوں نے پیدا کئے ہیں اب تو وہ کھل کے خود بھی کہہ رہے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد یہاں فتنے پیدا کئے گئے اور علماء حق کو سولیاں دی گئیں، اور اسی کے بعد عرب کی تقسیم کا منصوبہ بھی بنایا گیا۔
لارینس آف عربیہ (Lawrence of Arabia) تاریخ کا بڑا ہی نامور انسان ہے، بڑا ہی مشہور منافق، بڑا ہی عظیم دجّال، عربوں کو عربیت کا شعور دینے والا، اور عربی قومیت پر مائل کرنے والا اور ٹرکی کے خلاف اعلانِ بغاوت کرنے والا لارینس آف عربیہ (Lawrence of Arabia) آج بھی برطانوی تاریخ میں باضابطہ طور پہ زندہ ہے۔
آپ اچھی طرح جانتے ہیں یہ شخص کون تھا؟ بات دراصل یہ ہوئی کہ ترکی سے خوف ہمیشہ یورپ کو رہا ہے۔ یورپ کی بعض حکومتوں میں بادشاہوں سے بوقت بادشاہت عہد لیا جاتا تھا کہ ہم ٹرک کو قتل کریں گے، ہم ٹرکیوں سے لڑیں گے۔ یہ باضابطہ بادشاہ بنتے ہوئے عہد لیا جاتا تھا۔ اس لئے کہ ٹرکی نے یورپ کے دل پر قبضہ کر لیا تھا۔ مشرقی یورپ ٹرکیوں کی تخت وتاراج کے اندر تھا، ٹرکیوں کی بڑھتی ہوئی رفتار کو روکنے کے لئے پورے یورپ نے سوچا ٹرکی کے دست و پا توڑ دیئے جائیں۔ عربوں کو کہا جائے تم عرب ہو پیغمبر تم میں آئے تھے، ترکی والوں کو حکومت کرنے کا کیا حق ہے؟ اور انہیں اسلحہ سپلائی کئے جائیں جیسا کہ اس وقت کیا گیا۔
نتیجہ یہ ہوا کہ لارینس آف عربیہ(Lawrence of Arabia) نے قبائل کا دورہ کیا۔ نجد کا دورہ کیا عراقی قبائل کا دورہ کیا، مصری قبائل کا دورہ کیا اور ان کو بتایا، ان کو ذہن دیا کہ تمہیں ٹرکی کی غلامی سے نکلنا ہوگا۔ ہم اسلحہ سپلائی کریں گے، چنانچہ فرانس نے اسلحہ دیا۔ یقین مانو برطانیہ اسلحہ دیتا رہا اس کے بعد باضابطہ انہیں خلافت اسلامیہ کے خلاف آمادہ کیا گیا۔ بھول گئے ہو محمد علی جوہر کو؟ بھول گئے ہو شوکت علی کو؟ ان سے پوچھو، ان کی کتابوں کا مطالعہ کرو، ان کی تحریک کا مطالعہ کرو کہ جب سعودی پر قبضہ ہو رہا تھا۔ مزارات ڈھائے جا رہے تھے تو یہ روتے ہوئے گئے تھے کہ ایسا مت کرو۔ یہ بریلی کے خانوادے کے لوگ نہیں تھے۔ بات دراصل یہ ہے کہ بعد میں تمہارے ضمیروں کو پیسے سے خرید لیا گیا ہے۔ مگر اس وقت اتنا پیسہ نہیں تھا کہ محمد علی جوہر کو خریدا جا سکتا، شوکت علی کو خریدا جا سکتا۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! خلافتِ تحریک کی رپورٹ پڑھو، اس زمانے کے مسلمانوں کے اضطراب کا جائزہ لو، تمہیں معلوم ہوگا کہ پھر وہ وقت آیا، وہ زمانہ آیا کہ پورے عرب میں بغاوت کی فضا دوڑا دی گئی اور کہا گیا ہم عربی ہیں ترکیوں کو نکالیں گے۔ چنانچہ اب مصر سے اقتدار ہٹانے کی کوشش کی گئی۔ عراق سے کی گئی، حجاز میں فتنہ برپا کیا گیا، مگر حجازی پھر بھی مسلمان تھا، نجدیوں میں بھی کہیں کہیں اسلامی حس موجود تھی۔ جب وہ کسی مسلمان کو گولی مارتے تو وہ یا اللہ! کہہ کر جاتا تو وہ کہتے وہ تو یا اللہ کہہ رہا ہے اور ہم سے کہا گیا تھا کہ ہم کافروں سے لڑ رہے ہیں۔ ہم ان سے نہیں لڑیں گے۔ کئی مرتبہ قبائل نے تلواریں پھینکیں۔ تو مرے ہوئے عبدالوہاب نجدی کی تحریروں کو دوبارہ سعودی اقتدار کے تحت زندہ کیا گیا۔ اور یہ کہا گیا کہ مکہ اور مدینہ میں بسنے والے، بغداد اور مصر میں بسنے والے یہ مشرک ہو گئے ہیں۔ تم جہاد مسلمانوں سے نہیں کر رہے ہو مشرکوں سے کر رہے ہو، یہ فتویٰ انگریزوں کی سازش کی بنیاد پر دیا گیا تھا۔ جو آج بھی دیا جا رہا ہے۔

مگر قربان جائے ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کا عقیدہ بدلنے کی کوشش کی جانے والی تھی، اللہ تعالیٰ نے مجدد مائۃ حاضرہ کو ۱۸۵۶ء میں پیدا کر دیا، تاکہ جو بدلنے والے ہیں بدل جائیں مگر جو حق پہ رہنے والے ہیں امام کے سایہ میں زندہ رہ سکیں۔

ڈاکٹر یعقوب ذکی نے فرمایا کاش ۱۹۲۱ء کے بعد پچیس چھبیس تک اعلیٰحضرت ہوتے تو یقیناً ترکی کے خلاف اٹھنے والی قوت کے سلسلے میں کچھ کر سکتے۔ مگر میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ ایک ایسا طوفان تھا جسے اٹھنا ہی تھا، جسے برپا ہونا ہی تھا۔ جہاں تک عقیدے اور نظریہ کے تحفظ کی بات ہے اعلیٰحضرت گئے تو مفتی اعظم ہند چھوڑ گئے جو آج بھی بچا رہے ہیں اور کل بھی بچاتے رہیں گے۔ اعلیٰحضرت زندہ ہیں چھبیس کے بعد بھی مفتی اعظم کی شکل میں، اعلیٰحضرت زندہ ہیں آقائے نعمت کی شکل میں، اعلیٰحضرت زندہ ہیں ان کے مقدس طلبہ کی شکل میں، ان کے ماننے والوں کی شکل میں اور اب دنیا حقیقتوں سے آشنا ہو رہی ہے۔ ابھی جب برطانیہ کے لوگوں نے پوچھا کہ تم سعودی عرب کو بچانے کیوں چلے گئے؟ تو باضابطہ انہوں نے ایک فلم دکھائی ڈاکومنٹری فلم، جس

میں سعودی بادشاہوں اور ان کے خانوادہ کے مشاہدہ کا اظہار کیا گیا باضابطہ پروف (Proof) کے ذریعہ سے تم چاہو گے تو میں باضابطہ وہ کیسٹیں بھجوا دونگا۔ میں اس میں کام کر رہا ہوں۔ اور بہت جلد ایک بڑی ہی تہلکہ خیز کتاب سعودی، یہودی، اور انگلش روابط پر آنے والی ہے۔ باضابطہ ڈاکومنٹری سے، کہ ہمارا یہ فرض ہے۔ ہمارا ان سے یہ معاہدہ ہے۔ کہ تم سعودی میں کوئی بھی کام ہماری مرضی کے مطابق نہ کروگے اور جب بھی تم پہ کوئی آفت آئے گی پورا برطانیہ اور پورا امریکہ تمہارا ساتھ دیگا، یہ معاہدہ ہے وہاں جو کچھ بھی ہوگا وہ امریکہ کی مرضی کے مطابق ہوگا، یہی وجہ ہے کہ بعض مصنفوں نے سلطان نجد کی تاریخ مرتب کی ہے، اور انہوں نے لکھا ہے کہ موجودہ بادشاہ کے پردادا کو اس زمانے میں پانچ ہزار پاؤنڈ برطانوی حکومت سے وظیفہ ملتا تھا، جب وہ ایک قبائلی کی حیثیت سے زندگی گذارتا تھا اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

عزیزانِ ملّت اسلامیہ! آج بھی برطانیہ پولیٹیکل اسائلم کے نام پر، دوسری چیزوں کے نام پر، دنیا کے باغیوں کو پناہ دیئے ہوئے ہیں۔ اس زمانے میں بھی جہاں جہاں سے اسلام کے خلاف بغاوت ہوسکتی تھی انہیں وظیفہ بھی دیا جاتا تھا۔ اور پناہ بھی دی جاتی تھی اور بعد میں اسلحے بھی دیئے جاتے تھے۔ یہ وہ حقائق ہیں جس سے برطانیہ انکار نہیں کرسکتا۔

عزیزانِ ملّت اسلامیہ! نتیجہ یہ ہوا کہ باضابطہ لارنیس آف عربیہ کے برپا کئے ہوئے طریقے سے حکومتِ ترکی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ عراق الگ ہوگیا۔ کویت الگ ہوگیا، مصر الگ ہوگیا، دمشق الگ ہوگیا، حجاز الگ ہوگیا، اور پھر ان میں بھی باضابطہ ایک دوسرے کو لڑایا گیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ قوم جو دنیا کی امامت کرسکتی تھی وہ اپنے زمانے کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ یہ ایک بات۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ انگریز یہ جانتا تھا کہ مسلمان ایک ایسی طاقت رکھتا ہے کہ جس کے نام پر پھر متحد ہوسکتا ہے۔ اور وہ عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جذبہ ہے، وہ عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طاقت ہے۔ یہ انگریز جانتا تھا، چنانچہ فرانس میں مسلمانوں کے دورِ زوال میں ایک کانفرنس ہوئی تھی مستشرقین کی۔ اس کانفرنس میں فرانسیسی مستشرقین نے کہا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ مسلمان زوال پذیر ہونے کے بعد بھی آگے بڑھتا ہے۔

یہ ایک بڑا سوال ہے۔ خاص طور سے مؤرخین کے لئے اور تاریخ دانوں کے لئے غور سے سنئے اور اگر آپ لطیفوں کے سننے کے عادی ہیں تو میں اب لطیفہ کہنا بھول گیا ہوں۔ پہلے بھی نہیں کہتا تھا اور اب تو جو بھی تھوڑی بہت حس ہے حالات نے اسے کچل دیا ہے۔ ایک رونے والے سے لطیفہ سنو گے؟ جو ٹکڑے ہورہا ہو اس سے تم کہانیاں سنو گے؟ میں اب اس قابل نہیں رہ گیا ہوں، اس لئے غور سے اگر میری بات سن سکتے ہو تو سنو! میں تمہیں کچھ مطالعہ پیش کرسکوں اور تمہارے لئے مطالعہ کے ہزاروں دروازے کھول سکوں۔ دیکھو فرانسیسیوں نے یہ سوچا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ان کے سامنے تاریخ کے کچھ حوالے تھے انہوں نے یہ کہا کہ ایک تہذیب جب سیاسی موت مرجاتی ہے تو پھر نہیں ابھرتی، یونان اپنی سیاسی موت مرگیا پھر نہیں ابھرا، کنفیوشش کا چین اپنی سیاسی موت مرگیا مگر اس کی تہذیب پھر نہیں ابھری، اوستا کا ایران اپنی تہذیبی موت مرگیا پھر نہیں ابھرا، ارسطو اور سقراط کا ملک اپنی فکری موت مرگیا مگر نہیں ابھرا، مصر کی فراعنہ کی تہذیب مرگئی پھر نہیں ابھرسکی، اور اسی طرح سے ایک اور ملک ہے جہاں بہت کچھ لکھا گیا مگر فکری موت کے بعد پھر نہیں ابھرسکا۔

تو جب دنیا میں ہمیشہ ایسا ہوتا آیا ہے کہ ایک ملک ایک قوم جب اپنی تہذیبی اور فکری موت مرجاتی ہے تو پھر نہیں ابھرتی۔ تو اسپین کے زوال کے بعد مسلمانوں کو مرجانا چاہئے تھا۔ بغداد کے ہلاکو کی تباہی کے بعد مسلمانوں کو مرجانا چاہئے تھا، دلّی کا سہاگ اجڑنے کے بعد مسلمانوں کو مرجانا چاہئے تھا۔ مگر یہ کیا معاملہ ہے کہ جس صدی میں ۱۴۹۱ء میں اسپین میں زوال ہورہا ہے۔ جاوا اور سماٹرا کی مملکتیں اسلام کی آغوش میں داخل ہوتی جارہی ہیں۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا تم دباؤ گے
جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

(کلیاتِ اقبال، بانگِ درا، ص ۲۷۳)

اسپین مسلمانوں کا مرکز تھا مگر وہاں زوال ہورہا ہے۔ اس سے بڑی مملکت انڈونیشیا دنیا کی اسلامی نقشے میں ابھر رہی ہے آج دنیا کی سب سے بڑی مملکت ہے۔ کوئی محمد بن قاسم نہیں پہونچا۔ کوئی طارق ابن زیاد نہیں پہونچا، کوئی حضرت خالد ابن ولید نہیں پہونچے، اس سرزمین پر کوئی فاتح نہیں پہونچا، اس سرزمین پر صرف اسلام پہونچا، تاجروں کے ہاتھ میں مالِ تجارت تھا یا قرآن تھا، اس کے ذریعہ سے اتنی بڑی مملکت وجود میں آئی۔ حیرت زدہ ہوگئے؟ اسپین کے زوال کے بعد تو ٹوٹ جانا چاہئے۔ مگر یہ کیا کہ اسلام پھیل رہا ہے۔ بغداد جب بکھرا تھا تو سعدی نے مرثیہ لکھا تھا۔

آسمان را حق بود گر خوں ببارد بر زمین
بر سقوط ملکِ مستاں شم امیر المؤمنین

یہ بشری لب ولہجہ ہے آپ لوگ مذاق نہ اڑائیے گا۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ ذرا سوچو اور غور کرو کہ سعدی نے مرثیہ لکھ دیا تھا اور بغداد کو دفن کردیا تھا، مگر پچیس سال نہیں گذرا۔ جنہوں نے بغداد کے ہاتھوں میں زنجیریں ڈالی تھیں۔ دریائے دجلہ میں مسلمانوں کا خون بہایا تھا، انہی لوگوں نے اسلام کی زنجیر پہن لی۔

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

جو کعبہ کو ڈھانے کا فیصلہ کررہے تھے وہی کعبہ کے تحفظ کے لئے تیار ہوگئے۔ دنیا حیرت زدہ ہے کہ اسلام سیاسی اعتبار سے بھی ٹوٹتا ہے، تلوار بھی ٹوٹتی ہے، اقتصادی اعتبار سے بھی مرتا ہے، پھر بھی آگے بڑھ رہا ہے۔ اور بھی ایسے واقعات ہوئے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے میں یہاں آنے سے پہلے فرنکفرٹ گیا تھا۔ فرنکفرٹ میں میں نے ایک اسلامک سنٹر کی بنیاد رکھی ہے، انشاء اللہ بہت جلد بن جائیگا۔ مغربی جرمنی میں یہ فتنہ بہت آگے بڑھ گیا ہے قادیانیوں کا۔ وہاں اتفاق سے انڈیا اور پاکستانی مسلمان چار ہزار ہیں اور قادیانی پولیٹکل آسائلم لے کر کے آٹھ دس ہزار پہونچ چکے ہیں۔ ایک بہت بڑا چیلنج ہمارے سامنے ہے۔

وہاں ہم نے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس ادارے کے قیام کے سلسلے میں وہاں گیا تو پتہ چلا کہ امریکہ کے کالے فوجی جو برطانیہ میں تقسیم برلن کے زمانے سے موجود ہیں، کمیونیزم نے جب آدھا برلن تقسیم کروالیا تھا اس کے زمانے سے امریکہ کی ریزروفورسیس (Reserve Forces) برلن کی حفاظت کے لئے باضابطہ جرمنی کے مختلف ممالک موجود ہیں اور فرنکفرٹ میں بھی ان کا ایک مرکز ہے، وہاں کچھ کالے مسلمان آئے اور انہوں نے مجھے تقریر کی دعوت دی۔ میں گیا تو معلوم ہوا کہ بغداد کی جنگ کے بعد کم وبیش ڈیڑھ سو کالے فوجیوں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

میں روتا رہا۔ میں بے قرار رہا، میں ان کالوں کو دیکھتا رہا۔ میں نے کہا کہ زوال کے بعد تو لوگ ٹوٹی ہوئی تلوار کا ساتھ نہیں دیتے۔ تم نے ایسے وقت میں کیسے اسلام قبول کرلیا۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے محسوس کرلیا ہماری رگوں کا خون پٹروڈالر کے لئے باضابطہ طور پہ چوسا گیا ہے اور بہایا گیا ہے۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! ''اسلام پھیل رہا ہے،، اس ٹاپک پر کانفرس ہوئی۔ سونچنا یہ تھا کہ اسلام کیوں پھیل رہا ہے؟ تلواریں ٹوٹتی ہیں۔ ملک تباہ ہوتے ہیں۔ بغداد اور غرناطہ اور دلی اجڑتے ہیں اور اسلام پھیلتا ہے؟ تو سبھوں نے مل کر کے جو نتائج اخذ کئے وہ بتا رہا ہوں۔ پس انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کے پاس ایک ایسی طاقت ہے جس کا دنیا کے کسی بھی مذہب میں کوئی جواب نہیں، دنیا کا ہر مذہب صرف دماغ رکھتا ہے۔ مگر مسلمان دل بھی رکھتا ہے۔ اور انقلابات دماغ سے نہیں۔ نقشے انقلاب کے تیار کئے جاسکتے ہیں۔ مگر جب بھی کسی ضمیر پر انقلاب آتا ہے تو دیوانوں سے آتا ہے، دل کے ذریعہ سے آتا ہے، اور مسلمان چونکہ محبت بھرا دل رکھتا ہے اس لئے مرنا بھی جانتا ہے۔ قربان ہونا بھی جانتا ہے۔ انہوں کہا ذرا اس کی مثال دیکھو۔ عیسائی جس ملک میں گیا اپنا نام بدل دیا۔ ہندوستان میں آیا تو رام کرشن نام ہوگیا۔ پاکستان میں گیا تو عبداللہ اور عبدالمسیح نام ہوگیا۔ مگر وہ کہتے ہیں مسلمانوں کا یہ عالم ہے اپنے نبی سے محبت کا، اپنے نبی سے تعلق کا، وہ دنیا میں جہاں بھی بس رہا ہو اس کا نام غلام محمد ہوتا

ہے، عبدالنبی ہوتا ہے، عبدالرسول ہوتا ہے، جو اپنے نبی سے اپنے نام کی نسبت نہ توڑ سکے وہ اپنے دل کی نسبت کیا توڑ سکے گا؟

انہوں نے کہا کہ اگر انہیں بے جان کرنا ہے تو ان کے دلوں سے محبت مصطفیٰ نکالنی ہوگی۔ ایک جو قوتِ ماسکہ ہے، ایک مرکزِ ثقل ہے، ایک جو جمع ہونے کی صلاحیت ہے۔ ٹرکی کا مسلمان وہ بھی نعت میں وہی کہہ رہا ہے جو امام احمد رضا کہہ رہے ہیں ابھی آپ نے سنا۔

امام بوصیری وہی کہہ رہے ہیں جو بریلی کا ایک تاجدار کہہ رہا ہے۔ یہ جو ایک جذبہ ہے، ایک عاطفہ ہے، ایک وجدان ہے، ایک شعور ہے، ایک فکری روایت ہے، اور دل کا ایک بہاؤ ہے، اس پر قابو کرنا ہوگا۔ جب تک ان کے اندر عشقِ مصطفیٰ کی شمع جلتی رہے گی اس وقت تک ان پر قابو نہیں پایا جاسکتا۔ یہ اپنے رسول کے نام کے اور ان کے دین کے دیوانے ہیں۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں یہ فرانسیسی مستشرقین نے بھی کہا تھا۔ یہ تو بڑے عالی دماغ لوگ تھے نا؟ مگر عرب کے کافروں نے بھی یہی بات کہی تھی۔ یاد ہے جب اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، قیصر وکسریٰ کے خزانے تمہارے ہاتھوں میں آجائیں گے۔ تو عرب کے کافروں نے اپنے ایک ذہین آدمی کو سرکار کی بارگاہ میں بھیجا۔ وہ ذہین آدمی قیصر کے دربار میں بھی گیا تھا اور کسریٰ کے دربار میں بھی گیا تھا۔ جب وہ سرکار کے دربار میں پہونچا تو بھیجا اس لئے گیا تھا تا کہ وہ سرکار کی فوجی قوت کا جائزہ لے۔ کہ اسلحے تعمیر کرلئے ہیں، قلعے بنالئے ہیں، سامانِ حیات منتخب کرلیا ہے، فوج بہت بڑی تیار کرلی ہے، پیغمبر صحرانشیں بوریانشیں قیصر وکسریٰ کی صدیوں کی حکومت کے پرخچے اڑانے کی بات کس طرح کررہا ہے؟ یہ جائزہ لینے کے لئے ایک شخص گیا تھا۔ جب وہ مسجد نبوی کے قریب پہونچا تو اذان ہورہی تھی۔ لوگ اذان کی آواز سن کر دیوانہ وار مسجد کی جانب جارہے تھے، اور سرکار وضو کررہے تھے۔ اس نے دیکھا کہ سرکار وضو کررہے ہیں تو وضو کا کوئی قطرۂ آب زمین پر نہیں گرتا لوگ اسے چہروں پہ مل لیتے ہیں، آنکھوں میں لگالیتے ہیں۔ ہاتھ میں اٹھالیتے ہیں۔ وہ قطرہ زمین پر نہیں گرتا لوگ اسے گامزن حیات میں سجالیتے ہیں۔ زندگی کے طاقِ محفوظ میں رکھ لیتے ہیں۔ وہ واپس آگیا صرف یہ دیکھ

کے واپس آ گیا۔اور اس نے اپنی قوم سے کہا کہ محمد عربی یقیناً کسریٰ کو بھی فتح کر لیں گے اور قیصر کو بھی۔کیا بہت بڑی فوج اکٹھا کر لی ہے؟ کہا نہیں۔کیا بہت بڑی طاقت اکٹھا کر لی ہے؟ کہا نہیں۔کہا پھر کیسے فتح کر لیں گے؟ کہا اس لئے کہ میں نے قیصر و کسریٰ کو دیکھا ہے کہ جب تک وہ تخت پر ہوتے ہیں احترام ہوتا ہے تخت سے اتر جاتے ہیں تو سلائیاں پھیر دی جاتی ہیں۔

شہاں کہ کحل جواہر تھی خاکِ پا جن کی
انہی کی آنکھوں میں پھرتی سلائیاں دیکھی

مگر میں نے مدینہ میں پیغمبر کو دیکھا ہے جنہوں نے تخت نہیں بچھایا ہے، کرسی نہیں بچھائی ہے، چٹائی پہ بیٹھے ہیں بوریا نشین ہیں۔مگر جب وضو کرتے ہیں تو ہر قطرہ صحابہ کی آنکھوں میں چلا جاتا ہے۔پیمانہ نگاہ سے پی لیتے ہیں، پیمانہ نظر سے پی لیتے ہیں۔

تو سنو جو قوم اپنے نبی کے وضو کا پانی نہیں گرتا ہوا دیکھ سکتی وہ اپنے نبی کا خون بہتا ہوا کیسے دیکھ سکتی ہے؟ محمد عربی نے دیوانے پیدا کئے ہیں۔دنیا فرزانوں سے ٹکرا سکتی ہے۔مگر دیوانوں سے نہیں ٹکرا سکتی۔دنیا کا فرزانہ چلا کرتا ہے تو راستہ بھول جاتا ہے۔مگر دیوانہ چلا کرتا ہے تو جہاں بیٹھ جاتا ہے منزل بن جایا کرتی ہے، جن راہوں سے گذرتا ہے وہ راہیں شاہراہِ حیات بن جایا کرتی ہیں۔

دیوانگانِ عشقِ محمد کو دیکھ کر
گھبرا گئی ہے گردشِ دوراں کبھی کبھی
گردن میں ہار ڈالے ہیں ماہ و نجوم نے
گذرا ہے ان حدوں سے مسلماں کبھی کبھی

دنیا کا دیوانہ چلا کرتا ہے تو راستہ بھول جایا کرتا ہے، مگر رسول اللہ کا دیوانہ چلا کرتا ہے تو حوادثاتِ زمانہ کترا جایا کرتے ہیں۔اس لئے اب ان پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔

اور سنو! ایک اور تاریخ ہے۔جب فرڈینینڈ نے اسپین کو تباہ کرنا چاہا تو اس نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ ایک نیم دیوانہ کو غرناطہ کی سڑک پر کھڑا کر دیا، اور اس سے کہا کہ محمد عربی کی

توہین کرو۔اس نے سرکار کے خلاف نازیبا کلمات کہے، دانشور گذرے اور کہا گذر جانے دو فریڈم آف اسپریشن (Freedom of Exeression) کا زمانہ ہے اظہار خیال کی آزادی ہے۔بک رہا ہے دیوانہ ہے لوگ گذر گئے۔کسی نے اس دیوانے کا دامن نہیں تھاما۔کہ تمہیں کیا حق ہے کہ پیغمبر اسلام کے خلاف کچھ بولو۔فرڈینڈ نے سمجھ گیا کہ یہ ضرب لگانے کا وقت ہے۔دلوں میں روحِ محمد مرگئی ہے اب حملہ کرو غرناطہ قدموں میں ٹوٹ کے گر جائیگا۔

سلمان رشدی کے مسئلے کو تم نے کیا کوئی معمولی واقعہ سمجھا ہے؟ کیا تم نے سلمان رشدی کی بڑھ (بکواس، مجنونانہ باتیں) سمجھی ہے؟ بغداد کی تباہی کا نقشہ تیار کیا جا چکا تھا، عرب کے وسائل کو سمیٹنے کا فیصلہ کیا جا چکا تھا۔صرف مسلمانوں کا ایمانی ٹمپریچر (Temperature) ناپنا تھا، بخار ناپنا تھا، ایمانی بخار، عشق مصطفیٰ ناپنا تھا۔سلمان رشدی سے گستاخی کروائی گئی۔عرب کی حکومتیں خاموش رہیں، کویت خاموش رہا، سعودی عرب خاموش رہا، کویت نے چودہ فیصد سرمایہ پر گوئین سے نہیں نکالا۔ہم چیختے رہ گئے انڈیا کا مسلمان مرتا رہ گیا۔پاکستان کی عوام مرتی رہ گئی مگر عربوں نے کچھ نہیں سمجھا کچھ نہیں کیا سمجھ گئے یہ لوگ کہ جو اپنے نبی کی آبرو پر جمع نہ ہو سکے وہ عراق پر کیا جمع ہو سکیں گے اور پھر وہ ضرب لگائی کہ ختم کر دیا۔

اسپین میں بھی دیوانے سے گستاخی کروائی گئی۔برطانیہ میں بھی گستاخی کروائی گئی۔اور یہ سوچ لیا گیا کہ عشق مصطفیٰ کو ناپ لو، زندہ ہے تو مت چھیڑو دیوانوں کو، مرگئے ہیں تو انہیں لوٹ لو۔

اب میں پوچھنا چاہتا ہوں۔اعلیٰحضرت عشق مصطفیٰ کے داعی ہیں تو ہمارے جہاد کے داعی ہیں، ہماری زندگی کے داعی ہیں، ہماری اقتدار کے داعی ہیں، ہماری شوکت کے داعی ہیں، ہماری قوت کے داعی ہیں، ہماری عظمت کے داعی ہیں، ہماری بلندی کے داعی ہیں، ہمارے وقار کے داعی ہیں۔

یہ وہ دعوت دینا چاہتے ہیں جس سے ہم زندہ رہیں۔ڈاکٹر اقبال بریلی میں نہیں پیدا ہوا تھا۔بولو ہوا تھا؟ ابھی جرمنی سے اس نے ڈگری لی تھی، ابھی میں دیکھ آیا ہوں۔اس کے کلاس کو، اس کے بعض پرانے آثار کو اس نے یورپ میں تعلیم حاصل کی تھی۔مگر یورپین قوموں

کامزاج پڑھنے کے بعد کہا تھا۔

یہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دیکے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

یہ روحِ محمد عشقِ محمد ہی ہے۔عشقِ محمد جب نکل جائیگا تو اسلام حجاز سے بھی نکل جائے گا۔اور یمن سے بھی نکل جائیگا۔عشق محمد ہماری زندگی کی ضمانت ہے،عشق محمد ہماری کامیابی کی ضمانت ہے، جہاد اور عشقِ رسول۔

اب آپ ذرا سوچو! مسلمان اپنے دور غلبہ میں جہاد سے آگے بڑھتا تھا۔اور دورِ مغلوبی میں تبلیغ سے انہوں نے دونوں پر قبضہ کیا تبلیغ کی چلت پھرت کو جہاد کہہ دیا۔اور تبلیغ ہم کافروں میں کرتے تھے، یہ مسلمانوں کا دروازہ کھٹکھٹانے لگے۔رخ بدل دیا گیا ہے تبلیغ کا، کافروں سے بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اپنے ہی گھروں کو کھودتے اور بناتے رہو۔نتیجہ یہ ہے کہ ان کی سرحدیں محفوظ ہیں اور ہمارا قافلۂ حیات رک گیا ہے۔ہمیں اپنا اندازِ فکر بدلنا ہوگا ہمیں اپنا طرز حیات بدلنا ہوگا۔ہمیں اپنا طرزِ زندگی بدلنا ہوگا۔کل میں اس مضمون کو سرکار مفتی اعظم ہند کی حیات پر مکمل کروں گا۔کل میں اپنے ساتھیوں سے چاہوں گا کہ مجھے ذرا پہلے وقت دیدیا جائے تا کہ جاگتا ہوا مجمع ملے۔انشاءاللہ! اس لئے کل تک کے لئے خدا حافظ۔

☆☆ وما علینا الا البلاغ ☆☆

☆☆☆

منظوم تعارف علامہ محمد قمر الزماں خاں صاحب اعظمی

﴿معتمد ورلڈ اسلامک مشن لندن﴾

بحین دورۂ حیدر آباد

گلستان ایمان قمر الزماں خان — کروڑوں کا ارمان قمر الزماں خان
مفکر، مدبر، محقق، مقرر — حسیں تر مسلمان قمر الزماں خان
مدینہ و باب العلوم کا ہیں فیضان — ہیں تفسیر قرآن قمر الزماں خان
رسالت کے ہیں ترجمان مکرم — ولایت کا دامان قمر الزماں خان
وہ جن جن سے اسلام ہر گوشہ چمکا — ان اسلاف کی شان قمر الزماں خان
ولایت کی تنویر دامن میں لے کر — ہیں مینارِ عرفان قمر الزماں خان
ہے اب شمعۂ سنیت ان سے روشن — عقیدت کا سامان قمر الزماں خان
وبا بدعقیدت کی جو پھیلتی ہے — ہیں اب اس کا درمان قمر الزماں خان
فضاؤں کو لندن کو ضو دینے والے — دکن میں ہیں مہمان قمر الزماں خان
چمک جائے گی ان سے تاریخ دوراں — ہیں اب اس کا عنوان قمر الزماں خان
وہ عیسائی دنیا میں تبلیغ اسلام — بنے اس کا سامان قمر الزماں خان
بہت ناز کرتے ہیں ہم اہل سنت — ہماری ہیں پہچان قمر الزماں خان
یہ ثاقب کی ندرِ عقیدت ہو مقبول — کرو اس پہ احسان قمر الزماں خان

☆☆☆

نتیجۂ فکر

محمد امان علی ثاقب صابری وقادری حیدرآبادی